James Morier

قصہ حاجی بابا اصفہانی
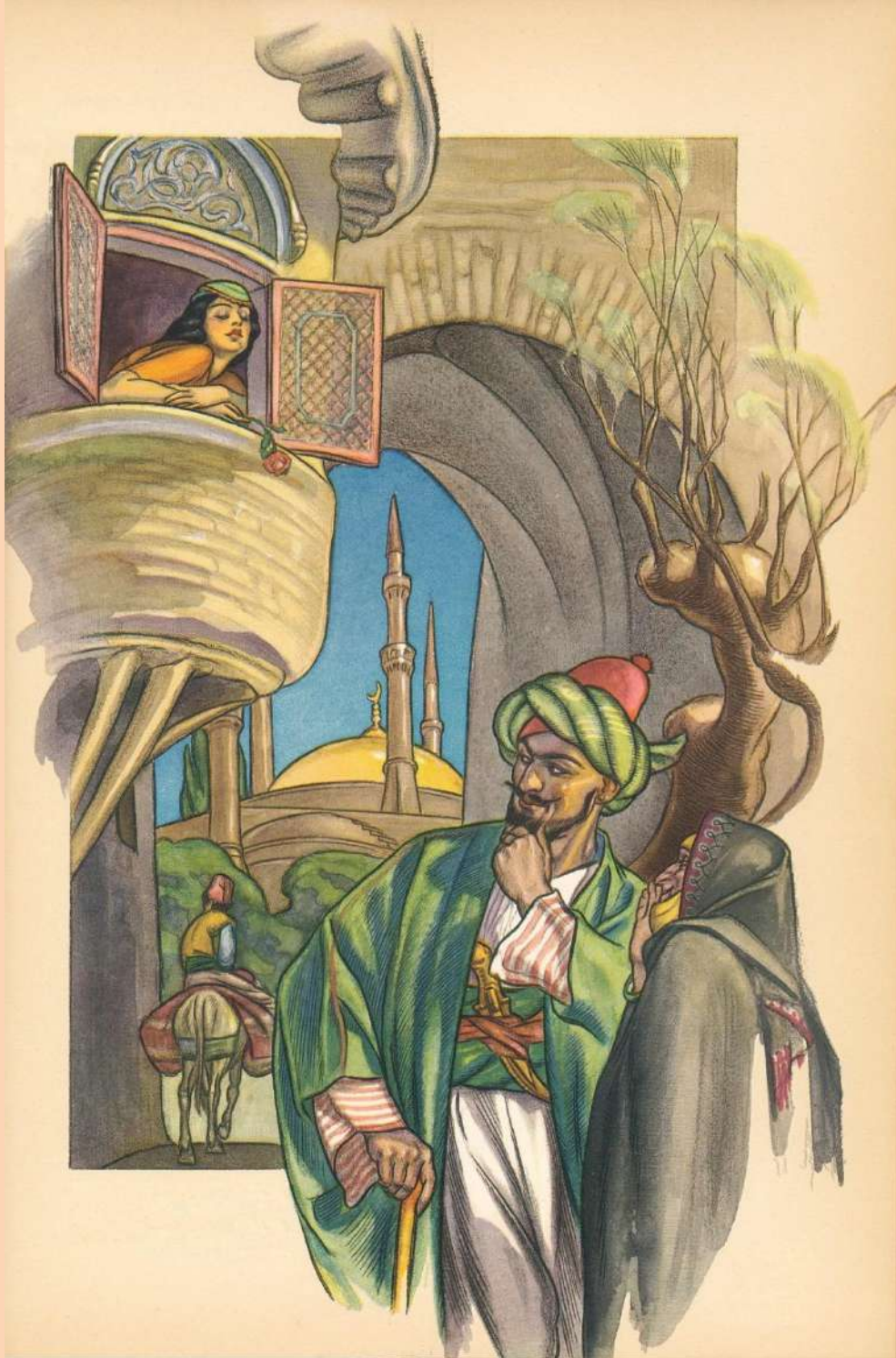
مترجم مرزا حیرت دہلوی

کتاب	قصۂ حاجی بابا اصفہانی
مصنف	جیمس موریر
مترجم	مرزا حیرت دہلوی
سن اشاعت	1925ء
باہتمام	منشی نول کشور لکھنو
کمپوزنگ و پروف ریڈنگ	انیس الحسن شاہ
سرورق و پس ورق	انیس الحسن شاہ

https://web.facebook.com/Shah.AnisulHassan/

 https://wa.me/message/923142893816

قصۂ حاجی بابا اصفہانی

ترجمہ کتاب

Adventures of Haji Baba Ispahani

By James Morier

مترجم

مرزا حیرت دہلوی

مطبع منشی نول کشور لکھنو

ماہ جنوری 1925

فہرست

تیسری جلد 340

دیباچہ

قصئہ حاجی بابا مصنفہ کپتان موریر صاحب سیاح ایران کے ترجمہ سے میری صرف یہ غرض تھی کہ ایک نئے ملک کی پرانی طرز معاشرت سے جس سے ہمارا سلسلہ زمانہ مدید سے چلا آتا ہے ہم لوگ واقف ہو جائیں۔

کپتان موریر صاحب بیس برس کامل ایران کے ہر شہر اور قریہ میں گشت لگاتے رہے اور انھوں نے اپنے آرام اور چین کے ساتھ ہزاروں روپیہ جو اپنی بیش بہا زندگی کا جزو اعظم کھو کر حاصل کیا تھا اس عظیم الشان سفر کے نذر کر دیا۔ اس تحقیق اور محنت کی اگر ہم داد نہ دیں اور الٹا اپنی نافہم عقل کے صدقے میں ان پر یہ الزام قائم کریں کہ یہ مسلمانوں کا دشمن تھا تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

ہم خود دریافت کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنی اس قوم کی اصلاح کرنا چاہیں جس کی شان و شوکت کے ساتھ تہذیب اور اخلاق بھی رخصت ہو چکے ہوں تو کس پہلو سے کریں۔ میرے خیال میں جب تک اپنی مرحوم قوم کے حالات وواقعات جوش دلانے والے اور غیرت دینے الفاظ میں نہ بیان ہوں گے وہ کیونکر اصلاح پذیر ہو سکتی ہے۔ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ "تو ہرگز اپنے بھائی کے آگے اس کی تعریف نہ کرو کیونکہ تعریف اسے مغرور بنادے گی۔" اس کے کیا معنی یہی مطلب نا کہ تعریفی کلمات جب مغرور بنا دیتے ہیں تو غیر تعریفی جملے انھیں اصلاح پر لاتے ہیں۔ درحقیقت اگر اس نئے طرز والے قصے کی طرف نظر تعمق سے دیکھا جائے تو ایک ایسی عبرت خیز دلچسپی ہوتی ہے کہ ناظر ہونٹ چاٹتا ہی رہ جاتا ہے۔ ہر کام کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوتا ہے۔ میری اصلی غرض اس ناول کے ترجمے سے یہ ہے کہ انسان اپنی ناکامی میں بھی ہمت نہ ہارے اور ہمیشہ اپنی کوششوں میں سرگرم رہے جس کا نتیجہ وہ نامعلوم ترقیاں ہوتی ہیں جو کبھی ذہن میں بھی نہ آتی تھیں حاجی بابا جو اس دلکش افسانہ کا ہیرو ہے ایک نائی کا لڑکا تھا جس نے صرف اپنے اس خیال سے کہ مجھے آئندہ ترقی کرنا چاہیے زندگی کے کھلے ہوئے میدان میں قدم رکھا۔ جو جو مصائب اس پر گذرے یہ ایسے قابل برداشت نہیں تھے کہ ایک انسانی فطرت انھیں کچھ نہ گردانتی بلکہ اور آگے بڑھی چلی جاتی اور ہر دم اپنا یہی ورد رکھتی

قدم آگے بڑھاؤ ہمت کے

مگر یہ اولوالعزم بہادر پھر بھی آگے بڑھا چلا گیا اور رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شاہ ایران کا معتمد خاص ہو کر قسطنطنیہ بھیجا گیا۔

جو شخص زندگی کے وسیع اور لق و دق میدان میں پہلے قدم رکھتا ہے یہ ناول یا دلگداز فسانہ اسے آگاہ کرتا ہے کہ تجھ کو ان نامعلوم ناکامیوں اور محرومیوں کا ڈھیر ملے گا جو تیرے قدموں کو ترقی کی راہ سے جبراً ہٹائیں گی اور تجھے ناکام پھرنے کے لیے مجبور کریں گی مگر تم کبھی ان کے دم جھانسوں میں نہ آؤ اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے چلو۔ چلو چلو تو سہی جو کچھ کرے میرا مولیٰ کرے۔ دولت۔ عزت۔ اور صحت یہ صرف اولوالعزمی اور ہمت پر منحصر ہیں۔ میں اس امر کا دعویٰ کرتا ہوں اور اپنے دعوے پر مجھے ناز ہے کہ یہ قصہ جو درحقیقت ایک ناصح مشفق ہے انسان کی ناکامیوں کو مستعدی سے شکست دینے والا ہے اور اس کے لیے وہ راستے کھولنے والا ہے جن کا اس کے خیال میں کبھی سان و گمان بھی نہ ہو گا۔ ترکی سلطنت کی اگر کچھ اصلاح ہوئی تو صرف ان مضامین سے ہوئی جو انگریزی اخباروں اور رسائل میں اس کی مخالفت میں طبع ہوتے ہیں اگر سلطان چاہیں تو یورپ کے وہ اخبار جن میں ان کی برائی ہوتی ہے اپنی سلطنت میں آنے سے روک سکتے ہیں مگر نہیں ان کی اولوالعزم اور اصلاح پذیر طبیعت ایسے دلیر ناصح کا خیر مقدم کرتی ہے اور وہ ان سے وہ باتیں حاصل کرتے ہیں جو انھیں خواب و خیال میں بھی نہ معلوم ہوتیں یہ انھیں مخالفانہ تحریروں کا صدقہ ہے کہ دولت عثمانیہ اب ترقی کر رہی ہے آئندہ امید کی جاتی ہے کہ اگر ترقی کے اسکیل پر اس کے قدم جمے رہے تو ایک زبردست یورپ کی سلطنت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔

یہ ناول کیا ہے ایران کی ایک صدی گذشتہ کی ایک نایاب تاریخ ہے۔ اس تاریخ کو اور حال کی تاریخ سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ طہران میں ہم نے پہنچ کر خود دیکھا ہے کہ وہ چھوٹا لندن یا عظیم الشان لندن کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر قسم کی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں اور ایرانی اپنے ہر دلعزیز اور روشن دماغ نصیر الدین شاہ کی سرپرستی میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

میرے خیال میں آج تک کوئی ایسا قصہ ہندوستان میں نہ ترجمہ ہوا نہ لکھا گیا جس پر ایک پنتھ دو کاج کا قیمتی فقرہ عائد ہو سکتا۔ یوں تو خیر خواہان قوم نے صدہا مضامین طبع کیے ہیں اور اصلاحوں کی بہت کچھ کوششیں کی ہیں لیکن

ہمیں فخر ہے کہ ہمارے افسانے کا ڈھنگ ایک عجیب نرالے طرز پر آکر واقع ہوا ہے۔ قصہ کی نظر سے دیکھا جائے تو قصہ وہ دلچسپ ہے کہ کئی بار پڑھو جب بھی یہ دل چاہے کہ قند مکرر کی طرح پڑھتے چلے جاؤ اور جو تاریخ ایران دیکھنا چاہو تو یہ قصہ لطیف اور سچے تاریخی مضامین کا انبار اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اگر کسی کو ناصح مشفق کی ضرورت ہو تو اس سے بہتر ہمت دلانے والا ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔

گو میں یہ دعویٰ ہرگز نہ کروں گا کہ میں نے ترجمہ بہت اچھا کیا ہے لیکن اس کہنے سے بھی باز نہیں آسکتا کہ ترجمے کی اردو عام فہم ہے۔ مفہوم مطالب صاف صاف بیان ہوا ہے۔ موقع موقع پر اپنے یا اساتذہ کے رنگین اشعار سے بھی کام لیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس قصہ کو فروغ ہو گا اور ہمارے ہندو مسلمان شوقیہ نظروں سے اسے دیکھیں گے۔

مجھے تقریباً چار برس سے اودھ اخبار لکھنو سے تعلق ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ صرف منشی نولکشور صاحب سی۔ آئی۔ اے کی قدر دان طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ مجھ جیسے ناچیز کی قدر فرماتے ہیں اور وہ وہ کچھ اپنی عنایات مبذول فرماتے ہیں جن کے میں ہرگز اپنے کو لائق نہیں سمجھتا۔ ناظرین اودھ اخبار واقف ہوں گے کہ میں نہ صرف اودھ اخبار میں اپنے طبع زاد مضامین سے اس کے بیش قیمت کالموں کی جگہ رکھتا ہوں بلکہ مختلف اخبارات اور رسائل انگریزی مثلاً ایشیاٹک ریویو، نائینٹینتھ سنچوری وغیرہ کے تراجم سے بھی مدد دیتا ہوں۔ اسی اثنا میں جب میں منشی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا مجھ سے یہ ارشاد ہوا۔ "تو کسی ایسے دلچسپ افسانے کا ترجمہ کر جس میں نہ صرف قصہ پن ہو بلکہ اصلاح قومی بھی مضمر ہو۔" حسب الارشاد میں نے چند احباب کے مشورے سے یہ قصہ پیش کیا۔ ہمارے ممدوح والا شان نے اسے قبول کر کے منظوری فرمائی۔ جب میں یہ ترجمہ کر چکا تو اس کے بعد قصۂ روز الیمبرٹ مصنفہ سر جارج رینالڈز کے ترجمے کا حکم ہوا۔ اس کا بھی میں نے بطرز احسن ترجمہ کیا۔ یہ قصہ طبع ہونے پر قصۂ حاجی بابا سے ضخامت میں دگنا ہو گا۔

جس عرق ریزی اور جانکاہی سے میں نے ان قصص کا ترجمہ کیا ہے مجھے امید ہے کہ اسی قدر جوش سے یہ پسند خاطر ناظرین والا تمکین ہو گا۔ روز الیمبرٹ کی پرزور اور رنگین اور چست عبارت پر مجھے بہت بڑا ناز ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی زبان گویا ایک نئی روح اردو کے جسم میں پھونک دے گی اور یہ ایک نمونہ

اردو کا تمام ہندوستان میں تسلیم کیا جائے گا۔ مضامین کی بابت صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ وہ سراسر طلسم ہیں۔ خود رینالڈز کو اپنے تمام ناولوں میں اسی ناول پر ناز تھا۔

ہم مسلمانوں کو جناب منشی صاحب بالقابہ کا دل سے مشکور ہونا چاہیے جن کی سرپرستی میں ہمارے مذہبی علوم کی کتابوں کی کامل طور پر اشاعت ہوئی جو مدت سے پہلوئے عنقا میں آرام کر چکی تھیں۔ اس سے زیادہ ایک شخص اپنے ملکی بھائیوں کی اور کیا دستگیری کر سکتا ہے۔

اگر اہل اسلام کا شیوہ منعم پرستی ہے (اور واقعی ہے) تو ہو ضرور ایسے خیر خواہ قوم کا دل سے خیر مقدم کریں۔ فقط

امراؤ مرزا حیرت دہلوی

پہلا باب

حاجی بابا کی پیدائش اور تعلیم کے بیان میں

میرا باپ قرب حسین نامی اصفہان کے مشہور و معروف حجاموں میں سے تھا۔ اوائل عمر میں صرف سترہ ہی برس کے سن میں اس کی شادی ہو گئی تھی یہ بی بی ایک شمع ساز کی بیٹی تھی جو اس کی دکان کے پڑوس ہی میں رہتا تھا۔ مگر وہ امنگیں اور اتحاد دلی کی آرزوئیں جو جانبین سے شروع شروع میں اٹھی تھیں آخر کو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے فرو ہو گئیں۔ میرے باپ نے جب اپنے باغ آرزو کو بجھا ہوا دیکھا اور کسی ترو تازہ پھول کی آمد آمد نہیں دیکھی تو اب اپنی پیاری محبتی بیوی کی الفت و عشق کی وہ شمع جو مدت سے حجلۂ دل میں روشن ہو چکی تھی آخر ٹمٹما ٹمٹما کر بجھ گئی۔ میرے باپ کو اپنے فن میں وہ ملکہ حاصل تھا جس سے اس کی شہرت نہ صرف عظیم الشان تجار میں ہو گئی تھی بلکہ اس نے کافی سرمایہ جمع کر لیا اور اب اولاد کی آرزو نے انھیں دوبارہ شادی کرنے پر مجبور کیا یہ بی بی ایک دولتمند صراف کی بیٹی تھی اور اس نے صرف میرے باپ کو اس کے فن میں کامل دیکھ کر شادی کر دی کیونکہ اسی زمانہ میں میرے باپ نے اس کی حجامت بنائی تھی۔

جب دوسری شادی ہو گئی تو اب پہلی بی بی کے سوتاپے کے بیر نے میرے باپ کے عیش میں خلل اندازی کرنی شروع کر دی اور اس کی جان غضب میں آ گئی عورتوں کی چپقلش سے خدا بچاوے آخر اس کے خسر نے یہ صلاح دی کہ بہتر ہے کہ تم اپنی بی بی کو لے کر کربلائے معلیٰ چلے جاؤ کہ نور ایمان تو حاصل ہو گا۔ اس نے اپنے حق میں بہتر سمجھا ساعت مسعور پر اپنی نئی بی بی کو ساتھ لے کر کربلائے معلیٰ روانہ ہوا۔ چونکہ یہ لڑکی پورے دنوں پیٹ سے تھی راہ میں ہی درد لگے اور میں پیدا ہوا کر بلائے معلیٰ کی زیارت سے پہلے میرا باپ صرف حسین کے نام سے مشہور تھا لیکن بعد ازاں قرب علی کے خطاب سے عزت عطا کی گئی تھی خدا میری ماں کو خوش و خرم رکھے کہ اس نے پیدا ہوتے ہی میرا نام حاجی رکھا کہ جس سے تمام عمر میری وہ عزت ہوئی کہ جس کا میں ہرگز مستحق نہیں تھا۔

کیونکہ اس قیمتی اور معزز نام کا فخر وہی اشخاص حاصل کر سکتے ہیں کہ جنھوں نے زیارت حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً حاصل کی ہے۔

جب میرے باپ نے اصفہان چھوڑا ہے تو اپنی جگہ بطور خلیفہ کے اپنا ایک شاگرد بٹھا دیا تھا کہ جس نے نہایت ہوشیاری اور تندہی سے اپنے استاد کے کام کو انجام دیا لیکن جب میرا باپ کربلائے معلیٰ کی زیارت سے واپس آیا اپنی جگہ پر نشست کرنی شروع کی اور پھر اپنا پیشہ حجامی سنبھالا۔ میرے باپ کے کربلائے معلیٰ جانے نے لوگوں کے دلوں پر وہ اثر کیا تھا کہ نہ صرف شہر کے بڑے بڑے تاجر اس کی دکان پر آکر حجامت بنوانا احسن سمجھتے تھے بلکہ پیشوایان دین کی بھی آمدورفت ہونے لگی جب میں بڑا ہوا اور اپنا اچھا برا پہچاننے لگا تو اب مجھے یہ خیال ہوا کہ کچھ پڑھنا چاہیے واقعی میں نماز و روزہ ہی میں رہتا اگر مجھے یہ خبر نہ ہوتی کہ میرے پڑوس میں ایک مولانا صاحب رہتے ہیں اور ان کے مکتب کے ضمن میں ایک مسجد بھی ہے اور میرے باپ کو انھوں نے ہی ہدایت کی ہے کیونکہ جب آٹھویں دن مولوی صاحب کی حجامت بنانے جاتے تھے تو وہ قال اللہ اور قال الرسول کی تلقین کیا کرتے تھے میں نے بھی ان سے پڑھنا شروع کیا کچھ عرصہ میں کلام اللہ پڑھ لیا اور جب میرا خط بھی مایقریٰ ہو گیا تھا مکتب میں پڑھنے سے پہلے میں اپنے باپ کی دکان پر بیٹھ کر پیشہء حجامی سیکھتا تھا۔ چونکہ حجامت بنوانے والے کثرت سے آتے تھے اس لیے میرے باپ نے خچر اور اونٹ ہنکانے والوں کی حجامت کے لیے مجھے مقرر کر دیا تھا میں خوب فراٹے سے ان کے سر مونڈتا کہ وہ خوش ہو کر مجھے معقول معاوضہ دیتے۔

جب میں سولہ برس کا ہوا تو یہ معاملہ بہت ہی اہم آکر واقع ہوا کہ میں اپنے کو ایک طالبعلم کے نام سے نامزد کروں یا ایک خلیفہ کے نام سے مشہور ہوں۔ علاوہ حجامت بنانے کے کانوں کے صاف کرنے۔ داڑھی کو زیبائش دینے کے مجھے حمام کے کاموں میں دستگاہ کامل ہو گئی۔ کوئی شخص مختلف طریقے سے نہلانے کیسہ سے جسم ملنے کے جو ہند، کشمیر، ترکی میں برتے جاتے ہیں احسن طریقہ سے نہیں جانتا لیکن میں نے صرف زور طبیعت اور تیزیء ذہن سے اس کو عمدہ طریقہ سے حاصل کر لیا تھا۔ میں اپنے معزز استاد کی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ صرف ان کی توجہ سے میں ایسا قابل بن گیا اور میں نے اپنے شعرائے نامی مثلاً سعدی حافظ کی کتابیں اس طرح سے پڑھ لیں کہ جب کبھی موقع ہوا کرتا تھا میں ان کے اشعار استعمال کرتا تھا۔ اس سے میری کمال شہرت ہو گئی اور وہ لوگ جو

حمام میں غسل وغیرہ کے لیے آتے تھے انھوں نے مجھے اپنا ایک دل پسند ساتھی خیال کیا ہر شخص کا میری طرف یہ خطاب تھا۔

گر بر سرو چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

میرے باپ کی دکان شاہی مسافر خانہ کے قریب ہی تھی شہر میں بڑی بات یہ تھی کہ غیر ممالک کے تجار کی کثرت سے آمد و رفت تھی وہ تاجر شہریوں کی طرح سے حجامت بنوانے آتے تھے اور بعض وقت معمولی اجرت سے جو وہ ہمیشہ دیا کرتے تھے صرف میرے فی البدیہہ کلام سے محظوظ ہو کر زیادہ بھی دے جاتے تھے ان سوداگروں میں ایک تاجر بغداد تھا کہ جس میری بہت شناسائی ہو گئی تھی اور وہ ہمیشہ مصر ہوا کرتا تھا کہ تو مجھ سے ضرور ملتا رہا کر یہ صرف میرے تجربہ کار باپ کی فضیلت کا صدقہ تھا کہ ہر شخص آنکھوں پر بٹھاتا تھا مجھے اس نے ترکی بولنا سکھا دیا جس کا مجھے کچھ کچھ علم بھی حاصل ہو گیا۔ یہ تاجر مختلف شہروں کا جب حال بیان کرتا تھا کہ ایسے خوبصورت ہیں اور ان میں یہ عجائبات ہیں تو میرا دل بھی بھرُ بھرُ ایا اور میں نے دل میں ٹھان لی کہ یہ شہر ضرور دیکھنے چاہیں۔ بغدادی تاجر کو ضرورت ہوئی کہ کسی شخص کو اپنے حساب لکھنے کے لیے ملازم رکھے۔ لیکن چونکہ مجھے حجامی اور محرری دونوں کاموں میں ملکہ تھا تو اس نے مجھ سے یہ منفعت بخش درخواست کی اگر تم ملازم رہنا چاہتے ہو تو میں تمھیں رکھ سکتا ہوں۔ میں نے منظور کر لیا۔ اور فوراً اپنا دلی قصد اپنے باپ کی خدمت میں آکر بیان کیا یہ سن کر میرے باپ کو حد سے زیادہ صدمہ ہوا اور انھوں نے ہر گز میری مفارقت گوارا نہیں کی۔ اور چاہا کہ یہ صرف ایک امید موہوم کے لیے کہ جو خطروں اور خوفناک موقعوں سے پر ہے اپنے شہر کو نہ چھوڑے لیکن جب اس کا خیال اس طرف مائل ہوا کہ ایسے تاجر کی نوکری میں نفع کس قدر ہے اور یہ ہر گز ناممکن نہ تھا کہ اس کی ملازمت میں یہ اپنی اس حالت سے کچھ ترقی نہ کرے گا۔ آخر کار رفتہ رفتہ میرا باپ راضی ہو گیا اور میرے جانے پر مانع نہیں آیا اور مجھے اپنی دلی مرضی سے اجازت دی اور ساتھ ہی اس کے استروں کا نیا بکس دیا۔

صرف میرے آئندہ سربلند ہونے اور ایک عظمت کے خیال حاصل کرنے نے میرے باپ کو میری مفارقت پر آزردہ خاطر نہ ہونے دیا مگر میری ماں راضی نہ تھی کہ میں ایک سُنی کی ملازمت کروں لیکن پھر بھی اپنی مادرانہ شفقت اور الفت سے ایک بیگ ٹوٹے اوزاروں اور ایک ڈبہ قیمتی مرہم کا عنایت کیا اور یہ سمجھا دیا "بیٹا یہ مرہم

اوپری اور اندرونی پھوڑا پھنسی کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے جب میں سفر کے لیے جانے لگا تو میری ماں نے مجھے حکم دیا کہ بیٹا اپنا سیدھا منہ دروازے کی طرف کر لو جاتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھنا کیونکہ پھر تم بخوشی و خرمی گھر واپس آؤ گے۔

دوسرا باب

حاجی بابا کا سفر اس کا ترکمانوں سے مقابلہ اور گرفتاری

عثمان آغا میرا آقا مشہد کی طرف روانہ ہوا تا کہ بخارا کی بھیڑ بکری کا چمڑا وہاں خریدے جس کے فروخت کرنے کا ارادہ اس نے قسطنطنیہ میں کیا تھا۔ یہ شخص یعنی میرا آقا ایک چھوٹے قد کا ڈبل شخص جس کا عرض و طول برابر بڑا سر، ایک پھولی پکوڑا سی ناک اور گنجان سیاہ داڑھی تھی یہ ایک کٹا مسلمان تھا۔ اپنے مذہب میں بہت ہی متعصب۔ جب صبح کو وضو کرتا تھا تو فوراً جرابیں اتار ڈالتا تھا حالانکہ صبح کی خنکی اور ٹھر کبھی موزے اتارنے میں اس کی مانع نہ آئی علاوہ بریں مذہب شیعہ سے تو اسے دلی نفرت تھی۔ جب تک یہ پارس میں رہا اس نے اپنے یہ عقائد بہت مضبوط رکھے لیکن صرف اپنے ہی تک منفعت پر تو جان دیتا تھا رات دن اسی کی دھن لگی رہتی تھی کہ سونے سے پہلے یہ اطمینان کر لیا کرتا تھا کہ میرا روپیہ پیسہ تو ایک محفوظ مقام پر ہے اور اس پر کسی قسم کی آنچ تو نہیں آسکتی۔ اور دوسرے یہ کہ تن پرست بڑا بھاری تھا۔ حقہ علی الدوام پیتا تھا۔ کثرت سے کھانا کھاتا تھا اور شراب کا بھی استعمال کرتا تھا مگر چھپواں۔ لیکن جو لوگ مے خوش رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ظاہراً اس کو غٹر غٹر چڑھا جاتے تھے ان کو سخت ملامت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تم خدا کے احکام سے پھر رہے ہو۔

موسم بہار میں یہ تعیین ہو گیا تھا کہ کارواں جمع ہو گا ہم نے اپنے سفر کی تیاریاں شروع کیں میرے آقا نے اپنی سواری کے لیے ایک مضبوط اور دراز قد خچر مول لیا۔ میرے لیے ایک گھوڑا تجویز ہوا جس پر میں ایک قلیان ایک انگیٹھی ایک چمڑے کی بوتل اور کوئلے لادے گئے اور اس کے علاوہ میرا بھی اسباب اسی پر رکھا گیا ایک حبشی غلام نے جو ہمارے لیے کھانا پکاتا تھا اس نے بھی ایک خچر پکڑ لیا اور اس پر سونے کا بستر اور باورچی خانہ کا سامان لادا۔ تیسرے خچر پر اور ضروری اشیا اور میرے آقا کے کپڑے وغیرہ بھی اسی پر لدے ہوئے تھے۔ غرض ہمارا سامان سب مکمل ہو گیا۔ روانگی سے ایک دن پہلے میرے آقا نے اپنے بڑے بھاری عمامہ میں پچاس ڈیوکیٹ (اڑھائی روپیہ کے قریب سکہ ہوتا ہے) خوب مضبوط سی کر رکھ لیے کہ بندہ بشر ہے شاید کوئی موقع پڑے اور ان

سے کام نکل جائے اور جو باقی ماندہ تھے ان کی ہمیانی کمر سے خوب کس لی لیکن اس کا علم سوا میرے اور کسی کو نہ تھا۔

کارواں اب روانہ ہونے کو تیار ہوا۔ پانسو خچر اور گھوڑے ساتھ تھے۔ دو سو اونٹ تھے جن میں اکثر اونٹوں پر شمالی فارس کے لیے تجارتی اشیالدی ہوئی تھیں۔ ڈیڑھ سو آدمی اس کارواں میں تھے جن میں سوداگر۔ ان کے نوکر اور کاروان کے رہنما بھی تھے علاوہ ان کے کچھ اشخاص کارواں کے ہمراہ تھے وہ بھی تھے جو مشہد میں امام رضاؑ کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے تھے کاروان والوں نے ان زائروں کا ہمراہ ہونا بہت ہی مقدس خیال کیا اور ایک برکت سمجھے۔

اس موقع پر ہر شخص ہتھیار بند تھا۔ اور میرا آقا جس کی طبیعت کی یہ کیفیت تھی کہ ذرا کہیں بندوق چھٹی اور یہ چوکنا ہوا۔ یا کہیں تلوار ننگی دیکھ لی اور چہرہ زرد پڑ گیا مگر اس موقع پر وہ بھی ایک پر تلا ڈالے ہوئے ہلال آسا خمدار ایک شمشیر کمر میں پڑی ہوئی دو پستول ایک جانب کمر سے بندھے ہوئے باروت اور کارتوس وغیرہ کی کپیاں ادھر ادھر لٹکی ہوئی میں بھی ساتھ ساتھ سر تاپا ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔ مگر ان ہتھیاروں کے ضمن میں مجھے ایک بھالے سے بھی عزت بخشی گئی تھی۔ حبشی غلام کے پاس تلوار تھی اور ایک بندوق بھی تھی لیکن اس کا گھوڑا ندارد تھا۔

اصفہان کی شمالی اطراف سے دن نکلتے ہی ہم روانہ ہوئے زائرین کے چاؤشوں نے غل و شور مچا کر اور ڈھول وغیرہ بجا کر سب میں خبر کر دی کہ قافلہ روانہ ہوتا ہے۔ اب ہمیں اپنے مسافر ساتھیوں کا پورا پورا علم ہو گیا وہ سب ہتھیار بند تھے۔ باوجودیکہ سب جنگی سامانوں سے آراستہ تھے لیکن پھر بھی ان کی صورتوں سے ایک امن اور صلح برستی تھی۔

میں اس نئے ہنگامہ سے بہت ہی خوش تھا جب میں اپنے آقا کے برابر گھوڑا نہیں دوڑا سکتا تھا تو میرا آقا مجھے آواز دے کر کہتا تھا کہ دیکھ میرا گھوڑا ایسا ہے کہ اگر میں لاابالی اور بے تکے طریقہ سے بھی اس کو چلاؤں جب بھی یہ ممکن نہیں کہ درماندہ ہو کر رہ جائے اور منزل تک نہ پہنچے بہت ہی جلدی سب قافلہ والوں سے میری شناسائی ہو گئی۔ اکثروں نے کوچ کے ختم ہونے پر شام کو مجھ سے حجامت بھی بنوائی اگر مجھے اپنے مالک کے حق میں خیال کیا جائے تو یہ کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ میں گویا اس کی ایک آرام دہ چیز تھا جب میرا آقا خچر سے اترا تو اب

میں نے اس کے پیر دبانے شروع کیے اور وہ وہ ہنر اس وقت برتے کہ جن کی حمام میں مجھے خوب مشق ہو گئی تھی اس کی ساری تکان چپی کر کے اور تمام جسم پر مالش کر کے کھو دی۔

ہم بغیر کسی تعرض اور مانع کے طہران پہنچ گئے ہم نے دس دن طہران میں اپنے خچروں کو آرام دینے اور ان کی تعداد زیادہ کرنے میں صرف کیے سفر کا خوفناک حصہ گویا اب آئے گا۔ قوم ترکمان جو شاہ فارس سے گرم جنگ تھی راہوں کے لیے بہت ہی دہشت ناک تھی کیونکہ جب ہی انھوں نے ایک کاروان کو لوٹ لیا تھا اور جنھوں نے کہ ان سے مقابلہ نہ کیا ان کو وہ گرفتار کر کے لے گئے تھے ترکمان کی دہشت سب کے کلیجوں پر اس وجہ سے بیٹھی ہوئی تھی اور خصوصاً میرا آقا تو بہت ہی ڈرتا تھا کہ مشہد تک کیونکر پہنچا جائے گا۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ میں بھیڑ کے چمڑے کی آجکل بہت ہی قیمت چڑھی ہوئی ہے اس خیال سے اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اب اس خوف کا بھی خیال نہیں کیا اور صرف اپنے نفع کی دھن میں چلنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ایک چاؤش جو پہلے سے زائرین کو طہران اور حوالی طہران سے جمع کر رہا تھا کہ یہ قافلہ پہنچے تو اس کے ہمراہ مشہد روانہ ہوں جونہی ہم وہاں پہنچے تو اس نے ہمیں اطلاع دی کہ میں نے آپ کے قافلے کے ساتھ چلنے والوں کا ایک گروہ تیار کر لیا ہے جب اس چاؤش نے ہمیں یہ خوشخبری سنائی تو ہم بہت ہی خوش ہوئے کہ اور بھی مدد ملی اور اب یہ جس خوف کا اس میں خیال تھا دور کر دے گی۔ اس چاؤش کا طہران سے مشہد تک خوب نام ہو رہا تھا اور اس کی جرات اور دلاوری کا دوردور آوازہ بلند تھا کیونکہ اس نے ایک ترکمان کا عین راہ میں سر اتار لیا تھا اس کی صورت بہت ہی خوفناک تھی سانولا مگر چمکتا ہوا رنگ چوڑے چوڑے بازو۔ اور موٹے کرخت بالوں کی اس کی ڈبل ٹھوڑی پر داڑھی قلابازیاں کھاتی ہوئی۔ چار آئینہ سے آراستہ۔ خود فولادی سر پر اور اس کی زنجیریں کندھوں پر پڑی ہیں۔ ایک طرف شمشیر آبدار آویزاں دو پستول کمر میں اڑے ہوئے ایک ڈھال پشت پر ایک لمبا برچھا ہاتھ میں۔ اس کی مجسم صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ خوف کو ایک لاشے محض تصور کرتا ہے اور اس نے اپنی وہ دون کی لینی شروع کی اور وہ اپنی بہادری کے جوہر باتوں باتوں میں دکھائے اور ترکمانوں کی ایسی حقارت کی کہ میرا آقا اس کی حفاظت میں چلنے کے لیے راضی ہو گیا۔

عید نوروز کے ایک ہفتہ کے بعد کاروان سفر کے لیے مستعد ہوا جمعہ کو تو ہم نے عظیم الشان مسجد میں جا کر نماز پڑھی وہاں سے ہم شاہ عبد العظیم کے گانوں میں چلے گئے جہاں سے دوسرے دن مشہد کی جانب روانہ ہوئے۔

ہم نے بہت لق ودق اور خشک ملک میں نہایت آہستہ آہستہ سفر کرنا شروع کیا۔ یہ مہیب ملک بہت ہی کم آنکھوں اور دلوں کو تروتازگی دیتا تھا۔ جب کبھی ہم کسی گائوں میں پہنچتے یا راہ میں ہمیں مسافر ملتے تو ہمارے رہنما زور زور کی صداؤں سے اپنے ڈھولوں کے بجنے کے ساتھ جو ان کے کمروں سے بندھے ہوئے تھے مناجات پڑھتے۔ اکثر ترکمانوں کا ذکر بہت ہوتا تھا مگر ہمیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ بے خوف دشمن ہیں لیکن پھر بھی ہم ہر وقت یہ امید کر کے کہ وہ ہرگز ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے نڈر تھے اور بار بار یہ پڑھتے تھے کہ وہ ہیں کون کتے جو ہمارا مقابلہ کر سکیں گے ہر شخص اپنی دلاوری اور بہادری کی لاف زنی کر رہا تھا وہ تو میرے آقا یہ عالم تھا کہ غضب ہی کے طرارے بھر رہا تھا اور ان سے چبا چبا کر کہہ رہا تھا کہ ذرا ایسا موقع ہو تو تم دیکھنا کیا کیفیت آتی ہے۔ جب اس قسم کی باتیں کیں تو لوگ سمجھے کہ بھئی اس کا تو تمام زمانہ لڑائیوں اور ترکمانوں کے قتل کرنے میں صرف ہوا ہے چاؤش نے جو لاف زنی میں سب سے آگے تھا اور جو اپنے کو کاروان میں سب سے بہادر سمجھتا تھا کہا۔ ترکمانوں کی بابت کوئی شخص کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک کہ ان سے مقابلہ نہ ہو جائے اور ان سے سوائے شیروں کے کھانے والے کے کوئی ہم نبرد نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ شخص مونچھیں مروڑ رہا تھا اور خوب خوب ڈینگ کی لے رہا تھا مگر سعدی نے خوب ہی مناسب موقع پر کہا ہے۔

جوان اگرچہ قوی بال وہ پیل تن باشد
بجنگ دشمنش از ہول بگلسد پیوند

لیکن میرے آقا عثمان آغا کی امید حفاظت اور دن سے بھی بڑھی ہوئی تھی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہوں حملہ کے وقت مجھ پر کچھ آنچ نہیں آ سکتی۔ اور اس بات کے اظہار کے لیے اپنے عمامہ کے گرد ایک سبز ململ کا کپڑا باندھ لیا تھا جس سے گویا نشان امیری نمایاں تھا اور یہ پایا جاتا تھا کہ آنحضرت کی اولاد میں سے ہے جن کی نسبت میرے آقا کا اپنی طرف گمان تھا کہ میں ایک خچر کے برابر بھی توقیر نہیں رکھتا۔

چند روز تو ہم اسی طریقے سے سفر کرتے ہوئے چلے گئے جب چاؤش نے نہایت ہی سنجیدہ اور ایک نمایاں طریقے سے اطلاع دی کہ وہ مقامات آ گئے ہیں جہاں ترکمان پڑے ہوئے قافلوں کا راستہ دیکھا کرتے ہیں۔ آب سب لوگ پیوستہ ہو کر سفر کریں اور سب تیار ہو جاؤ کہ حملہ کے وقت بہادری اور جانبازی دکھلا سکو۔ میرے آقا پر اس کا پہلا اثر تو یہ تھا کہ اس نے اپنی تلوار بندوق اور پستولوں کو اپنے اسباب کے ایک خچر سے باندھ دیا اور سوءِ ہضمی کی

شکایت کی اب وہ سارے خیالات جنگ کافور ہو گئے اپنے کو بالکل فرغل میں چھپالیا لیکن صورت پر مصیبت وآفت کی جھلکی نمایاں ہونے لگی تھی بار بار استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھتا تھا اور اپنے کو قسمت کے حوالہ کر رہا تھا۔ میرے آقا کی حفاظت کا دارومدار اس چاؤش پر تھا جو علاوہ اور وجوہات کے جن کے باعث اسے خوف سے بے پروائی تھی اپنے ان طلسموں اور تعویذوں کو بھی دکھارہا تھا کہ جو اس کے بازوؤں پر بندھے ہوئے تھے جن کا اثر وہ بہت بہادری سے یہ بیان کرتا تھا کہ یہ تعویذ اور نقش ترکمانوں کے تیروں کو دفع کر دیتے ہیں اور ان کا مطلق اثر نہیں ہونے دیتے ایک تو یہ تہمتن تن اور خونخوار شخص اور کاروان میں سے ایک دو اور شخص بھی جو بہادر تھے آگے آگے چلتے تھے گویا کہ یہ کاروان کے آگے بڑھے ہوے محافظین میں سے تھے ان میں سے ہر شخص اپنی بہادری اور جرات دکھانے کے لیے ادھر ادھر گھوڑا کداتا تھا۔ برچھیاں پھراتا تھا اور ہوا میں ان کو بھونکتا تھا۔

آخر جس کا ہمیں ڈر تھا وہی اب ہمارے پیش آیا۔ ہم نے چند بندوقوں کی آوازیں سنیں اور ہمارے کانوں میں مہیب اور وحشی صداؤں کے غل سنائی دیے ہر شخص خوف سے ٹھہر گیا تمام آدمی اور جانور چھوٹے پرندوں کے موافق جو کچھ دور فاصلہ پر باز دیکھ کے مارے خوف کے اکٹھے ہو جاتے ہیں باہم سمٹ گئے لیکن جب ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک گروہ ترکمانوں کا ہم پر چڑھا ہوا چلا آتا ہے بس سب کے اوسان باختہ ہو گئے اور ہئیت مجموعی میں تفرقہ آکے واقع ہو گیا بعض تو کافور ہو گئے۔ اور بعض لوگ جن میں میرا آقا بھی تھا ایسے ڈرے اور ان پر ایسی دہشت غالب آئی کہ اپنی مردانگی اور جرات کو یک لخت بھول گئے گھبرا گھبرا کر یہ کہنے لگے۔ اے اللہ اے امام۔ اے محمدؐ۔ ہم مرتے ہیں۔ ہم چلے۔ ہماری روحیں فنا ہوئیں۔ خچر ہنکانے والوں نے تو یہ تدبیر کی کہ جس قدر سامان تھا اپنے خچروں سے نیچے پھینک دیا اور مع اپنے خچروں کے چلتے بنے جب دشمن آگے آگیا تو اس نے پہلے تیروں کا مینہ برسایا بس اسی سے ان کو فتح حاصل ہو گئی اور ہم بہت جلد ان کا شکار ہو گئے۔ چاؤش جو شیخی میں اور لاف زنی میں سب سے زیادہ دون کی لے رہا تھا پہلے ہی سے بھاگ کہیں کا کہیں ہو رہا اور پھر ہم نے نہ ان کا حال سنا اور نہ ان کی صورت دیکھی۔ حملہ آور سامان کی طرف جھک پڑے جو میدان میں پڑا ہوا تھا۔ میرے آقا نے اپنے کو دو گٹھروں کے بیچ میں چھپا دیا تھا اور یہ خوفناک واقعہ دیکھ رہا تھا کہ ایک ترکمان نے جس کا لمبا قد تھا اس کو دیکھ لیا۔ ترکمان کے چہرے سے خونخواری برستی تھی۔ اس نے اس کو اسباب سمجھ کے اپنی پیٹھ پر اٹھا کے ڈال لیا تو میرے آقا نے اس کو کھول کے گردن باہر نکالی اور بکمال لجاجت عرض کی جس سے اس کا خوف نمایاں تھا۔

میرے آقا نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کی منقبت اور حضرت علیؓ کی مذمت بیان کر کے ترکمان کو نرم دل کروں مگر یہ بھی محض بیکار گیا اس وحشی کو اصلاً اس لجاجت اور ان باتوں پر رحم نہ آیا اور میرے آقا کے سارے کپڑے اتار لیے صرف ایک پائجامہ اور کرتا باقی رہا اس قزاق نے میرے آقا کی فرغل اور سب کپڑے پہن لیے۔ چونکہ میرے کپڑے کچھ ملگجے سے تھے انھوں نے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ مجھ کو اپنے میں شامل ہونے کا حکم دیا اور مجھ سے میرا استروں کا بکس بھی نہیں لیا۔

جب ترکمان کل اسباب لوٹ چکے تو اب انھوں نے قیدیوں کی باہم تقسیم کرلی۔ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور ہم میں سے ہر ایک ایک سوار کے پیچھے رکھ لیا گیا تھا جب ہم نے اسی طرح دن بھر سفر کیا تو شب کو خندق میں تنہا ہمیں آرام لینے کو چھوڑا گیا دوسرے دن ہم نے ان راہوں کو دیکھا جن کو صرف ترکمان ہی جانتے تھے۔ پہاڑی اور ایک ویران ملک میں سے گزر کے آخر ہمیں ایک وسیع میدان معلوم ہوا اور یہ ایسا بڑا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا بس دنیا کی حدود یہیں ختم ہوں گی۔ اس میدان پر ہمارے دشمنوں کے بیشمار سیاہ ڈیرے اور خیمہ اور ان کے غول کے غول دکھائی دیے۔

تیسرا باب

حاجی بابا کن ہاتھوں میں پڑا اور استرے کے صدقے میں اسے کتنی دولت ہاتھ لگی

ترکمانوں نے قیدیوں کی جب باہم تقسیم کی خدا کی شان میں اور میرا آقا ایک ہی شخص کے حصہ میں آیا۔ یہ ترکمان وہی وحشی قزاق تھا جس کا میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس کو اسلان سلطان کہتے تھے یعنی شیر سردار یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک گروہ کا کپتان بھی ہے اور یہ پلٹن کہو یا گروہ کہو وہی تھا جو ہمیں میدانوں میں پہاڑوں پر سے اترتے ہی معلوم ہوا تھا۔ اس ترکمان کے ڈیرے ایک گہرے نالہ کے کناروں پر ایستادہ تھے جس نالہ پر سے ایک ندی بہتی تھی جو قرب کی پہاڑیوں کے سلسلوں میں جا کر شامل ہو جاتی تھی سبزہ زاروں کو ہرا بھرا کرتی تھی جن سے بخوبی مویشیوں کی پرورش ہوتی تھی سب سبزہ زار جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی برابر پھیلے ہوئے تھے ہمارے اور بھائی جو گرفتار ہوئے تھے ان کو ترکمان اور دور دراز ملکوں میں لے گئے اور باہم ان ترکمانوں میں ان کی تقسیم کی جو اس اطراف میں رہتے تھے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو تمام آدمی ہمیں دیکھنے کے لیے امنڈ آئے۔ اس وقت ہمارے فاتحوں کو زور زور سے مبارکبادیں دی جا رہی تھیں کتے ہمیں اجنبی دیکھ دیکھ کر ایسا بھونک رہے تھے کہ توبہ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ ہمیں نوش جان کر جائیں گے۔ میرے آقا کے سبز دوشالہ نے اس کی کچھ عزت افزائی کی۔ لیکن سردار کی بیوی کی نظر جو بانو کے نام سے پکاری جاتی تھی اس دوشالہ پر پڑی جس نے اس کے لینے کے لیے بہت ہی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ میرے آقا کے پاس سوائے عمامہ اور اس ہمیانی کے جس میں زر نقد رکھا ہوا تھا اور کچھ نہ رہا سب لے لیا گیا۔ لیکن آخر اس عمامہ پر سردار کی دوسری جورو کی نگاہ پڑی جس نے کہا کہ یہ میرے گھوڑے کی زین کے کام آئے گا جو اونٹ پر بندھا ہوا ہے چنانچہ سر پر سے عمامہ اتار لیا گیا اور ڈیرے کے ایک کونے کی طرف اور ناکارہ چیزوں میں اس کو بھی پھینک دیا۔ عثمان آغا نے ہمیانی کے روپیہ کی بڑی بھاری نگہداشت کی کہ کہیں یہ بھی رفو چکر

نہ ہو جائے مگر اس سے کچھ مطلب نہیں نکلا۔ اس عمامہ کے عوض میں ایک پرانی بھیڑ کے چمڑے کی ٹوپی پہننے کو ملی جو ہم جیسے بد قسمت قیدیوں کو دی گئی تھی جو ذلت و خواری سے اور غم سے پہلے ہلاک ہو چکے تھے۔

جتنے آدمی مر جاتے تھے ان کی ٹوپیاں میرے مالک کے پاس آتی جاتی تھیں۔ عثمان آغا اب اس کام کے لیے تعینات ہوا کہ جب اونٹ پہاڑوں پر چرنے جایا کریں تو یہ ان کی حفاظت کیا کرے چونکہ یہ ڈبل اور بھاری جسم کا آدمی تھا اس لیے بھاگ جانے کا انھیں گمان تک نہیں تھا مجھے یہ حکم تھا کہ تو ڈیروں پر سے نہ جائیو اور میرے سپرد چمڑے کے تھیلوں کو صاف کرنا اور روغن ملنا تھا تو میں اپنا یہ کام بہت ہوشیاری اور محنت سے بھگتایا کرتا تھا۔

اس فتح کی شادی کرنے کے لیے سردار نے اپنے تمام متعلقین کی دعوت کی ایک بڑی دیگ میں چانول اور دو بھیڑوں کا گوشت ڈال کر ابالا گیا لوگ ہمارے سردار کے لواحقین سمیت ادھر ادھر کے ڈیروں خیموں سے نکل نکل کے آنے لگے ان لوگوں میں سے اکثر وہ تھے جنھوں نے ہمارے کارواں پر حملہ کیا تھا یہ سب ایک ڈیرے میں اکٹھے ہو گئے۔ عورتیں دوسرے ڈیرے میں مجتمع ہوئیں جب پلاؤ مردوں کو کھلا دیا گیا اور وہ نبٹ چکے تو عورتوں کو کھلانا شروع کیا جب عورتیں بھی کھا چکیں تو چرواہوں کے لڑکوں کو بٹھا کر کھلا دیا جب وہ بھی فارغ ہوئے تو سب کے آگے کا بچا کھچا چچوڑی ہوئی ہڈیاں ہمارے اور کتوں کے آگے لا کے ڈال دی گئیں۔ میں اپنی خوراک کے لیے بہت ہی تشویش سے انتظار کر رہا تھا کہ دیکھیے کیا آتا ہے کیونکہ جب سے ہم مقید ہوئے تھے ہم نے تو لذت دار خوراک کھائی نہیں تھی۔ کہ ایک عورت نے ڈیرے میں سے مجھے اشارہ کیا کہ ڈیرے کے پیچھے سے آکے رکابی لے لے رکابی میں چانول بھرے ہوئے تھے اور اس پر بھیڑ کی دم کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ سردار کی بیوی نے بھی میری مظلومیت پر رحم کھایا اور کہا تو اسے جلدی سے لے کے چل دے اور کچھ خیال دل میں نہ لا۔

آج کا دن تو ایک دوسرے کی سرگذشت کہنے اور حقہ پینے میں صرف ہوا عورتوں نے گانے اور دفوں کے بجانے کا تان نہ توڑا۔ میں اور میرا مالک اپنی مصیبت اور آفت پر خون کے آنسو بہا رہے تھے اور افسردہ خاطری سے سر بہ گریبان تھے۔ اس عنایت و نوازش کے بھروسہ پر جو مجھ پر کی گئی میں نے خیال کیا کہ کچھ کرنا چاہیے اور اب مجھے کچھ ایسی جرات ہو گئی کہ ذرا بھی ہراس دل میں نہ رہا۔ میں نے چاہا کہ کسی طرح سے اپنے رفیق کو خوش کروں اور یہ غبار الم اس کے دل سے دور کروں مگر محض بے سود تھا۔ میں اس کو اپنی بد قسمتی پر افسوس کرنے سے مانع نہ آ

سکا میں نے اس سے کہا کہ ہر حالت میں اللہ کریم کو یاد رکھیے سب اسی کے ہاتھ میں ہے یہ ہر ایک سچے مومن کا تمغہ ہے کہ اللہ کریم کو غم کے وقت یاد کرے۔ اس نے ان ٹوٹے ہوئے الفاظ میں جواب دیا"اللہ کریم" اللہ کریم تمھارے لیے ہے جس کا ایک پیسہ بھی نہیں گیا۔ میرے لیے نہیں ہے کہ میں تو ہمیشہ کے لیے برباد ہو گیا۔ اس کی یہ بربادی اور غلامی کی حالت میں آنا صرف اس نفع کی بدولت تھا جو اس نے بھیڑوں کے چمڑوں میں سمجھا تھا بس ہر وقت اس کا یہ مشغلہ تھا کہ جو کچھ لٹ گیا تھا اس کا شمار بیٹھا ہوا کیا کرتا تھا۔ مگر ہم میں باہم بہت جلد مفارقت ہو گئی۔ صبح ہوتے ہی عثمان آغا کو ہمارے سردار نے اونٹوں کی نگہبانی کے لیے بھیجا اور خوب دھمکا دیا کہ اگر ان پچاس اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھی جاتا رہے گا تو تیرے دونوں کان اور ناک کاٹ لی جائے گی اور اگر ان میں سے کوئی مر گیا تو وہ اس زر فدیہ میں ادا ہو جائے گا جو تو اپنی رہائی کے لیے آخر کبھی دے گا جو نہی میرے کان میں یہ آواز پڑی کہ یہ فدیہ لینے پر ہمیں رہائی دیں گے مجھے ایک امید سی بندھ گئی میں نے پہلے اپنے مالک کو ایک اونٹ کے زین پر بٹھایا۔ تھوڑا سا پانی ادھر ادھر سے لے آیا اور ایک صابون کا ٹکڑا آگے رکھ لیا اور استرے سے جو تمام دولت کھو کے بچا تھا کل آدمیوں کے سامنے اس کی حجامت بنائی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ میری لیاقتوں اور قابلیتوں کا اظہار ضرور مجھے آئندہ منفعت بخشے گا۔ جو نہی ہر شخص کو معلوم ہوا کہ یہ حجامت بنانا جانتا ہے سب نے حجامت بنوائی اور یہ آواز رفتہ رفتہ میرے سردار کے ان میں بھی پہنچی۔ اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا فوراً میری حجامت بنا۔ میں نے اس کے بڑے سر پر عمل کرنا شروع کیا۔ جگہ جگہ سر پر تلواروں کے زخم پڑے ہوئے تھے اور اس کے سر کی سطح ایسی کھردری تھے جیسے بھیڑوں کی جلد ہوتی ہے جب اس نے اپنی حجامت اسی اوزار سے بنی ہوئی دیکھی جس سے اس کی بھیڑ کے بال صاف ہوتے تھے یہ شخص تو اس سے زیادہ اور عیش جانتا ہی نہیں تھا کہ شہری حجام سے حجامت بنوائے اس کو تو یہی بہشت ہو گئی گویا سردار نے میرے ہاتھ کے نیچے بہشت کو سمجھا۔ اس نے فوراً اپنا اطمینان ظاہر کیا اور میری ملازمت کو پسند کیا اور قسم کھا کے کہا کہ میں تیرا ہر گز کچھ فدیہ نہیں لوں گا یعنی تیرے لیے کبھی فدیہ قبول نہ کروں گا۔ خیر جو کچھ ہوا اب تو تو میرا خاص حجام مقرر ہو گیا۔ میں نے بھی اس پر یہی ظاہر کیا کہ میرا ابھی خاص منشا اس موقع پر یہی تھا۔ جب میں نے جھک کے اپنے نئے آقا کے پیروں پر بوسہ دیا اور ہر طرح سے فرمانبرداری۔ اطاعت۔ اور آداب ظاہر کیے تو اب میں یہ سوچنے لگا کہ اس قسم کی آزادی ہونی چاہیے کہ میں یہاں سے بے خوف و خطر کافو ہو جاؤں۔ اکثر سردار کے پاس حاضر رہنے سے مجھے ایک غلبہ اس کی

طبیعت پر ہو گیا۔ گو اب بھی میری خوب نگہبانی کی جاتی تھی لیکن پھر بھی بچنے کی تدابیر سوچتا تھا۔ جو میرے کام آئیں اور جنھوں نے مجھے اس حقارت ناک قید اور غلامی سے رہائی دی۔

چوتھا باب

فراست سے اپنے آقا کے مال کی نگہداشت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر

اس قید ذلت سے بچنے کے لیے پہلی تدبیر جو میرے خیال میں آئی وہ یہ تھی کہ اپنے آقا عثمان آغا کے اس روپیہ پر قبضہ کر لوں جو اس کی پگڑی میں سلا ہوا تھا۔ لیکن یہ عمامہ یا پگڑی ایک عورت کے ڈیرے کے کونے میں پڑی ہوئی تھی جہاں تک میری رسائی نہ ہو سکتی تھی اور یہاں ذرا فراست کا بہت کچھ خرچ تھا کہ اس طریقے سے اڑائی جائے کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو خبر تو خبر شبہہ تک نہ ہو میں نے ان سب لوگوں میں اپنی شہرت حجام کے نام سے کر دی اور کل اشخاص مجھ کو عزیز سمجھنے لگے تو میرے پاس اس تیقن کے لیے بہت سے اسباب تھے کہ بانو میرے مالک ترکمان کی بیوی مجھے پہلے کی نسبت بہت جاننے لگی ہے لیکن مشکل تو یہ تھا کہ نہ اس نے اور نہ کسی عورت نے مجھ سے کبھی بھی کوئی کام جراحی یا نشتر وغیرہ کا لیا۔ صرف کنکھیوں کنکھیوں میں باتیں ہوا کرتی تھیں جن سے الفت دلی کا جلوہ پایا جاتا تھا اس کی طرف سے تو شفقت آمیز نظارے اور میری جانب سے شکریے اور اطاعت کے نشانات باہم جواب و سوال کرتے تھے۔

لیکن چونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ فارس کے حجام صرف اصلاح ہی بنانا نہیں جانتے بلکہ سرجری بھی جانتے ہیں اور یہ حمام میں علاوہ حجامت کرنے اور مالش کے فصد بھی کھول سکتے ہیں دانت نکال سکتے ہیں اور ٹوٹا ہوا عضو موقع سے بٹھا سکتے ہیں۔ بانو کو فوراً اس امر کی ضرورت ہوئی کہ فصد کھلوائے اس نے میرے پاس پیغام بھیجا کہ تو فصد کھول سکتا ہے۔ میں نے اس سے مناسب اور ساعت مسعود کوئی بھی نہیں سمجھی اور اس بات پر نظر کر کے کہ جس شے کا مجھے تردد ہے اس کی بابت بھی کچھ اطلاع ملے گی اور شاید وہ میرے ہاتھ ہی لگ جائے میں نے فوراً جواب دیا کہ میرے پاس اس کا سب سامان بھی موجود ہے اور میں اس پھرتی اور عمدگی سے فصد کھولوں گا جس سے میری استادی کا خود اعتراف ہو گا۔ وہ اوزار پیش کیا گیا۔ اس قوم کے ایک سربر آوردہ شخص نے جو کچھ کچھ یوں ہی برائے نام جوتش سے واقفیت رکھتا تھا اس نے کہا۔ کل صبح کو دو سیارے باہم ملیں گے وہ وقت فصد کے لیے بہت ہی اچھا

ہو گا۔ اس ساعت مسعود پر مجھ کو اس عورت کے ڈیرے میں بلایا۔ میں نے دیکھا کہ بانو ایک چادر پر جو زمین میں بچھی ہوئی ہے بیٹھی ہے اور میرا بڑے صبر سے انتظار کر رہی ہے۔

یہ اس قسم کی عورت تو تھی نہیں جو مجھ ایسے ناتجربہ کار میں کچھ فطرتی نزاکت کے توہمات بڑھاتی کیونکہ اس کا قد ہی بڑا بے ڈھنگا تھا جس میں بھاری پن پایا جاتا تھا میں نے اس کی طرف بہت ہی نفرت سے دیکھا لیکن پھر مجھے یہ بھی ڈر ہوا کہ اگر کوئی بات بھی اس کی طبیعت کے خلاف ہو گی تو پھر کانوں کی خیر نہیں ہے اسلان سلطان اڑا دا ہی دے گا۔ لیکن اس عورت نے مجھ پر بہت ہی توجہ مائل رکھی اور جس قدر کہ اس کی سہیلیاں تھیں سب مجھ پر پلی پڑتی تھیں اور مجھ کو کوئی بڑا شخص تصور کرتی تھیں اور ہر عورت اپنی نبض دکھانے کو آمادہ تھی جب میں بانو کی فصد کھولنے کو ہوا تو اب میں نے اپنی نظر شے مطلوبہ پر ڈالی جس پر قبضہ کرنے کی مجھے فکر لاحق ہو رہی تھی۔ فوراً مجھے خیال آیا کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں کوئی تدبیر ایسی نکالوں کہ کام کا کام بن جائے اور کسی کو معلوم نہ ہو میں نے ذرا توجہ سے ایک دفعہ اور بھی نبض کو دیکھا۔ اور اب کی بار بہت غور کر کے میں نے ظاہر کیا کہ یہ ایک بہت ہی اہم اور کچھ پیچیدہ امر ہے کیونکہ خون کو ایک ظرف میں جمع ہونا چاہیے تاکہ بعد ازاں فرصت میں اس کا امتحان کر سکوں میری اس تعجبانہ تجویز سے سب عورتوں میں ایک دند مچ گیا لیکن بانو کی مرضی یہی ہوئی کہ میرے ہنرمندانہ اور عالی کام میں اپنی رائے سے مضبوطی دے۔ یہاں مگر ایک نئی مشکل اور پیدا ہو گئی اور وہ یہ تھی کہ ترکمان کے اقل ذخیرہ میں ایسا ظرف کہاں تھا کہ وہ اس کو اس کام کے لیے صدقہ کر دیتا اور ہمیشہ یہ غلیظ بنا رہتا۔ ہر ایک ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ یہ بات کیونکر بن پڑے گی میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ آیا میں ہی اپنے خاص اسی موقع پر جاؤں کہ اتنے میں بانو کے خیال میں ایک پرانے چمڑے کے پیالہ آ گیا اسی وقت ایک عورت سے کہا کہ تو ڈیرہ کے کونے میں جا کر دیکھ۔ جب وہ پیالہ آیا تو میں نے ڈیرے کی طرف اس کو اٹھا کر دکھایا کہ دیکھو اس میں سے روشنی معلوم ہوتی ہے اور میں نے نشتر سے روزن دکھائے اور میں نے اسی نشتر سے اس کے چھ ٹکڑے کر ڈالے۔

بانو۔ اس پرانے امیر کی ٹوپی کہاں ہے۔

ترکمان کی دوسری بیوی۔ وہ تو میری ہے میں نے اپنا زین درست کرنے کے لیے لی تھی۔

بانو۔ خوب تند ہو کے کفی باللہ شہیدا۔ کیا میں اس کی حرم نہیں ہوں۔ میں اسے ضرور لوں گی۔

دوسری بیوی۔ تمھیں نہیں ملنے کی

اب لڑائی ہونی شروع ہوئی اور وہ چیخ پکار ہوئی کہ معاذ اللہ میں یہ سمجھا اور مجھے خوف ہوا کہ کہیں اسلان سلطان کے کان تک یہ آواز نہ پہنچ جائے نہیں وہ ایک نہ ایک کا قصہ ہی چکادے گا لیکن خوش قسمتی سے وہ ہی نجومی آ گیا اور اس نے اس دوسری بیوی کی طرف مخاطب ہو کے کہا یاد رکھنا اگر کوئی بات بری بنی اور صورت غیر ہوئی تو بانو کا خون تمھاری گردن پر ہو گا یہ سنتے ہی وہ اپنی چیز دینے پر راضی ہو گئی میں نے جلدی سے فصد کھولنے کی تیاری کی اور نشتر نکالا۔ جب بانو نے نشتر کو دیکھا اور وہ ٹوپی دیکھی جو نیچے رکھی ہوئی تھی اور جس میں خون بہہ بہہ کر گرتا تھا اور ان عورتوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں کہ جو ارد گرد کھڑی ہوئی تھیں تو بانو ڈر گئی اور کہا میں فصد نہیں کھلواتی مجھے خوف معلوم ہوا کہ لیجیے ساری کوشش شے مطلوبہ کی ندارد ہوا چاہتی ہے میں نے ٹکٹکی باندھ کے دیکھا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور کہا بانو صاحبہ آپ کا انکار فضول ہے کیونکہ آپ کی یہ قسمت ہو چکی کہ آپ فصد کھلوائیں اور اس میں آپ کا خون گرے اور نہ آپ نہ کوئی شخص اس امر کو جانتا ہے کہ روز ازل میں کیا کیا انسان کی تقدیر میں لکھا ہے اور ایک شخص کو زندگی میں کتنے حوادثات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بانو نے تو اس کا جواب کچھ بھی نہیں دیا لیکن اور عورتیں راضی ہو گئیں اور بانو سے کہا آپ بہت بڑا گناہ عظیم کریں گی کیونکہ آپ اس لکھے کی مخالفت کرتی ہیں جو آپ کی تقدیر میں لکھا جا چکا بانو نے اپنی بانہہ برہنہ کر کے آگے کر دی اور میرے نشتر کی بھونک کو جرات اور دلاوری سے سہا فصد کھولتے ہی خون ٹوپی میں لے لیا گیا جب پٹی وٹی باندھ دی اور کام ختم ہو چکا تو میں نے کہا کہ یہ خون ڈیرے سے کچھ دور فاصلے پر لے جایا جائے گا اور سوا میرے کوئی شخص اس کو ہاتھ سے چھو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ بہت سی برائیاں بھلائیاں جو فصد کھولنے سے پیدا ہوئی ہیں صرف اس خون پر منحصر ہیں جب وہ جسم سے زمین پر گرتا ہے۔ غرض میں اسے اٹھا کے اپنی جگہ پر لے آیا رات تک تو میں نے کچھ نہ کیا جب رات ہوئی اور سب سو گئے تو میں نے وہ ہی ڈاکیٹ اس ٹوپی میں سے ادھیڑی پورے پچاس نکلے میں نے فوراً قریب کی جگہ میں اسے پوشیدہ کر دیا اور پھر گڑھا پیالہ کے لیے ایک کھودا اس کو بھی وہیں پیوند کیا۔

علی الصباح میں نے بانو سے کہلا بھیجا کہ شب کو جب تمھارے خیمہ کے ارد گرد میں نے بھیڑیوں کو شور مچاتے ہوئے سنا تو مجھے ڈر لگا کہ ایسا نہ ہو کوئی صورت اس کے خون پر دگرگوں آ کے واقع ہو اس لیے میں نے خون اور جس میں خون تھا سب کو زمین میں دفن کر دیا۔ اس بات سے بانو مطمئن خاطر ہوئی اور مجھے اپنی اس خدمت کے

معاوضہ میں بانو نے ایک رکابی میں ایک پورے برہ کے کباب اس میں چانول اور کشمش بھری ہوئی جس کے ساتھ ایک لکڑی کے کانسہ میں اوٹا ہوا دودھ جس میں نمک پڑا ہوا تھا بھیجا۔ یہ سب کھانا بانو کے ہاتھ کا پکا ہوا تھا۔
اب مجھے یہ خیال ہوا کہ جب میرے قبضہ میں پچاس ڈاکیٹ اپنے سابق آقا عثمان آغا کے آ گئے جو کس مصیبت سے اونٹوں کے ساتھ پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا تھا اور مجھے اس کے مقابل عیش و عشرت تھی جب یہ خیال میری طبیعت میں آیا تو میں کچھ سا راضی ہوا کہ یہ پچاس ڈاکیٹ اسے واپس کر دوں لیکن حاصل ہوئے روپیہ کا لالچ تو برا ہوتا ہے میں نے اپنے دل میں یہ ردوبدل کرنی شروع کی کہ کیا یہ میری فراست و کیاست کا نتیجہ نہیں ہے روپیہ تو کبھی کا جہنم واصل ہو چکا تھا تو پھر مجھ سے زیادہ اس کا بہتر دعویدار اور کون بن سکتا ہے اگر فرضاً باللہ میں یہ زر نقد اسے واپس بھی دے دوں تو اس حالت میں یہ اس کو مفید ہی کیا خاک ہوں گے غرض کچھ ہو اس سے تو یہ لے ہی لیے گئے اب میں ان کا خاصہ مالک بن سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ اس کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ اس کے پاس سے جاتے رہیں اور میری قسمت میں ان کا پھر آنا بدا ہوا تھا صرف اس خیال سے ساری مشکلات دور ہو گیں اور اب اپنے کو اس کا اصلی مالک تصور کرنے لگا کیونکہ مجھے اس امر کا یقین تھا کہ کوئی قانون بھی مجھ اس کے واپس کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ جونہی میرے پاس وہ کھانے کی رکابی آ کے پہنچی تو میں نے چاہا کہ ایک گوالیے لونڈے کے ہاتھ اس میں سے نصف کھانا پہاڑوں میں اپنے آقا کو پہنچاؤں چرواہے کے لونڈے نے یہ کہہ کر اقرار کر لیا کہ میں ایک چانول بھی اس میں سے نہیں کھاؤں گا اور پورا کھانا اسے پہنچا دوں گا گو مجھے اس کے کہنے پر شبہ ہوا لیکن ڈیوکیٹ کی بحث کے بعد میرے دماغ نے سکوت اختیار کیا۔ کس شوق سے میں اس نعمت غیر مترقبہ میں اسے شریک بناتا تھا میرا ہرگز جی نہیں چاہتا تھا کہ ذرا بھی اس کے حصہ میں کم کروں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اس لونڈے نے وہ نالہ طے کیا ہو گا اور میں یہ خیال کر رہا تھا کہ میرے آقا کے منہ تک یہ کھانا پہنچے گا لیکن مجھے اس کا شبہہ بھی نہیں تھا کہ جونہی یہ لونڈا میری نظروں سے غائب ہوا ہڈیاں چھوڑی ہوئی راستہ ہی میں رہ جائیں گی۔ یہ بات محض فضول تھی کہ میں اس کا پیچھا کرتا اس لیے کہ دوری بہت تھی جو ہماری راہ میں حد فاصل تھی۔ میں نے چاہا کہ اس کے سر پر ایک پتھر رسید کروں اور کچھ لعن طعن کروں لیکن وہ اتنی دور نکل گیا تھا کہ کچھ بھی نہ ہو سکتا تھا۔

پانچواں باب

حاجی بابا کا قزاق بن کے اپنے ہی شہر پر چھاپہ مارنا

مجھے ترکمان کے پاس ایک سال گزر چکا تھا اور میں نے اپنے مالک کا پورا بھروسہ اپنے اوپر حاصل کر لیا تھا تمام کاموں میں اور دن کی طرح مجھ سے بھی مشورہ لیتا تھا۔ جب اسے مجھ پر پورا بھروسہ ہو گیا تو اس نے مجھے بھی اس گروہ کے ساتھ فارس میں تاخت و تاراج اور غارتگری کے لیے اجازت دینے کا ارادہ کیا۔ چونکہ یہ ہی بچنے کے لیے نہایت عمدہ موقع تھا اس لیے میں نے اس سے کئی بار التجا کی تھی کہ آپ مجھے بھی اپنی ہمرکابی میں چلنے کی اجازت فرمائیں آج تک مجھے اس امر کی اجازت نہیں ملی تھی کہ میں ان ڈیروں خیموں کی حدود سے پرے جا سکوں اور چونکہ میں ان راہوں سے محض ناآشنا تھا کہ جو نمکی جنگلوں میں ہو کے گئی ہیں اور جو فارس کے حدود کو ہم سے جدا کرتی تھیں۔ یہ محض فضول تھا کہ میں بھاگنے کی کوشش کرتا۔

مجھ سے پہلے جتنے بھاگے تھے کیا تو وہ راستہ ہی میں ملک عدم کو سدھارے اور اگر گرفتار ہو کے واپس آئے تو پہلے سے بھی زیادہ ان پر سختی کی گئی۔ اب میں خوش ہوا کہ مجھے اس ملک کے دیکھنے کا بہت ہی اچھا موقع ہاتھ لگا ہے کیونکہ انھیں جنگلوں کو مجھے طے کرنا تھا میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ اگر اس مہم میں بھاگ جانے کا موقع نہیں ملا تو نہ ملے واپس ہونے پر میرے فرار ہونے کی کوشش کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

عموماً ترکمان موسم بہار میں تاخت و تاراج کرتے ہیں اس زمانے میں جنگلوں میں ان کے گھوڑوں کے لیے چارہ کافی ہوتا ہے اور میدانوں میں تازہ تازہ اناج دستیاب ہوتا ہے اس لیے ضرور ہی انھیں کوئی نہ کوئی کاروان تاخت و تاراج کرنے کے لیے مل ہی جاتا ہے۔

یہ موسم ختم ہونے کو تھا۔ اسلان سلطان نے تمام سرداروں کو بلایا ان میں وہ سردار بھی تھے جو دس آدمیوں پر افسر تھے وہ بھی تھے جو سو آدمیوں کی کمان کرتے تھے ان سے یہ مشورہ کیا کہ اب فارس کے جگر میں چھاپہ مارنا چاہیے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ خاص اصفہان تک پہنچیں شب کو شہر میں گھس جائیں۔ جب کہ بالکل سناٹے کا عالم

ہو اور اس کاروان سرا کو لوٹ لیں جہاں دولتمند تاجروں کا اژدہام ہو ہمارا رہنما ان نمکی جنگلوں میں خود میرا آقا تھا کیونکہ اس کا تجربہ اور دیسی علم اس کے ہمعصروں سے بڑھا ہوا تھا اس نے اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ تم میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اصفہان کے بازاروں اور شاہراہوں سے واقف ہو لیکن میں بخوبی جانتا ہوں تو جب ہم شہر میں داخل ہوں گے تو سب کی رہبری میں ہی کروں گا۔ کئی شخص اس کے مخالف ہوئے اور انھوں نے کہا کہ یہ نہایت ہی غیر عاقبت اندیشی ہے کہ ہم اس شخص پر بھروسہ کریں جو خود اس شہر کا رہنے والا ہے جس پر ہم چھاپہ مارنے کو ہیں یہ ضرور اس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا غرض بڑی بحث کے بعد یہ امر طے پایا کہ میں اصفہان میں ان کا رہنما بنوں۔ دو آدمی دونوں طرف میرے مقرر کر دیے کہ اگر وقت تاخت و تاراج میں بھاگنے کا ارادہ کروں تو مجھے وہیں قتل کر دیں۔

یہ امر طے پا گیا۔ ترکمانوں نے ذرا اپنے گھوڑوں کی باگیں دیکھیں۔ ایک گھوڑا مجھے دیا گیا جو اور گھوڑوں سے دگنا دم رکھتا تھا۔ میں ایک ترکمان کی طرح سازوسامان سے درست ہوا ایک بھیڑ کے چمڑے کی بڑی ٹوپی میرے سر پر پنھائی گئی۔ ایک بھیڑ کے چمڑے کا کوٹ میں نے زیب تن کیا۔ ایک تلوار ایک تیر و کمان ایک ترکش اور ایک وزنی بھالہ جس کا اوپر کا سرا علیٰحدہ کر لیا جاتا تھا اور جہاں ضرورت ہوئی پھر اسی جگہ رکھ لیا جاتا تھا۔ ایک توبڑا اناج کا میرے پیچھے گھوڑے پر بندھا ہوا تھا۔ علاوہ باگڈور کے جس سے گھوڑے کو وقت قیام باندھتے ہیں ایک بندھن روٹیوں کا جن میں کئی انڈے رکھے ہوئے تھے لٹک رہا تھا کہ اگر ضرور ہو تو ان کا استعمال کیا جائے۔ جب سے میں ان ترکمانوں میں گرفتار ہو کے آیا ہوں شدید اور سخت ہی باتوں کی برداشت کرتا رہا زمین پر سونا پڑتا تھا اور جو چیز پتھر وغیرہ ملا اس کو سرہانے رکھ لیا اس طرح سے مجھے بستر کی ضرورت نہ رہی۔

ہمارے ساتھی بھی سب اسی طرح سے تکالیف کو برداشت کرنے والے تھے اور جسمانی محنت میں تو ہم ایسے مشاق تھے کہ دنیا میں ہر قوم کا مقابلہ کر سکتے۔

میں نے اپنے سابق مالک عثمان آغا سے اقرار کر لیا جو کس سختی اور آفت میں مبتلا تھا کہ آپ گھبرائیے گا نہیں جہاں تک مجھ سے ممکن ہو گا موقع دیکھ کے آپ کے رفقا سے تمھاری خلاصی کے لیے کہوں گا کہ کوئی فدیہ دے کر تمھاری آزادی کی کوشش کرے اور تمھیں اس قید سخت سے نجات دلوائے۔

عثماں۔ افسوس کر کے۔ بھئ کوئی بھی کبھی میر افدیہ دے کر مجھے رہائی نہ دلوائے گا۔ میر ابیٹا ہے وہ بہت خوش ہو گا کیونکہ اس کے ہاتھ میری کل ملکیت لگ جائے گی۔ بیوی ہے وہ خوشی خوشی دوسرا خصم کرے گی اس لیے کوئی بھی امید نہیں ہے۔

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم

حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

یہ سب اسی نفع کا صدقہ ہے جو بھیڑوں کے چمڑے پر میں قسطنطنیہ لے کر جاتا۔

اب دوبارہ میرے دماغ میں ڈیوکیٹ کی نسبت خیال پیدا ہونے لگے۔ اگر میں اسے واپس دے دوں۔ اور پھر اس کو یہ کچھ مفید بھی نہ ہوں تو اس سے یہی بہتر ہے کہ میں اپنے ہی پاس رہنے دوں میری قابلیت جس نے مجھے اس موقع کی صورت دکھائی شاہد تو اسی امر کی ہے کہ میری تھیلی میں کچھ زر نقد پڑا رہے اور خبر نہیں کس موقع پر یہ میری دستگیری کرے غرض ان سب پہلوؤں پر نظر کر کے میں نے اس زر نقد کو کمر کا کمر ہی میں بندھا ہوا رہنے دیا۔

نجومی نے جب روانگی کی نیک ساعت دیکھ لی تو ہم نے رات ہوتے ہی کوچ کیا۔ ہماری جماعت میں اسلان سلطان جو اس مہم میں افسر مقرر ہوا تھا۔ اور مجھ سمیت بیس آدمی اور تھے ہمارے جتنے ساتھی تھے وہ مختلف قیام گاہوں کے تھے جو ہمارے پڑوس ہی میں تھیں مگر کم زیادہ سب شہسوار اور دلیر مسلح تھے وہ عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے جن کی پھرتی اور چابکی ایشیا میں مشہور ہے جونہی ہم مسلح ہو کر چاندنی میں سوار ہوئے۔ مجھے یہ ذہن نشین ہو گیا کہ ہم لوگوں کی صورت ایک ہلا کو گروہ کی سی ہے جو ہمیشہ راہ زنی کرتا رہتا ہے میں نے صرف اپنی ہی نسبت خیال کیا کہ تیری فطرت ہی میں جنگجوئی نہیں ہے تو کیونکر میدان میں اسپ تیز کو اڑائے گا۔ مگر پھر بھی میں نے اپنے اور ساتھیوں کے ساتھ نبھایا اور مجھے یقین ہے کہ میں نے کام تو ایسا پورا کیا تھا جس نے میرے مالک اور اس کے ساتھیوں کو یقین دلا دیا تھا کہ ہمارے ہاتھ بہت بڑا رستم لگ گیا ہے لیکن واقعی میں تو لرزہ جاتا تھا جب کبھی کوئی موقع ہوتا تھا میں اپنے سردار کی اس دلیرانہ رہنمائی پر بہت ہی متعجب ہوا تھا جو وہ گنجان جھاڑی دار جنگلوں میں ہماری کرتا تھا جس پر پہاڑ جن سے خفچاق کی حدبندی ہوتی ہے چھا رہے تھے خوفناک پہاڑوں کے اتار چڑھاؤ کے

راستے اور ڈھلوان راہیں ایسی تھیں کہ مجھ جیسے نوجوان مسافر کو ڈراتیں۔ لیکن میرے ساتھی اپنے گھوڑوں کی مضبوطی کے بھروسہ پر بے پروائی سے باگیں اٹھائے ہوئے برابر چلے جارہے تھے۔

پہاڑوں سے اتر کے ہم فارس کے خشک میدانوں میں داخل ہوئے اور یہاں میرے آقا کا علم ملک پر نمایاں ہوا جو چوٹی قلعہ وغیرہ اس لمحہ اسے دکھائی دیتا تھا اس کو وہ جان لیتا تھا جیسے ایک تجربہ کار فرانسیسی کشتیان راس زمین کی دوری کو سمندر کی طرح پہچان لیتا ہے۔ اس نے پیروں کے نشان اور جانور کے قدموں کے کھوج کے نہایت ہی دانائی سے نتائج نکالنے شروع کیے وہ کہہ سکتا تھا کہ ان راہوں سے مسافر آئے گئے ہیں۔ کس طرف سے آئے اور کہاں چلے گئے آیا دشمن تھے یا دوست تھے ان کے ساتھ مال و اسباب تھا یا خالی تھے اور ان کی تعداد کیا تھی۔

ہم نے فارس کے حصص تک بہت ہی احتیاط اور ہوشیاری سے سفر کیا۔ دن کو قیام کرتے اور شب بھر اپنی راہ طے کرتے۔ ہمارا چارہ گھاس اور خوراک ان خانہ بدوش قوموں کے قیام گاہ سے جن سے ہم نمکی جنگلوں میں پہنچنے سے پہلے ملاقی ہوئے تھے از سر نو فراہم ہو گئی تھی اور جب ہم ان جھاڑی دار جنگلوں میں داخل ہوئے تو ہم نے اس زور سے اپنے گھوڑوں کو ہکایا گویا بس گھوڑے جواب دے دیں گے۔ آخر کار ایک سو بیس فرسنگ (ساڑھے تین میل کا ایک فرسنگ ہوتا ہے) راستہ طے کر کے ہم حوالی اصفہان میں پہنچے وہ وقت آ گیا۔ جس میں میری جرات معلوم ہو اور اس دور دراز سفر کا کوئی نتیجہ نکلے۔ جس وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے ہیں اس وقت میرے دل نے بالکل دھوکا دیا۔

ان کی یہ تجویز ہوئی کہ شہر میں ان راستوں سے جن کے دوطرفہ درخت ہوں اور کسی قسم کی وہاں کوئی حفاظت نہ ہو گھس چلیں اور ان کو میں بخوبی جانتا تھا اور جس وقت کہ آدھی رات ہو تو سیدھے شاہی کاروان سرا کو چلے جائیں جہاں ہمیں یقین تھا کہ کثرت سے تاجر موجود ہوں گے اس وقت یہ تاجر موسمی اشیاء خریدنے کے لیے روپیہ جمع کرتے ہیں تو ہم تمام روپیہ جس قدر ہمیں ملے گا سمیٹ لیں گے اور اگر ممکن ہوا تو ہر ایک تاجر کو باندھ بھی لیں گے اور یہ سارا معاملہ اس پھرتی سے ہو کہ شہر کے خبردار ہونے سے پہلے ہم اپنی قیامگاہوں کی طرف جاتے ہوئے سڑکوں پر معلوم ہوں لیکن میں نے اس تدبیر کو ایسا پر خوف دیکھا اور مجھے ایسی مشتبہ معلوم ہوئی کہ مجھے کامیابی کی آس جاتی رہی اور میں نے ان کو یہ رائے دی کہ ہمیں اس طرح سے ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن میرے مالک نے میری طرف ایک پر ارادہ تیز نظر سے دیکھا اور کہا۔ حاجی اپنی آنکھیں کھولو۔ یہ بازی طفلاں نہیں ہے۔ میں آنحضرتؐ کی ریش مبارک کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر تو نے ٹھیک ٹھیک کاروائی نہ کی اور راستہ سے نہ چلا تو یاد رکھیو کہ تیرے باپ کو پھوک دوں گا۔ ہم پہلے کامیاب ہو چکے ہیں۔ پھر ہم اب کیوں نہ کامیاب ہوں گے۔ پھر اس نے مجھے حکم دیا کہ تو میرے ساتھ سوار ہو کے چل دے اور دوسرے ہلاکو قزاق کو میری دوسری طرف متعین کیا اور دونوں نے دینی عہد کیا کہ اگر تو ذرا بھی جھجکا اور کھسکنے کا اردہ کیا تو خوب سمجھ لیجیو کہ جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ پھر ہم روانہ ہوئے اور میں اپنی واقفیت سے ویران حصص اصفہان میں انھیں لے کے گزرا۔ یہاں سے ہم اصفہان کی آباد شاہراؤں میں آئے مگر بسبب رات کے بالکل سناٹا تھا جب ہم عین واردات پر پہنچے تو ہم ایک کھنڈر کی آڑ میں سب ٹھہر گئے جو کھنڈر آباد حصہ شہر میں بھی ہر جگہ پائے جاتے تھے ہم سب گھوڑوں پر سے اتر آئے اور اپنے گھوڑوں کو باگ دوڑوں سے باندھ دیا۔ دو آدمی ہم میں سے ان کی حفاظت کے لیے رہ گئے۔ دور اندیشی سے ہم نے پہلے ہی اصفہان سے پانچ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مقام تعین کر لیا تھا کہ اگر کوئی دوسری صورت پیش آئے تو ہم وہاں جا کے قیام کریں اب ہم چپکے چپکے چلے اور جہاں تک ہم سے ممکن ہوا ان بازاروں سے بچتے ہوئے جہاں پولیس کے افسر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔ غرض گلیوں میں ہو کر ہم کاروان سرا کے دروازے تک پہنچے یہاں تک وہ مقام تھا جس کو میں بخوبی جانتا تھا یعنی میرے باپ کی دکان تھی جہاں وہ بیٹھ کر حجامت بنایا کرتا تھا جب ہم نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے تو میں نے اپنے سب ساتھیوں کو وہیں ٹھہرا دیا اور ایک پتھر سے لے کر دروازہ کھٹکھٹایا اور دربان علی محمد کے نام سے پکارا کہ دروازہ کھولو ایک کاروان آکر پہنچا ہے۔

دربان۔ اور کچری نیند میں کھولنے کی دھند میں کون سا کاروان ہے۔

میں۔ بغداد سے کاروان آیا ہے۔

دربان۔ بغداد سے واہ وہ تو کل پہنچ بھی چکا کیا تم مجھ سے مضحکہ کرتے ہو۔

اس کو دھوکا دینے کے لیے آخر مجھے مجبوراً اپنا نام بتانا پڑا۔ کاروان ہی ہے میں حاجی بابا قرب علی حسین حجام کا بیٹا ہوں میں ہی عثمان آغا تاجر کے ساتھ بغداد گیا تھا میں وہاں سے خبریں لے کے آیا ہوں اور مجھے امید ہے کہ دروازہ کھول دو گے۔

دربان۔ آہا کیا حاجی بابا آیا ہے ارے بھئی تمھاری دوکان تو مدت سے خالی پڑی رہتی تھی تم نے میری بھی خوب حجامت بنائی تھی آؤ جم جم آؤ۔

اس بنا پر اس نے دروازہ کھولا جن میں ہو کر کاروان سرائے میں داخل ہوتے تھے جب وہ اپنی چولوں پر چرچرا کے کھلے تو ایک ضعیف شخص لالٹین لیے ہوئے معلوم ہوا جس سے معلوم ہو گیا کہ کاروان سرائے سوداگران اور ان کے مال سے پر ہے۔

ہم میں سے ایک شخص نے تو اسے گرفتار کر لیا اور ہم سب اندر چل پڑے اور اپنا کام کرنا شروع کیا چونکہ میرے ساتھی اس قسم کے چھاپوں اور تاخت و تاراج میں منجھے ہوئے تھے اس لیے انھیں بخوبی واقفیت تھی کہ کس مقام پر لوٹ مچانی چاہیے۔ جس قدر سونا چاندی انھیں ملا سب کو انھوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن ان کا پہلا کام یہ تھا کہ دو تین دولتمند تاجروں کو پکڑ لیں تاکہ ان سے بھرپور زر فدیہ ہاتھ لگے سب میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ہم نے تین تاجر گرفتار کیے جو نفیس بستروں پر دوشالے کی توشکوں پر خواب نوشین میں آرام کر رہے تھے اسی سے معلوم ہوا کہ وہ دولتمند ہوں گے۔ جب ہم سب اپنا مطلب پورا کر چکے اور لوٹ کھسوٹ سے واپس آئے تو ہم نے ان تاجروں کو گھوڑوں پر پیچھے بٹھا لیا لیکن اپنے قاعدے کے موافق ان کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے تھے۔

کاروان سرا اور اس کے سب کمرے میری نگاہ میں تھے میں خوب جانتا تھا کہ یہاں بڑے بڑے تاجر آ کر قیام کرتے ہیں۔ مجھے اس سے بھی پوری آگاہی تھی کہ زر نقد کہاں ہاتھ لگے گا میں اس کمرے میں گیا جہاں میرا آقا آغا عثمان قیام پذیر رہا تھا اور میں نے وہاں سے ایک چھوٹا سا بکس اٹھایا جس میں تاجر اکثر روپیہ رکھا کرتے ہیں اور میں نے اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب میں نے دیکھا کہ اس میں ایک وزنی تھیلی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اپنی چھاتی سے لگایا اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا اس کو پاس سے علیٰحدہ نہ ہونے دیا گو اندھیرے میں میں یہ تو نہیں دیکھ سکتا تھا اس تھیلی میں کیا بھرا ہوا ہے شہر میں خبر ہوتے ہوتے ہم اپنا کام پورا کر چکے تھے۔

تقریباً کارواں سرا کے کل آدمی مثلاً ملازم، سائیس، خچر ہکانے والے اول ہی شور و غوغا میں چھت پر جا کھڑے ہوئے۔ پڑوسی غول کے غول چلے آئے۔ لیکن ابھی تک انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے پھر پولیس بھی آئی اس کے افسر بھی آئے۔ مجسٹریٹ صاحب بھی براجے اور یہ سب دیواروں پر جلدی جلدی چڑھ آئے تھے انھوں نے شور مچانا شروع کیا لینا پکڑنا قتل کرنا مگر سب محض بے سود تھا دشمن کا کچھ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ ان

لوگوں نے چند اٹکل پچو فیر بھی کیے لیکن چونکہ ایک تو اندھیرا تھا اور دوسرے پریشانی اور ابتری پھیل رہی تھی ہمیں کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا۔ اس اندھادھند میں چاہتا تھا کہ میں ان لوگوں سے جدا ہو جاؤں اور کسی پوشیدہ مقام پر چھپ رہوں اور جب وہ چلے جائیں تو اپنے گھر کا راستہ لوں لیکن پھر مجھے یہ خیال پیدا ہوا تا تھا کہ اگر میں بھاگنے میں کامیاب ہوا اور ان قزاقوں سے کے ہاتھ سے نکل گیا تو میری پوشاک مجھے خود ظاہر کر دے گی اور پہلے اس کے کہ میں بیان کروں گا کہ میں اصل میں وہ شخص ہوں اور میرا یہ نام ہے عوام الناس کا غصہ تو مجھ پر آکر ختم ہو گا میرا تو وہ سب مل کر بھرتا بنا دیں گے لیجیے یہ نتیجہ ہو گا۔ میرے باپ کی دکان میری نظروں کے آگے تھی وہ شاداں اور خوش خرم دن جو میں نے اس دکان میں گزارے تھے وہ بھی مجھے یاد تھے۔ اب میں خود اپنے دل میں اس عیص بیص میں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ لیکن جب میں دیکھتا تھا کہ میں ان لوگوں کے قبضہ میں ہوں اور پہلی شے جو پھر کر معلوم ہوتی تھی وہ اسلان سلطان کا خوفناک چہرہ تھا جو دھمکی دے چکا تھا کہ اگر ذرا بھی میں نے تیری نظریں پھری ہوئی دیکھیں اور تو نے کہیں بھی کسی کام میں کوتاہی کی تو اسی جگہ پر اپنا سر خاک اور خون میں لتھڑا ہوا دیکھے گا۔ میں نے ذرا اپنی بہادری کی بانگی دکھانے کے لیے ایک فارسی کو کہ ہمارے ساتھ ساتھ تھا اور جس پر یہ آفت ناگہانی ٹوٹی تھی نیچے ڈال دیا اور اس سے کہا کہ اگر تو خاموشی سے اپنے کو قیدی تسلیم کر کے میرے ساتھ نہ چلے گا تو میں تجھ کو ابھی یہیں پیوند زمین کر دوں گا اس نے وہی معمولی فقرے رو کر اور منت و سماجت کر کے کہے ارے حضرت امام حسینؑ کا واسطہ تمھارے والد کی روح مقدس کا واسطہ حضرت عمرؓ کی ریش مبارک کا واسطہ میں عاجزی سے منت کر کے کہتا ہوں کہ تم مجھے رہائی دے دو۔ فوراً میں نے ایک آواز پہچانی جو میرے باپ کی معلوم ہوتی تھی لالٹین سے میں نے اس کا معزز چہرہ دیکھا۔ معلوم ہوا کہ جب یہ غل غپاڑہ اور طوفان بے تمیزی کی آوازیں سنیں یہ اپنے بستر پر سے اٹھ کے اپنی دکان میں گیا تھا تا کہ اپنی چیزوں سنبھالے اور وہ مال کیا تھا صرف چھ تولیے ہوں گے۔ ایک بکس استروں کا صابون اور ایک چادر بس میں نے پہچانتے ہی اس کی داڑھی پر ادب سے ہاتھ پھیرا کیونکہ ہم لوگوں میں یہ دستور تھا کہ جب والدین سامنے آتے ہیں یہ تعظیم کرتے ہیں پھر میں نے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور دست بستہ اس کے آگے کھڑا ہوا۔ میری زندگی خود خطرے میں پڑی ہوئی تھی اگر میں کچھ بھی جھجکتا تو گویا ایک جھگڑا اس کے ساتھ مول لینا تھا لیکن میں نے صرف ظاہر داری کے لیے ذرا اس پر بھی زجر و توبیخ کی اور ایک آدھ گونسا خچر کے پالان پر رسید کر دیا جہاں وہ پڑا ہوا تھا۔ لیکن جب میں نے اپنے

باپ کے یہ پر اثر الفاظ سنے کہ "اگر حاجی ہوتا تو میری یہ گت کاہے کو بنتی" مجھ پر اس کا وہ اثر ہوا کہ میں نے اسے فوراً چھوڑ دیا اور ترکی زبان میں ترکمانوں سے کہا جو گھیرے ہوئے کھڑے ہوئے تھے کہ یہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا صرف ایک نائی ہے غرض خیر ہوئی کہ کوئی بات نہیں پیش آئی وہ فوراً میرے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی طرف لپکا۔

چھٹا باب

تین قیدیوں اور لوٹ کے مال کی کیفیت

جب ہم اپنی قیامگاہ پر پہنچے گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور وہاں جانوروں کو آرام دینے اور رات کی محنت و سختی سے تازہ دم ہونے کے لیے ہم نے قیام کیا۔ ہم میں سے ایک شخص نے کہیں سے بھیڑ بھی اڑائی تھی یہ فوراًوہیں ذبح کی گئی اور جنگل کی ادھر ادھر سے لکڑیاں چن کر اس کے کباب ہوئے اور کس مزے سے ہم نے مل کر اس کو نوشجان کیا۔

ہماری دوسری ہوشیاری یہ تھی کہ ہم اپنے قیدیوں کی جانچ کریں کہ وہ کتنے پانی میں ہیں ایک شخص نو دراز قد چھریرا جسم۔ تیز آنکھیں۔ تقریباً پچاس برس کی عمر۔ سوتوان چہرہ تھوڑی تھوڑی داڑھی ریشمی شلوار پہنے ہوئے اور ایک شال کوٹ کے نیچے زیب تن کیے ہوئے۔ دوسرا شخص میانہ قد اور متوسط عمر کا تھا سرخ چہرہ۔ سیاہ جامہ پہنے ہوئے۔ سینہ پر بٹن لگے ہوئے۔ گویا بالکل ایک جج یا کہیں کا منصف معلوم ہوتا تھا۔ تیسرا شخص ایک نہایت مضبوط۔ کرخت صورت اور کریہہ المنظر تھا۔

اس کی سب سے زیادہ نگہبانی ہوتی تھی کیونکہ اس نے بڑا مقابلہ کیا تھا جب ہم کھانا کھا چکے اور باقیماندہ قیدیوں کو دے دیا ہم نے پھر انھیں اپنے آگے بلایا تاکہ ان کا نام ان کا پیشہ اور ان کی جگہ قیام دریافت کریں۔ لانبے قد کا چھریرا شخص جس کی صورت سے امیری برستی تھی اور جس کی نسبت ترکمانوں کا سردار ہونے کا خیال تھا اول ہی اس سے سوال کیا گیا۔ چونکہ اس گروہ میں صرف میں ہی تھا جو فارسی بول سکتا تھا اس لیے میں ترجمان بنا۔

اسلان سلطان۔ تم کون ہو۔

لانبا شخص بڑی دبی اور اطاعت بھری آواز سے۔ حضرت میں عرض کرتا ہوں خدا آپ کو سلامت رکھے میں کچھ بھی نہیں ایک غریب شخص ہوں۔

اسلان سلطان۔ تم کام کیا کرتے ہو۔

لانبا شخص۔ حضور میں ایک شاعر ہوں۔ اور میں کیا کر سکتا ہوں۔

ایک وحشی ترکمان۔ پھر تو کس مد میں کھپانے کے قابل ہے۔

اسلان سلطان۔ کسی میں بھی نہیں (مگر غصہ میں) یہ دس تومان (فارسی کا سونے کا سکہ 14 شلنگ کے برابر ہوتا ہے) بھی تو نہیں لا سکتا شاعر ہمیشہ مفلس ہوتا ہے ان لوگوں کی زندگی صرف دوسروں پر منحصر ہے۔ پھر شاعر کا زر فدیہ کون ادا کرے گا۔ اگر تم ایسے غریب ہو تو استاد یہ قیمتی کپڑے کیسے پہنے ہوئے ہو۔

شاعر۔ یہ جناب ایک عزت کی پوشاک ہے شہزادہء فارس کی تعریف میں میں نے قصیدہ کہا تھا اس نے میری ان کپڑوں سے عزت افزائی کی۔ کل کپڑے اس سے اتروا لیے گئے صرف ایک بھیڑ کے چمڑے کا کوٹ اسے دے دیا۔

اب وہاں سے اس کو علیٰحدہ کر کے دوسرے کو بلایا۔

اسلان سلطان۔ تم کون ہو اور کیا پیشہ کرتے ہو۔

چھوٹے قد والا۔ میں حضور ایک غریب قاضی ہوں۔

اسلان سلطان۔ ایسے نفیس اور قیمتی بستر آپ کو آرام کرنے کے لیے کہاں سے مل گئے تم تو غریب ہو بچہ ء سگ اگر تو نے جھوٹ بولا تو سر ندارد سمجھیو یہ تو یقینی امر ہے اس لیے جتنے قاضی ہوتے ہیں سب امیر ہی ہوتے ہیں۔

چھوٹے قد والا۔ حضور میں گانوں کا قاضی ہوں گورنر نے مجھے کئی گانوں کا زر لگان قائم کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا میں اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

اسلان سلطان۔ تمھارے زر لگان کا نقد روپیہ کہاں ہے۔

چھوٹے قد والا۔ حضور میں نے عرض کیا نا کہ روپیہ تو روپیہ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں ہے اگلے سال ٹڈیاں آئی تھیں میرے تمام گانوں کو برباد کر گئیں اور پانی کی بھی اس میں حد سے زیادہ ضرورت تھی۔

ترکمانوں میں سے ایک شخص بولا۔ اچھا اس تمام رام کہانی کے بعد اس شخص کی قیمت کیا ہے۔

اسلان سلطان۔ یہ ایک بیش قیمت شخص ہے اگر یہ ایک نیک قاضی ہو گا کسان اسے پھر زر فدیہ ادا کر کے واپس کر لیں گے اور اگر یہ امر نہ ہو گا تو واقعی ایک دینار بھی اس کے لیے بہت ہے۔ ہمیں اسے ضرور رکھنا چاہیے۔ شاید یہ سوداگر ہی نکل آئے۔ آؤ اب تیسرے شخص کی جانچ پڑتال کریں وہ کتنا بھر سکتا ہے۔

اسلان سلطان۔ تم کون کو۔

کریہہ المنظر شخص۔ حضور میں ایک فراش ہوں (مگر ترش روئی سے)

یہ سن کے سب نے غل مچایا کہ یہ جھوٹا ہے۔ جھوٹا ہے۔ سچ بول ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ وہ یہی کہے گیا کہ میں فراش ہوں لیکن کسی نے بھی یقین نہیں کیا اور ہر طرف سے اس پر گھونسے بازی ہونے لگی۔ آخر بہت بوچھاڑ ہوئی تو بول اٹھا کہ میں سوداگر ہی ہوں۔

میں نے اس کی شباہت سے پہچان لیا تھا کہ یہ سوداگر ہرگز نہیں ہے اگر ہے تو وہی ہے جس کا خود یہ مقر ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس سے کچھ انھیں حسب دلخواہ حاصل نہیں ہو گا بہتر ہے کہ اسے رہا کر دیا جائے۔ یہ کہنا تھا کہ مجھ پر اس کے بدلے میں چاروں طرف سے لعن طعن پڑنے لگی اور مجھ سے کہا اگر تو نے حب الوطنی کے جوش میں کچھ بھی رعایت برتی تو یاد رکھیو کہ پھر تیری بھی یہی تقدیر ہو گی۔

اور پھر تو ایک غلام بن جائے گا۔ خیر یہ سن کے میں خاموش رہا اور ان ہلاکوؤں کو ان کے طریقہ پر عملدرآمد کرنے دیا۔ آدمیوں کی چوری کا منصوبہ ان میں بہت ہی بدقسمت ثابت ہوا تھا کیونکہ اس یورش میں انھیں کچھ منفعت نہیں ہوئی تھی اور وہ اس بارے میں باہم مختلف الرائے تھے کہ ان بدقسمت اور بے قیمت قیدیوں کے ساتھ آخرالامر کیا کرنا چاہیے بعض کی تو یہ رائے تھی کہ قاضی کو رکھ لو اور شاعر اور فراش کو قتل کر ڈالو بعض یہ کہتے تھے کہ قاضی کو تو فدیہ لینے کے لیے رکھا جائے اور فراش کو غلام بنایا جائے۔ مگر شاعر کو قتل کر دیا جائے غرض سب کی رائے شاعر کے قتل پر تلی ہوئی تھی۔

مجھ کو اس مظلوم شاعر پر بہت رحم آیا۔ مگر میں کچھ مدد نہ کر سکا۔ اس شخص کی چال ڈھال سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک لائق اور فاضل شخص ہے گو مفلسی اس کا اوڑھنا بچھونا رہی ہو اور صرف ذرا ظاہرداری کرنے کے لیے کہ یہ اس شاعر کے ساتھ سختی برتتا ہے۔ میں نے کہا تم سب کیا بیوقوفانہ کام کر رہے ہو کہ شاعر کو قتل کر ڈالو۔ کیا یہ حد سے زیادہ برا نہ ہو گا کہ ہم ایک سونے کی انڈے دینے والی بط کو قتل کر ڈالیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شاعر بعض وقت بہت دولتمند ہو جاتے ہیں اور بعض وقت کیا اگر وہ چاہیں تو ہر وقت دولتمند بن سکتے ہیں کہ تم نہیں سنا ہے کہ شاہ نے ایک شاعر کو ایک ایک قطعہ کا معاوضہ ایک ایک مثقال دیا تھا اور پھر شاہ حال نے یہی کہا کہ یہ کچھ پورا صلہ نہیں ہوا کون جان سکتا ہے کہ شاید یہی ملک الشعرا ہو۔

گروہ میں سے ایک شخص بولا۔ اچھا ایسا ہے تو اس سے کہو کہ ہمارے لیے چند قطعات تصنیف کرے اگر نام میں کچھ مغالطہ آکر واقع ہوا تو مارا جائے گا۔

اشعار بناؤ۔ اشعار بناؤ سارے گروہ نے آواز سے کہا۔ ایسی دھوم دھام سے کہو کہ جس سے ہماری بہادری اس حصول فتح میں کھلے اور جو ہماری پسند کے موافق نہ ہوئے تو زبان کاٹ لی جائے گی۔

آخر یہ امر طے پایا کہ تینوں محفوظ رکھے جائیں۔ جونہی انھوں نے لوٹ کی تقسیم کرنی چاہی تو وہ میدان خفچاق میں واپس چلے گئے۔

اسلان نے وہاں ہمیں جمع کیا سب نے جو کچھ ان کے پاس تھا لا کر پیش کیا بعض تو بیگ چاندی کے لائے اور بعض سونے کے روپیہ نقد کسی کے پاس نہیں تھا۔ سونے کی مہنالیں۔ چاندی کے آفتابے۔ سیاہ ریشمی زنانے پائجامے۔ دوشالے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں تھیں جو ہمارے سامنے لائی گئیں جب میری باری آئی میں نے دو بھاری وزنی بیگ تومانوں کا پیش کیا بس پیش کرتے ہی سب نے مجھ پر مرحبا و صد مرحبا کے نعرے مارے۔

کیا کہنے حاجی کیا کہنے۔ اب تو تم ایک خاصہ چھٹے ہوئے ترکمان ہو گئے ہم سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا خصوصاً میر امالک میری مدح سرائی میں تلا ہوا تھا۔

اسلان سلطان۔ میرے بیٹے حاجی مجھے اپنی جان اور باپ کے سر کی قسم کہ تم نے مردانہ وار کام کیا ہے۔ میں تمھیں ایک لونڈی دوں گا تم اسے اپنی بیوی بنالینا اور پھر تم ہمارے ساتھ خوب مل جل کر زندگی بسر کرنا تمھیں ایک خیمہ بیس بھیڑوں کے ساتھ ملے گا۔ ہمیں کتنی خوشی ہو گی کہ جب ہم اپنے سب رفقا کی ضیافت کریں گے۔

یہ الفاظ میرے دماغ میں وصل ہو گئے اور میں نے یہ پہلا ہی موقع اپنی رہائی کا نہایت ہی استوار پایا لیکن اس وقت بہت شوق سے میری نظریں اس تقسیم پر تلی ہوئی تھیں کہ جو لوٹ کی ہو رہی تھی کیونکہ مجھے امید تھی کہ میرے ہاتھ اور بھی مقدار زر لگے گی لیکن میری اس محنت شاقہ پر انھوں نے مجھے ایک دینار بھی نہیں دیا۔ آخر بصد افسردگی میں نے کہا کہ جو کچھ جانکاہی کی تھی وہ سب بیکار گئی اس پر وہ سب بولے اگر تو نے ایک لفظ بھی نکالا تو یہیں تیرا سر کاٹ ڈالیں گے میں چپکا ہو رہا اور ان ہی پچاس ڈیوکیٹ کو جو میرے پاس تھے جان کے برابر رکھنے کو مجبور ہوا اور میرے ساتھی حصوں کے لیے جھنجھٹ کر رہے تھے۔ ان کا یہ قضیہ بغیر خون کی ایک بوند گرے

فیصلہ ہو گیا گو ایک جھگڑالو کے دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو تا کہ جب ہمارے پاس ایک قاضی ہے پھر ہم کیوں جھگڑا کریں وہ سب کا فیصلہ کر دے گا تو بیشک ان میں آتش جنگ بھڑ کتی۔

فوراً وہ مظلوم قاضی ان کے بیچ میں لا کے بٹھایا گیا۔ اب وہ اسباب قاعدے کے موافق تقسیم کرنے لگا۔ اس میں سے بہت سا اسباب اس کا بھی تھا۔ اگر وہ اسے فیصلہ کنندہ کے موافق فیصدی بھی کچھ نہ دیتے جب بھی اپنے مال کے لینے کا استحقاق رکھتا تھا۔

ساتواں باب

حاجی بابا اور شاعر عسکر نامے کی کیفیت

جس راہ سے کہ ہم آئے تھے اسی راستہ سے واپس پھرے راہ میں قیدیوں کو گھوڑوں پر سوار کر لیتے تھے اور کبھی وہ بیچارے پیدل چلتے تھے۔

شاعر کی موجودگی نے مجھے اپنی مصیبتوں میں پہلے ہی لمحہ سے ایک دلچسپی دی تھی میری سرسری نظر اس بات پر تھی کہ میں اس سے کچھ تعلیم حاصل کروں گا۔ میری خودستائی اور خیال باطل شاید اس تصور سے کہ میں نے اسے مصیبت میں خون سے رہائی دلوائی ہے مجھے اور بھی زیادہ پھلاتا تھا اس شاعر کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خاص حمایت ظاہر کیے میں اس کا نگہبان بننے میں کامیاب ہوا تاکہ میں اسے اشعار کہنے پر ہر وقت مجبور کرتا رہوں چونکہ ہم اپنی زبان فارسی میں باتیں کرتے تھے اس لیے جو کچھ ہمارا جی چاہتا بہت آزادی سے باہم باتیں کرتے کیونکہ یہ تو خوف تھا ہی نہیں کہ کوئی ہمارا مفہوم سمجھ سکے گا میں نے اسے اپنے رہنے کے مقام سے مطلع کیا اور اس کو اس امر سے بھی خبردار کیا کہ میرا ارادہ اس مصیبت سے رہائی پانے کا ہے۔ اور اس کو خوب یقین دلایا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا میں تیرے لیے لئے بہتر ہی کروں گا۔ وہ ایسے مقام پر جہاں اسے سوائے بری طرح کے پیش آنے کے کچھ بھی نہ دکھائی دیتا تھا میرے ان مہربان الفاظ کو سن کے بہت ہی خوش ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ یہ میرا خیر خواہ ہے تو پھر اس نے بھی اپنی اصلی حالت کو نہ چھپایا اور مجھ سے صاف صاف آزادی سے اظہار کر دیا۔

جو کچھ مجھے اس پر شبہہ ہوا تھا وہی درست نکلا کہ کیا تو یہ ضرور ایک لائق شخص ہے یا ملک الشعرا ہے۔ وہ شیراز سے طہران جاتا تھا جہاں شاہ نے اسے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ اسی دن وہ اصفہان پہنچا تھا جہاں سے ہمارے ہاتھ لگ گیا اپنی راہ کی تکان اور آفت پر جو اس سفر میں مجھے حاصل ہوئی تھی میں نے اپنا دل بہلانے کے لیے اس سے درخواست کی کچھ اپنی رام کہانی سناؤ۔ یہ سن کر وہ مظلوم مفصلہ الفاظ میں بیان کرنے لگا۔

میں کرمان میں پیدا ہوا تھا میرا نام عسکر ہے۔ مدت تک میرا باپ صوبہ کرمان کا گورنر بھی رہا ہے۔ آغا محمد شاہ خواجہ سرا کے عہد سلطنت میں اس کے دشمنوں نے بہت فن فریب کھیلے کہ کسی طرح سے یہ حکومت سے محروم کر دیا جائے لیکن اس کی قابلیت اور لیاقت کے آگے کسی دشمن کی کچھ نہ چلی گو ان کے فن فریب تھے بہت ہی مضرت دہ مگر سب دانت نکوس کر ناکام رہ گئے ہر وقت اسے خوفناک موقعوں کا سامنا رہتا تھا مگر اس کی تیزی عقل ان موقعوں سے اسے بچاتی تھی۔ اور آخر وہ اپنی خوش قسمتی سے شاہ حال کے دور سلطنت میں عزت کے ساتھ انتقال کر گیا مجھے اپنے باپ کی ملکیت پر جو دس ہزار تومان تھے قبضہ کرنے کی اجازت ملی بچپن میں میں اپنی تعلیم حاصل کرنے میں بہت ہی مشہور تھا جب میری سولہ برس عمر ہوئی تو میری فن خوشنویسی میں بہت ہی شہرت ہوئی۔ حافظ کا دیوان کا دیوان مجھے حفظ یاد ہے اور مجھے شعر گوئی میں خود بھی وہ ملکہ حاصل ہے کہ میں صدہا شعر بے تکان کہہ سکتا ہوں۔ کوئی ایسا مضمون نہیں جس پر میں نے طبع آزمائی نہ کی ہو میں نے لیلیٰ مجنوں کے پر درد اور عشق آمیز قصہ پر بھی قلم فرسائی کی ہے۔ میں نے کبھی بلبل کے عشق کی کہانی اس کی زبان سے نہیں سنی لیکن پھر بھی اس کے محبوب گلاب کے پھول کے عشق کا خاکہ صاف صاف کھینچ سکتا ہوں۔ جہاں میں آ گیا ایسا کہیں نہیں ہوا کہ میں نے اپنے اشعار پیش کیے ہوں اور وہ بھری مجلس میں لہک لہک کر نہ پڑھے گئے ہوں۔ اس وقت شاہ کی جنگ صدیق خان سے ہو رہی تھی یہ شخص تخت سلطنت کا کاذب مدعی بن گیا تھا۔ ایک بڑا میدان ہوا خود شاہ بنفس نفیس آمادہء پیکار تھے۔ آخر باغیوں کو شکست ہوئی میں نے اس فتح کی خوشنودی میں شاہ کی شان میں ایک قصیدہ کہا اور اس میں یہ بیان کیا گویا میدان جنگ میں ایک ابر چھا رہا ہے اور یکایک رستم اسی میں سے نمودار ہوا اور شاہ کو دیکھتے ہی اس کے پیروں پر گر پڑا کہ یہی خبر ہوئی کہ میں حاضر خدمت ہو کر سرنگوں ہو اور نہ آپ کے تیر جگر شگاف سے میری ہرگز خیر نہوتی۔ اور میں نے صدیق خان اور اس کی فوج کی نسبت یہ کہا کہ انھیں غم و افسوس نہ کرنا چاہیے یہ مانا کہ ان کو شکست مل گئی ہے لیکن پھر بھی شاہ اپنی اولوالعزمی اور عالی ہمتی سے ان کی عزت ہی کرتا ہے اور ان کے سروں کو آسمان تک بلند کرتا ہے اس نظم میں میں نے اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا جو شاہ نے ان مفتوح اشخاص کا کاسہ سروں کا ایک مینارہ بنایا تھا۔ میرے ان اشعار کی رپورٹ شاہ کی خدمت میں پیش ہوئی شاہ اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور میری اتنی عزت جتنی کہ ایک شاعر کی ہو سکتی ہے عام دربار میں بڑی عزت سے مجھے سونے کی اشرفیاں مرحمت ہوئیں۔ گویا یہاں سے میری ترقی کی لین ڈوری آگے بڑھی مجھے دربار میں

حاضر باشی کی اجازت ہو گئی اور حکم ہوا کہ ہر موقع محل پر اشعار موزوں کیا کر ا یک دن میں نے اپنا شوق اور جوش ظاہر کرنے کے لیے پادشاہ کی خدمت میں یہ التماس کیا کہ ہمارے شاعر غرا فردوسی نے شاہنامہ تصنیف کیا ہے۔ یہ اسی کے شایان شان تھا کیونکہ فارس کا وہ ایک ہی سلطان ہوا ہے جس کو خوش قسمتی سے ایسا شاعر ہاتھ لگ گیا تھا جس نے اس کا نام وہ روشن کیا جو کبھی صفحہ ءعالم سے ہر گز نہیں مٹے گا اگر حضور مجھے اجازت عطا کریں تو میں ایک شہنشاہ نامہ تحریر کروں۔ شاہ نے نہایت ہی شفقت اور مہربانی سے مجھے لکھنے کی اجازت دی۔

دربار میں ایک شخص حاکم خزانہ میرا ناحق دشمن ہو گیا تھا اور بلا سبب اس نے مجھ پر بارہ ہزار تومان جرمانہ کر دیے تھے جس پر شاہ نے یہ کہا کہ چونکہ یہ اپنے زمانے کا لاثانی شاعر ہے اس سے یہ جرمانہ نہ لیا جائے۔

ایک دن دربار میں محمود غزنوی کی اس فیاضی کا ذکر ہو رہا تھا جو اس نے فردوسی کو اس کے ایک شعر کی ایک ایک اشرفی قیمت دی تھی۔ میں نے کہا کہ ہمارے شاہ کی فیاضی محمود شاہ غزنوی کے مساوی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اول صورت میں تو اس کا عمل مشہور و معروف شاعر فارس پر ہوا اور دوسری صورت میں مجھ ایسے غریب بے نوا پر ہوا جو حضور کے سامنے حاضر ہے تمام اہل دربار نے جو یہ سنا کہ اس پر اس قدر نوازشات سلطانی ہوئی ہیں تو وہ بہت ہی متردد ہوئے کہ کہاں اور کس وقت ہوئیں۔

پھر میں نے پتہ دار ظاہر کیا کہ جب میر والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے دس ہزار تومان چھوڑے شاہ عالیجاہ نے مجھے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت دی وہ دس ہزار تومان کو خود بھی لے سکتا تھا دوبارہ خزانوں کے حاکم نے مجھ پر بارہ ہزار تومان جرمانہ کیا لیکن اس کے وصول کرنے کی شاہ نے اسے اجازت نہیں دی۔ تو گویا بارہ ہزار اور بھی اس میں زیادہ ہو گئے۔ جب سے کہ میں حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں خبر نہیں کہ کس قدر لے چکا ہوں اب میری زبان اور دل سے بیساختہ یہ نکلتا ہے کہ خدا شاہ کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے۔ اور اس کا سایہ ءرحمت تمام عالم پر برقرار رہے۔ تمام اسکے دشمن مفتوح ہو جائیں۔ جو اشعار کہ میں فخریہ کہتا تھا وہ بھی گوش گزار سلطان ہو جاتے تھے۔ چند روز کے بعد مجھے ایک خلعت ملی جس میں ایک زربفت کا کوٹ کمر پر لپیٹنے کے لیے ایک دوشالہ، اور شالی رومال سر پر باندھنے کے واسطے۔ اور ایک زربفت کا چغہ جس میں الوان بھی پیوست کیا گیا تھا ساتھ تھا اس کے علاوہ مجھے خطاب ملک الشعرا سے بھی سرفراز کیا گیا۔ جب میں اپنا خلعت پہنتا تھا تو مجھے میرے دوست بہت بہت مبارکباد دیتے تھے اور جس قدر کہ ان کی عنایات و نوازشات پہلے مجھ پر ہوئی تھیں اس سے بھی وہ زیادہ

فرماتے تھے میں نے ایک نظم لکھی جس سے مجھے اس بد سلوکی سے جو حاکم خزانہ میرے ساتھ کرتا تھا دگنی نوازش اس نے میرے حال پر کی اور اس کا باعث یہ تھا کہ میں نے اس کی ہجو ملیح کی تھی وہ اپنی غلطی سے اسے اپنی تعریف سمجھ گیا وہ اشعار عربی زبان میں تھے چونکہ آپ عربی نہیں سمجھتے کے اس لیے میں نہیں سناتا۔ میرے اشعار وہ ادق تھے اور ان میں وہ معنی میں نے مضمر رکھے تھے کہ ممکن نہیں تھا کہ بغیر میری مدد کے اسے کوئی سمجھ جائے اور جب تک کہ میں اس کی تشریح نہ بیان کروں ذرا بھی کوئی سمجھے۔ توبہ توبہ۔ مجھے علم جر ثقیل میں بھی کمال مہارت حاصل ہے میں نے کئی ایجادیں بھی کیں جن کی دربار میں بہت ہی تعریف ہوئی۔ میں نے کمھار کا چاک ایسا بنایا ہے جو ذرا سی حرکت میں تمام عمر چکر لگایا کرے اس حرکت کی تحریک کا آلہ اس میں شامل ہے۔ میں نے قسم قسم کے رنگین کاغذ بنائے ہیں۔ میں نے ایک نئی قسم کا قلمدان بنایا ہے۔ میں بلند شاہراہ پر کپڑے بنوا رہا تھا کہ شاہ کا ادھر سے گذر ہوا۔ ٹھہر گئے اور مجھ سے کہا۔ "عسکر تیرے اشعار طبیعت کو بہت ہی چبھتے ہیں۔ "جب میں کپڑوں کی خواہش کرتا تھا میرے تاجر یورپ سے میرے لیے جاکے لاتے تھے میں نے شاہ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ جب نوروز ہوا تو وہاں یہ دستور ہے کہ جس قدر اعلیٰ ملازم ہوتے ہیں سب بادشاہ کی خدمت میں نذریں گزرانتے ہیں میں نے بھی شاہ کی مسواک کی تعریف میں ایک خوش نظم کہی اور اس کو ایک مرصع بکس میں رکھ کر پیش کیا۔ جس قدر اہل دربار اس روز ہمایوں میں دربار میں موجود تھے سب کو حکم ہوا کہ وہ میرے ہاتھ پر بوسہ یں جس سے یہ قیمتی اشعار بر آمد ہوئے تھے۔ میں نے اپنی نظم میں شاہ کے دانتوں کو موتیوں سے تشبیہ دی اور مسواک کو موتیوں کا غواص قرار دیا اس کے مسوڑھوں کو کنارہء مرجان بنایا جہاں کثرت سے گوہر شہوار پیدا ہوتے ہیں لمبی داڑھی اور گھیر دار مونچھیں جنھوں نے تمام چہرے کا احاطہ کر رکھا ہے گویا بحر بے پایاں میں ایک تموج ہے تمام اہل دربار نے میرے خیال کی موزونیت اور عمدگی پر مجھے مبارکباد دی۔ مجھے یقین تھا کہ جب فردوسی کے اشعار سے میرا مقابلہ ہو گا تو وہ میرے آگے لاشے محض ثابت ہو گا۔

غرض اس طرح سے شاہ مجھ پر گوناگوں نوازشات کرتا رہا۔ شاہ کو اس امر کا بہت خیال تھا کہ کوئی ایسا موقع ہو جس سے اسے دولت ہاتھ لگ جائے اور عزت بھی پوری حاصل ہو تو مجھ کو شاہ نے اس خدمت کے لیے مقرر فرمایا کہ میں شہزادہ کے لیے جو گورنر فرس تھا سالانہ خلعت فاخرہ لے جایا کروں۔ شیراز میں میری بہت ہی آؤ بھگت کی گئی اور لوگوں نے کثرت سے مجھے بطور نذرانہ کے بہت کچھ دیا۔ جو کچھ مجھے یہاں سے ملا ایک خاصی

مقدار روپے کی میرے پاس ہو گئی لیکن شب گذشتہ کے جانکاہ واقعہ نے وہ تمام روپیہ اور عزت خاک میں ملا دی جو کچھ میرے پاس تھا سب مجھ سے لے لیا گیا۔ اور اب جس مصیبت کی حالت میں تم مجھے دیکھ رہے ہو اس کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اگر آپ میری مدد نہ کریں گے اور مجھے رہائی نہ دلوائیں گے تو اس حالت میں میری جان بچنا محال ہے۔ شاید شاہ کو میری رہائی کا کچھ خیال ہو لیکن تحقیق وہ میرے لیے ایک تانبہ کا پیسہ بھی بطور فدیہ کے ادا نہ کرے گا۔ حاکم خزانہ وہ میرا دوست نہیں ہے کہ مجھے اس سے کسی قسم کی امید ہوتی وزیر اعظم ہے اس کی عقل یہاں تک ہے کہ وہ یہی نہیں جانتا کہ جیبی گھڑی کو کیونکر پھیرا کرتے ہیں اور اس سے تو وہ محض نابلد ہی ہے کہ یہ بنتی کیونکر ہے۔ بھلا پھر وہ خاک میری اس حالت پر رحم کرے گا اور زر فدیہ ادا کر کے مجھے رہائی دلوائے گا وہ روپیہ جو میں بطور فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کرتا وہ ان کمبخت وحشیوں نے مجھ سے لے لیا اور جہاں سے اس قدر روپیہ مل سکتا ہے میں جانتا ہوں یہ میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ میں اس آفت ناگہانی میں پھنس جاؤں اس لیے مجھے بھی کچھ غم نہیں ہے۔ اب تم میرے مسلمان ساتھی ہو آیا تمھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہے تا کہ میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ مصیبت میں میری مدد کریں۔

آٹھواں باب

حاجی بابا کا ترکمانوں سے بچنا

جب وہ شاعر اپنی رام کہانی ختم کر چکا تو میں نے اسے یقین دلایا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا تیری خدمت گزاری میں کمی نہیں کرنے کا لیکن اس وقت تک بہر حال تجھے صبر کرنا چاہیے میں نے اس وقت ان تدابیر پر بھی عمل نہ کیا جو میری آزادی حاصل ہونے کے لیے تھیں اور اس لیے اس وقت شاعر کے بچانے میں بھی بڑی دقت خیال کی یہ محض ناممکن تھا کہ جب تک ہم کھلے ہوئے میدانوں میں رہے میرے مالک کی نظریں مجھ پر نہ پڑی ہوں اور میں ذرا دیر بھی اس کی نظروں سے بچا ہوں۔ ان کے گھوڑے ایسے عمدہ تھے جیسا میرا گھوڑا تھا اور ان راہوں سے مجھ سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ ان حالتوں میں ان سے بچنے کی کوشش کرنی اس سے زیادہ دیوانہ پن کیا ہوتا۔

اب ہم ان ہی ویران جنگلوں کی حدود میں پہنچے۔ اور ہم وہ بلند راہ جو طہران سے مشہد کو جاتی ہے عبور کرنے کو تھے اور یہاں ہم بیس مسافروں نے دکان کے مشرقی طرف مع اسلان سلطان قیام کیا تھا یہاں اسلان سلطان نے یہ تجویز کیا کہ ہم ان ویرانوں اور گڑھے دار زمین میں ایک دن تک پوشیدہ رہیں شاید ہماری تقدیر سے کوئی کاروان نکل آئے تو ہمیں اس کے غارت کرنے اور لوٹنے کا اچھا موقع ہاتھ لگے گا۔ بہت فجر کے تڑکے ایک سپاہی جو متصل کی پہاڑی میں قیام پذیر تھا بھاگا ہوا شتابی سے آیا اور اس نے آکر خبر دی کہ میں نے دمغان کی سیدھ میں مٹی کے بادل اڑتے ہوئے دیکھے ہیں اور وہ اس سڑک پر جو مشہد کو جاتی ہے ہمارے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

ہم یہ سنتے ہی سب چوکس ہو گئے۔ ترکمانوں نے اپنے قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کے اسی مقام پر ڈال دیا جہاں ہم نے آرام کیا تھا اور اس خیال سے کہ جب ہم کاروان کو لوٹ لٹا کے آئیں گے ان کو اٹھا لیں گے۔ اب ہم گویا خون اور غارت کے لیے مستعد ہو گئے۔

اسلان سلطان سب سے آگے ہوا تاکہ حریف کی جمیعت کو جانچے اور ملاحظہ کرے پھر مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا حاجی یہی وقت اپنے کو سب میں ممتاز کرنے کا ہے۔

بیا تا چہ داری زمردی وزور

تم میرے ساتھ ساتھ رہو دیکھو میں کیا کیا کرتا ہوں اور کیسے کیسے کرتب مجھ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تم کو یہ ساری باتیں مجھ سے سیکھنی چاہیں تاکہ تم آئندہ مواقع پر بڑی بڑی مہموں میں کام کر سکو۔ میں نے تمھیں اپنے ساتھ اس لیے بھی لیا ہے کہ تم میرے ایک ترجمان بنو کیونکہ اکثر ان کاروانوں میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جو ہماری زبان سمجھ سکے۔ ہم دونوں ان کے بہت ہی قریب پہنچ جائیں گے شاید ان کے رہبر سے ہماری مصالحت ہو جائے اور اگر ہمارے موافق کام نہ بنا تو ہم مع اپنی کل جماعت کے کاروان پر گر پڑیں گے۔

جب وہ مسافر قریب آگئے تو میں نے دیکھا کہ اسلان سلطان کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اسلان سلطان۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ کاروان نہیں ہیں۔ یہ بھی ایک جماعت کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ گو میں نے گھنٹہ کی آواز نہیں سنی ہے لیکن خاک ایک رخ سے کچھ بلند معلوم ہوتی ہے یہ ایک بے تعداد سواروں کا پرا ہے پانچ گھوڑے سوار رہنما معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کچھ منہ کا نوالہ نہیں ہے۔ جب وہ بہت قریب آگئے تو یہ پوری طرح سے معلوم ہو گیا کہ یہ کاروان نہیں ہیں۔ لیکن بہت بڑی شناسائی اور جانچ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ گورنر صوبہ ہے جو دورے میں تھا اس کے ساتھ کثرت سے اس کے نوکر چاکر اور سپاہی ہمرکاب تھے اور ان لوگوں کی شان و شوکت اور تزک بھڑک ویسی ہی تھی جو ہمیشہ ان موقعوں پر ہوا کرتی ہے۔

جب میں نے یہ دیکھا تو میرا دل بہت ہی خوش ہوا کیونکہ یہاں مجھے ترکمانوں سے بچنے کا بہت ہی اچھا موقع تھا۔ اور میں نے یہ خیال کیا کہ اگر میں ذرا بھی ان کے قریب ہوں تو وہ مجھے قیدی بنالیں گے اور پھر اسلان سلطان کو بھی کچھ شبہہ نہ ہو گا اور میں ضرور بچ جاؤں گا یہ مانا کہ وہ گورنر مجھ سے بری طرح پیش آئے گا لیکن میری طلاقت لسانی میری سب مصیبتوں کو کھو دے گی اور جس وقت میں اپنی رام کہانی بیان کروں گا ممکن ہے کہ پھر گورنر مجھ پر مہربانی کرے۔ یہ سوچ کے میں نے اسلان سلطان سے کہا لو چلو ان کے قریب ہو جائیں۔ اور اس کی اجازت کے انتظار کیے بغیر میں نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ وہ فوراً مجھے ٹھہرانے کے ارادے سے میرے پیچھے لپکا ہم نے جونہی زمین کے چھوٹے بلند ٹکڑے کو طے کیا کہ ہمیں صاف ایک تیر کی زد پر ایک عظیم الشان جماعت نظر پڑی

فوراً ہی ان کی نظریں ہم سے دوچار ہوئیں چھ یا سات عمدہ سوار ہمیں دیکھتے ہی گھوڑوں کو دوڑا کر ہماری طرف لپکے اور ہمارے قریب آئے۔ ہم نے انھیں دیکھتے ہی بھاگنے کے لیے باگیں پھیریں اسلان سلطان تو ایسا اندھا دھند بھاگا کہ اسے پھر خبر نہ ہوئی لیکن میں نے صرف اپنے پکڑوانے کے لیے اپنے کو ذرا اٹھٹکا دیا تو فوراً گرفتار ہو گیا۔ گھوڑے پر سے مجھے اتار لیا گیا میرے ہتھیار چھین لیے گئے میرے پچاس ڈاکیٹ بھی انھوں نے لوٹ لیے میرے استرے چھین لیے غرض جو کچھ میرے پاس تھا کچھ نہ چھوڑا۔ یہ سارا کام چند لمحے میں تمام ہو گیا گو میں نے اپنے ان نئے مالکوں کو یقین دلایا کہ میں ہرگز آپ کے پاس سے نہیں جانے کا لیکن جب انھوں نے میرے اس دوشالہ سے میری مشکیں کس لیں جو دوشالہ میری کمر سے انھوں نے کھولا تھا مجھ پر چاروں طرف سے گھونسے مکے تھپڑ لپڑ ڈگ چانٹے پڑتے تھے کیونکہ میں جلدی نہ چلتا تھا وہ مجھ کو گھسیٹتے ہوئے کشاں کشاں۔

پا بدست دگرے بدست دگرے

اپنے سردار کے پاس لائے جو مع اپنے لواحقین کے دورہ کر رہا تھا۔

جس قسم سے کہ اس کے ساتھ برتاؤ ہوتا تھا اور اس کے آگے خمیدہ قامت ہونا صاف ظاہر کرتا تھا کہ یہ کوئی شاہی خاندان میں سے ہے جونہی میں آگے گیا میں نے اپنی حالت کا نقشہ اس کے آگے کھینچا کہ میرے سر پر کس قدر گھونسے رسید ہوئے ہیں۔ یہ ایما تھا گویا میں حضور شہزادہ کے قدموں پر گرتا ہوں۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ایک گھیرا کر لیا اس نے میری رہائی کا حکم دیا۔ جب میں نے اپنے کو رہا پایا تو ان لوگوں کی حد سے میں اپنے کو علیٰحدہ کر لیا جو وہاں کھڑے ہوئے تھے اور دوڑ کر شہزادے کے چغہ کا دامن پکڑ لیا جو گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا اور میں نے یہ کہا "دوپناہ یا شہزادہ" باڈی گارڈ کا ایک سوار مجھے اس گستاخی کی سزا دینے کے لیے لپکا لیکن شہزادے نے یہ منظور نہ کیا کہ وہ مجھ سے کچھ آنکھ ملا سکتا شہزادے نے مجھے اپنی حفاظت میں رکھنے کا مجھ سے وعدہ کیا اور اپنے ملازمین سے حکم کر دیا کہ کوئی اسے تکلیف نہ دے پھر مجھے حکم ہوا کہ اپنی رام کہانی بیان کر تو اس موقع مقام میں بایں صورت کیونکر نمودار ہوا۔

گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اور زمین خدمت کو بوسہ دے کر جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے اپنی مختصر رام کہانی عرض کر دی اور جو کچھ میں نے بیان کیا اس کو خوب مضبوطی سے بیان کیا اور اسی کے ضمن میں میں نے یہ بھی کہا کہ اگر حضور اپنے سواروں کو ان قزاقوں پر حملہ کرنے کا حکم دیں تو ملک الشعرا عسکر نامے جو دو ایرانیوں

کے ساتھ گرفتار پنجہ ءبلا ہے نجات پا جائے گا اور وہ جو کچھ میں نے گذارش کیا ہے سب کی تصدیق کر دیں گے۔
میں یہ کہہ ہی چکا تھا کہ اتنے میں وہ سوار جو اسلان سلطان کے تعاقب میں گئے تھے واپس آئے ان کے چہروں سے ہراس ٹپکتا تھا۔ انھوں نے حضرت علیؓ اور شاہ کی سر کی قسم کھا کر بیان کیا کہ کثرت سے ڈاکو جمع ہیں۔ ایک ہزار ہوں گے جو ہم پر حملہ آور ہونے کو ہیں اب شہزادہ صاحب آپ ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔
میں نے ان سے کہا جناب وہ صرف بیس ہیں مگر کسی نے بھی میری بات کا یقین نہیں کیا۔ مجھے لوگوں نے سپاہی اور سخت کذاب تصور کیا اور ہر شخص نے مجھ سے کہا کہ یاد رکھو اگر ترکمانوں نے حملہ کیا تو ہم تجھ کو وہیں قتل کر ڈالیں گے۔ یہ گروہ ایک عمدہ موقع پر پہنچا تا کہ اپنے دشمن کو پورے طور سے ملاحظہ کر سکے اور ان کے سب نشانات وہ ظاہر کرتے تھے جن سے کہ ترکمان فارس میں شناخت ہوتے ہیں۔
میرا گھوڑا تو مجھ سے لے لیا گیا اور مجھے ایک اسباب والے لداؤ خچر پر چڑھنے کا حکم دے دیا جہاں مجھے اپنی بد قسمتی اور اس کمبخت حالت پر تفکر کرنے کا بہت اچھا موقع ہاتھ لگا۔

دردا چہ گویمت کہ چہا کر د روز گار

باما ہر انچہ کرد جفا کر در روز گار

نہ گرہ میں ایک پیسہ نہ کوئی رفیق اگر میری نظروں کے سامنے کچھ تھا تو صرف فاقہ کشی کی ہیبت ناک و ڈراؤنی صورت نظر آتی تھی میرے دل میں ابھی دین اسلام کے نور کا وہ چمکارہ تو پوری طرح سے جلوہ فزانہ ہوا تھا کہ میں نوشتہ ءقضاو قدر پر تکیہ کر کے کچھ رنج و الم نہ کرتا۔ اپنی حماقت اور ابلہی پر خون کے آنسو روتا تھا کہ اس میں میں نے خود کو دیدہ و دانستہ پھنسایا تھا۔

”خود کردہ را علاج نیست“

اپنے وطنی لوگوں کی حمیت و اخوت کے وہ شعلے اور ان کی محبت کی بھڑکتی ہوئی آگ جو قید میں بھی میری چھاتی میں مشتعل ہوتی تھی کیا اب نہ ہو گی پھر مجھے اس مصیبت و آفت سے کیوں نہیں رہائی دیتے بہت زور زور سے اسی پریشانی کی حالت میں ان کو گالیاں دے رہا تھا۔
میں۔ ان لوگوں سے جو میرے گرد تھے۔ تم اپنے کو اچھا کہتے ہو۔ تم میں وحشیوں کی سی بھی تو طبیعت نہیں ہے وحشی کیا تم تو جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ بس تمھارا مقابلہ ترکمانوں سے ٹھیک ہے۔ بعینہ تم ان ہی جیسے ہو۔

جب میں نے دیکھا کہ میری گالیاں دینے سے وہ لوگ قہقہہ لگاتے ہیں تو پھر میں نے یہ کہنا شروع کیا۔ حضرت امام حسینؑ کے واسطے سے۔ نبی آخر الزمانؐ کے طفیل سے۔ اپنے بچوں کی روحوں کے صدقہ میں مجھ سے تم غیر شخص کی طرح کیوں پیش آتے ہو۔ کیا میں تمھاری طرح مومن نہیں ہوں میں نے کیا کیا ہے کہ مجھ پر یہ ناگھانی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔

خدا اے را نظرے کن بحاجی مسکین

کہ این ستم زدہ حیف است پیشت افتادہ

میں نے تمھیں اپنا دوست سمجھ کر تمھارے پاس پناہ لی ہے اور تم مجھ سے اس طرح ڈھکیلم ڈھکیلا سے پیش آؤ جیسے کہ کسی دشمن سے ارے کمبختو۔

رحم کردن بر ضعیفان رحم بر خود کردن است

وائے بر شیرے کہ آتش در نیستان افگند

اتنی چیخ و پکار پر بھی کسی نے میری ڈھارس نہیں بندھائی صرف ایک خچر والا جس کا نام علی قطیر تھا خچر پر سے قلیان لے کر اترا اور مجھے پینے کو دیا۔ اور کہا کہ اے میرے بیٹے ہر شے اس دنیا میں خدا کے دست قدرت میں ہے۔ خچر والا۔ اپنے خچر کی طرف اشارہ کر کے جس پر وہ سوار تھا۔ جب خدا نے اس خچر کو سیاہ بنایا ہے تو کیا علی قطیر اسے سفید کر سکتا ہے۔ توبہ توبہ۔ دیکھو ایک دن تو اسے اناج کھانے کو ملتا ہے اور دوسرے دن اسے خاردار درخت وغیرہ چرنے پڑتے ہیں کیا ہم قسمت سے کچھ جھگڑ سکتے ہیں۔

جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہے گا کرے گا

یہ بات حکومت کی اسی کو ہی سزا ہے

تو قلیان پیو اور خوش ہو۔ اور خدا کا شکر کرو کہ تمھارے کچھ برائی نہ ہو گی۔ دیکھو حافظ نے کیا خوب کہا ہے کہ تجھے جس قدر خوشی کا وقت ملے اس کو تو غنیمت جان تو کیا جانے کہ مآل کار کیا ہو گا (فارسی میں عموماً یہ دکھائی دے گا کہ کم درجہ کے کمینہ اشخاص بھی موقع موقع سے اپنے شعرا کے اشعار استعمال کریں گے گویا فارسی فطرتی شاعرانہ دماغ رکھتے ہیں) خچر والے کی اس تقریر نے مجھے کچھ تسکین دی۔ اور جب اس نے دیکھا کہ یہ بھی حافظ کے اسی طرح سے اشعار پڑھتا ہے جس طرح میں پڑھتا ہوں اور اس کو ذرا بھی تکلف نہیں کرنا پڑتا بلکہ مجھ سے دو قدم

ہے تو اس نے اور بھی مجھ پر عنایت کی۔ اور تمام راستہ سفر میں اس نے مجھے اپنے طعام میں شریک رکھا۔ اس طرح اس نے مجھ سے کہا کہ جس شہزادہ کے قبضے میں تم آئے ہو یہ شاہ ایران کا پانچواں بیٹا ہے جس کو شاہ نے حکومت خراسان سپرد کی تھی اب یہ مشہد میں جاتا ہے جو اس کی قلم رو میں داخل ہے اس نے صرف ترکمانوں کے سرحدی خوف سے کثرت سے یہ بھیر و بنگاہ اپنے ہمرکاب لے لیا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ اس کو ترکمانوں سے جنگ کرنے میں خوب ہی مشاق ہے۔ یہ بہت سے سر ترکمانوں کے طہران بھیج چکا ہے تاکہ شاہی محل کے دروازے پر آویزاں کیے جائیں۔ اور تم اپنے کو بہت خوش قسمت خیال کرو کہ تم نہ مارے گئے اگر تم گورے ہوتے تمھاری چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوتیں اور تمھارے کثرت سے بال ہوتے اور تمھارا یہ سیاہ رنگ جیسے تم ہو نہ ہوتا بچہ تم بھی کبھی کے قتل کر دیے جاتے اور تمھارے سر کی ترکمان کے سر کی سی گت بنتی۔

جب ہم رات کو اپنی آرام کی جگہ میں پہنچے۔ یہ ایک جنگل کے پاس صرف تنہا ایک کاروان سرا تھی جو نصف ویران پڑی تھی میں نے چاہا کہ شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پچاس ڈیوکیٹ کے لئے ملتجی ہوں کہ آپ کے سواروں نے لے لیے ہیں آپ مجھے دلوا دیجیے۔ اور میرا گھوڑا ہتھیار سب مجھے مل جائیں جن کی نسبت دعویٰ کرنے میں میں نے کچھ پس و پیش نہیں کیا باوجود یکہ میرے دل میں خود یہ خیال پیدا ہوا کہ جس شخص نے کہ میری چیزوں کو لیا ہے وہ بھی میری ہی طرح سے ان چیزوں کا استحقاق ثابت کرے گا۔ اب میں وقت کی تاک میں رہا شام کو نماز نے مجھ کو خود اس کے پاس پہنچا دیا شہزادہ اس غالیچہ پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا جو کاروان سرا کے بالاخانہ پر بچھا ہوا تھا وہ لوگ جو حاضرین دربار تھے مجھے علٰیحدہ کرتے تھے لیکن جب میں نے یہ کہا کہ عرض دارم۔ تو شہزادہ نے مجھے اپنے قریب آنے کی اجازت دی اور مجھ سے دریافت کیا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ میں نے اس کے ملازموں کی جنھوں نے مجھے پہلے پکڑا تھا اور مجھ سے بری طرح پیش آئے تھے شکایت کی اور کہا حضور مجھ سے جبراً پچاس ڈیوکیٹ چھین لیے اور خداوند کی عنایت سے مجھے میرا گھوڑا اور ہتھیار ملنے چاہیں۔ اس نے ان لوگوں سے جو اس کے گرد جمع تھے دریافت کیا کہ وہ کون سا شخص ہے جس کی یہ شکایت کرتا ہے جب ان کے نام لیے گئے تو شہزادے نے اپنے ایک خاص ملازم سے کہا کہ انھیں فوراً خدمت میں حاضر کر۔ جب یہ لوگ آئے تو یہ دو شخص تھے میں نے ان بانیان فساد کو پہچان لیا اور شہزادے سے ملتمس ہوا کہ حضور یہی ہیں کہ جنھوں نے مجھ پر ظلم توڑا ہے۔

شہزادہ۔ کمبختو وہ روپیہ کہاں جو تم نے اس شخص سے اینٹھا ہے۔

وہ شخص۔ ہم نے کچھ بھی نہیں لیا ہے۔

شہزادہ۔ اچھا ہم ابھی دیکھ لیں گے (اپنے افسروں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے) فراشوں کو بلاؤ۔ اور ان بدمعاشوں دغابازوں پر کوڑے بازی کرواؤ کہ یہ نکالیں کہ وہ پچاس ڈیوکیٹ کہاں ہیں۔

حکم کا ہونا تھا کہ ان پر کوڑے بازی شروع ہوئی جب خوب کھال ادھڑی تو آخر قبول لیے کہ ہاں اتنے ڈیوکیٹ لیے ہیں اور لیجیے یہ موجود بھی ہیں یہ زر نقد شہزادے کے پاس پہنچایا گیا۔ شہزادے نے اسے ایک ایک کر کے گنا اور پھر اسے گاؤ تکیہ کے نیچے رکھ لیا جس سے سہارا لگائے وہ بیٹھا ہوا تھا ان شریر بدمعاشوں کو چھوڑ دیا۔ اور ایک زور کی آواز میں مجھ سے کہا کہ تو خارج کر دیا گیا۔ میں منہ کھولے ہوئے اس امید سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ زر نقد مجھے ملے گا کہ ایک شخص نے میرے شانے کو پکڑ کر مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ میں نے کہا ارے بابا میرا روپیہ تو دے دو۔

شہزادہ۔ کیا کہتا ہے۔ اگر کچھ بھی بولے تو جوتے رسید کرو۔

یہ سنتے ہی اس نے اپنی بھاری پیزار سبز رنگ کی اٹھائی اور میرے منہ پر رسید کی اس کے نعل نے مجھے بہت ہی تکلیف دی۔ کیوں اب تو شاہ کے صاحبزادے سے اس طرح کہے گا جاچپ چپاتے چلا جا اور اپنی آنکھیں کھول ورنہ کان ندارد ہو جائیں گے۔ بس مجھے زور سے دھکے دے دلا کر وہاں سے ہٹا دیا میں ایک نہایت ہی مایوسانہ حالت میں واپس پھر کر آیا اور اپنی یہ کل رام کہانی خچر والے کے آگے بیان کی اس نے سن کے ذرا تعجب نہ کیا بلکہ مجھ سے یہ کہا اب اس سے زیادہ تم کیا امید کر سکتے ہو۔ کیا وہ شہزادہ نہیں ہے۔

جب وہ یا کوئی حاکم اپنے قبضہ میں کوئی چیز لے لیتے ہیں تو پھر یہ کیا ممکن سمجھتے ہو کہ وہ واپس کر دیں گے۔ استغفر اللہ بس تم بالکل خچر کو دیکھ لو ایک دفعہ ایک مٹھا یا بکٹا سبز گھاس کا تم اس کے منہ میں دے دو ممکن ہے کہ منہ میں جانے کے بعد اس سے ایک تنکا بھی لے لو یہی حال شہزادہ کا ہے کہ جہاں کوئی چیز قبضہ میں آگئی تو پھر کیا جاتی ہے۔

نواں باب

حاجی بابا کا اپنی مصیبت میں سقا بننا

ہم مشہد ایک معقول وقت میں پہنچے۔ شہزادہ مع اپنی تمام بھیر وبنگاہ شان وشوکت وغیرہ کے نہایت ہی سنجیدگی کی صورت میں داخل ہوا۔

اپنے کو میں نے ایک غیر شہر میں کھڑے ہوئے پایا نہ کوئی غمگسار اور نہ کوئی ایسا شخص جس سے مجھے مدد مل سکتی۔ نہ ایک جوڑا استروں کا جس سے کوئی صورت تسلی نمودار ہوتی جب میں نے اپنے حال کے وسائل پر نظر ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی پانچ تومان باقی ہیں جن کو میں نے کاروان سرائے میں چرا کر بحفاظت رکھ لیا تھا۔ اور ان کو اپنی ٹوپی کے استر میں سی لیا تھا۔ میرے پاس ایک بھوری اون کا کوٹ تھا بھیڑ کے چمڑے کی جاکٹ۔ ایک کرتا۔ دو پائجامے اور ایک جوڑی بھاری بوٹوں کا۔ خچر والا جب تک کہ مجھے روزانہ خوراک دیتا رہا میں اس پر رہا لیکن جب یہاں وہ علیٰحدہ کر دیا گیا تو اب میں کیونکر امید کر سکتا کہ وہ میرے روزانہ کھانے کا بوجھ اٹھائے گا کیونکہ جب تک وہ اور اس کا خچر شہزادے کی نوکری میں تھے اسے رسد ملا کرتی تھی اب دونوں اپنی نوکری سے علیٰحدہ کر دیے گئے میں نے چاہا کہ پھر اپنا پیشہ حجامی کا کرنے لگوں۔ مگر بھلا مجھ پر کس کو اعتبار تھا کہ وہ اپنا گلا آگے کر دیتا کیونکہ میری شہرت ترکمان سپاہی کے نام سے ہو گئی تھی اور علاوہ اس کے میں اگرچہ استرے بھی خرید سکتا تھا لیکن مجھ میں اس قدر وسعت نہیں تھی کہ ایک دکان کرایہ کی لے کر اس میں اپنا کام چلاتا مگر اس کے مقابل میں یہ منظور نہ ہوا کہ بغل میں استرا دبائے گھر گھر حجامت بناتا پھروں۔ میرے خچر والے دوست نے جو مشہد کے طریق اور عادات سے بخوبی واقف تھا مشورہ دیا کہ تو سقا بن جا۔ تم ایک نوجوان اور مضبوط شخص ہو۔ تمھاری آواز میں بھی بہت کڑک ہے تم لوگوں کو ذرا لہراتی ہوئی آواز میں سبیل پلا سکتے۔ تم میں چرب زبانی اور چاپلوسی اور مسخرا پن بہت ہے ایسے موقع کی یہ قابلیت بھی جان ہے۔

زائرین کا گروہ مقبرہء امام کی زیارت کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس وقت خیرات کرنا گویا وہ اپنا سبب نجات تصور کرتے ہیں اور ان لوگوں کو وہ آزادانہ دیتے ہیں جو ان سے ثواب بخشوانے کا وعدہ کرتے ہیں۔
تم ان کے ہاتھ حضرت امام حسینؑ کا طفیل کہہ کر کے ایک ایک جرعہ بیچو ہمیشہ پہلے تو کٹورا آگے کر کے مفت ہی کی درخواست کرو مگر تم خوب یقین کر لو کہ وہ بغیر قیمت دیے تمھیں نہیں رہیں گے جب تمھارا گاہک پانی پی لے تو تم ذرا زور ڈال کے کہو۔ خدا کرے تمھارا یہ جرعہ حسب دلخواہ ہو۔ خدا کرے حضرت امام حسینؑ تمھیں اپنی حفاظت میں لے لیں۔ خدا کرے تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو بس اس قسم کی باتیں تم اس زور سے کہو کہ سب کے کانوں میں یہ آواز گونجے غرض کہ ان زائرین کے آگے جو سیکڑوں میں یہاں عبادت گذاری کے لیے آتے ہیں یقین ہے کہ جو کچھ تم کہو گے وہ اسے باور کریں گے اور تم چاہو جو کچھ کہہ سکتے ہو۔ دیکھو میں خود مشہد میں سقا بن جاتا ہوں کیونکہ یہاں کی تجارت کو بخوبی جانتا ہوں صرف اسی سقا پنے سے میں نے خچر بھی خرید لیے ہیں اور جو کچھ میری حالت ہے تم دیکھتے ہی ہو۔
میں نے اپنے دوست کی نصیحت پر عمل کیا۔ میں نے ان تومان کی مشک اور ایک بز نجی ٹوٹنی خریدی۔ اور پانی پلانے کا ایک روشن پیالہ مول لیا اپنی مشک میں پانی بھر کر میں نے کچھ دیر اسے یونہی رکھ دیا تاکہ بدبو چمڑے کی جاتی رہے۔ جب بو جاتی رہی میں اسے بھر کے مقبرہ پہنچا اور فوراً ہی کام شروع کیا۔ جو صدا کہ پانی پلانے میں لگاتا تھا یہ تھی۔ "سبیل ہے شہیدوں کے نام کی پیاسا نہ جا۔" یہ آواز جہاں تک مجھ میں قوت تھی خوب ہی زور سے نرخرے پھلا کر لگاتا تھا اور اپنے رفیق خچر والے کی نصیحت سے دو دن پہلے سے اس کی مشق بڑھالی تھی۔ مجھے اس بات کا تو یقین تھا کہ پرانے تجربہ کار اشخاص سے ہر گز ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹاؤں گا جونہی میں جا کر وہاں مشک لے کر کھڑا ہوا ان سقوں کی نگاہ مجھ پر پڑی جو وہاں قدیم سے پانی پلاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ شاید مجھ سے استحقاق کی بابت سوال کریں گے کہ تیرا کون سا حق ہے جو تو یہاں پانی پلانے چلا آیا۔ جب میں حوض میں پانی بھرنے کے لیے گیا سب سقے میرے ساتھ جھگڑنے لگے اور ایک سقے نے تو یہی چاہا کہ مجھے اندر ہی دھکا دے دے کہ حوض میں پڑاخ سے جا پڑوں۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ ایک مضبوط اور قوی شخص ہے اور میری مضبوطی میرے بازوؤں سے ہویدا تھی۔ تو اب کر ہی کیا سکتے تھے۔ زبان اپنے قبضہ میں ہے چاہے جو کچھ ہانک دیا۔ میں فوراً پانی بھر کے ان کے آگے بڑھا اور انھیں سکتہ ہوا۔ فطرت ہی کو یہ منظور تھا کہ میں مشک بھی کندھے پر رکھوں اور سقا

بنوں۔ ایک ہی لمحہ گذرا تھا کہ میں غلیظ اور ناپاک حوض میں سے پانی بھر کے لایا تھا لیکن میں نے اس کی مدح سرائی یوں شروع کی۔ "یہ پانی اس دریا کا ہے جس کی ایک شاخ جنت میں جاکر گرتی ہے۔"

یہ امر بعید الفہم ہے کہ یہ خوش ذائقہ کس قدر تھا اور یہ بھی دور از قیاس ہے کہ میں نے کس قدر روپیہ اس کی سبیل پلانے میں حاصل کیا۔ میں ہر وقت اس تاک میں رہتا تھا کوئی نیا گروہ زائرین کا آئے اور جس وقت کہ وہ اپنے خچروں سے اترتے تھے تمام راستہ کی خاک میں لت پت اور ترکمانوں سے جان بچنے میں خوش۔ وہ اپنا حفاظت سے پہنچنا ایسا مبارک سمجھتے تھے کہ بہت کشادہ دلی سے وہ میرے پانی پلانے کا معاوضہ ادا کرتے تھے اور میر از ور زور سے تنبیہ آمیز الفاظ میں کہنا شاید ہی ہے کہ خالی گیا ہو۔

ماتم حسینؑ جو فارس میں مذہبی ارکان سمجھ کر بہت دھوم دھام سے کیا جاتا ہے اب ختم ہونے کو تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ محرم الحرام کی دہم تاریخ کو بھی اپنی مشک سے سبیل پلاؤں۔ کیونکہ بس یہی روز نمایاں غم و الم کا ہوتا ہے اور ہر شخص ماتم حسینؑ میں سینہ فگار دکھائی دیتا ہے۔

بہر گامے کہ سنجی حوریان راموبہ گر سنجی

بہر سوے کہ بینی قدسیان رانوحہ خوان بینی

شہر کے اس عظیم الشان وسیع میدان میں یہ ساری کیفیت اور مرثیہ خوانی۔ ماتم وغیرہ ہوتا ہے مجھے امید ہوئی کہ میں صرف اپنی قوت کے بل پر بہت کچھ فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور میری شہرت بھی پوری ہو گی میں نے پانی کی مشک بھر کر کندھے پر رکھی اور استقلال اور ہمت کو اپنے ساتھ لیا ایک شخص میرا حریف بھی تھا۔ جس سے گذشتہ تقریب میں مقابلہ ہوا تھا لیکن جب میں نے پانی کی بھری ہوئی ایسی مشک اٹھائی جو اس کی مشک سے کہیں بڑی تھی پھر لامحالہ وہ مجھ سے کس بات میں جھگڑا کر سکتا تھا میں اس سے ہر حالت میں قوی تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے لوگوں نے سمجھایا کہ بھئی ذرا اس سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ ایک حاسدانہ طبیعت رکھتا ہے۔ اور یہ اس کے آگے کوئی بات ہی نہیں ہے کہ جھٹ یہیں فوجداری کر بیٹھے۔ غرض جب وہ دن آیا شہزادہ اپنے اس کمرے پر جلوہ فزا ہوا کہ جو محل کے دروازے پر بنا ہوا تھا۔ تمام مخلوق اپنے مذہبی ارکان ادا کرنے کے لیے جمع ہوئی میں بھی بدن سے کمر تک برہنہ کہ جس میں خون دوڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا پہنچا اپنی بوجھل اور وزنی مشک کے باعث آہستہ آہستہ قدم اٹھائے۔ جب میں اس کھڑکی کے نیچے پہنچا جہاں شہزادے صاحب بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے میں نے زور

زور سے ان کو دعائیں دینی شروع کیں انھوں نے اوپر سے ایک اشرفی پھینکی وہ میں نے لپک کے اٹھائی۔ علاوہ اشرفی دینے کے وہ میرے کام سے بھی بہت خوش ہوئے اسی بشاشت اور خوشی کے عالم میں میں نے چند لڑکوں سے جو مشکیں لیے قریب ہی کھڑے تھے کہا کہ تم میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ چنانچہ انھوں نے ویسا ہی کیا لوگوں کو سخت تعجب ہوا اور ایک غل وشور میری تعریف کا مچ گیا پھر میں نے دوسرے لڑکے کو بلایا وہ بھی میری پیٹھ پر چڑھ بیٹھا میرا حریف موقع کی تاک میں تھا وہ یہ دیکھتے ہی جلدی سے ایک بلند مقام پر جا کھڑا تا کہ وہاں سے مجھے صدمہ پہنچائے لیکن صرف اپنی قوت کے بل پر میں اس وزن کو بھی بھیڑ میں ادھر ادھر لیے پھرا اور کچھ تکلف نہیں کرنا پڑا۔ گو اس وقت جوش میں تو مجھے کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوئی لیکن جب گھر آیا تو دیکھا کہ پیٹھ تو ایسی پکا پھوڑا ہو گئی کہ آئندہ مجھ سے ہرگز مشک کندھے نہ اٹھائی جائے گی ناچار میں نے اپنی مشک اور جتنی چیزیں اس کے متعلق خریدی تھیں سب بیچ ڈالیں اور وہ روپیہ جو مجھے سبیل پلانے میں ہاتھ لگا تھا اس کے سبب سے یہ حالت میری اس افسوس ناک حالت سے بہتر تھی کہ جب میں اپنے سخت اور مصیبت زدہ سفر سے مشہد میں داخل ہوا تھا۔ میرا دوست خچر والا چند روز کے بعد ایک قافلہ کی ہمراہی میں طہران روانہ ہو گیا۔ میں نے اپنے حریف پر جس سے میری فوجداری ہو گئی تھی قاضی کے اجلاس میں دعویٰ دائر کیا لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ قانون ملکی میں کوئی بھی سزا ایسے جرم کی نہیں ہے۔ اس میں تو یہ مرقوم ہے دانت کے بدلے دانت آنکھ کے بدلے آنکھ۔ لیکن کسی کو کچوک دینے کے بدلے کچوک دینا مرقوم نہیں ہے۔ کاش میرا کوئی قوی دوست ہوتا تو ضرور میری اس وقت پشتی کرتا اور پھر شاید میں دادرسی کو پہنچتا۔ لیکن مجھ جیسا مصیبت زدہ شخص نہ جس کو کوئی جانے نہ جس کا کوئی رفیق پھر مجھے کیا حاصل ہو سکتا تھا ہاں صرف چند روپیہ ایسے موقع پر کھوناتھا کھو دیتا کچھ حاصل ہونا خیر صلاح تھا۔

دسواں باب

حاجی بابا کا اپنے دل میں مشورہ کر کے پھیری پھر تما کو فروخت کرنا

میں نے اپنے دل میں یہ مشورہ کیا کہ اب مجھے آئندہ زندگی بسر کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے زندگی کے بہت سے راستے میرے لیے کشادہ تھے۔ مشہد میں گدا گری کی راہ بہت ہی کھلی ہوئی ہے جو سقاپنے کی کامیابی پر شاہد تھی۔ جو میں نے کس پھرتی سے نبھایا تھا۔ پہلے میں نے ایک ریچھ نچانے والا بننا چاہا لیکن اس فن میں کچھ شاگردی بھی کرنی پڑتی تھی۔ اس میں اول توڈھٹبندی سیکھنی پڑتی تھی اور پھر تعلیم لینا پڑتا تھا کہ ریچھ کو کیونکر سدھایا کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس خیال کو ترک کر دیا پھر میں نے ایک دکان کرایہ پر لے کے اپنا پیشہ شروع کیا۔ مگر میرا ہرگز یہ منشا تو تھا نہیں کہ میں ایسے دور دراز شہر میں اپنی ریاست کروں گا اور یہیں پڑ رہوں گا۔ آخر کار میں نے اپنی طبیعت کا رجحان اس طرف دیکھا اور جس کا خود بھی مجھے بہت شوق تھا کہ میں گلی در گلی تما کو بیچتا پھروں۔ اس ارادے پر میں نے مختلف قد کے حقے خریدے۔ ایک لکڑی کی کشتی لی جس میں مہنالیں بھی تھیں۔ جس کو تسمہ سے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔ میں نے ایک ظرف آگ رکھنے کے لیے مول لیا۔ یہ میرے ہاتھ میں رہتا تھا۔ ایک جوڑا دست پناہ کا۔ ایک صراحی پانی کی۔ ایک آنکڑا پیچھے میری پشت پر ان سب کو سنبھالے رکھتا تھا۔ کئی بڑے بڑے تھیلے لیے جن میں ہر وقت تما کو بھرا رہتا تھا۔ جب میں ان سب چیزوں سے اپنے کو لادتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں میرے ہی جسم کی سواری کرتی تھیں اس وقت میں بالکل خار پشت معلوم ہوتا تھا جو اپنے خار کھڑے کیے ہوئے چلا آتا ہے میرے پاس تما کو کئی قسم کا رہتا تھا۔ تباس شیراز۔ سوسا، دمشق کا۔ یہ واقعی درست ہے کہ میں صاف اور خالص تما کو نہیں رکھ سکتا تھا۔ تمباکو کی تھوڑی اصلی پتیوں میں میں کثرت سے ادھر ادھر کی خراب ناپاک چیزیں کوڑا کرکٹ ملا کر لوگوں کو پلاتا تھا مجھے اس بات میں بہت ملکہ ہو گیا تھا کہ میں گاہکوں میں اس کو بہت زور دے کر اصلی ثابت کر دیتا تھا غرض میرا کل نفع صرف میرے مختلف طریق پر منحصر تھا جو اشخاص کہ متوسط درجہ کے مجھ سے لیتے تھے انھیں میں نصف میل تما کو کا دیتا تھا اور جو کم درجہ پر لیتے تھے انھیں ایک حصہ

تماکو اور تین حصے کوڑا کرکٹ ملا ہوا ملتا تھا اور جو بہت ہی کم درجہ کے ہوتے تھے ان کو صرف فضلہ ہی پکڑا دیتا تھا۔ لیکن جہاں میں نے دیکھا کہ مجھ پر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اس کا تماکو اچھا نہیں ہوتا تو اسی وقت میں نے اپنے اچھے تماکو کی شہادت کے لیے اصلی اور خالص پیش کر دیا میں عمدہ عمدہ نمونے دکھاتا ان کے بڑے بڑے فوائد بیان کرتا اور اس باغبان کی تاریخ بیان کرتا جس نے اس تماکو کو بویا تھا اور اسی کی نگہداشت میں اس کے پودے پرورش ہوئے تھے اور پھر اس زمین کا پتا دیتا جہاں یہ بویا جاتا ہے۔

غرض مشہد میں میں اپنے حقوں کی عمدگی میں مشہور ہو گیا۔ میرا خاص گاہک ایک درویش تھا۔ جو ایسا پینے والا اور پراکھ تھا کہ میں اسے ہمیشہ صاف و خالص تماکو دیا کرتا تھا۔ اور اگرچہ اس کی گاہکی سے مجھے کچھ نفع نہ ہوتا تھا کیوں کہ ادائیگی میں وہ کھرا نہ تھا لیکن وہ ایسا چرب زبان تھا اور اپنے اکثر دوستوں سے کہا کرتا تھا کہ بھئی اس نوجوان سے تماکو لیا کرو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کوئی بات اس کی خلاف مرضی ہو۔ یہ درویش جس کا نام درویش سفر تھا ایک خاص ہئیت کا شخص تھا۔ اس کی لمبی پکوڑواں ناک۔ تیز تیز سیاہ آنکھیں۔ ایک گنجان ڈاڑھی دوطرفہ شانوں پر بڑی بڑی زلفیں چھوٹی ہوئیں۔ اس کی مخروطی ٹوپی پر چاروں طرف قرآن شریف کی آیتیں اور پاک پاک دعائیں مناجاتیں کڑھی ہوئی تھیں۔ ایک سرخ ہرن کا چمڑا اس کی پشت پر پڑا رہتا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک فولاد کا ڈنڈا ہر وقت رکھتا تھا۔ اور اکثر جب چلتا تو کندھے پر رکھ لیتا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک قلابش رہتی تھی جس میں تین زنجیریں پڑی رہتی تھیں جب کسی مسافر سے سوال کرتا تو اس زنجیر کو ہلا دیا کرتا۔ کمر میں ایک ہار سنگ سلیمانی کا جس میں کثرت سے وزنی تسبیح کے دانے لٹکا رہتا تھا۔ اور جس وقت یہ فقیر بازاروں شاہراہوں میں چکر لگاتا تھا ایک وحشت اور دیوانہ پن اس کی باتوں اور کاموں میں ہوتا تھا جس سے خودبخود ناظرین کی طبیعت پر ایک افسردگی چھا جاتی تھی۔ مجھے پھر معلوم ہوا کہ اس پر ایک استغاثہ ایک عورت کی طرف سے دائر ہوا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی یہ حالت بنائی تھی۔ کیونکہ جب یہ میرا حقہ پیتا اور وہاں اس وقت کوئی نہ ہوتا اور نہ کسی فرد بشر کے آنے کا گمان ہوتا یہ خاصہ جوں کا توں آدمی بن جاتا اور وہ باتیں کرتا جو آدمی کیا کرتے ہیں غرض واقفیت سے بہت جلد میل ملاپ کی صورت نکل آئی۔ آخر درویشوں کے چھوٹے سے دائرے میں مجھے بھی لے گیا جو لوگ کہ اسی قسم اور اسی پیشہ کے تھے یہ فقیر ان درویشوں کے ساتھ بلا شرکت غیرے زندگی بسر کرتا تھا۔ اپنی کئی مجلسوں میں اس نے مجھے بھی مدعو کیا۔ یہ درست ہے کہ مجھے یہ نہ اچھا معلوم ہوا کہ میں ان کی شرکت تماکو پلانے میں کروں

کیونکہ وہ میرا تماکو پی کر اس کو تلف کر دیتے تھے جو تمام میرے گاہک بھی اس قدر نہ پیتے مگر ان کی صحبت اس قدر پسندیدہ تھی کہ میں ان کی خواہش سے انھیں باز نہ رکھ سکتا تھا۔

درویش سفر نے ایک دن شام کو جب ہم سب بیٹھے ہوئے معمول سے زیادہ تماکو پی رہے تھے مجھ سے مخاطب ہو کے کہا۔ حاجی بابا تم بڑے ہی تماکو بیچنے والے ہو تم ہماری طرح درویش کیوں نہیں ہو جاتے۔ ہمیں آدمی کو الو بنالینا کچھ بات ہی نہیں ہے۔ گو ہماری زندگی دوسروں پر منحصر ہے تاہم ہم بہت ہی آزادی سے بسر کرتے ہیں۔

اصل پوچھو تو ہماری زندگی صرف ان کی کمزوری طبیعت اور سریع الاعتقادی پر منحصر ہے۔ اور جو بات میں نے تم میں دیکھی ہے مجھے امید ہے کہ تم ہمارے فن کو ترقی دوگے۔ اور ایک وقت میں تم شیخ سعدی کی طرح مشہور زمانہ ہو جاؤگے۔ جب درویش سفر یہ کہہ چکا تو اور لوگوں نے جو مجھے فقیر ہو جانے پر آمادہ کرتے تھے بہت ہی آفرین کہی اور اس کی اس تلقین کی دل سے تعریف کی۔ میں نے کچھ انحراف نہیں کیا۔ لیکن میں نے ان ضروریات باتوں سے اپنی جہالت بیان کی جو اس فقیری حالت میں ضرور ہونی چاہیں۔

میں۔ بھلا آپ خیال تو فرمائیے۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ مجھ ایسا جاہل ناتجربہ کار شخص کیونکر فقیر بن سکتا ہے اور اس میں فقیر کی کل صفتیں کیونکر آ سکتی ہیں۔ یہ حق ہے کہ میں کچھ لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ میں نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے اور سعدی حافظ کی تصنیفات مجھے حفظ بھی یاد ہیں اور اس کے علاوہ میں نے شاہنامہ کا ایک بہت بڑا حصہ دیکھا ہے لیکن اس کے سوائے میں محض جاہل کندہء ناتراش ہوں۔

درویش سفر۔ افسوس اے میرے دوست تم کچھ درویشی میں بھی جانتے ہو اور پھر بھی مخلوق اللہ سے کم ہو درویشی کے لیے کچھ بہت علم ضرورت نہیں ہے۔ تیقن۔ یہ اول مقام درویشی ہے۔ جس قدر واقفیت تم نے بیان کی ہے اس کا 50 / 1 حصہ اور کچھ بے حیائی درکار ہے جس کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نہ صرف تھیلوں پر بلکہ لوگوں کے دلوں کے مختار نہ ہو جاؤ تو مجھ سے آئی۔ دیکھو صرف اسی خیرہ چشمی کے طفیل سے مجھے بڑے بڑے آرام و عیش حاصل ہوئے ہیں اور مجھ سے تم جیسے لوگ جو یہی نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے ڈرتے بھی ہیں اور میری عزت کرتے ہیں مجھے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

جب درویش سفر یہ باتیں بنا چکا تو اس کے ساتھیوں نے بہت ہی تعریف کی اور اس کے اقوال پر آفرین کہی۔ انھیں اس قسم کے کرتب آتے تھے جو وہ لوگوں کو کر کے دکھاتے تھے کہ میں ایسا حیران ہوا اور مجھے اس کا ایسا

خیال ہوا کہ یہ باتیں ضرور سمجھنی چاہیں کہ یہ کس طرح عملدرآمد کرتے ہیں انھوں نے اقرار کیا کہ ہم آئندہ جلسہ میں اپنی تاریخ پوری بیان کریں گے اور انھوں نے مجھے خوب زور شور سے تنبیہ کی کہ تو اپنے خیالات اس آسائش اور آرام کے موقع کی طرف بدل دے اور تیری یہ حالت اس سے بہتر ہو گی کہ تو تما کو بیچتا پھرے اور گلی گلی جوتیاں چٹخاتا پھرے۔

گیارہواں باب

درویش سفر کی معہ اور درویشوں کے تاریخی حالت

جب ہم سب مل کے ایک جگہ جمع ہوئے ہر ایک کے ہاتھ میں حقے تھے اور سب دیواروں سے پیٹھیں لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں جس کی کھڑکی ایک چھوٹی مربع زمین کی طرف کھلی ہوئی تھی اور جہاں پودہ گلدستہ وغیرہ لگے ہوئے تھے ہماراسب کا سرپنچ اور سردار گرو درویش سفر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی تاریخ ان مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کی۔

میں لوتی باشی کا بیٹا ہوں۔ جو شہزادہ شیراز کے دربار میں مسخروں کا افسر تھا۔ اور دربار میں وہ طاؤس کے نام سے مشہور تھا۔ ایسے والدین کے سایہ عاطفت میں تم خیال کرلو کہ میں نے کیا تعلیم پائی ہوگی بچپن میں میرے دوست اور میرے ساتھی بندر اور ریچھ تھے جو میرے باپ اور اس کے دوستوں نے پالے تھے۔ ان ریچھوں اور بندروں کو صدہا قسم کے فن فریب تعلیم کیے گئے تھے۔ ان کو تیزی اور ہوشیاری کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ ان ہی کی دیکھم دیکھ مجھے نقالی ایسی آگئی تھی کہ جس کا استعمال مجھے اپنی تمام زندگی کرنا پڑا۔ پندرہ برس کی عمر میں میں ایک فاضل لوتی (ایران میں ریچھ نچانے والے کو کہتے ہیں) بن گیا۔ مجھے خود بھی آگ پھانکنی آتی تھی پانی کا فوارہ منہ سے نکال سکتا تھا اور ہاتھ کی صفائی کے بہت سے اقسام کے کھیل مجھے آتے تھے۔ میرا شہرہ اس قدر بلند ہوا کہ روز نوروز کے جشن کے جلسہ میں اہل دربار کے سامنے میں ایک مضبوط رسے پر کھڑا ہوا ناچ رہا تھا کہ مجھ دیکھ کے اس شہزادے کی لڑکی جو اونٹوں کے توپخانہ کا جنرل تھا فریفتہ ہوگئی ایک نوجوان اونٹ ہانکنے والا جو میرا بہت ہی گہرا دوست تھا اور جس کی بہن جنرل کے گھر میں نوکر تھی ایک دن ان کی بہن نے اپنے بھائی سے کہا کہ ہماری بیگم صاحبہ رسے پر ناچنے والے شخص پر عاشق ہوئی ہیں۔ جونہی مجھے اطلاع ہوئی میں فوراً مرزا خط نویس کے پاس گیا جو ایک گوشہ بازار میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور اس سے کہا کہ تم مجھے ایک خط عشق و محبت کا لکھ دو۔ سرخ روشنائی سے ہو اور جس قدر جملے آئیں سب سے فراق کی بے کلی اور شب وصل کی آرزو اور دل کی بے چینی اور طبیعت کی بے تابی

ٹپکتی ہو۔ اس مضمون سے بہتر اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں بالکل مر گیا۔ اور مجھے یہ مرگ ناگہانی صرف تمھاری ان آنکھوں سے ہوئی ہے کہ جن میں دو شعلے آتشیں مشتعل رہتے ہیں۔ اسی آگ نے میرے جگر اور دل کو بھون کر کباب کر دیا۔ باوجود اس بیان کے آخر میں میں نے یہ بھی تحریر کرا دیا کہ چونکہ اب تک میں تمھارے دیدار نور سے نہیں مشرف ہوا۔ تم خود کوئی تدبیر ایسی نکالو جس سے مجھ پیاسے کو شربت دیدار پینے کا موقع ملے۔ بڑی خوشی کی حالت میں کچھ سمجھائی تو دیا نہیں مطلب تو یہ تھا کہ کسی طرح چٹھی ہاتھ آئے میں نے مرزا خط نویس کو اپنی معشوقہ کا نام بھی بتا دیا۔ نام کا بتانا تھا کہ اس نے یہ بھی راستہ نہیں دیکھا کہ میں اس سے کچھ اس کا معاوضہ تو لے لوں۔ سیدھا اٹھا اور جنرل کے پاس چلا گیا اور اس سے جا کر کہا کہ لوتی باشی کا بیٹا آپ کی صاحبزادی پر نظر رکھتا ہے یہ ایسا گناہ ہے جو معاف ہی نہیں ہو سکتا جنرل کی دربار میں بہت رسائی تھی اور اس کا خوب کہنا سننا تھا اس نے دربار سے حکم لے لیا کہ لوتی باشی کا بیٹا شیراز چھوڑ کر چلا جائے۔ میرے والد نے شہزادے کی ناخوشی نہ چاہی اور میرے باپ کا ساتھ ہی اس کے یہ خیال تھا کہ اس کی شہرت بہت ہوتی جاتی ہے اور یہ بڑا ہوتا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ میرا رقیب بن جائے غرض ان ان صورت توہمہ کی وجہ سے مجھے شہر چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ صبح کے وقت جب میں شیراز سے روانہ ہونے کو تھا اور اپنے دوستوں بندروں ریچھوں اور اسی قسم کے دوسرے جانوروں کو رخصتی سلام کر رہا تھا کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا۔ "اے میرے بیٹے سفر تیری مفارقت کا مجھے بہت ہی صدمہ ہے۔ وہ تعلیم جو تم نے یہاں پائی ہے اور وہ خاص منافع جو تمھیں ہماری اور تمھارے جانوروں کی سوسائٹی (انجمن) میں رہنے سے حاصل ہوئے ہیں واقعی تمھیں ان میں کامیابی ہو گی۔ میں تمھیں اس وقت وہ شے وقف کرتا ہوں جو کس تیزی سے دنیا کی دولت تمھارے پاس گھسیٹ کر لائے گی۔ میں تمھیں اپنا خاص بندر دیتا ہوں جو اپنی قوم میں سب سے کامل ہے۔ اسے تم اپنا سچا دوست سمجھنا اور اسے مجھے سمجھ کر محبت کرنا اور مجھے امید ہے کہ تم ایک وقت میں وہ ناموری اور شہرت۔ عزت پیدا کرو گے جیسی میں نے کی ہے اس کے بعد میرے باپ نے اس بندر کو میرے کندھے پر بٹھا دیا اور بایں ہیئت مجموعی میں اپنے محبت بھرے باپ سے رخصت ہوا میں یہاں سے سیدھا اصفہان کی طرف روانہ ہوا اور میری یہ روانگی کچھ دل پسند طریقے پر نہیں تھی کیونکہ میں یہ امر مشکل سے جانتا تھا کہ آیا طبیعت کی ان تغیری حالتوں میں خوش ہوں یا غمزدہ ہوں۔ بندر اور خود سری یہ دو چیزیں بیشک خوشنما اور شادمانی کی جان تھیں لیکن اپنے جلیسوں اور ان مقاموں کو چھوڑنا کہ جن سے بچپن سے مجھے محبت ہو گئی تھی اور

اس شیریں تمثال کی محبت و الفت و عشق کی تصویر جس وقت کہ میری آنکھوں کے آگے کھنچتی تھی اس وقت میرے دل کا حال کچھ نہ پوچھو اسی غم والم کی صورت میں میں ایک درویش کے جھونپڑے پر پہنچا جو اللہ اکبر اس قدر تنگ تھا کہ توبہ۔ میرا دماغ رنج والم میں ڈوبا ہوا تھا اور مجھ پر مایوسی اور ہراس طاری تھا میں اپنے دل میں یہ کہہ رہا تھا۔

کہاں ہم اور کہاں غم ہم کو غم سے کچھ غرض مطلب
ولے اے حضرت دل تم نے ہم پر مہربانی کی

میں جھونپڑے کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ ایک طرف بندر کو بٹھالیا۔ میری آنکھوں سے اس غم کے چر کے سے جو میرے دل پر بیٹھا تھا برابر آنسو بھرے تھے اور میں اس حالت رقت میں کس زور زور سے یہ کہہ رہا تھا آہ وائے۔ آہ۔ وائے۔ یہ وہ الفاظ تھے اور اس درد سے کلیجہ سے نکلتے تھے کہ سننے والے کو بھی رحم آئے۔ میری یہ دردناک آواز سن کر درویش باہر نکل آیا۔ اور میری ساری کیفیت سن کر مجھے اندر لے گیا جھونپڑے میں میں نے ایک اور فقیر کو دیکھا جو سابق الذکر سے بھی زیادہ رعب والا تھا۔ وہ ایسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جیسے میں اس وقت پہن رہا ہوں بلکہ یہ ٹوپی جو میرے سر پر ہے اسی کی ہے لیکن اس کے دیکھنے سے وحشت ٹپکتی تھی۔ مگر بالکل وہ آنکھیں فریب دہ معلوم ہوتی تھیں یعنی یہ وحشت بناوٹ کی تھی۔

میرے اور میرے ساتھی بندر کے پہلو میں یکایک وہ کسی خیال سے چونکا دونوں فقیروں نے باہم نج کے طور پر باتیں کر کے مجھ سے کہا کہ میں تجھ کو اپنے ساتھ اصفہان لے چلوں گا۔ اور میں تجھ پر نظر شفقت سے دیکھتا ہوں۔ ایسے راستہ پر تجھے ڈال دوں گا کہ تو خوب دولت کمانے لگے گا۔ میں نے بہت خوشی سے یہ منظور کر لیا۔ پھر جھونپڑے والے درویش نے ہمیں حقہ پینے کو دیا میں اور یہ فقیر جس نے مجھے اصفہان لے چلنے کا وعدہ کیا تھا باہر اٹھ کر ایک اچھی جگہ میں چلے آئے اور جب تک جگہ مقصود پر نہ آ گئے کچھ باتیں نہ ہوئیں اس درویش کا نام درویش بیدین تھا۔ اس نے وہاں بیٹھ کر مجھ سے یہ سوال کرنا شروع کیا کہ تمھاری گذشتہ زندگی کیونکر گذری اور تم نے کیا تعلیم حاصل کی۔ جب میں نے اپنے کمال کا حال کہا کہ مجھے اس اس امر میں بہت ملکہ ہے تو وہ بہت ہی خوش ہوا پھر اس فقیر نے وہ وہ منافع جو درویشی میں حاصل ہوتے ہیں بیان کرنے شروع کیے اور کہا اس کمبخت ریچھ بندر نچانے میں جو بہت ہی کمینہ پیشہ ہے کیا رکھا ہے۔ اور آخر مجھے یہاں تک آمادہ کیا کہ میں نے اس کے

ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس نے مجھ سے نصیحتاً کہا بھئی اگر تو نے مجھ کو اپنا آقا۔ اپنا استاد سمجھا تو جو کچھ مجھے آتا ہے میں سب کی تجھے تلقین کر دوں گا اور اس نے مجھے یقین دلایا کہ مجھے کچھ علم نہیں آتا اس قدر آتا ہے کہ فارس میں میں ایک کامل فقیر مشہور ہوں پھر اس نے مجھ سے جادو اور نجوم کا ذکر کیا اور مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے جادو ٹونے کیے ہیں یہ اسی کا صدقہ ہے کہ ایک دولت کثیر میرے ہاتھ لگ گئی۔ ایک خرگوش کی دم کو ایک بچہ کے پالنے میں رکھ دو پھر تم یقیناً سمجھ لو کہ اس کو نیند آ جائے گی۔ اگر خرگوش ہی کا خون تم ایک گھوڑے کو پلا دو تو پھر دیکھو اسے کس قدر تیز اور چابک قدم بنا دے گا آنکھ اور بھیڑیے کی انگلی کا جوڑ لڑکے کے جسم سے چھوا دو وہ جری اور عالی ہمم بن جائے گا اور بھیڑیے کی چربی کسی عورت کے جسم سے مل دو اس کی تاثیر یہ ہو گی کہ اس کا خصم خود بخود محبت کرے گا اور اس قدر اس سے بالفت پیش آئے گا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اگر اس کا پتا بھی اسی طرح عوت سے مل دیا جائے تو اس کے ہاں اولاد پیدا ہووے۔ چرخ کی مادہ کا چمڑہ اگر تمام جسم پر لپیٹ دیا جائے تو اس شخص سے تمام عالم محبت کرے اور خود بخود ہر ایک کا دل اس کی طرف کھنچے اسی قسم کی اس نے اور باتیں بیان کرنی شروع کیں یہاں تک کہ اس کی باتوں سے میرے دل میں ایک دلچسپی کی آگ بھڑکی جب کہ اس نے ظاہراً دولت کی ایک صورت مجھے دکھائی اور اس نے مجھ سے خود ہی کہا کہ میں تم سے بات کہتا تو ہوں لیکن شاید پسندیدہ نہ ہو۔

فقیر بیدین۔ سفر تم نہیں جانتے کہ کس قدر خزانہ اس بندر میں ہے جس کے تم مالک ہو لیکن یہ میرا مطلب نہیں کہ جب تک یہ زندہ رہے اس میں سے یہ خزانہ نکل آئے بلکہ میری یہ غرض ہے کہ جب یہ مر جائے گا تو وہ خزانہ اس میں سے نکل آئے گا۔ اگر یہ مر جائے پھر میں اس میں سے ایک مصالحہ نکالوں کہ جس سے پھر پورا جادو ہو سکتا ہے۔ شاہ کے حرموں میں وہ سونے کے برابر وزن کر کے بیچا جائے گا۔ تم واقف ہو کہ صرف بندر کا کلیجہ اور خاص کر اس قسم کے بندر کا کلیجہ جو تمھارے پاس ہے اس قدر مفید ہے کہ تمھارا مطلوب تم پر خود عاشق ہو جائے اور اپنی جان نثار کرنے لگے۔ اس کی ناک کا چمڑا اگر ناک کے گرد آدمی لپیٹ لے تو پھر ممکن ہے کہ زہر اثر کرے اگر اس بندر کو دھیمی دھیمی آگ میں جلایا جائے اور اندر ہی اندر اس میں جلتی چلی جائے اور پھر یہ راکھ ہو جائے اس کی راکھ اسی قسم کے بندروں کو فائدہ دیتی ہے۔ انھیں چالاک عیار اور مقلد بنا دیتی ہے یعنی قوت متتبع ایسی

آجاتی ہے کہ جو کچھ ان کے سامنے کر و وہ اسی وقت سیکھ لیں۔ اس نے پھر یہ تجویز کیا کہ ہم اس جانور کو ضرور ہی قتل کریں گے۔

میں واقعی اس تجویز سے بہت گھبرایا۔ میں اور یہ دونوں گویا گھر سے ساتھ نکلے تھے جو کچھ نامساعد بخت سے میں ہم پر گذرتی وہ ہم مل کر سہتے اور جو کچھ ہمیں فراخی اور کشادگی یا سربلندی ہوتی ہم دونوں پر برابر گذرتی اور پھر ایسی صورت میں اسے اس وحشیانہ طریقہ سے کھونا ہر شخص جان سکتا ہے کہ میرا دل کیا کہتا ہو گا۔ میں عنقریب درویش کو جواب خشک دینے کو تھا جب میں نے دیکھا کہ کیا تو فقیر کا چہرہ ہنس مکھ تھا اور بخندہ پیشانی باتیں کر رہا تھا یا یکایک مارے غصہ کے سرخ ہو گیا اور اب اس کے رنگ گرگٹ کی طرح بدلنے لگے مجھے یہ ڈر معلوم ہوا کہ کہیں یہ اسے زبردستی نہ چھین لے کیونکہ اس وقت میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا میں آخر بہت بے دلی یسے اس کے تعمیل حکم پر راضی ہوا۔ ہم پھر سڑک سے علیٰحدہ ہو گئے۔ اور اس بندر کو ایک تنہا پہاڑ کے درہ میں لے گئے۔ ہم نے گیہوں کے درخت کے سوکھے ٹھنڈ اور جڑیں وغیرہ جمع کیں اور ایک آگ مشتعل کی جو فولاد کو بھی گلا دے۔ جب وہ آگ خوب مشتعل کی گئی میرا ساتھی اس میں لے جایا گیا۔ اس نے میرے مظلوم بندر کو پکڑ لیا اور آناً فاناً میں اسے ہلاک کر ڈالا۔ پھر اس درویش بیدین نے اس کی نعش کی قطع و برید کی اس کا جگر نکال لیا۔ اس کی ناک کا چمڑا لے لیا اور پھر اسی آگ میں اسے جلا دیا۔ جب یہ جل بھن کر راکھ ہو گیا پھر بڑی ہوشیاری سے اس کی کل راکھ کو جمع کیا۔ اور یہ راکھ اس فقیر نے اپنے رومال کے کونہ میں باندھ لی۔ پھر ہم دونوں مل کر سفر کی راہ پر روانہ ہوئے۔

ہم ایک ٹھیک اور درست وقت میں اصفہان پہنچے وہاں میں نے بھان متی کے کپڑے اتار ڈالے اور فقیری پوشاک پہن لی اور پھر ہم سیدھے طہران کی طرف بڑھے یہاں میرے آقا پیر کی بہت ہی آؤ بھگت ہوئی۔ جونہی لوگوں نے سنا کہ یہ آگیا ہے جوق جوق اس کی زیارت کے لیے آنے لگے اور اس سے تعویذ گنڈے لینے شروع کیے۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو نظر بد سے بچنے کے لیے تعویذ مانگے۔ بہتوں نے کہا شاہ جی کچھ ایسا کر دو جس سے میرا خاوند تابع دار ہو جائے۔ جنگ آور سپاہی بھی براجے کہ کچھ ایسی شے محافظ دیجیے کہ جنگ میں ہمیں تفنگ جگر دوز اور گلولہ قلعہ شکن مطلق اذیت نہ پہنچا سکے۔ لیکن شاہی مجلس سرا کی بیگمیں اس فقیر کی خاص الخاص گاہکوں میں سے تھیں۔ ان کا مدعا دلی یہ تھا جس کے لیے وہ جان دیتی تھیں کہ کسی طرح شاہ کی توجہ ہم پر مائل ہو۔ ان کے مطالب کے لیے مادی اشیا جو اس درویش بیدین نے فراہم کیں واقعی بہت ہی بڑی بات تھی اس کے پاس سیاہ گوش کے بال

تھے الو کی پیٹھ کی ہڈی۔ اور مختلف تیاریوں کے لیے ریچھ کی چربی بھی رکھتا تھا۔ ایک بیگم کے ہاتھ جو بسبب اپنی زیادہ عمر کے نظروں سے گری ہوئی تھی اور بیگموں کی نسبت اس پر التفات شاہی نہ ہوتا تھا میرے اسی بندر کا کلیجہ بیچا اور اس بیگم کو یقین دلایا کہ جس وقت تم اس کلیجہ کو اپنے جسم کے کسی حصہ سے باندھ کر شاہ کے آگے جاؤ گی شاہ تمھاری اور رقیب بیگموں سے تم ہی کو ممتاز کریں گے اور نگاہ شاہی کی تم ہی مطمح ہو گی۔ ایک بیگم نے یہ شکایت کی مجھ پر شاہ کبھی نظر ہی نہیں ڈالتے ہر چند میں بنی سنوری رہتی ہوں کہ ان کی توجہ اپنی طرف پھیروں لیکن وہاں پتہ ہی نہیں۔ درویش بیدین نے اس بندر کی راکھ اسے دی کہ اس کا جوشاندہ کر کے پی جانا۔ تیسری بیگم نے کہا کہ میرے جھریاں پڑ گئی ہیں کوئی ایسا جادو کرو کہ جھریاں مٹ جائیں درویش نے ایک تیل اسے دے کر کہا کہ اگر اسی طریقہ سے ملا گیا جس طرح سے میں نے رکھا ہے اور بیگم صاحبہ جب تک آپ ہنسیں بھی نہیں تو جس قدر جھریاں پڑی ہوئی ہیں وہ ست یکلخت دور ہو جائیں گی اور چہرے کی کھال تن جائے گی۔

مجھے ان تمام پوشیدہ باتوں سے واقف کیا۔ جب کبھی میرا مرشد اپنا اعتقاد لوگوں میں جمانے کے لیے جو اس کے دام فریب میں پھنس جاتے تھے ایسی فوق العادات باتیں کیا کرتا تھا کہ توبہ یعنی جس قدر اس کی باتیں ہوتی تھیں سب بہت ہی بے سود جن کا سر نہ پیر۔ غرض جو کچھ نفع ان باتوں سے وہ حاصل کرتا تھا اور یا میرے رفیق بندر کے ضائع ہونے سے اسے ہوا وہ سب اسی کا حصہ تھا مجھے ایک تانبے کا پیسہ تک بھی نہیں ملا۔

میں درویش بیدین کے ساتھ مختلف شہروں میں پھرا کہیں ہم ولیوں کی طرح پجتے تھے اور کہیں صرف ہرزہ گرد بھکاریوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ہمارا سفر صرف پیروں ہی سے تھا یعنی پیدل ہی چلتے تھے۔ اس لیے میں نے ہر مقام کو بصراحت تمام ملاحظہ کیا ہم طہران سے قسطنطنیہ چلے گئے اور قسطنطنیہ سے الیپو۔ اور دمشق میں ہو کر قاہرہ چلے گئے پھر قاہرہ سے ہم مکہ مدینہ آئے۔ اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر جدہ پہنچے۔ جدے سے سورت میں اور سورت سے گجرات۔ اور گجرات سے کشمیر و لاہور ملاحظہ کیا۔ کشمیر میں درویش نے چاہا کہ لوگوں کو اپنے جل میں پھنساؤں لیکن وہ لوگ کچھ ہمیں تاڑ گئے تھے آخر ہم بہت ہی بے عزتی سے وہاں سے چھپواں کھسکے۔ یہاں سے ہم ہرات چلے آئے یہاں ہم نے اپنی آرزوؤں پر پوری کامیابی حاصل کی کیونکہ افغان ایسے سریع الاعتقاد تھے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ سب پر ہی آمناً صدقناً کرتے تھے۔ لیکن یہاں درویش نے عجیب کھیل کھیلا کہ ولی بننے کی تدبیر کی۔ جب معجزات تیار کرنے کے لیے ہمارے کرتب اور جنتر پورے ہو گئے درویش نے چاہا کہ جو کچھ وعدہ

کیا تھا اس کا جلوہ انھیں دکھادوں۔ درویش نے اپنے کو ایک جھونپڑے میں جو ایک پہاڑ پر بنا ہوا تھا اور جو اہرات کے بہت ہی قریب تھا چھپایا۔ میں نے ان سریع الاعتقاد لوگوں کو اس امر کا یقین دلایا کہ یہ فقیر وہی کھانا کھاتا ہے جو فرشتے یا جنات اس کے لیے لاتے ہیں۔ لیکن یہ درویش بد ہضمی سے وہیں مر کر رہ گیا فرشتے کھانا دینے کیا آتے ساتھ ہی گھسیٹ کر لے گئے اس نے بھیڑ کے کباب اور مٹھائی بہت سی کھالی تھی نہ ہضم کر سکا۔

افسوس کہ دینا سے سفر کر گئے درویش
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں پر مر گئے درویش

میں نے ان سادہ لوحوں میں صرف اپنا اعتقاد جمانے کے لیے یہ کہا کہ حضرت اصل امر یہ ہے کہ یہ جن ہماری صحبت کے ایسے بھوکے ہیں کہ یہ ہر گز نہیں چھوڑتے بھلا ان کو ایسے ولی اللہ کی صحبت کہاں نصیب ہو۔ انھوں نے آسمانی کھانا انھیں اس قدر کھلایا کہ روح کی آمد ورفت کی جگہ بھی نہیں رہی وہ ان کے جسم کو چھوڑ گئے اور پانچویں آسمان میں انھیں اس تیز جھکڑ میں اڑالے گئے جو آجکل چل رہا ہے۔ یہ آندھی یا باد سموم کے جھکڑ موسم گرما میں بیس دن تک برابر چلا کرتے ہیں اگر یہ ہوا نہ چلے واقعی باشندے گرمیوں میں مر جائیں۔ میں نے اس امر کی بھی فکر کی کہ ان کو اس بات کا یقین ہو جاوے کہ درویش کا یہ معجزہ صرف تمھارے ہی فائدے کے لیے ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر ان بوڑھے اشخاص نے جو اپنے بچپن سے اس ہوا کو یوں ہی چلتا ہوا دیکھتے تھے ہر گز یقین نہیں کیا اور میرے کہنے پر وہ معتقد نہ ہوئے لیکن ان کی بے اعتقادی کچھ بھی نہ چلی کیونکہ وہ ایسے تھے جیسے آٹے میں نمک ان کی چل ہی کیا سکتی تھی۔ درویش بہت ہی بڑی عزت سے دفن کیا گیا۔ شاہزادہ ہرات اسحاق مرزا نے خود کندھا دے کر اس کے تابوت کو قبر میں اتارا۔ افغانوں نے ایک بہت بڑا مقبرہ بنوا دیا اور اب یہ ایک بہت بڑی زیارت گاہ ہے ہرات کے ارد گرد کے حصص سے لوگ زیارت کرنے آتے ہیں۔

اپنے رفیق گرو کے مرنے کے بعد میں کچھ مدت ہرات میں رہا۔ اس لیے کہ جو کچھ منافع اور تعظیم و تکریم میری ہو اس کا لطف تو اٹھالوں کیونکہ ایک تو میں ایسے نامی گرامی درویش کا دوست اور دوسرے شاگرد۔ باوجودے کہ فقیر یکا یک مر گیا۔ لیکن میں نے اپنے ارادے اور عندیہ سے توبہ نہیں کی اسی طرح ثابت قدم رہا۔ میں نے اپنے افسون کی بہت ہی قیمت اٹھائی اور میرے پاس ایک زر خطیر اپنے متوفی دوست کا کنگھا اور ناخن فروخت کرنے سے جمع ہو گیا۔ میں نے خریداروں کو یہ یقین دلایا کہ جب میں چلا جاؤں گا اور تم پہاڑوں میں پھرو گے تمھیں کسی

طرح کا آسیب نہیں ستا سکتا گو اس وقت وہ میرے ہی سبب سے یہاں جمع ہیں۔ جب میں کنگھا اور ناخن فروخت کر چکا اور کنگھا معزز معزز ڈاڑھیوں میں کیا جانے لگا تو میں نے یہ سوچا کہ ایسا نہ ہو کوئی میری اس تجارت پر حجت کرے باوجودیکہ ان کو صرف ان کی سریع الاعتقادی کے صدقہ میں میں نے فریب سے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ لیکن مصلحتاً میں نے ہرات کو چھوڑ دیا اور فارس کے مختلف حصص میں ہوتا ہوا ہزارہ کے میدان میں آیا یہاں لوگوں کو صرف ڈیرے ہی میں رہتے ہوئے پایا۔ کابل اور قندھار کے بیچ میں یہ ایک کھلے ہوئے ملک کے محیط آکر واقع ہوا ہے یہاں میری کامیابی اس قدر ہوئی کہ اس کی ہرگز مجھے امید ہی نہیں تھی ہرات میں جو کچھ درویش بیدین نے کیا تھا یعنی اس نے بننے کی تدبیر کی تھی وہی میں نے یہاں کی (حاجی بابا کہتا ہے)۔ پھر درویش سفر نے اپنا ہاتھ اس فقیر کے کندھے پر رکھا جو اس سے دوم نمبر پر بیٹھا ہوا تھا اور کہا کہ اس موقع پر یہ بھی میرا ساتھی تھا۔ اور اسے یاد ہوگا کہ ہم نے ایک ایسی تدبیر کی تھی کہ جس سے ہزارہ کے باشندوں کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ ان کے پاس ایک ایسی دیگ ہے جو ہر وقت پکے ہوئے چانولوں سے پر رہتی ہے یہ وہ معجزہ ہے کہ جو لوگ ان باتوں کا اعتقاد نہیں کرتے وہ بھی اس وقت تک سر تسلیم خم ہی کریں گے کہ جب تک ان پر اس کی اصلیت نہ کھولی جائے۔

فی الجملہ میں یہاں صرف حضرت اسحاقؑ کے نام سے مشہور ہوں جس کی نسبت تم پہلے ہی خراسان میں بہت کچھ سن چکے ہو گے باوجودیکہ شاہ نے میری کرامتوں پر بہت حملہ کیا لیکن پھر بھی میری کرامتیں ویسی کی ویسی ہی بنی رہیں۔ میں نے صرف اپنے معتقدین کی سرگرمی اور سریع الاعتقادی سے اس قدر سامان مہیا کر لیا ہے کہ اپنی زندگی بآرام گذاروں۔ کچھ مدت سے میں یہاں مشہد میں رہتا ہوں ایک ہفتہ گذرا ہو گا کہ ہم نے ایک عجیب کرامت دکھائی یعنی ایک اندھے لڑکے کی آنکھوں کو روشن کر دیا اس لیے اب ہماری اور بھی زیادہ پرستش ہوتی ہے۔

یہاں درویش سفر نے اپنی تاریخ ختم کی اور اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ اب تو اپنی تاریخ بیان کر۔

یہ وہ فقیر تھا جو ہزارہ میں اس کا ساتھی رہ چکا ہے اس نے اپنی تاریخ حسب ذیل بیان کی۔ وھو ہذا۔ شہر قم میں میرا باپ بڑا قانونی مشہور تھا اس کی ناموری زیادہ تر اس کی عبادت گذاری اس کی صفائی اور اس کے صوم الدوامی کے سبب سے تھی جو فارس میں اول نمبر گنی جاتی تھی۔ میرے باپ کے بہت سے لڑکے تھے ہم سب کو ہمارے مذہب کے اندرونی حصص کی بہت ہی مضبوطی سے مشق کرائی جاتی تھی۔ جس سختی اور تشدد سے کہ ہم کو مشق

کرائی جاتی تھی وہ صرف ہمارے ہی نفس پر بسبب عیاری اور فیلسوفی کے مخالف تھی۔ یہ خاصیتیں رفتہ رفتہ ہماری طبیعت میں بیٹھتی چلی گئیں اور ہمارے طرق میں خوب ہی گندھ گئیں۔ ہماری حالتوں پر کسی دوسرے خیال کے بغیر ہم پر پہلے ہی گویا فریب اور دغاؤں کے چھتہ کا داغ لگایا گیا گویا ہم بہت بڑے جھوٹے اور جنمی فریبی بن گئے۔ میں بجائے خود ایسا تو فریبی اور دغاباز بنا کہ آخر کو درویش بن بیٹھا اور جو کچھ ناموری اور شہرت میں نے حاصل کی وہ ان خوش قسمت حالتوں میں حاصل کی ہے جو میں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

میں طہران میں پہنچا ہی تھا اور میں ایک عطار کی دکان کے سامنے ہی اپنی جگہ قیام تجویز کر کے بیٹھا ہی تھا کہ اتنے میں ایک بڑھیا دوڑی ہوئی میرے پاس آئی اور کہا میرے آقا عطار کو ابھی معمول سے زیادہ کھانے کے باعث مرض لاحق ہو گیا ہے۔ جو دوا کہ اس نے کھائی ہے اس نے کچھ فائدہ نہیں کیا اس کے لواحقین چاہتے ہیں کہ اس کے لیے کچھ تعویذ گنڈا کریں۔ شاید اس سے فائدہ ہو اس عورت نے مجھ سے تعویز لکھنے کے لیے کہا۔ چونکہ وہاں میرے پاس نہ کاغذ تھا نہ قلم۔ نہ دوات تھی میں نے اسی بات پر زور دیا کہ وہ بڑھیا مجھے اپنے گھر لے جائے اور میں نے وہیں تعویذ لکھنے کا وعدہ کیا۔ وہ عورت رضامند ہو گئی۔ اور پہلے مجھے ایک چھوٹے سے مربع احاطہ میں لے گئی۔ پھر میں وہاں سے کمرے میں گیا جہاں میں نے دیکھا کہ وہ مریض پلنگ پر سے نیچے اتار لیا گیا ہے اس کو کثرت سے عورتیں گھیرے ہوئے ہیں اور جہاں تک کہ اس جگہ کی وسعت تھی عورتیں ہی عورتیں نظر آتی تھیں جو واویلا مچار ہی تھیں اور ان کا یہ رونا تھا وائے۔ وائے۔ یہ چلا۔ یہ چلا۔ دوائی کا سامان ادھر ادھر پھیلا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے تندرست کرنے خواہ مار ڈالنے کی سب تدابیر ہو چکی ہیں۔ ایک بڑا ظرف جس میں کثرت سے اطبا کے نسخے رکھے تھے ایک الماری میں رکھا ہوا تھا ایک کونہ میں ایک لمبی شیشہ کی نلی جو ایک جانکنی کا اوزار تھا پڑی تھی۔ اور دوسرے سائبان میں حضرت ڈاکٹر بھی ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے نہایت ہی بے پروائی سے اپنا پائپ پی رہے تھے اور جسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب انسانی تدابیر غیر مفید ہیں اور وہ بیان کر چکا تھا کہ طلسم سے اچھا کرنا یہ اس کا آخری علاج ہے۔ اور وہ طلسم میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ میں لکھ کر اسے دوں۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ نیا فقیر زیادہ امیدیں دلاتا ہے جونہی میں مریض کے کمرے میں داخل ہوا میں نے دیکھا کہ وہاں بہت ہی گڑبڑ مچنے لگی۔ میں نے بطور حکومت کے ایک ٹکڑا کاغذ کا مانگا گویا یہ معلوم ہو کہ اسے اپنے تعویذوں پر بہت ہی بھروسہ ہے (گو پہلے میں نے کبھی تعویذ نہیں لکھا تھا) ایک بڑا لمبا چوڑا کاغذ لایا گیا جو نسخہ لکھنے کا بیٹھن ہو۔ قلم اور روشنائی

بھی مجھے دی گئی۔ میں اپنے جذبہ میں بھر آیا اور میں نے کاغذ پر بہت بدخط نرالے طریقے سے لکھنا شروع کیا۔ اور اس کاغذ پر اللہ محمدؐ علیؑ حسنؑ حسینؑ کے اور اماموں کے نام لکھے۔ اور ان کو مختلف صورتوں میں رکھا اور کاغذ پر بجائے حروف کے نقش کاڑھنے لگا۔ اور مختلف شکلیں بنائیں پھر میں نے اسے بڑی تعظیم اور ادب سے ڈاکٹر کو دیا اس نے اسی وقت پانی اور ظرف مانگا اور ان تعویذوں کو پانی سے اس ظرف میں گھولا۔ پھر وہ لوگ جو پاس کھڑے ہوئے تھے انھوں نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگیں کہ یا امام حسینؑ ان تعویذوں میں اثر دینا کہ مریض کو شفا حاصل ہو جائے پھر ڈاکٹر نے یہ کہا کہ لو اس مریض کو یہ جا کر پلا دو۔ اگر اس کی قسمت میں جینا ہے یہ مبارک نام جو وہ اب نگل جائے گا اسے چنگا کر دیں گے اور اگر اس کی زندگی نہیں ہے تو پھر میری ڈاکٹری اور نہ کسی اور شخص کا کوئی اور کرتب اسے فائدہ بخش ہو گا۔

ایک گھونٹ اس کا پلایا گیا اور ہر ایک کی نگاہ اس کے کمبخت چہرے پر پڑنے لگی کہ شاید اس کے دیے سے کچھ افاقہ کی صورت نظر آتی ہے۔ کچھ دیر تک یہ اسی طرح سے پڑا رہا گویا اس میں زندگی کی کوئی علامت ہی نہیں ہے۔ نہ صرف میں اور ڈاکٹر بلکہ اور لوگ بھی اچنبھے میں رہے لیکن پھر اس نے ایک چیخ ماری اور آنکھیں کھول دیں اپنا سر اٹھا کر اپنے بازو پر رکھا اور ایک ظرف منگایا اور اس میں قے کر دی اور اچھا ہو گیا۔ میں فوراً اپنی طبیعت میں خوش ہوا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ صرف اس نسخہ اثر ہے جو میں نے اسے گھول کر پلایا تھا اور یہ متلی اور ابکائی صرف روشنائی کا اثر تھا جس نے اسے تندرست کر دیا۔ اب میں نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ صحت صرف میرے تعویذ کی برکت سے ہوئی ہے۔ ورنہ اس کا جینا ہرگز ممکن نہ تھا۔ اس کے مقابل میں ڈاکٹر نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ تندرستی صرف میری دوائی سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ جونہی اس کے مریض نے آنکھیں کھولیں اس نے یہ کہا۔ میں نے تمھیں ایسا نہیں کہا تھا۔ یہ صرف میرے ہی نسخہ کا اثر تھا کہ یہ اچھا ہو گیا ورنہ اس کا جینا محض ناممکن تھا۔

میں نے بھی مگر اس کو ذرا نہ چلنے دیا۔ میں نے کہا کہ جب اے ڈاکٹر صاحب آپ اپنے مریض کو اچھا کر سکتے تھے تو پھر یہ فرمایئے کہ مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔

شرط انصاف ہے ہر بات میں اے بندہ نواز

بس آپ اپنی حکمت لپیٹ رکھیے اور جس کا آپ سے تعلق ہی نہیں ہے اس میں دخل در معقولات نہ دیجیے۔

ڈاکٹر۔ مسٹر درویش مجھے اس میں شک نہیں کہ تم پر تاثیر تعویذ لکھ سکتے ہو اور اس کے معاوضہ میں تم بڑی قیمت لے سکتے ہو۔ لیکن ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ درویش کون ہیں اور کیسے ہوتے ہیں اگر ہمیشہ ان کے تعویذوں میں اثر ہی ہو اور کبھی خطا ہی نہ کریں تب بھی اس میں کچھ ان کی بزرگی نہیں ہے کہ جو ان تعویذوں کو پر تاثیر بنادیتا ہے۔

میں۔ تو ہے کون کتا۔ اور مجھ خادم پیغمبر سے تو یہ کیا بکتا ہے۔ ڈاکٹروں کی جہالت کون نہیں جانتا کہ ضرب المثل نہیں ہے۔ تم اپنی جہالت کو تقدیر ڈال کر چھپاتے ہو۔ اگر اتفاقاً اور احیاناً باللہ مریض اچھا ہو گیا پھر تو تم یہی کہتے ہو کہ یہ صرف ہمارے ہی نسخہ سے اچھا ہوا ہے اور اگر وہ مر جائے تو کہتے ہو خدا کے بھیدوں میں کون دخل دے سکتا ہے اس کی تقدیر ہی میں مرنا لکھا ہوا تھا آدمی کی کوشش اسے کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔ اب تو آپ مہربانی فرما کر تشریف لے جایئے جب کسی دوسرے مریض کو تم قریب مرگ کر دو گے اور پھر تم سے اس کا کچھ نہ ہو سکے گا مجھے بلا بھیجنا اس وقت میں تمھاری ڈھیٹھ جہالت کی اصلاح کر کے اسی طرح اس مریض کو بھی اچھا کر دوں گا جیسا میں نے اس عطار کو کیا ہے۔

ڈاکٹر۔ تیری اور اپنی جان ایک کر دوں گا میں وہ شخص نہیں ہوں کہ میں نے آج تک کسی سے بھی یہ کلام ناشائستہ سنے ہوں کہ آج میں فقیر کے کتے سے بھی کمتر بنایا گیا بس یہ کہتے ہی وہ فوراً اٹھا اور کپکپاتی ہوئی صورت میں میرے پاس آیا اور جہاں تک اس سے ممکن ہوا مجھے خوب ہی برا بھلا کہا۔ میں نے بھی اس کے جواب میں اس کی اہانت میں کوئی کسر نہیں رکھی یہاں تک کہ گھونسے بازی ہونے لگی۔ اس نے اس زور سے میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچے اور میں نے اس کی ڈاڑھی اسی طاقت سے اینچی کہ میں نے مٹھی بھر اس کی ڈاڑھی اکھیڑ لی اور اس نے میرے سر کے بال صاف کیے۔ ہم نے ایک دوسرے کے منہ پر تھوک دیا اور کاٹ بھی کھایا۔ غرض اس قدر تیزی سے لڑائی ہوئی کہ توبہ مریض بے ہوش ہو گیا۔ اور عورتوں نے غل مچانا شروع کیا۔ بڑا زبردست واویلا مچنے لگا اور شاید اس فساد اور غل و شور کا انجام بخیر نہ ہوتا اور یہ معاملہ بہت ہی طول کھینچ جاتا کہ ایک عورت ہماری طرف دوڑی اور اس نے کہا کہ ارے غضب کرتے ہو پولیس مین دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔ اور دریافت کر رہے ہیں کہ یہ جھگڑا کہاں ہو رہا ہے۔

بس یہ سنتے ہی ہم علیٰحدہ ہو گئے اور اس وقت میں یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا کہ پاس کھڑے ہوئے اشخاص میری طرف تھے۔ اس لیے کہ انھوں نے ڈاکٹر کی دوائی اور ہنر کی توہین کی کہ طبیب ہمیشہ ہی خیال میں رہتا ہے کہ مریض اچھا ہو یا نہ ہو اس کو روپیہ دے دو ان لوگوں نے اس وقت میری طرف اس طرح سے دیکھا کہ گویا میں ان کو ولی اللہ معلوم ہو رہا ہوں کہ جس خدا نے میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے میں وہ تاثیر بخشی ہے گویا میں سب مرضوں کو اچھا کر سکتا ہوں۔

جب ڈاکٹر نے دیکھا کہ یہ معاملہ پیش آیا جہاں تک اس سے جلدی ہو سکا وہ وہاں سے سٹکا کمرے کے چھوڑنے سے پہلے اس نے جھک کر جس قدر بال داڑھی کے گرے تھے اور جن کو میں نے نوچ کر پھینکا تھا سب چن لیے اور کچھ بال میرے سر کے بھی اس میں شامل کر لیے اور ان کو ہاتھ میں لے کر میرے منہ کے آگے نچایا اور یہ کہا۔ اس وقت ہم دیکھیں گے جب کل آپ قاضی کے پاس آئیں گے کہ کس کی طرف خندہ زنی ہوتی ہے اس لیے کہ طہران میں داڑھی کا ایک ایک بال ایک ایک ڈیوکیٹ کی قیمت رکھتا ہے اور مجھے آپ کے طلسم پر شبہہ ہے کہ جس قدر میرے ہاتھ میں یہ بال ہیں آیا آپ انھیں خرید لیتے ہیں یا نہیں یہ ایک صریح امر تھا کہ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا یہ ہرگز صرف اپنی بدنامی کے سبب سے قاضی کے اجلاس میں مقدمہ دائر نہیں کرنے کا کیونکہ اس سے اس کی ناموری میں بٹہ آتا ہے۔ اس لیے مجھے بھی ڈر نہ ہوا کہ میں عدالت میں گھسیٹوں گا۔ اس کا تردد ہی میرے دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے صرف یہ خیال کیا کہ کیسا خوش قسمت موقع پڑا ہے کیا کہنے۔

آفرین باد برین ہمت مردانہء من

اب یہ شہرت سارے میں ہوئی کہ عطار (جس کا طہران میں اول نمبر تھا) جان بلب تھا ایک فقیر نے جو کہ نووارد تھا اس کو اچھا کر دیا ورنہ اس کے مرنے میں باقی ہی کیا رہ گیا تھا اس شہرت سے میری طرف عوام الناس کا رجحان ہونے لگا۔ صبح سے شام تک بیٹھا ہوا میں تعویذ لکھا کرتا تھا جس قسم کا کوئی شخص مانگتا اسی قسم کا دیتا چند ہی روز میں میرے پاس سینکڑوں روپیہ ہو گیا۔ لیکن میں اپنے کو بدقسمت خیال کرتا ہوں کہ روزانہ اس عطار سے میری ملاقات نہ ہوتی تھی۔ صرف اس کی کرامت سے جو اس کے زندہ کرنے میں ظہور پذیر ہوئی تھی میں نے ناموری پوری حاصل کر لی تھی۔ جس سے میرے تفکرات دن بدن کم ہوتے جاتے تھے۔ اب میرا ارادہ ہوا کہ فارس کا سفر کرنا چاہیے میں نے فوراً طہران چھوڑ دیا۔ جہاں کہیں میرا منہ اٹھا اور جس شہر کی طرف چاہتا میں چل دیتا لیکن

کسی شہر میں پہنچنے سے پہلے میں اپنی چالاکی سے یہ تدبیر کرتا کہ اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے میری ناموری اور ولایت کی شہرت ہو جائے۔ عطار نے مجھے اپنی مہر لگا کر ایک تصدیق دی تھی اور اس میں یہ مرقوم تھا کہ صرف شاہ صاحب کے تعویذ کے صدقہ میں میری دوبارہ زندگی ہو گئی ورنہ میرا بچنا محال تھا۔ تو جس مقام اور جگہ پر کہ میرا گذر ہوتا تھا اسی تصدیق کو میں پیش کرتا تھا تاکہ ان رپورٹوں کو اور بھی مضبوطی ہو جو میری تعریف اور توصیف میں مشتہر ہو رہی تھیں۔ اس وقت اسی ناموری اور نیک نامی کا تمغہ پہنے ہوئے میں کس عمدگی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اور اسی ناموری کے صدقہ میں روزمرہ کی کاربرآری کے قابل مجھے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ آمد میں کچھ فرق آیا بس جہاں کہیں میرا دل چاہا چلا گیا۔ بس یہ کہہ کے اس فقیر نے بھی اپنی بیتی ختم کی۔

جب تیسرا درویش موجود ہوا اور اپنی رام کہانی کہنے لگا تو اس نے یہ کہنا شروع کیا۔

"اب نئے رنگ کی ہوتی ہیں دلیل و برہان"

بھائیو۔ میری کہانی تو بہت ہی چھوٹی ہے۔ اگرچہ قصہ گوئی میرے پیشہ میں داخل ہے میں ایک اسکول ماسٹر کا بیٹا ہوں۔ اس نے صرف اس خیال سے کہ میری قوت حافظہ بہت ہی بڑھی ہوئی ہے مجھے صدہا قسم کی کہانیاں برزبان حفظ کرانی شروع کیں اور جب میرے باپ نے ملاحظہ کیا کہ اب میرے بیٹے کا دماغ کافی تربیت سے پورا ہو گیا اور اسے قصص کا پورا علم ہو گیا تو اس نے فقیری کی پوشاک میں مجھے دنیا میں جانے کی اجازت دی اور کہا کہ تو لوگوں میں جاکے ان کہانیوں اور قصص کو سنا تاکہ تیری قابلیت اور لیاقتوں کا جہاں میں ڈنکا بجے۔

اول ہی اول تو مجھے کچھ حاصل نہ ہوا۔ میرے سامعین میری رام کہانی سنتے تھے اور سن سنا کر یوں ہی چلے جاتے تھے مگر اس کا معاوضہ وغیرہ کچھ بھی نہیں ملتا تھا رفتہ رفتہ مجھے بھی تجربہ ہو گیا اور اب میں نے اپنے پہلے طریقہ کو بدل دیا کہ لذت میں قصہ کہے چلے گئے اور جب اختتام ہو گیا تو سامعین اپنے اپنے گھر کو لمبے ہوئے اور ٹکا بھی کسی نے ہاتھ پر نہیں رکھا اب میں نے یہ کیا کہ جب سب جمع ہو گئے میں نے ان سے کہا بھائیو جو کچھ میں کہتا ہوں آپ لوگ ذرا مجھ مسکین کی عرض کو فیض بخش توجہ سے گوش زد فرمائیں گے چنانچہ پھر مجھے ایسا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا کہ میں نے مٹھی بھر پیسے ہر ایک قیام میں نہ کما لیے ہوں۔ مثلاً شہزادہ ختا اور شہزادی سمرقند کا قصہ ہے کہ جب عفریت اہرمن نے شہزادہ ختا کو پکڑا ہے اور اسے نگلنے کو ہوا جب شہزادہ عفریت کے منہ میں لٹکا اور اس نے اس

کو اپنے اوپر اور نیچے کے جبڑے میں دبایا اور شہزادی مو پریشان مایوسانہ اس کے پیروں پر گر پڑی اور کہا خدا کے لیے اے دیوؤں کے بادشاہ تو اسے بخش دے اور اس کی جان بخشی کر۔ اور جب اس کے تمام نوکر چاکر سپاہی و پائی اپنے برچھوں کو دبکا مارے ہر اس کے سناٹے میں رہ گئے اور سواروں نے اس خوفناک آفت سے پہلے ہی روگردانی کی تھی۔ اور جس وقت کہ دیو اپنی دہشت ناک آواز سے غل مچاتا تھا تو رعد و برق کی گرج کو بھی پرے بٹھاتا تھا۔ یہ کہانی یہاں تک کہہ کر میں ٹھہر گیا۔ اور میں نے اپنے معزز سامعین کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ حضرات اب آپ ذرا اپنی ہتھیلیوں اور کیسوں کے منہ کھولیے تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ کس کرامت سے شہزادہ ختا نے الٹا اس دیو مست کا سر اتار لیا۔ بس ان کرتبوں اور ترکیبوں سے لوگوں کی تعجبانہ طبائع سے میں نے بہت کچھ کما لیا اور جہاں میں نے دیکھا کہ میری کہانیوں کا سرمایہ ختم ہو گیا اس جگہ کو چھوڑ دیا اور آگے روانہ ہو گیا۔ اور پھر وہاں نیا دانہ نیا پانی نئے سننے والے اور ہمارا ان کے کانوں میں نیا بیان۔

بارہواں باب

حاجی بابا نے فریب و دغل کو مناسب نہ سمجھ کر دوسری تازہ تدابیر کیں

جب تینوں فقیر اپنی اپنی بیتی کہہ چکے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ صرف آپ کے صدقہ میں مجھے کس قدر باتوں کا علم ہو گیا ہے۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا میں نے ان سے ہر قسم کی تعلیم پائی اور صرف اس خیال سے کہ میری یہ حالت بدل جائے اور اپنا حال کا کام میں ترک کر دوں اور پھر خود بھی ایک فقیر بن جاؤں اور درویش سفر نے جس قدر کہ اسے فریب اور دھوکے بازیاں آتی تھیں سب مجھے تعلیم کیں اور یہ وہ فریب تھے جن کی خود اس نے مشق کی تھی۔ تاکہ لوگ مجھے ایک مقدس شخص خیال کرنے لگیں۔

دوسرے درویش سے میں نے تعویذوں کے لکھنے کی ترکیب سیکھی اور قصہ گو درویش نے چند کہانیاں مجھے حفظ کرا دیں جو اس کے دماغ میں ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں عاریتاً اس نے مجھے اپنی کتابیں دے دیں اور مجھے چند قواعد کی تعلیم کی کہ کس روش اور کس ترکیب سے سامع کا دل اپنے اوپر انسان مائل کر سکتا ہے یہاں تک کہ اس کا روپیہ گرہ سے نکل آئے۔

اس وقت میں نے پھر اپنا تماکو بیچنا اور حقہ پلانا شروع کیا۔ لیکن جب بسبب ارتباط اور میل جول کے یہ درویش میرا سارا نفع پی جاتے تھے اور میں یوں ٹپے ٹوئیاں مار کر رہ جاتا تھا میں نے آخر یہ کرنا شروع کیا کہ اپنے ہمیشہ کے گاہکوں سے جس قسم کا تماکو دیتا تھا اس میں اور بھی میل زیادہ کرنے لگا تو اب ان کو پھوس خشک پتوں اور خشک غلیظ کے دھوئیں میں کیا خاک مزہ آتا۔

ایک دن شام کا وقت تھا آفتاب رخصت ہو چکا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیاری کی چادر عالم پر پھیل چکی تھی۔ بازار بند ہونے کو تھے کہ ایک جھکی ہوئی کمر کی بڑھیا گدڑی پہنے ہوئے میرے سامنے آئی اور مجھے ٹھہرا کر کہا میرے پینے کے لیے ذرا اپنا حقہ بھر دے۔ اس عورت کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی اور اس کے منہ سے بلاضرورت ایک لفظ بھی نہیں نکلتا تھا میں نے اس کو اپنے سب سے برے تماکوؤں میں سے بھر دیا۔ جونہی اس نے حقہ کی

مہنال لے کے ایک گھونٹ پیا۔ بس پینا تھا کہ اس نے اخ اخ تھو تھو کرنا اور برا بھلا کہنا شروع کیا فوراً چھ آدمی جمع ہو گئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں رسیاں تھیں مجھے گرفتار کر لیا۔ وہ عورت جس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی جب اس نے اپنی نقاب اٹھائی تو معلوم ہوا کہ حضرت کوتوال ہیں نقاب اٹھاتے ہی کوتوال نے مجھ سے یہ کہا اے بدبخت اصفہانی آج میں نے تجھے گرفتار کر لیا ہے تو نے مشہد کے آدمیوں کو اپنا زہر آلود ملغوبہ پلا پلا کے بہت دنوں سے تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اب جس قدر آپ نے کمایا ہے سب دیکھیے ناکوں کے راستہ سے نکلوا لیتا ہوں ایسے زیر بند بچہ تمھارے پیروں پر پڑیں کہ تم بھی یاد کرو سب چھٹی کا کھایا بھول جاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ماتحت افسروں سے کہا لاؤ بہت جلد اس کا کاٹھ میں پیر دے دو۔ اسی وقت میرے دونوں پیر کاٹھ میں دے دیے گئے اور پھر میرے پیروں پر زیر بند اڑنے شروع ہوئے۔ اس وقت کی بھی عجیب حالت تھی۔ دس ہزار محتسبوں کی صورتیں مع دس ہزار نقاب پوش عورتوں کے میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے پھرتی ہوئی اور ناچتی ہوئی ہنستی ہوئی دیکھیں کہ وہ میرے اس پیچ و تاب پر خندہ زن ہیں۔

میں نے اپنے عذاب کرنے والے سے اس کے باپ کی روح کے صدقہ میں۔ اس کی ماں اور دادا کے طفیل سے اس کے بال بچوں۔ اس کے شہزادہ۔ پیغمبرؐ۔ علیؑ۔ اور سب اماموں کے واسطے سے رحم کی استدعا کی اور میں نے اپنے تماکو کو بہت ہی برا بھلا کہا۔ میں نے حقہ پلانے سے انکار کیا میں نے اپنے ناظرین سے اپیل کی جو میرے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے اور نیز اپنے ان تین درویشوں سے کہ وہ بھی موجود تھے شاید ان کے دلوں میں کچھ رحم پید اور یہ میری نجات کی شفاعت کریں جنھوں نے میری اس خوفناک حالت کو دیکھ کے نہ تو اپنے بازو اور نہ اپنی زبان کو حرکت دی۔ غرض میں نے ہی اس قدر زور زور سے چلانا اور چیخنا واویلا کرنا شروع کیا کہ آخر کار میں بیہوش ہو گیا پھر مجھ میں کچھ حس و حرکت باقی نہ رہی۔

جب مجھے ہوش آیا۔ میں نے دیکھا کہ میں راستہ کے کنارے پر ایک دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھا ہوا ہوں اور لوگ مجھے گھیرے ہوئے میری مصیبت ناک حالت کو ہکا بکا دیکھ رہے ہیں لیکن اس غول میں کوئی شخص ایسا نہیں دکھائی دیا کہ جو مجھ پر رحم کرتا۔ میرے حقہ وغیرہ جو کچھ میرے پاس سامان تھا وہ سب مجھ سے لے لیا گیا تھا آخر جس طرح سے کہ مجھ سے ممکن ہوا میں گھسٹتا اور رگڑتا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا۔ خوش قسمتی سے میرا گھر بہت

دور نہیں تھا گھٹنیوں گھٹنیوں میں روتا ہوا اور اس پر درد آواز سے نالہ ہائے جگر دوز نکالتا ہوا کہ جن پر خواہ مخواہ رحم ہی آئے اپنے گھر میں آیا۔

جب اس مصیبت زدہ حالت میں ایک دن تک پڑا رہا میرے تمام پیر سوج گئے تھے اور ان کا گوشت پوست سب اوپر ابھر ایا تھا اور بہت ہی جانکنی کی حالت تھی تو ان تین درویشوں میں سے ایک درویش سے میری ملاقات ہوئی وہ بہت ہی جرات کر کے میرے قریب آیا لیکن بہت ہی خوفزدہ تھا۔ درویش نے کہا کہ تم میرے رفیق ہو اس لیے اتنی جلدی میں تمھاری مدد کے لیے آیا ہوں۔ چونکہ اول اول یہ درویش بھی اسی سختی سے پیروں پر مار کھا چکا تھا اس لیے بخوبی واقف تھا کہ کس کس علاج سے پیر اچھے ہوتے ہیں اور ان زخموں میں کون سی دوا نوش دارو کا حکم رکھتی ہے۔ تھوڑی ہی مدت میں اس درویش نے میرے پیروں کو اپنی اصلی حالت پر کر دیا۔

اپنی گرفتاری کے زمانہ میں میں اس حالت پر خیال کرتا تھا۔ میرا قصد ہوا کہ میں مشہد کو چھوڑ دوں کیونکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہاں ایک کمبخت ساعت میں داخل ہوا تھا۔ ایک دفعہ تو میری پشت کا چورا ہوا اور ایک بار میرا الکڑی سے بکل اڑا گیا میں نے پہلے ہی کچھ زر نقد جمع کر لیا تھا اور میں نے بڑی ہوشیاری سے اپنے کمرے کے ایک کونہ میں جس میں کہ میں رہتا تھا اس زر نقد کو دفن کر دیا تھا۔ بس صرف اسی روپیہ سے میں نے ارادہ کر لیا کہ جو کاروان جائے بس اسی کے ساتھ طہران روانہ ہوں۔ میں نے اپنی رائے کا درویشوں سے اظہار کیا انھوں نے میری اس تدبیر پر تحسین کہی اور اس کے علاوہ درویش سفر نے کہا کہ میں تمھارے ہی ساتھ طہران چلتا ہوں۔ کیونکہ جس قدر اور فقیر ہیں ان کو میری اس حالت پر کہ لوگ میرا اعتقار رکھتے بہت ہی حسد ہو گیا ہے اور رات دن ان کی یہی خواہش ہے کہ وہ مجھے برباد کر دیں۔ چونکہ یہ ناممکن ہے کہ میں ان کی تاب مقاومت لا سکوں پھر کیا ضرور ہے کہ میں یہیں پڑا رہوں اور کہیں اپنی قسمت آزمائی کروں گا۔

جہاں کو رست چاہے میتواں کند

یہ امر طے پایا اور باہم اس بات کا سمجھوتہ بھی ہو گیا کہ میں بھی فقیری کپڑے زیب تن کروں بازار سے ایک فقیرانہ ٹوپی۔ تسبیح اور ایک بکرے کی کھال جس کو میں نے اپنے کندھوں پر ڈال لیا خریدا اور اب تیار ہو ہوا کے میں سفر پر ایک ہی لمحہ کی کوشش میں مستعد ہو گیا۔ جب ہم سب طرح سے تیار ہو گئے تو کچھ ہمارے دلوں میں

ایسا بے صبر اپن سمایا اور طبیعتیں ایسی اچاٹ ہوئیں کہ ہم نے باہم یہی ارادہ کیا کہ اکیلے ہی چلو۔ "چلو چلو تو سہی جو کچھ کرے میر امولیٰ کرے۔"

ہماری اچھی تقدیر خود ہمیں راہ کے خطروں سے محفوظ رکھے گی لیکن ہم نے یہ صلاح کی کہ سفر کا ارادہ کرنے سے پہلے سعدی کی کتاب میں فال نکالو دیکھو وہ کیا صلاح دیتے ہیں درویش سفر نے کچھ اپنی معمولی پڑھنت پڑھ کر کتاب کو کھولا۔ اس نے ہمارے مدعائے دلی کے خلاف رائے زنی کی۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

کہ "بغیر بھروسہ اور اعتبار کے دوائی پینا خلاف نتیجہ پیدا کرتا ہے یا بغیر کاروان کی ہمراہی کے سفر کرنا بھی وہی مصیبت برپا کرتا ہے۔"

بس جونہی ہم نے یہ دیکھا ہمارے دل میں یہ نصیحت کالحجر ہو گئی اور ہم نے اسی پر تسلیم خم کیا۔

میں یہ دریافت کرتا پھرتا تھا کہ طہران کاروان کب روانہ ہو گا کہ میں نے اپنے دوست خچر والے کو دیکھا کہ جو ابھی مشہد پہنچا تھا۔ اس کا ایک سوداگر سے معاملہ ہو گیا تھا کہ تجارتی اشیا کو جس میں بھیڑ کا چمڑا بھی شامل تھا دارالخلافت پہنچادے جونہی میرے دوست خچر والے کی نگاہ مجھ پر پڑی اس نے بہت ہی خوشی ظاہر کی اور فوراً ہی اپنا ناریل مجھے اتار کر پینے کو دیا جب سے کہ اس سے جدائی ہوئی تھی اور مجھ پر جو کچھ گذرا تھا سب حرف بحرف کہہ سنایا اور اسی طرح سے جو کچھ اس پر بیتا تھا اس نے مجھ سے اپنی رام کہانی بیان کی۔ ایک کاروان کے ساتھ مشہد سے ہم اصفہان روانہ ہوئے اس کے خچر پر کچھ تو چاندی کے ظروف لدے ہوئے تھے اور کچھ بھیڑوں کی کھالیں تھی۔ راہ میں ترکمانوں کے خوف سے دم خشک ہوا جاتا تھا مگر خدا خدا کر کے ہم منزل مقصور پر امن سے پہنچ گئے۔

شہر اصفہان میں اب تک ترکمانوں کے گذشتہ حملہ سے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں گڑبڑاہٹ مچ رہی تھی اور تمام اصفہانیوں کو یہ یقین کامل تھا کہ جن لوگوں نے مل کر حملہ کیا تھا وہ ایک ہزار سے ہرگز بھی کم نہیں تھے۔ اور صرف اپنی جمیعت کے گھمنڈ پر وہ بہت ہی جرات سے یہاں حملہ آور ہوئے تھے اور قرب علی حسین حجام خود ایک سردار کو اپنے ہاتھ سے بہت ہی سختی سے زخمی کر کے اپنی جان بچا کر بھاگا تھا۔

ہمیشہ میں نے اپنی سرگذشت کا راز چھپایا اور کسی پر اصلاً ظاہر نہ کیا اور یہاں تک کہ خچر والے سے بھی تو کسی بات کا کبھی ذکر تک نہیں آیا۔ اصفہان سے میرا دوست روئی کا اسباب تماکو۔ تانبے کا سامان یزد کو لے گیا اور وہاں چند روز

قیام کیا۔ اس وقت ایک کاروان مشہد جانے کے لیے جمع ہو رہا تھا اور یہ اپنے خچروں کو یزد کی اشیا سے لاد رہا تھا خیر جب چیزیں بھر چکا تو ہم تینوں طہران روانہ ہوئے یعنی میں درویش سفر اور خچر والا۔ جب ہم دونوں چلتے چلتے تھک جاتے تھے تو خچر والا اپنے خچروں پر ہمیں بیٹھنے کی اجازت دے دیتا۔

تیرھواں باب

حاجی بابا کا مشہد سے روانہ ہونا

جب میں اس دروازے سے بچ کر نکلا جس میں سے راستہ سیدھا مشہد سے طہران جاتا تھا تو ایک شخص نے زائرین میں سے میری طرف مخاطب ہو کر یہ کہا کہ خدا کرے تجھ پر مصیبت پر مصیبت برپا ہو۔ میرا رفیق درویش سفر جس کو میں اپنا بازو سمجھتا تھا میری دل سوزی کرنے لگا اور ہم دونوں نے مل کر شہریوں کی مخالفت میں گلے کی رگیں پھلا پھلا کر باتیں کرنی شروع کیں۔ جو کچھ انھوں نے میرے ساتھ کیا تھا اور مجھ سے پیش آئے تھے اس کا میں نے پھر رونا رویا اور جو کچھ مشہد کے ملانوں سے اسے ایذا پہنچی تھی اس نے بھی ایک ایک حرف کہہ ڈالا۔

درویش سفر۔ میں تمھاری نسبت کہتا ہوں کہ تم ابھی نوجوان ہو ابھی جب تک تمھیں پورا پورا تجربہ نہ حاصل ہو جائے گا اسی قسم کی بہت بہت تکالیف تمھیں سہنی پڑیں گی۔ پھر تم کہیں جا کر سمجھو گے کہ زندگی کیونکر گذارا کرتے ہیں اپنی اس پہلی مار پر نہ کڑھو کیونکہ یہ ایک ہی دفعہ کی مار تمھیں اور بہت سی ماروں سے بچائے گی اور دوسرے وقت تمھیں محتسب کو دکھا دے گی۔ اگرچہ اس کے منہ پر نقاب بھی پڑی ہوئی معلوم ہو گی۔ مگر تم صرف اس مار کے صدقہ میں اسے تاڑ لو گے کہ ہاں یہ نقاب پوش محتسب صاحب ہیں (اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لے کے) مجھ جیسے مسن آدمی کی طرف خیال کرو جس نے بہت کچھ دنیا کا حال دیکھا ہے دیکھو پھر سفر پر آمادہ ہوا جو واقعی میرے لیے ایک بہت ہی مصیبت ہے۔

میں (یعنی حاجی بابا)۔ تو پھر آپ کے لیے یہ بہتر ہو گا اور آپ کو اسی میں آرام ملے گا کہ آپ یہیں مشہد ہی میں رہیں۔ اگر آپ اپنی عبادتوں اور طہارت وظیفہ وظائف میں پختہ ہوئے تو بلاشک ملانوں کا کچھ بھی افسوں نہ چل سکے گا اور وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔

درویش سفر۔ یہ تو تم سچ کہتے ہو۔ مگر سبب یہ ہے کہ حضرت رمضان تشریف لے آئے ہیں اور ان روزوں کے زمانہ میں ملانے بہت ہی میری تاک جھانک میں لگے رہتے ہیں اور جب تک کہ میں حقہ نہ پیوں کہ جو ایسا ہی

میرے لیے ہے کہ جیسے ایک جاندار کے لیے ہوا کا کھانا اور شراب میرے لیے روٹی ہے کہ بغیر اس کے میں زندہ نہیں رہ سکتا تو اب لامحالہ مجھے سفر کرنا لازم آیا کیونکہ مذہباً حالت سفر میں روزہ رکھنے کی رخصت نہیں دی گئی ہے اور ہمارا شب و روز یہ عالم ہے۔

ما ہما نیم و سیہ مست ہر روزہ ہمان

نہ شب جمعہ شناسیم نہ ماہ رمضان

گو میں انھیں اب بھی دھوکا دے سکتا ہوں کہ جیسے میں نے پہلے کئی بار کیا تھا کہ چھپواں سب کچھ کر لیا اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی لیکن مجھ جیسا مشہور و معروف شخص جسکی نسبت لوگوں کا پاکی اور تقدیس کا خیال ہے اور وہ چھپواں بھی دیکھا جائے تو پھر تم ہی بتاؤ کہ وہ کیونکر اپنی آزاری پوری طرح سے برت سکتا ہے۔

غرض ہم دونوں شخص سمنان پہنچے کوئی مشہور واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا ہاں ہاں۔ سمنان پہنچنے سے دو ایک دن پہلے تو یہ ہوا تھا کہ راہ میں میں نے اپنے علی قطیر دوست خچر والے کے خچروں پر اسباب لدوانے میں مدد کی تھی اور اپنی کمر پر اسباب رکھ رکھ کے لادا تھا کہ پھر کمر میں سخت درد ہونے لگا۔ تکلیف ایسی سخت ہوئی کہ اب میرے لیے یہ محض ناممکن ہوا کہ میں کاروان کے ساتھ راہ طے کر سکوں اور میں نے یہی ارادہ کر لیا کہ جب تک اچھا نہ ہو جاؤں یہاں سے نہ سرکوں۔ ترکمانوں کی دہشت دلوں میں سما رہی تھی کاروان روانہ ہو گیا۔ درویش جس کو شراب کی دھت اور دارالخلافہ کی خوشیوں میں عیش و آرام کا چسکا لگا ہوا تھا وہ بھی کاروان کے ساتھ روانہ ہوا۔ فیصلہ شد۔

میں نے ایک قبر پر جو شہر کے کنارے پر تھی رہنا شروع کیا۔ ایک کونہ میں بکرے کی کھال کو بچھا لیا اور میں نے اپنا گذر مثل سیاحی درویشوں کے بیان کیا۔ اپنا نرسنگھا بجایا صدا ہائے حق حق۔ اللہ اکبر انت حبیبی نکالیں۔ میں بالکل ایک وحشیانہ صورت بن گیا۔ اور میں نے اپنی شیخی بگھارنی شروع کی کہ میں یوں کر سکتا ہوں اور یوں کر سکتا ہوں اور جس قدر لوگوں کو دھوکا دہی اور فریب کی مجھے تعلیم دی گئی تھی سب میں نے وہاں خرچ کی۔

چند عورات میرے پاس آئیں ان کو میں نے تعویذ لکھ کے دیے انھوں نے اس کے عوض میں مجھے کچھ میوہ۔ دودھ۔ شہد۔ اور کچھ پکوان دیا۔ میری کمر میں اس قدر درد ہونا شروع ہوا کہ ناچار میں نے یہ دریافت کیا کہ سمنان میں کوئی بھی ایسا شخص ہے کہ جو میرے اس درد کو اچھا کر دے معلوم ہوا کہ سمنان میں صرف ایک بیطار ہے اور ایک حجام ہے جن میں طبی قابلیتیں ہیں۔ حجام کا کام تو فصد کھولنا دانتوں کا نکالنا اور کسی اترے ہوئے عضو کا موقع

سے بٹھانا۔ اور بیطار جو ہے وہ گھوڑوں کے امراض کا علاج کرتا ہے اور کبھی کبھی انسانی امراض میں بھی مشورہ دیتا ہے۔ اور ان دو شخصوں کے علاوہ ایک اور بڑھیا بھی ہے جس کی عمر اماں حوا سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ سر سے پاؤں تک کھنکڑ ہے اور وہ یہاں گویا غیب دان اور بہت ہی ولی مشہور ہے اگر یہ دونوں شخص کہیں ناکامیاب ہوتے ہیں تو پھر یہ عورت صدقہ کی چیل کی طرح سے بلائی جاتی ہے اور اس بڑھیا کے پاس قسم قسم کے مفردات اور مرکبات دوائیاں ہر طرح کے درد کی ہیں۔ باری باری سے ان میں سے ہر ایک شخص میرے پاس آیا۔ سب نے یہی تشخیص کیا کہ میری کمر کا یہ درد صرف ٹھنڈک کے سبب سے ہونے لگا ہے۔ چونکہ آگ ٹھنڈک کو دور کرنے کا حکم رکھتی ہے تو انھوں نے بالاتفاق یہ بات قرار دی کہ جس حصہ میں درد ہوتا ہے وہاں داغ لگایا جائے۔ بیطار کو چونکہ اس قسم کے کام بارہا پڑ چکے تھے اور اس نے ٹھنڈے اور گرم لوہے میں اکثر تجربہ کیا تھا تو گویا وہ داغ لگانے والا مقرر ہوا وہ اپنا کام انجام دینے کی غرض سے ایک کوئلے کی کڑاہی۔ ایک جوڑا دھونکنی۔ اور چند چھوٹی چھوٹی سیخیں لایا۔ ایک کونہ میں بیطار نے بیٹھ کے آگ سلگائی اور اپنی سیخیں آگ میں دہکانی شروع کیں۔ جب یہ خوب دہک گئیں تو مجھ کو زمین پر اوندھا لٹایا اور بہت ہی سنجیدگی اور آہستگی سے ان جلتی ہوئی سیخوں سے میری کمر جلائی اور اس پر داغ دیا گیا اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہوئے تھے بہت زور زور سے کہہ رہے تھے خدا شفا مید ہد۔ میرے معالجوں نے میری پیٹھ پر تیرہ داغ پیغمبر اور بارہ اماموں کے نام لے لے کر لگائے۔ اب گویا مجھ پر نصف عمل ہوا تھا اس کو تو میں نے بہت ہی سختی سے برداشت کیا لیکن جب میری پیٹھ بھننے لگی اور برا حال ہوا تو میں مارے تکلیف کے غل مچانے لگا کہ ہائے مار ڈالا ارے مر گیا۔ بچانا توبہ ہے۔

عجب تو نے چرکے بٹھائے ہیں ظالم

رہی جان ذرا بھی نہ روح رواں میں

مگر وہ معالج صاحب کیا چھوڑنے والے تھے توبہ توبہ ہرگز نہ اٹھنے دیا اور جب تک کہ اپنا پورا علاج نہ کر لیا مجھ کو زمین پر سے نہ مسکنے دیا۔ یہ گہرے زخم مدت کے بعد اچھے ہوئے۔ اور ابھی تک یہ بالکل اچھے نہ ہوئے تھے اور نہ ان کا اندمال ہوا تھا کہ میں خاموش ہو رہا اور میں اپنے کو ایک کوٹھڑی میں گوشہ نشین کیا اور یہاں ایک وقت بعید تک مراقبہ کیا۔ اس کوٹھڑی میں سے جب تک کہ میرے زخم اچھے نہ ہوئے اور مجھ میں پوری قوت نہ آگئی۔ اور کمر کا درد مطلق نہ جاتا رہا میں نہ نکلا۔ البتہ میری صحت صرف تیرہ بزرگوں کے نام سے ہوئی جو عمل کے وقت لیے

گئے تھے۔ یہ حال تمام شہر کا ہوتا ہے کہ جہاں کمر میں درد ہوا اور پیٹھ داغی گئی لیکن ہاں ایک بات تو ہے اور اس کا مجھے ضرور ہی خیال ہوا کہ میرا سب سے اچھا طبیب ایک پالیسی سے بہت ہی آرام میں تھا اور اس کی قیمتی رائے کو میں نے اپنی گرہ میں باندھ لیا۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تمام عالم خیال کرے کہ حاجی بابا پاک اماموں کی حفاظت میں تمام عمر رہا ہے۔

اب میں نے ارادہ کیا کہ طہران کا سفر کروں لیکن جب میں نے فقیرانہ صورت بنائی تو اب مجھے لازم ہوا کہ سمنان کے لوگوں کے سامنے کہانی کہوں۔ جس سے کچھ مدعائے دلی حاصل ہو۔ میں ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی جگہ میں چلا گیا یہ مقام بازاروں میں داخل ہونے کی راہ پر واقع تھا جہاں شہر کے بہت سے کاہل آوارہ گرد لوگ غول کے غول دوپہر کو گشت لگایا کرتے ہیں اور ادھر ادھر کی گپیں شپیں اڑایا کرتے ہیں۔ میں نے جلدی سے بہت آدمی اپنے پاس جمع کر لیے وہ سب زمین پر بیٹھ گئے اور میں نے کھڑے ہو کر قصہ کہنا شروع کیا۔ ایک چھوٹی سی کہانی بغدادی حجام کی مجھے یاد آ گئی جو میں نے درویش سے سنی تھی ان سب کے بیچ میں میں نے قیام کیا جنھوں نے اٹھا کر اور بھاڑ سا منہ کھول کے میرا مفصلہ ذیل قصہ یوں سننا شروع کیا۔

بغداد میں خلیفہ ہارون الرشید کے سرسبز اور قابل یادگار زمانہ میں ایک حجام علی سکل نامی رہتا تھا۔ یہ حجام اپنی پھرتی اور کاریگری سے حجامت میں اس قدر مشہور تھا کہ اگر اس کی آنکھوں پر پٹی بھی باندھ دو جب بھی یہ سر کو مونڈ دے گا۔ داڑھی اور رخساروں کے بالوں کو درست کر دے گا مگر کیا مقدور ہے کہ کہیں استرا لگ جائے اور ایک قطرہ بھی خون کا نکل آئے۔ بغداد میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو اس سے حجامت نہ بنواتا ہو۔ اس قدر اس کے پاس کام ہر وقت رہتا تھا کہ یہ آخر مغرور اور سرکش ہو گیا اور اب اس نے ایسے شخص کے سر کو مس ہی کرنا چھوڑ دیا جس کا مالک میرزا۔ اور آغا نہ ہو۔ بغداد میں ایندھن کی ذرا کمی ہے اس لیے اس کی کچھ قدر ہوتی ہے چونکہ اس کی دکان میں لکڑیوں کا بہت ہی خرچ رہتا تھا تو لکڑی والے اپنی لکڑیوں کے گٹھے اسی کی دکان میں زیادہ لاتے تھے کہ یہ ذرا ہاتھ کے ہاتھ خرید کرتا تھا۔ ایک دن ایک بوڑھا شخص جس نے نیا نیا ہی یہ پیشہ ہیزم فروشی شروع کیا تھا اور جو علی سکل کی عادات سے بھی محض نابلد تھا ایک لکڑیوں کا گٹھا اس کے پاس بیچنے لایا جو وہ ابھی اپنے گدھے پر بہت دور سے لیے چلا آتا تھا علی سکل نے اس سے یہ لفظ کہہ کر قیمت کہی کہ بھئی یہ تمام لکڑیوں کی قیمت ہے کہ جو گدھے پر ہے۔ یہ لکڑی والا بوڑھا راضی ہو گیا۔ اپنے گدھے پر سے بوجھ اتار لیا اور اس کی دکان پر

ڈال کر خواستگار قیمت ہوا۔ جب اس نے قیمت مانگی تو حجام نے یہ کہا کہ ابھی پوری لکڑیاں تو نے نہیں ڈالیں کیونکہ میرا اور تیرا یہ اقرار ہو گیا ہے پھر تو سب لکڑیاں کیوں نہیں ڈال دیتا۔ یہ پالان بھی لا۔ اس کو کیوں گدھے پر رکھ چھوڑا ہے۔ کیا یہ لکڑی کا نہیں ہے۔

لکڑی والا۔ ذرا سراسیمہ ہو کر۔ ایسا سودا تو آج تک کسی نے بھی نہ سنا ہو گا۔

چہ خوش چرا نہ باشد

یہ محض ناممکن ہے۔ جب بہت تو تو میں میں ہوئی تو حجام نے جو بہت غرایا ہوا تھا اس غریب لکڑی والے کا پالان جبراً چھین لیا اور اس کا وہ ناک میں دم کیا کہ وہ دوڑا قاضی کے پاس گیا اور جو کچھ گذری تھی اور حجام نے ظلم کیا تھا سب کہہ سنایا۔ قاضی صاحب بھی حجام کے گاہکوں میں سے تھے انھوں نے اپنی عدالت میں مقدمہ لینے سے انکار کیا لکڑی والے نے اعلیٰ افسر کو عرضی دی۔ یہ بھی علی سکل سے حجامت بنوایا کرتا تھا اس نے بھی بوڑھے کو وہی خشک جواب دیا جو قاضی جی نے دیا تھا پھر اس مظلوم ہیزم فروش نے مفتی سے جا کے شکایت کی اور اپنی عرضی گذرانی۔ اس نے اس مقدمہ کو اپنی عدالت میں لے تو لیا لیکن پھر اس نے کہا کہ میں اس کا ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جرم میں اسے سزا کیا دی جائے یہاں سے بھی صاف جواب ملا مگر اب بھی بوڑھا لکڑی والا شکستہ خاطر نہ ہوا اور ایک عرضی لکھ کے جمعہ کے دن جامع مسجد میں خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔

یہ ایک مشہور امر ہے کہ خلیفہ نہایت توجہ سے ہر شخص کی عرض کو غور فرماتا تھا اور اگر کوئی عرضی دیتا تھا خود آپ ایک ایک حرف پڑھ لیا کرتا تھا جونہی اس نے عرضی دی اسی وقت یہ خلیفہ کے سامنے بلایا گیا۔ جب بوڑھا ہیزم فروش خلیفہ کے سامنے گیا جھک کے زمین کو بوسے دیے اور اپنے دونوں ہاتھ سیدھے خلیفہ کے آگے پھیلا دیے اس کے دونوں ہاتھ اس کے چغہ کی آستینوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور اسی سے اس کے پیر بھی پنہاں تھے۔ اب یہ منتظر ہوا کہ دیکھیے یہ آخری منزل ہے میرے مقدمہ میں کیا تجویز ہوتا ہے۔

خلیفہ۔ میرے بوڑھے دوست۔ حجام بھی اپنی جگہ سچا ہے اور تو بھی اپنی جگہ حق پر ہے۔ قانون میں صرف الفاظ دیکھے جاتے ہیں اور اقرار بھی الفاظ ہی سے ہوتے ہیں۔ حجام جو کچھ دعویٰ کرتا ہے وہ صحیح ہے اور جس امر کا وہ دعویٰ کرتا ہے اس کا اقرار تم دونوں میں ہو چکا ہے پھر اب اس کا علاج کیا۔ بس اگر قانون گواہی دیتا ہے تو یہی دیتا

ہے کہ حجام اپنے پاس لکڑیاں رکھے۔ لیکن یہ کہتے ہی خلیفہ نے اسے آگے بلایا اور اس کے کان میں کچھ دیر تک چپکے سے کہا جو سوائے ہیزم فروش کے کسی نے بھی نہ سنا۔ سن سنا کر خوشی خوشی باطمینان یہ بوڑھا چلا گیا۔

یہاں تک کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور میں نے اپنا چھوٹا سا ٹین کا پیالہ پھیلا کر کہا کہ اے میرے معزز سامعین اگر تم مجھے کچھ دلواؤ گے تو میں تمھیں بتاؤں گا کہ خلیفہ نے اس بوڑھے ہیزم فروش کے کان میں کیا کہہ دیا تھا چونکہ میں نے تعجب کی آگ سب میں بھڑکی دی تھی شاید مشکل سے کوئی شخص ایسا بچا ہو گا کہ جس نے مجھے کچھ نہ دیا ہو جب روپیہ لے چکا میں نے کہا بہت اچھا کہتا ہوں۔ خلیفہ نے لکڑی والے کے کان میں پھسر سے کہا تھا کہ یہ کرنا چاہیے اور اب تو جا کر پہلے حجام کا اطمینان کر آ۔ اب جو کچھ خلیفہ نے ترکیب بتائی تھی اس کو میں آگے بیان کرتا ہوں۔ غرض لکڑی والا آداب کر کے اپنے گدھے کے پاس آیا اور اس کو ساتھ لے کے گھر پر گیا چند روز کا بھلاوا دے کر اسی حجام کے پاس گیا اور اس سے یہ کہا میں اور ایک میرا ساتھی ایک ملک سے آیا ہے جو تیری چابکی کی بانگی دیکھنا چاہتا ہے اور اسی طرح سے باتیں کیں گویا کبھی کچھ اس سے چپقلش ہی نہ ہوئی تھی۔ غرض دونوں کی حجامت بنوائی ٹھہر گئی جب یہ بوڑھا حجامت بنوا چکا علی سکل حجام نے پوچھا کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے۔

بوڑھا وہ ابھی یہیں کھڑا ہوا تھا۔ ابھی آتا ہے۔ بوڑھا یہ کہہ کے دکان پر سے اترا اور جہاں اپنا گدھا کھڑا کیا تھا اس کا کان پکڑے ہوئے چلا آیا۔ یہ میرا ساتھی ہے اس کی آپ حجامت بنا دیجیے۔

حجام۔ نہایت حیرت زدہ ہو کر۔ اس کی حجامت۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا تم یہ کافی نہیں سمجھتے کہ میں نے تمھاری بھی حجامت بنا دی ورنہ میں کبھی پاس تو ایسے شخصوں کو کھڑا نہیں ہونے دیتا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ مجھ سے اس قسم کی درخواست کی جاتی ہے کہ گدھے کی حجامت بناؤ۔ بس خیر اسی میں ہے کہ آپ شرافت سے سیدھے تشریف لے جایئے ورنہ تم دونوں کو جہنم واصل کر دوں گا۔

بوڑھا ہیزم فروش بھاگا ہوا خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ساری کیفیت بیان کی۔ یہ سنتے ہی حامی دین مبین اور سالک عدل و انصاف نے کہا بس اب کام بن گیا اسی وقت حکم دیا کہ علی سکل مع اپنے اوزار وغیرہ کے ابھی دربار میں حاضر ہو۔ حکم ہوتے ہی چوبدار دوڑا ہو گیا اور دس منٹ میں حجام صاحب خلیفہ کے آگے کھڑے ہوئے دکھائی دیے۔

خلیفہ۔اے حجام تو اس بوڑھے کے گدھے ساتھی کی کیوں نہیں حجامت بناتا کیا تم دونوں میں باہم یہ اقرار نہیں ہوا تھا۔

علی سکل۔زمین خدمت ببوسید و گفت۔ہاں اقرار ہوا تھا مگر حضور آج تک پہلے کبھی کسی نے ساتھی سے مطلب گدھا بھی رکھا ہے اور بھلا کس نے پہلے اس گدھے کو سچا معتقد خیال کیا ہے۔

خلیفہ۔واقعی تمھارا کہنا یہ بہت ہی اچھا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ آج تک کسی نے بھی لکڑیوں کے گٹھے کے ساتھ پالان کو بھی شمار کیا ہے۔نہیں نہیں بس اب اس بوڑھے ہیزم فروش کی باری ہے۔جلدی گدھے کی حجامت بناؤ ورنہ جو کچھ اس کی حجامت نہ بنانے کے نتائج ہوں گے وہ تمھیں سہنے پڑیں گے۔

آخر کو حجام مجبور ہوا اور اس نے کثرت سے صابون جمع کیا گدھے کے تمام جسم پر سر سے دم تک اور پیروں تک صابون کو خوب رگڑا۔ اور گدھے کی خلیفہ اور تمام دربار کے سامنے حجامت بنائی اپنی حجامت بنانے میں پاس کھڑے ہوئے اشخاص سے طعن سنتا جاتا تھا سب ملامت کر کے ہنس رہے تھے اس غریب لکڑی والے کو بہت کچھ روپیہ لوگوں نے رحم کھا کر دیا اور خلیفہ کے اس عدل و انصاف کا شہرہ تمام بغداد میں ہوا۔

چودھواں باب

حاجی بابا کا ایک شخص سے ملنا اور اس کی ملاقات کے نتائج کا اظہار

میں نے خوشی خوشی سمنان کو الوداع کہا۔ جو کچھ درد وغیرہ تھا وہ سب اچھا ہو گیا تھا۔ اور اس وقت میں نوجوان چاق وچست تھا۔ بیس تمن جو مشہد ہی میں میرے پاس جمع ہو گئے تھے میری جیب میں کھنکھنا رہے تھے۔ مجھے اب دنیا میں کچھ تجربہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔ یہ میرا ارادہ ہوا کہ میں جونہی طہران پہنچوں فقیری کپڑے تو علیٰحدہ اتار کے رکھوں اور نفیس عمدہ شریفوں کے سے پہن کر اعلیٰ اعلیٰ وسائل سے کچھ روپیہ حاصل کروں۔

خضر اگر نیست قدم میزن و میکوش کہ من
رفتم آخر بحرم از رہ خذلان رفتم

طہران ایک دن کی راہ پر رہ گیا تھا کہ میں اپنے راستہ چلنے میں لیلیٰ مجنون کے عشقی اشعار گا رہا تھا۔ مجھے اسی اثنا میں ایک ہرکارے سے ملاقات ہوئی وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا اور میرے کھانے کی صلاح کی۔ یہ کھانا وہ ہرکارہ کسی منزل سے اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔ چونکہ گرمی کی بہت ہی شدت تھی میں نے اس کی دعوت منظور کر لی۔ ہم دونوں ایک نہر کے کنارے پر جو آہستہ آہستہ اناج کے کھیت کے قریب بہہ رہی تھی بیٹھ گئے اس وقت ہرکارے نے اپنے گھوڑے کا زین اتار لیا اور اسے گیہوں کے سرسبز کھیت میں چرنے چھوڑ دیا ہرکارے نے اپنی خرجی کو ادھر ادھر سے ٹٹولا۔ ایک رومال نکالا جو دستی رومال کے برابر تھا۔ اس میں کچھ لوندے ٹھنڈے پکے ہوئے چانولوں کے لپٹے ہوئے تھے۔ اور اس میں تین چار ٹکڑے روٹی کے بھی جلوہ دے رہے تھے۔ یہ رومال اس نے آگے پھیلا دیا۔ اسی خرجی میں سے جس میں اس کے جوتے بھی براج رہے تھے کٹورا پانی پینے کا اور تما کو نکالا اور اس کے علاوہ کئی چیزیں اسی خرجی میں سے برآمد ہوئیں اس کے ساتھ اس نے چھ پیاز کی گٹھیاں نکالیں۔ ہم دونوں نے اس خواہش سے اس کھانے کو کھایا کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا جس قدر کہ سفر کی ماندگی اور جنگل کی آفت تھی گویا ہم نے اپنی انگلیاں چوستے ہی دفع کر دی۔ ہم نے نہر میں سے جھک جھک کر ہاتھ منہ دھویا۔ اور پھر ہم باہم دریافت

کرنے لگے کہ تمھارا اس سفر سے کیا تعلق ہے کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاتے ہو۔ میری پوشاک سے تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ ایک درویش ہے گویا میری کیفیت سفر ختم ہو گئی۔ مگر یہ شخص گورنر استر آباد کا ہرکارہ تھا۔ اس امر کی خوشخبری لیے جاتا تھا کہ عسکر ملک الشعراشاہ کی ترکمانوں کی قید سے رہائی ہو گئی مجھے یہ سنتے ہی اس قدر خوشی اور شادمانی حاصل ہوئی کہ میرا ہی دل جانتا ہے۔

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد ز پس پردہء تقدیر پدید

میں نے ہرکارے کو اس راز سے آگاہ نہ ہونے دیا کہ مجھے خاص اس معاملہ سے کس قدر دلچسپی ہے کیونکہ گوناگوں تجارب نے مجھے سکھا دیا تھا کہ اپنا راز اپنے ہی تک رکھنا کس قدر عمدہ نتائج دیتا ہے۔ میں نے اس سے یہاں تک لاعلمی ظاہر کی کہ میں عسکر ہی سے واقف نہیں ہوں۔

ہرکارے نے کہا کہ عسکر ملک الشعرا استر آباد بحفاظت تمام پہنچ گیا چونکہ اس وقت وہ ہر طرح سے تہی دست ہے اس لیے میں اس کے کنبہ کو خبر پہنچانے جاتا ہوں جو چٹھیاں اس کے پاس تھیں وہ سب اس نے مجھے دکھائیں۔ یہ چٹھیاں ایک رومال میں لپٹی ہوئی اس نے اپنی چھاتی سے نکالیں گو یہ شخص کچھ پڑھا ہوا نہیں تھا لیکن اسے اس امر کا بہت شوق تھا کہ معاملے کا افشا ہو جائے۔ وہ بہت خوش ہوا جب اس نے دیکھا کہ مجھے ایسا شخص ملا ہے جو خطوں کو پڑھ سکتا ہے اور مجھے اس کے مضامین سے اطلاع دے سکتا ہے۔ اول ہی جس چٹھی کو میں نے ملاحظہ کیا وہ چٹھی شاہ شاہان کے نام تھی۔ اس میں اس نے اپنے شاعرانہ پہلو سے ان تمام مصائب اور تکالیف کو بیان کیا تھا جو اس پر ترکمانوں کا قیدی بن کر گذری تھیں۔ بھوک پیاس وہ وحشیانہ برتاؤ جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا اس نے ان سب کا خاکہ کھینچ کر لکھا ہے۔ وھو ہذا۔

عالیجاہا۔ اگر میں تکالیف اور شدید مصائب کا ان نوازشات سے مقابلہ کروں جن سے میں اتنی مدت تک محروم رہا اور مجھے شاہ عالی قدر کے گوہر تاباں کی زیارت نہ ہوئی۔ جاہ و جلال کے جھم جھم کرتے ہوئے جواہر۔ تکمیل زمین کا اصلی جوہر یعنی شاہ شاہان تو واقعی وہ مصیبت کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے کہ سب سے حقیر در حقیر ایک کیڑے کو چمکتے ہوئے آفتاب کی روشنی میں آنے کی اجازت ہے کہ وہ اس سے فیضیاب ہو اسی طرح سے میں بھی آپ کی رعیت میں سے ایک نہایت ہی ناچیز ہوں کیا عجب ہے جو مجھے بھی جلال شاہی سے منور ہونے کی اجازت دی جائے۔

گرچہ خردیم نسبتیست بزرگ

ذرہء آفتاب تابانیم

کس عاجزی اور ادب سے مجھے امید ہے کہ میری اتنی مدت کی غیر حاضری پایہ بوسی تخت فلک رفعت سے ہر گز باز نہ رکھے گی۔ اور جو کچھ خداوند بندگان ہیچمدانی حضور میں مجھے پہلے خدمت عطا ہوئی تھی۔ اسی پر میں اب پھر بحال کیا جاؤں اور بلبل شیدا کی طرح ایک دفعہ اور بھی اجازت ہو کہ اپنے دلربا گل کے آگے دل لبھانے والے گیت گائے۔

دوسری چٹھی وزیر اعظم کے نام تھی۔ جس میں اس مشہور و معروف وزیر کو جو باوا آدمؑ کا ہمجولی اور سخت فسادی اور بدباطن شخص تھا سیارے سے تعبیر کیا ہے یعنی آپ تاروں میں (جو اور امرا سے مطلب ہے) سیارے ہیں اور ریاست کے سب سے بڑے عظیم الشان لنگر ہیں اور پھر اس شاعر نے وزیر اعظم سے استدعا کی ہے کہ میری پھر باریابی درگاہ معلیٰ میں ہو جائے۔

دوسری چٹھیاں جو میں نے دیکھیں ان میں ایک تو اس کی بیوی کے نام تھی اور ایک لڑکے اتالیق کے نام۔ اور ایک داروغہ کے نام لکھی تھی۔ اپنی بیوی کو کچھ خانہ داری کے معاملات کی نسبت تحریر کیا تھا کہ مجھے امید ہے کہ تم اپنی خانہ داری کے معاملات میں جزورس ہو گی اور تم نے لونڈی غلاموں کو بہت خوبی سے رکھا ہو گا۔ تم بہت جلد لونڈیوں مغلانیوں سے میرے پہننے کے کپڑے تیار کرا دو۔ اس لیے میرے پاس ایک دھجی بھی نہیں ہے۔ اب میں بالکل بے سروسامان ہوں۔

جو چٹھی اتالیق کے نام تھی اس میں بڑی تاکید لکھی تھی کہ آپ میرے بیٹے کی تعلیم میں بہت ہی توجہ کیجیے گا مجھے امید ہے کہ اسے نشست و برخاست کے طریقے اور آداب مجلسی اچھی طرح سے آ گئے ہوں گے۔ اور یقین ہے کہ وہ اپنی نماز پنجگانہ سے کبھی پہلو تہی نہ کرتا ہو گا۔ اس وقت امید ہے کہ وہ گھوڑے پر بھی خوب بیٹھنے لگا ہو گا۔ اور اسے بھالہ مارنے کی مشق بھی بخوبی ہو گئی ہو گی اور بندوق بھی نشانہ پر لگا سکتا ہو گا۔

اور جو چٹھی کہ داروغہ کے نام ہے اس میں شاعر نے کاروبار کی بابت کچھ تعلیم کیا ہے کہ ہمیشہ کفایت شعاری اپنے کاموں میں رکھنا۔ اور تمھیں چاہیے کہ روزانہ وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ اور ذرا ان کی چاپلوسی اور تعریف کر دیا کرو کہ وہ ہز مجسٹی کی خدمت میں ہماری طرف سے کچھ لگاوے بجھاوے نہیں۔ اور تم کو لازم ہے کہ

تم میری بیگم اور غلاموں کی کامل نگہداشت کیا کرنا۔ اور جب بیگم یا اس کے لونڈی غلام ہوا خوری کے لیے جایا کریں تو تم ضرور اس کے ساتھ جایا کرو۔ مجھے امید ہے کہ دغاباز فریبی ضعیفہ عورتیں اور خصوصاً یہودنیں ہر گز ہر گز گھر میں نہ آتی ہوں گی اور دیکھو تم اس کا بہت خیال رکھنا کہ بیگم کے کمرے کی دیواریں برابر مرمت ہوتی رہیں کہ ہمسایہ کی عورتیں نہ چڑھ سکیں۔ اور خبردار میرا حبشی غلام ہر گز ہر گز حرم میں قدم نہ رکھے۔ اور اگر کسی کام کو جاوے تو زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے اگر تم اسے کسی لونڈی سے بات کرتا ہوا دیکھ لو تو خوب کوڑے بازی کرنا اور یہ ہر کارہ جو خط لاتا ہے اس کو تم معقول معاوضہ دینا اس لیے کہ یہ تمھیں اور میرے کنبہ کو کیسی خوشی آمیز خبریں پہنچائے گا۔ میں نے ان چٹھیوں کو جن پر مہریں لگی ہوئی تھیں پھر اسی طرح سے تہ کرکے اس ہر کارے کو دے دیا۔ ہر کارہ اس بات کو مکرر سہ کرر بیان کرتا رہا کہ مجھے اس کے بدلہ میں بہت بڑا معاوضہ ملے گا کیونکہ میں اس کے بال بچوں میں اس کی حفاظت کی خبر پہنچاؤں گا۔ اور اس ہر کارے نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ مجھے خوف ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی اور یہ خبر نہ لے اڑے اس لیے میں دن رات چلتا ہوں اور یہ گھوڑا جو تم میرے پاس دیکھتے ہو یہ میں نے راہ میں ایک کسان کا چھینا ہے اور اپنا گھوڑا جس کو صدمہ پہنچا تھا پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میرے بعد وہ بھی آ جائے گا۔

جب ہم دونوں کچھ دیر باتیں چیتیں کر چکے تو اس پر تکان وماندگی راہ بہت ہی غالب آگئی اور وہ وہیں گھانس پر لیٹ گیا اور ایک گہری نیند میں سو گیا۔ جونہی وہ زمین پر لیٹا مجھے اس کا خیال لڑا رہا اور میں یہ فکر کرنے لگا کہ کس ترکیب سے میں اس پر سبقت لے جاؤں کیونکہ شاعر کی پوری پوری تاریخ مجھے معلوم تھی۔ اور میں اس راز سے بخوبی آگاہ تھا۔ میں نے خود اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اصل میں پہلا استحقاق اس کا مجھے حاصل ہے اور جب اس گھوڑے پر خیال کرتا ہوں تو یہ بالکل میرے گھوڑے کی طرح ہے اور خصوصاً وہ کسان بھی جس کا اس نے گھوڑا چھینا ہے عنقریب پہنچ جائے گا۔ میں نے اس رومال کو کھولا جو اس کے زانو پر رکھا ہوا تھا اور جو چٹھی کہ داروغہ کے نام کی تھی وہ میں نے نکال لی اور میں گھوڑے پر سوار ہوا موقع سے رکابیں لگالیں اور ذرا مہمیزیں لگا کر اس کو تیز کیا۔ اور تھوڑی دیر میں اس سونے والے کو بہت دور چھوڑ دیا اور بہت جلدی پھرتی سے دارالخلافت کی سڑک پر ہو لیا۔

جب میں گھوڑے پر سوار جاتا تھا میں نے دل میں خیال کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے اور کس طریقے سے شاعر کے بال بچے میرے ساتھ بعزت پیش آئیں۔ میں نے اپنی طبیعت میں خوب گڑھ لی کہ اس کی حالت یوں یوں بیان کروں گا اور جو معاوضہ کہ ہر کارہ کو ملتا اب وہ مجھے ملے گا یہ تو مجھے یقین ہی تھا کہ میں اس سے زیادہ راہ طے کروں گا اور جب وہ کہیں جاگے گا اور دیکھے گا کہ درویش صاحب گھوڑا لے اڑے تو لامحالہ جب تک دوسرا گھوڑا اس کے ہاتھ نہ لگ جائے گا پیدل ہی چلے گا اور شاید یہ بھی ہے کہ اس کو اپنا گھوڑا بھی ہاتھ نہ لگے اس لیے کہ یہ ایک مشتبہ امر تھا۔ اور جب وہ پیدل یہاں تک پہنچے گا تو یہ ایک امر محال ہے کہ وہ اپنی رام کہانی بیان کرے اور کوئی اس کو یقین بھی کرے۔

این خیال است و محال است و جنون

میرا یہ مصمم ارادہ ہو گیا کہ میں طہران پہنچتے ہی گھوڑے اور اس کے سارے سازو سامان کو فروخت کر ڈالوں کیونکہ اگر یہ رہ گئے تو ضرور گرفتار کرادیں گے اور نیز درویشی کپڑے اتار کے ملک کے عوام الناس اشخاص کے سے کپڑے زیب تن کروں اور شاعر کے دروازے پر اس صورت میں پہنچوں گویا وہ یہ سمجھیں کہ یہ ہر کارہ بہت ہی دور سے آرہا ہے اور ان سے اس عمدگی اور پتہ سے تمام کیفیت بیان کروں کہ وہ بھی سمجھیں کہ یہ رتی رتی بات سے کیسا واقف ہے۔

پندرہواں باب

حاجی بابا کا طہران پہنچنا اور شاعر کے مکان پر جانا

شاہ عبد العزیز کے دروازے سے جو ابھی کھلا ہی تھا میں علی الصباح طہران میں داخل ہوا۔ اور فوراً گھوڑے کو اس بازار میں لے کے پہنچا جہاں گھوڑے فروخت کی غرض سے روزمرہ آیا کرتے تھے میں نے وہاں جا کر کہا کہ یہ گھوڑا نہایت ہی عمدہ اور قدم باز ہے۔ اور اسی طرح کی دو چار تعریفیں اور کیں کہ یہ کتنی راہ طے کرتا ہے اور ہوا کی طرح اڑتا ہے اور پھر بھی تکان نہیں مانتا کیونکہ میں خود ہر کارے کے پاس سے لے کر آناً فاناً میں منزلیں طے کرتا ہوا یہاں آ پہنچا تھا اور جب میں نے اس گھوڑے کو ذراد لال کو دکھایا تو اس نے جو کچھ اس کے معائب تھے وہ سب آئینہ کر کے دکھا دیے اب مجھے یہ سوچ ہوا کہ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے اگر اس کا کچھ بھی مجھے مل جائے۔ اول تو یہ گھوڑا چپ تھا دوسرے حضرت ابلقہ بھی تھے۔ تیسرے بڈھا ایسا تھا کہ دانت سب رخصت ہو چکے تھے گو یا گھوڑوں کا باوا آدم معلوم ہوتا تھا۔ غرض جو باتیں کہ ایک گھوڑے میں ہونی چاہیں جس سے کہ اسے گھوڑا کہہ سکیں وہ اس میں عنقا صفت تھیں اس نے پانچ تمن اس کی قیمت مجھ سے کہی مجھے سخت تعجب ہوا کہ گھوڑے کی پانچ تمن قیمت خیر میں نے یہی سمجھا کہ اس کا کچھ تو ملتا ہے۔ لیکن میں نے بے چون وچرا منظور کر لیا تو اسے بڑا خیال ہوا کہ پانچ تمن کہتے ہی یہ راضی کیونکر ہو گیا۔

اڑھائی تمن غرض اس نے مجھے دیے اور اڑھائی باقیماندہ کے بدلے ایک گدھا دیتا تھا میں نے کہا کہ بھائی یہ گدھا تو میں نہ لوں گا۔ اس نے کہا اچھا اب کے اگر آپ ملیں گے تو اڑھائی تمن بھی دے دوں گا اس وقت میرے پاس نہیں ہیں۔ مجھے تو جلدی بہت تھی میں وہی اڑھائی تمن بازار میں لے آیا ایک کالی ٹوپی خریدی اور درویشی تاج اتار کر اس ٹوپی کو زیب سر کیا اور میں نے اس طرح پر اپنے کو بنایا گویا دیکھنے والا یہ سمجھ جائے کہ یہ بہت ہی دور دراز سے آ رہا ہے یہ شکل وصورت بنا کر میں نے شاعر کے گھر کا راستہ لیا۔

شاعر کا گھر شہر کے نہایت ہی خوشنما اور نفیس حصہ میں بنا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف باغات لگے ہوئے تھے جن باغوں میں چنار اور انار کے درخت بہت کثرت سے تھے اور ایک شاہراہ میں جہاں نہر ہو کر نکلی ہے اس کے بھی کناروں پر چنار ہی چنار نظر آتے تھے لیکن بیشک مکان کی صورت حال گویا تھی کہ اس کا مکیں کہیں چلا گیا ہے۔ پھاٹک نصف بند تھا۔ ذرا بھی کسی قسم کی ہلچل نہیں معلوم ہوتی تھی جب اول ہی میں نے اس میں قدم رکھا مجھے آدمیوں کی علامتیں معلوم ہوئیں اس سے مجھے اس معاوضہ سے کچھ ناامیدی سی ہو گئی جس کے لیے میں نے اس قدر جتن کیا تھا آخر کار میں اوپر کے کمرے میں گیا۔ میں نے وہاں ایک شخص جس کی عمر پچاس برس کی ہو گی نمدے پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ یہ قلیان پی رہا تھا۔ میں اس کی صورت دیکھتے ہی تاڑ گیا کہ ضرور یہ وہی شخص ہے جس کی مجھے تلاش ہے میں نے جاتے ہی یہ خوشخبری سنائی کہ خان آ رہے ہیں۔

بوڑھا شخص۔ یعنی چہ کون سا خان۔ کہاں سے آتا ہے۔ اور کب آئے گا۔

میں نے اس کے نام کا خط دیا اور کہا کہ میں ہر کارہ ہوں۔ یہ سنتے اسے خوشی بھی ہوئی اور غم بھی ہوا۔ سراسیمہ بھی ہوا اور اسے اندیشہ بھی زیادہ ہوا۔

بوڑھا۔ واقعی یہ درست ہے کہ خان زندہ ہے۔

میں۔ ہاں جناب یقیناً یہ امر ہے کہ وہ زندہ و سلامت ہیں اور پرسوں آپ کے پاس دوسرا قاصد بھی آجائے گا جو آپ کو اس کی حفاظت کی پوست کندہ کیفیت بیان کر دے گا۔ اور اس کے پاس شاہ وزیر۔ اور اشخاص کے نام کے خط ہیں جو وہ لیے آ رہا ہے یہ سن کے وہ کچھ بے جوڑ سی گفتگو کرنے لگا کہ یہ ایک بہت بڑی تعجب انگیز بات ہے۔ دیکھیے اب ہمارے سروں پر کیا بلا نازل ہو گی۔ اب میں کہاں چلا جاؤں۔ اب میں کیا کروں۔

جب اس کے اوسان کچھ درست ہوئے تو میں نے کوشش کی کہ اس سے میں اس امر کو دریافت کروں کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ ایسی خوشی کے موقع پر یہ گھبرا کیوں گیا۔ اور اس نے اس قدر فکر و تردد کیوں ظاہر کی۔ جو کچھ میں نے اس سے سنا وہ یہ تھا۔

"وہ ضرور مر گیا ہے۔ ہر شخص کا یہی مقولہ ہے کہ وہ مر گیا ہے اس کی بیوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرا سب میں بڑا دانت ٹوٹ گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہے علاوہ اس کے شاہ نے اس امر کو اور بھی یقین دلوا دیا۔ وہ اب کبھی بھی زندہ نہیں ہے۔ ہرگز زندہ نہیں ہے۔"

میں۔ بہت خوب اگر آپ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ مر گیا ہے خیر یونہی سہی۔ جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں وہ یہ امر ہے کہ میں استر آباد میں بہت ہی صادق القول ہوں۔ چھ روز ہی نہ گذرنے پائیں گے کہ وہ یہاں داخل ہو جائیں گے اس وقت آپ بخوبی یقین کریں گے۔

بوڑھاناظر ذرا غور و تامل کر کے۔ تم ہرگز میری اس اضطرابی پر تعجب نہ کرو گے۔ جب میں تمھیں جو کچھ یہاں ہوا ہے سب کہہ دوں گا کہ میرے مالک کی موت کی خبر آتے ہی کیا غضب برپا ہو گیا۔

اول۔ یہ کہ شاہ نے اس کا تمام مال و اسباب قرق کر لیا۔ اس کا مکان۔ اس کا اسباب اور سارا سامان مع جار جیا کے غلاموں کے شاہ نے اپنے چھوٹے بیٹے خود علی مرزا کو دے دیا۔ اس کا گانؤں وزیر اعظم دبا بیٹھے اور اس کی جگہ مرزا فضول کو اب مرحمت ہو جائے گی۔ اس کی بیوی نے اپنے بیٹے کے اتالیق سے نکاح کر لیا ہے۔ اچھا اب میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ مجھے تعجب نہ آئے۔

میں نے دل میں خیال کیا کہ میرے معاوضہ میں تو کچھ جھگڑا نہیں آکر واقع ہو گا۔ میں نے اسی وقت اس سے کہا کہ حضرت یہ تو سب کچھ ہو چکا اب بتایئے اب میرا معاوضہ کہاں ہے۔

ناظر اوہو۔ بس آپ اسے رہنے دیں بابا مجھ سے کسی چیز کے لینے کی ہرگز امید نہ رکھنا اس لیے کہ تم میرے لیے کچھ خوشخبری کی باتیں نہیں لے کر آئے ہو۔ ہاں یہ بات ہے کہ اس کا دعویٰ تم میرے مالک سے کر سکتے ہو۔ جب وہ یہاں آجائیں ان سے تم قطعی اپنا معاوضہ بخوبی لو میں کچھ نہیں دے سکتا میں نے یہ سن کر ناظر سے کہا بہت اچھا جناب اسی دن آؤں گا جب شاعر صاحب یہاں تشریف لے آئیں گے۔ یہ کہہ کر میں پھر اپنی اسی دھن میں چل دیا کہ اپنے گھوڑے کی باقیماندہ قیمت جا کر وصول کروں۔

سولھواں باب

حاجی بابا کا جھگڑے میں پھنسنا اور آئندہ کے لیے تدابیر سوچنا

اب میرا ارادہ ہوا کہ شاعر کے آنے کا رستہ دیکھوں اور اس کے آنے تک کسی ایسے مقام پر رہنا چاہیے کہ جہاں باعزت مجھے روٹی کھانے کو ملے اور مجھے بغیر ریاو مکر و دغل کے وہ موقع ملے کہ میں اپنی زندگی میں ترقی کر سکوں میں کمین اور نیچ قوم سے گھبرا گیا تھا کہ ان کے ساتھ ادھر کا ادھر مارامارا پھر رہا ہوں میں نے اس قسم کی بہت سی مثالیں دیکھی تھیں کہ لوگوں نے میرے آگے آگے ترقی کر کے بڑے بڑے مدارج حاصل کر لیے تھے۔ اور اپنی سعی ہائے نمایاں سے دولت و عزت دونوں انھیں حاصل ہوئی تھی اور میں یہ بھی سوچتا تھا کہ اور کون شخص مجھ جیسے کمبخت اور زبوں زشت حالت سے ترقی پا کر اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ ہنوز میرے دماغ سے یہ خیال نہیں گیا تھا کہ اگر میں وزیر اعظم ہو جاؤں تو انتظامی معاملات کو کیونکر بھگتاؤں اور کس طریقہ سے کام کروں۔

میں خود ہی یہ کہتا تھا کہ شاہ کا سب سے پیارا کون شخص ہے اسماعیل بیگ طلائی ہے جو اصل میں ایک فراش ہے۔ نہ وہ ایسا خوبصورت ہے اور نہ میری طرح سے عمدہ گفتگو کر سکتا ہے اگر وہاں کبھی ایسا موقع آجائے کہ ہماری چابک سواری کا مقابلہ ہو تو میں خیال کرتا ہوں کہ جس شخص نے کہ ترکمانوں میں تعلیم پائی ہو وہ موقع پر دکھادے گا کہ سواری گھوڑے پر کیونکر کیا کرتے ہیں۔

اچھا اس کو بھی جانے دو شاہ کے خزانے کے وزیر ہی کو خیال کیا جائے کہ اصل میں وہ کون ہے صرف ایک حجام کا بیٹا ہے۔ اور جب اپنی نسبت خیال کرتا ہوں تو میں پڑھا لکھا بھی ہوں اور ہز اکسلنسی تو الف کے نام بے بھی نہیں جانتے۔ اس کو سوائے میخواری اور نفیس نفیس کھانوں کے ہوش ہی نہیں ہے۔ روز دیکھ لیجیے نئی پوشاک زیب تن کرتا ہے۔ اور شاہ کے بعد اسی کا حسن پرستی میں نمبر ہے۔ اور علاوہ اس کے ہر بات میں مجھ سے سب قابلیتوں میں نصف ہونے کے اس کی نسبت لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جہاں کہیں اس کا ذکر آتا ہے اور انھوں نے کہا کہ وزیر خزانہ خرِ بے تشدید است۔

ان خیالات کی ہانڈی میں اپنے دل میں بیٹھا ایک راستہ میں جس کے دو طرفہ درخت تھے دیوار سے پیٹھ لگائے ہوئے پکار رہا تھا۔ جس مقام پر میں بیٹھا ہوا تھا اس کا راستہ سیدھا شاہی محلات کے دروازہ میں جاتا تھا۔ یہ خیال کرتے کرتے آئندہ شوکت و عظمت کا خیال کچھ میری طبیعت پر ایسا غالب آیا کہ میں یکایک اٹھ کھڑا ہوا اور آگے کی طرف روانہ ہوا میں نے اس غول کو جو میرے آگے کھڑا ہوا تھا زور سے ڈھکیل دیا جیسے ایک بہت بڑے زعم والا بھیڑیا چیرتا ہوا چلتا ہے۔ بعض اشخاص میری طرف دوڑے بعض نے مجھے گالیاں والیاں دیں اور بعض نے کہا یہ دیوانہ ہے۔ واقعی جب میں اپنے آپے میں آیا اور میں نے اپنے فقیری کپڑے اور گدڑی کو خیال کیا اور اپنی شکل کو دیکھا تو سوا اس کے اور کیا کر سکتا تھا کہ خود اپنی حالت پر خندہ زن ہوں اور اپنی حماقت پر ہنسوں میں سیدھا اس بازار کی طرف چلا گیا جہاں کپڑا فروخت ہوتا تھا تاکہ شائستہ پوشاک لے کر اپنی ہیئت تبدیل کروں جب میں نے غول میں سے اپنا راستہ کیا تو یکایک مجھ کو ایک جھگڑے کے باعث ٹھہرنا پڑا کہ جو تین آدمیوں میں ایسی سختی سے ہو رہا تھا کہ توبہ۔ میں بھی اس گھیرے کو ڈھکیل ڈھکلا کر عین موقع واردات پر پہنچا اور دیکھا کہ تین اشخاص باہم گتھ رہے ہیں اور ایک دلال ہے جس کے ہاتھ میں نے گھوڑا فروخت کیا تھا ایک وہی ہرکارہ ہے اور ایک وہ کسان ہے جس کا گھوڑا ہرکارہ چھین کر لایا تھا۔ ادھر سے وہ گھوڑے کو اپنی طرف گھسیٹتا ہے اور ادھر سے وہ کھینچتا ہے۔

کسان۔ یہ میرا گھوڑا ہے۔

ہرکارہ۔ یہ میرا پالان ہے۔

دلال۔ دیوانہ تو نہیں ہوئے یہ سب میرا ہے۔

جب میں نے یہ معاملہ دیکھا تو میرے اوسان باختہ ہوئے میں چاہتا تھا کہ وہاں سے سٹک جاؤں کہ دلال نے مجھے دیکھ لیا لپک کر میرا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ دیکھو یہ شخص ہے جس سے میں نے گھوڑا خریدا ہے جونہی ہرکارہ نے مجھے پہچانا بس پھر کیا تھا ایک غضب ہی مجھ پر آپڑا گرجتے ہوئے بادلوں کی طرح سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میرے اوسان باختہ ہوگئے شیطان۔ چور۔ دغاباز۔ بس یہ آوازیں تھیں جو میرے کانوں میں زور سے آرہی تھیں۔

کسان۔ کہو بچہ میرا گھوڑا کہاں ہے۔

ہرکارہ۔ میرا زین تو مجھے دے دو۔

دلال۔ لائیے میرے تمن دائیں ہاتھ سے رکھ دیجیے۔

لوگ۔ ارے میاں اسے قاضی کے پاس کیوں نہیں لے جاتے۔

جب یہ نوبت ہوئی تو پہلے میں نے غل مچایا۔ قسمیں کھائیں اور کچھ بھپکی بھی بتائی۔ مگر بے سود پھر میں بہت ملائم اور نرم پڑ گیا۔ اس قدر شور و غل مچا کہ دس منٹ تک یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ایک شخص کی صاف آواز سنائی دیتی۔ ہر شخص اپنی اپنی ہانکتا تھا۔ ہر کارہ کے غصہ وغضب کا کچھ عالم نہ پوچھو۔ کسان کہہ رہا تھا کہ دیکھو اس ہر کارہ نے میرے ساتھ بے انصافی کی۔ اور دلال صاحب جو تھے وہ اپنے ڈیڑھ چانول الگ ہی پکار رہے تھے جو اس کا جی چاہتا تھا لام کاف مجھے کہہ رہا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو حرامزادہ نے میرا روپیہ ٹھگ لیا۔ میں اس وقت سہ مکھا لڑ رہا تھا کسی کو تھپکتا کسی کو دلاسا دیتا اور کسی سے کچھ کہتا ہر کارہ سے تو میں نے یہ کہا تم اس قدر خفا کیوں ہوتے ہو آپ کا زین وغیرہ محفوظ ہے۔ لے لو۔ فیصلہ ہوا کسان سے میں یہ گویا تھا۔ مرد آدمی سن تو سہی تم اس وقت بھی کچھ نہ کر سکتے تھے اگر تمھارا جانور راستہ ہی میں مر جاتا خدا کا شکر کرو کہ کوئی سانحہ پیش نہیں آیا لو اپنے گھوڑے کو تھامو اور چلتے بنو۔ اس کے بعد دلال سے میں یوں مخاطب ہوا۔

کس احمق کے بچہ الو کے پٹھے نے تیرے دام ٹھگے ہیں۔ تم جو کہتے ہو کہ صاحب مجھے فریب دیا مجھ سے دغا کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تم اگر اب بھی خیال کرو گے تو تمھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ تم نے مجھے صرف گھوڑے کی آدھی قیمت دی ہے اور آدھی کے بدلے آپ چاہتے تھے کہ ایک مرا ہوا گدھا دے دوں کیا یہ فریب نہیں ہے۔ لو تم اپنا روپیہ لے لو۔ مگر دلال نے روپیہ لینے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو گھوڑا دلوایئے۔ نیا جھگڑا اور بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ اور دھڑا دھڑ بحثم بحثا ہونے لگی آخر نوبت بایں جا رسید کہ ہم سب مجسٹریٹ کے پاس گئے کہ وہ ہمارا فیصلہ کرے۔

ہم نے مجسٹریٹ کو اس کی عدالت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ چاروں طرف سے اس کے ماتحت افسر اسے گھیرے ہوئے تھے سب کے ہاتھ میں لکڑیاں تھیں ان کی صورتوں سے معلوم ہوتا تھا گویا یہ کسی مجرم کو سزا دینے کے لیے مستعد ہیں۔ میں نے تمام مقدمہ کی مشرح کیفیت بیان کی اور میں نے اس پر بہت زور دیا کہ مجھے اس دلال نے بے واسطہ فریبی اور چور کہا ہے۔ اس پر دلال نے جواب دیا کہ جب یہ گھوڑا اس کا تھا ہی نہیں اور یہ دوسرے کا چرایا ہوا تھا پھر اس کا استحقاق اسے کیا پہنچ سکتا تھا اور یہ اس کو رکھنے والا کون تھا۔

اس سوال وجواب نے داروغہ پولیس کو کچھ ایسا تنگ کیا کہ اس نے اس مقدمہ سے دست برداری کرنی چاہی اور وہ عنقریب حکم ہی دینے کو تھا کہ یہ مقدمہ قاضی صاحب فیصلہ کریں گے ان کے پاس لے جاؤ کہ ایک ضعیف شخص نے جو وہیں کھڑا ہوا تھا یہ کہا۔ تم ایسے صاف مقدمہ میں الجھیڑا کیوں ڈالتے ہو۔ جس وقت دلال حاجی کو باقیماندہ روپیہ ادا کرے گا اس وقت حاجی بھی دلال کو جو کچھ گھوڑے کے دانے دانے میں خرچ ہوا ہے دے دے گا۔ یہ سنتے ہی چاروں طرف سے بارک اللہ بارک اللہ کی آوازیں گوش زد ہونے لگیں۔ چاہے یہ صحیح تھا یا غلط وہاں اس مشتبہ فیصلہ سے باہم پھر زور وشور سے جھگڑنے لگے۔ لیکن داروغہ نے ہم سے کہا کہ تم باہم صلح کرلو تو بہتر ہے۔
اب کیا تھا میں نے فوراً ہی دلال کو اس کے ثمن واپس کر کے رسید لے لی۔ جب میرے ساتھ اس کا فیصلہ ہو چکا اس وقت وہ اس روئداد مقدمہ پر خیال کرنے لگا کہ یہ کیونکر فیصلہ ہو گیا اور وہ سخت متحیر تھا کہ یہ معاملہ یکایک کیسے ہوا کیونکہ اگر میں یہ سمجھوں کہ گھوڑے کی حفاظت حاجی بابا پر صادق آتی تھی اگر وہ مجھے نصف یا ساری قیمت بھی واپس دے دیتا جب بھی اس کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا معلوم ہوتا تھا گویا اس کو دفعۃً دھوکا دیا گیا ہے خوش قسمتی سے اس کا غصہ داروغہ پولیس پر پلٹ پڑا اور اس کو دلال نے بہت آزادی سے کہا عجب خرنا مشخص اور اندھا دھند دماغ کا شخص ہے فیصلہ کرنے بیٹھا ہے بڑا کہیں کا ایماندار بن کر نکلا ہے۔

سترھواں باب

حاجی بابا کا جون بدلنا

اب میں خود اپنی اس حماقت پر خیال کر رہا تھا کہ تجھ سے یہ ناموزوں کام کیوں سرزد ہوا اور پھر میں خود اپنے کو مبارکباد دیتا تھا چلو سستے چھوٹے نہیں تو دھر دیے جاتے جان بچی لاکھوں پائے اب پھر میں بزازے میں چلا اور اول ہی دکان پر جو دروازہ کے قریب واقع تھی جا کر سرخ کپڑے کی قیمت چکائی میرا ارادہ تھا کہ اس کا ایک چغہ بنواؤں گا۔ کیونکہ مجھے خیال تھا کہ یہ پوشاک مجھے بھی ویسا ہی معزز بنادے گی جیسا ان لوگوں کو بنا دیتی ہے جو اسے پہنتے ہیں۔ بزاز نے بغور اوپر سے نیچے تک مجھے دیکھا اور کہا۔ چغہ آپ کس کے لیے لیتے ہیں اور اس کی قیمت کون ادا کرے گا۔

میں۔ یقیناً میں اپنے ہی لیے لیتا ہوں۔

بزاز۔ تم جیسا نامعقول شخص ایسے کپڑے پہن کر کیا کرے گا ارے احمق اس کو تو سب مرزا اور خان ہی زیب تن کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مجھے یقین ہے کہ تم اس قسم کی شخصیت کے نہیں ہو۔

میں ایک خشمناک جواب دینے کو تھا کہ اتنے میں ایک دلال پاس ہو کر گزرا جو استعمالی کپڑے لادے ہوئے آواز لگاتا پھرتا تھا۔ میں نے اسی کو آواز دی باوجودیکہ یہ بزاز تڑپ تڑپ کر رہ گیا کہ میاں صاحب مجھ سے ہی لیں اور اپنی للکار پر جو مجھے دکان سے پرے چلے جانے کو کی تھی بہت ہی پشیمان ہوا۔ ہم دونوں ایک متصل کی مسجد کے کونہ میں جا بیٹھے دلال نے اپنے کپڑوں کی گٹھڑی اتاری اور جو کچھ اس کے پاس تجارتی سامان تھا سب میرے آگے پھیلا دیا۔ میں نے ایک نہایت ہی نفیس ریشمی جامہ پسند کیا جس کے آگے کی طرف سنہری لیس ٹکی ہوئی تھی اور سونے کے بٹن جگ جگ کر رہے تھے۔ اس کو پسند کر کے میں نے اس سے قیمت دریافت کی دلال نے اس کی صفت اور میرے پسند کی تعریف کرنی شروع کی اور کہا بخدا یہ شاہ کی ایک پیاری جارجین کا ہے اس نے اسے صرف دو ہی بار الگ سے پہنا ہے اور پھر اس نے فروخت کرنے کے لیے مجھے دیا ہے میرے چاروں طرف پھرتا

تھا اور یہ کہتا جاتا تھا ماشا اللہ ماشا اللہ کیا ہی بھلا تمھیں معلوم ہوتا ہے میں اس سے بہت ہی خوش ہوا میں نے پھر ایک شال کمر پر لپیٹنے کے لیے اس سے مانگی۔ اس نے ایک پرانی کشمیری شال جس میں چھید ہی چھید ہو رہے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید باوا آدم اسے اوڑھتے ہوں گے مجھے دکھائی اور مجھے یہ یقین دلایا کہ یہ شال شاہ کی ایک بیگم کی ہے اس نے مجھے یہ فروخت کرنے کو دی ہے کہ اس کو معقول قیمت پر بیچ ڈالنا۔ میری خود بینی اور حماقت نے کرمانی شال کو اس پر ترجیح دی کیونکہ میں نے سوچا کہ جس قیمت میں پرانا شال کشمیری آئے گا اسی قیمت میں کرمانی نیا آ جائے گا۔ اور یہ میں اس لیے لیتا تھا کہ وہ زخم جو میری پیٹھ پر پڑے ہوئے تھے بالکل چھپ جائیں دوسرے کمر میں میں کٹار اڑس سکوں جس سے میری وردی پوری ہو جائے جب میں نے یہ خواہش کی دلال نے اشیاء مطلوبہ بھی حاضر کیں اور جب میں ان کو زیب تن کر کے ساز و سامان سے درست ہو گیا تو خواہ مخواہ مجھے اس سے اپنا اطمینان ظاہر کرنا پڑا کیونکہ وہ مجھے اس امر کے یقین دلوانے میں قاصر نہیں تھا کہ آپ جیسا جامہ زیب شخص طہران میں بھی نہیں دیکھا جب میں نے یہ سب پسند کر کرا لیا اور قیمت دریافت کی تو اس میں بڑی ہی ردو کد ہوئی دلال صاحب اول تو اپنی ایمانداری کا مجھے یقین دلوانے لگے کہ حضرت میں ان دلالوں میں سے نہیں ہوں کہ سو مانگتے ہیں اور پچاس پر راضی ہو جاتے ہیں۔ میں آپ سے ایک ہی بات کہوں گا بس پھر آپ اس سے کم پلٹ کر نہ کہیے گا دلال نے غرض پانچ تمن کوٹ کی قیمت مانگی اور پندرہ تمن شال کی اور چار تمن کٹار کی کل مل کر چوبیس تمن ہوئے۔

یہ سنتے ہی میری تمام اشتیاق کی بھڑکتی ہوئی آگ دھیمی پڑ گئی اس لیے کہ کل بیس ہی تمن اس وقت میری گرہ میں تھے میں وہ کپڑے اتارنے ہی کو تھا کہ پھر اپنی وہی پرانی درویشانہ گڈری زیب تن کروں اور یہ کپڑے دلال صاحب کے واپس دے دوں کہ اس وقت دلال نے مجھے ٹھہرا لیا اور یہ کہا شاید آپ نے یہ خیال فرمایا کہ قیمت کچھ بہت زیادہ ہے آپ کی جان اور میرے سر کی قسم کہ میں نے ان کو انھیں داموں خریدا ہے آخر آپ بھی تو فرمائیں کہ آپ کیا قیمت دلائیں گے۔

میں۔ اجی حضرت کیا عرض کروں اتنی قیمت کے آگے میرا تو منطقہ نہیں لڑتا خیر کہے دیتا ہوں اگر آپ مانیں نہ مانیں آپ کا مال ہے میں صرف پانچ تمن میں سب چیزیں لیتا ہوں۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

یہ سن کر اس نے کچھ حقارت آمیز صورت سے انکار کیا۔ میں نے اس کے کپڑے اتار کر اس کے حوالہ کیے۔ ماہجیر شمامہ سلامت۔ جب اس نے کپڑے تہ کیے اور ہماری باہم سب باتیں طے پاگئیں اس نے پھر دوبارہ مجھ سے کہا۔ میں تمھارے ساتھ دوستانہ برتتا ہوں اور دوستی کی نظر سے تمھیں دیکھتا ہوں جو کچھ تمھارے بھلائی کروں گا اپنے بھائی کے ساتھ میں نہیں کرنے کا اچھا میں صرف آپ کو دس تمن میں دے دوں گا میں نے پھر بھی انکار کیا اب ہم دونوں میں جھک جھک ہونے لگی خیر میں نے کہا کہ اچھا چھ تمن سہی بھئی اس سے زیادہ اور میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔ یہ سنتے ہی اس نے منظور کر لیا اور میں نے وہ کپڑے لے لیے۔

وہ قیمت لے لوا کر روانہ ہوا تو میں نے کپڑے اٹھا لیے اور یہ ارادہ کیا کہ حمام میں چل کر غسل کیجیے اور وہاں ان کپڑوں کو پھر زیب تن کر راستہ میں میں نے ایک سبز باناتی جوتا ایک نیلے ریشم کی قمیص اور ایک جوڑا قرمزی رنگ کے ریشمی پاجاموں کا لیا یہ سب رومال میں باندھ کر حمام کی طرف بڑھا۔

میں حمام کے اندر تک چلا گیا کسی نے بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھا کہ یہ کون شخص ہے کیونکہ میری صورت ہی ایسی زرغل بنی ہوئی تھی کہ جس نے ان میں کوئی حس و حرکت نہیں پیدا کی۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل کو آزردہ نہ ہونے دیا اور خوب اطمینان دلایا کہ جونہی کپڑے پہنوں گا یہ سب حالت بدل جائے گی اور پھر ان حقارت آمیز نظروں سے نہ دیکھا جاؤں گا میں نے ایک کونہ میں رکھ دیے اور میں برہنہ ہو گیا۔ اور ایک تولیے کی تہبند باندھ کر حمام میں گیا۔

یعنی یہاں اس خاص نہانے کے مقام میں سب بایں ہیئت آتے تھے میں نے خود اپنے دل میں ذرا دون کی لی کہ میری اچھی صورت۔ میرا چوڑا سینہ۔ میری پتلی کمر خود بخود مجھے قابل مدح بنا لے گی۔ میں نے جاتے ہی ایک حمام والے کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تم مجھے اچھی طرح سے نہلاؤ۔ ہاتھ سے ملنا۔ کیسہ سے جسم کو رگڑنا حجامت بنانا اور میں نے اس کو یہ بھی حکم دیا کہ تو میری داڑھی۔ گلچھوں اور زلفوں کو کھلی بیسن وغیرہ سے صاف کر غرض اسی طرح سے میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں کمال طہارت اور پاکی سے نہاتا چاہتا ہوں جونہی وہ حمام والا مجھے مل مل کر نہلانے لگا اس وقت اس نے بار بار میرے چوڑے سینہ کی تعریف کی اور اپنے خیال میں نئے کپڑوں کی تاثیرات نیک سمجھ کر جو غالباً نئی پوشاک پہن کر پیدا ہوتی ہے مجھے بھی اسی تعریف و مدح کا مستحق کیا جو ایک شخص کو نئی پوشاک پہن کر ہوئی تھی اس نے کہا کہ آپ کیا ہی خوش قسمت وقت میں تشریف لائے ہیں ابھی میں ایک خان کو

نہلا کر آیا ہوں جس کو شاہ نے فصل کے پہلے سر دے اصفہان سے لانے پر خلعت عطا کی ہے۔ نجومیوں نے اسے یہی وقت مبارک غسل کرنے کا بتایا تھا اور یہی وقت نئی پوشاک پہننے کے لیے بھی بہت ہی مبارک ہے۔

جونہی میں غسل کرا کے فارغ ہوا حمامی نے میرا جسم کتانی کپڑے سے پوچھا اور مجھے اس مقام پر لے آیا جہاں میرے کپڑے رکھے ہوئے تھے کس خوشی اور شادمانی سے میں نے اپنے کپڑوں کے بنڈل کو کھولا ہے اور کس خرمی سے میں نے اپنی ٹیپ ٹاپ کو ملاحظہ کیا ہے جب میں نے ہر شے کو زیب تن کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ گویا اب میں از سر نو آدمی بنا میں نے ریشمی کپڑے کبھی نہ پہنے تھے۔ جب میں نے ذرا پا جامہ پہنا و عمامہ باندھا اور اوپر سے جامہ کو زیب تن کیا اور اس کی کچھ کھڑ کھڑاہٹ ہوئی تو اب میرا دماغ آسمان پر پہنچا اور میں چاروں طرف نظر بازی کرنے لگا کہ بھلا اب میری طرف نظر بھر کر کون دیکھ سکتا ہے۔ میں نے ایک نئے طریقے سے اپنی شال کو کمر سے لپیٹا ایک سرا اس کا آگے چھوٹا ہو اور اس سے زیادہ دوسرا سرا پیچھے چھوٹا ہو اور جب میں نے کٹار کو کمر میں اڑسا بس اس وقت کا عالم کچھ نہ پوچھیئے میں نے خیال کر لیا کہ بس اب کسی چیز کی کسر باقی نہیں رہی۔ میں نے اپنی ٹوپی کی نوک کو کا جاری یا اصلی طریقہ شاہی پر پچکایا۔ اور اس کو سر پر یکطرفہ زیبائش دی جب اس حمامی نے مجھے آئینہ لا کر دکھایا جس سے یہ غرض تھی کہ میں اس کا معاوضہ دوں۔ میں نے پہلے اس سے اپنی زلفین سنوارنے کو کہا کہ وہ انھیں بٹ کر دونوں کانوں کے نیچے شانوں پر ڈال دے اور موچھوں کو گھیر ادے کر یا ان کا حلقہ بنا کر رخساروں کے ارد گرد کر دے جب وہ میرے حکم کی تعمیل کر چکا میں نے اس کو معقول معاوضہ دیا اور اپنے درویشانہ کپڑے یا گڈری بھی اس کی نگہبانی میں سونپی۔ اور پھر میں وہاں سے ذرا اکڑتا ہوا روانہ ہوا۔

اٹھارہواں باب

شاعر کا اپنی قید سے واپس آنا اور حاجی بابا کا اس سے ملنا

میں سیدھا اس امید پر شاعر کے گھر کی طرف روانہ ہوا کہ اس کی کچھ وہاں سے جا کر خبر لوں جب میں نے راہ کو ختم کیا تو درواز کے گرد دیکھا کہ ایک غول آدمیوں کا اس کو گھیرے ہوئے کھڑا ہے معلوم ہوا کہ شاعر ابھی داخل مکان ہوا ہے اور یہ چھت پر سے ہو کر مکان میں داخل ہوا بجائے اس کے کہ دروازہ میں ہو کر جاتا ایران کا یہ دستور ہے کہ اگر کسی شخص کی یہ خبر اڑ جائے کہ وہ مر گیا اور پھر وہ واپس آ جائے تو دروازہ میں ہو کر گھر میں نہیں گھستا بلکہ چھت پر سے ہو کر داخل مکان ہوتا ہے۔

میں فوراً بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کمرے میں پہنچا جہاں شاعر بیٹھا ہوا تھا اور میں نے جاتے ہی اس کے آنے پر بہت بہت مبارکباد دی اس نے مجھے اصلاً نہیں پہچانا۔ لیکن جب میں نے اس سے یہ کہا کہ میں فلاں شخص ہوں تو اس نے مجھے جب بھی مشکل سے پہچانا کہ کیا یہ وہی میلا کچیلا قزاق ہے جس کو میں نے دیکھا اور جواب کس آراستگی اور شان و شوکت سے نمودار ہوا ہے۔

شاعر کا کمرہ ہر قسم کے آدمیوں سے پر تھا ان میں بعض وہ بھی شخص تھے جو اس کے آنے سے خوش تھے اور وہ بھی تھے کہ جو اس کے صحیح و سالم آنے پر بہت ہی مایوس معلوم ہوتے تھے۔ موخر الذکر لوگوں میں سے جو ظاہراً تملق اور چاپلوسی کر رہے تھے اور جنھوں نے اوپری دل سے اس کے آنے پر مبارکباد دی تھی ایک مرزا فضول بھی تھے کہ جو اس شاعر کے عہدہ پر نامزد کیے گئے تھے۔ مرزا فضول یہ کہہ رہے تھے کہ آپ کی جگہ خالی تھی ہماری آنکھیں آپ نے اپنے روشن دیدار سے منور کیں اور یہ بات جب ہی تک تھی جب تک وہ کمرے میں بیٹھا رہا۔
آخر کار شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ دروازے کھول دیئے گئے شاہ نے ایک افسر کو بھیج کر شاعر کو یاد فرمایا تھا۔
شاعر اسی حالت میں سفری کپڑے سفری بونٹ پہنے ہوئے تمام گرد آلود شاہ کے پاس روانہ ہوا۔

اس وقت بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ میں بھی وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا کہ اب کل آکر ملاقات کروں گا۔ میں احاطہ ہی میں تھا کہ مجھ سے اسی ناظر کی ملاقات ہوئی جس سے پہلے گفتگو ہوئی تھی مجھے یہ شخص بھی کچھ خوش وخرم نہ معلوم ہوا اداسی کے آثار اس کے چہرہ سے ہویدا تھے۔

میں۔ اللہ کا نام لے کر۔ دیکھا حضرت میں نے جو کہا تھا کہ خان زندہ ہیں۔ صحیح نکلا یا نہیں۔

ناظر۔ ایک آہ بھر کر۔ ہاں واقعی سچ نکلا بیشک وہ زندہ ہے اور خدا اس کو ہمیشہ ہمیش زندہ وسلامت رکھے۔ لیکن ان اللہ علیٰ کل شی عظیم اللہ سب سے بزرگ تر ہے۔ اسی طرح کی دو تین باتیں بنا کر چلتا بنا صورت سے اس کی مصیبت اور آفت نمایاں تھی۔

میں باقیماندہ دن گشت لگاتا ہوا اور اپنی ہوا باندھتا ہوا پڑا پھرا بازاروں کی سیر کی مسجدوں کی زیارت کی۔ اور سست اور کاہل اشخاص کے پاس بھی ہرزہ گردی کرتا ہوا پہنچا کہ جو غول کے غول کثرت سے شاہی دروازہ کے ادھر ادھر پھرا کرتے ہیں۔ یہاں شاعر کے آنے اور شاہ کا استقبال کرنے کی خبریں اڑ رہی تھیں۔ بعض تو یہ کہتے تھے جب شاہ عالیجاہ نے یہ سنا کہ شاعر آگیا انھیں ہرگز یقین نہ آیا کیونکہ انھوں نے یہ حکم لگار کھا تھا کہ وہ مر گیا اور پھر اس کا صحیح وسالم پہنچنا یعنی چہ۔ بعض کا بیان تھا کہ جس وقت شاہ کجکلاہ کو خبر پہنچی ہے کہ عسکر آگیا اس وقت انھوں نے بہت ہی خوشی ظاہر فرمائی اور فوراً دس تمن فقرا کو خیرات دیے۔ مگر حق امر یہ تھا کہ شاہ عالیجاہ شاعر کی اس بعث و نشر سے بہت مایوس اور آزردہ خاطر ہوئے تھے کیونکہ شاعر نے شاہ کے اس انتظام کو برباد کر دیا جو کہ انھوں نے اس کے گھر اور سامان کی نسبت کیا تھا اس لیے شاہ نے اس بیچارہ شاعر کی کچھ آؤ بھگت تواضع مدارات بھی نہیں کرنی چاہی تھی۔ مگر عسکر جو بخوبی واقف تھا کہ شاہ کی طبیعت نظم کی طرف بہت ہی مائل ہے اور خاص کر کے ایسی نظم کی طرف جس میں ان کی مدح سرائی ہو وہ اس بات کو پہلے ہی سے جانتا تھا اس نے ایک فی البدیہ قصیدہ اپنے ممدوح کی شان میں اسی وقت سے موزوں کر کے تیار کر رکھا تھا کہ جب وہ ترکمانوں کی قید میں تھا۔ یہ ایک مناسب موقع پر اس نے پڑھ کر سنایا۔ اس مدح سرائی سے عسکر نے شاہ کی اس نامہربانی اور ناراضی کے خیال کو بدلا کہ جو اس پر جھکا ہوا تھا اور اس سے منفعت حاصل کی۔ آخرش شاہ نے اس کو تکالیف کے صلہ میں اس کا منہ سونے سے بھر دیا اور ایک خلعت فاخرہ سے ممتاز فرمایا۔ اور جس قدر چیزیں اور سامان وغیرہ قرق کر کے دوسروں کو دے دیا تھا وہ بھی اس کا واپس پھیرا اور نیز اس کے قدیمی عہدہ کا بھی شرف بخشا۔

میں نے اپنے پسندیدہ مربی کو پھر جا کر مبارکباد دی اور اس کے علی الصباحی دربار میں بغیر پس و پیش کے جا دھمکا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ مجھ پر بہت ہی عنایت و نوازش کرتا ہے تو میں نے پہلے اپنی جگہ قیام سے اطلاع دی اور پھر یہ عرض کیا کہ اول تو آپ اپنے ہی مکان میں مجھے رہنے کی جگہ بتایئے اور دوسرے اپنے کسی واقف کار سے سفارش کر دیجیے کہ مجھے کوئی ملازمت مل جائے۔ مجھے اس امر سے اطلاع ہوئی کہ ناظر جو اپنے آقا کے آنے پر مایوس و مغموم دکھائی دیتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے اس کے مال میں کچھ ہاتھا چھانٹی کی تھی اب اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں اس امر کا راز افشانہ ہو جائے اس سے مجھے امید ہوئی کہ شاید میں اس کی جگہ پر متعین ہو جاؤں میں نے بہت شوق سے شاعر کی خدمت میں عرض کیا اور نیز ساتھ اس کے میں نے اس کے خادم کے قصور وغیرہ کی نسبت جس سے میں واقف تھا اس کو آگاہ کیا۔ مگر میں اپنی آرزو پر کامیاب نہیں ہوا۔ یا تو یہ امر تھا کہ ناظر کی طرف اس کا برا گمان نہیں تھا اور اس کے عادات اور طریقوں کو وہ برا نہیں سمجھتا تھا یا یہ امر ہو گا کہ اس نے اپنی بے گناہی اپنے آقا کے آگے ظاہر کی تھی اور شاید اس نے مجھے مشتبہ شخص گر دانا تھا۔ غرض یہ کہ وہ تو اپنی ہی جگہ پر قائم رہا اور میں اس کے صبح کے دربار کا حاضر باش بنا۔

ایک دن بوقت فجر عسکر نے مجھے اپنے پاس بلایا اور یہ کہا۔ اے میرے دوست حاجی تم جانتے ہو کہ میں تمھاری ان عنایات اور احسانمندیوں کا کس درجہ ممنون ہوں تو تم نے اس وقت مجھ پر کی تھیں کہ جب ہم دونوں ترکمانوں کی قید میں تھے۔ اب اس وقت میں اپنی شکر گزاریوں کا ثبوت دوں گا۔ میں نے بہت زور دے کر تمھاری سفارش مرزا احمق جو شاہ عالیجاہ کا حکیم اور افسر الاطبا ہے کر دی ہے اسے ایک ملازم کی ضرورت ہے مجھے اس امر میں کچھ بھی شک نہیں ہے اگر تم نے اس کی خدمت کو بخوبی انجام دیا اور وہ تمھاری طرف سے مطمئن ہوا تو تمھیں اپنا فن طبابت تعلیم کرنے میں دریغ نہ کرے گا۔ اور تمھیں ایسے راستہ پر ڈال دے گا کہ تم بخوبی دولت کما لوگے تم ان کے پاس چلے جاؤ اور اس سے یہ جا کر کہو کہ مجھے عسکر نے بھیجا ہے پس وہ تمھیں ملازمت سونپ دے گا۔ علم حکمت سیکھنے کا میرا ہرگز ارادہ نہیں تھا کیونکہ اس درویش کی مجھے کہانی یاد تھی کہ اس کی اور طبیب کی لپاڈگی ہوئی تھی اس نظر سے میں اس پیشہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن میری حالت بہت ہی مایوسانہ تھی۔ میری گرہ میں کچھ بھی نہ رہا تھا اس لیے خود بخود مجھے طبیب کی ملازمت منظور ہی کرنی پڑی۔ آخر میں صبح کو طبیب کے مکان کی طرف چلا جو محلات کے پڑوس میں واقع تھا۔ میں ایک افسردہ اور بے مرمت بارگاہ میں داخل ہوا میں نے وہاں

جا کر چند مریض دیکھے بعض تو آلتی پالتی مارے ہوئے پشت بدیوار بیٹھے ہوئے تھے اور بعض مریضوں کے دوست وغیرہ ان کی تیمارداری میں مشغول تھے اور بعض ہاتھوں میں بوتلیں لیے بیٹھے تھے کہ طبیب صاحب عورتوں کے دالان سے نکلیں تو ہمیں بھی پوچھنے گھسنے کا موقع ملے۔ میں ایک کھلے ہوئے دروازہ کی طرف چلا جہاں وہ اشخاص جو اندر نہ جاسکتے تھے کھڑے ہوئے تھے میں بھی وہیں کھڑا ہو گیا کہ جب تک کوئی اندر نہ بلائے یہیں قیام رکھیے۔ کمرے میں چند وہ اشخاص بیٹھے ہوئے تھے کہ جو ڈاکٹر کی درباری کرنے آئے تھے کیونکہ ایران میں یہ قاعدہ ہے کہ ہر افسر اپنے ہاں فجر کا دربار کرتا ہے۔ڈاکٹر دروازہ کی طرف بیٹھا ہوا اپنا دن کا کام کر رہا تھا۔

یہ حکیم ایک کھوسٹ شخص تھا۔ ایک آنکھ وہ بھی گڑھے میں گھسی ہوئی رخساروں کی ذرا اٹھی ہوئی ہڈیاں۔ بکرے کی سی قلیل داڑھی۔ خمیدہ پشتی کی صفت حضرت میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ اور آپ کی مدامی وضع یہ تھی جب بیٹھتے تھے تو زنخدان کو آگے کی طرف ابھارے ہوئے بیٹھتے تھے۔ جناب کے سر مبارک نے دو شانوں کے بیچ میں پشت کی طرف تکیہ لگایا تھا۔ ماشاااللہ آپ کے دونوں ہاتھ ہر وقت دو طرفہ کمر پر رکھے ہوئے ہوتے تھے اس وقت حکیم صاحب کی دونوں کہنیاں جسم کے ہر طرف ایک مثلث بناتی تھیں (اقلیدس سیکھنے والوں کے بوڑھے حکیم مطلب کے تھے) یہ بہت ہی تنک مزاجی سے مختصر چھوٹے چھوٹے سوال کرتا تھا اور اگر جواب دینے کا موقع آتا تھا تو بہت گنگنا گنگنا کر دیتا تھا۔ جب حکیم صاحب ان لوگوں کے امراض کی کیفیت سن چکے جو کہ حکیم صاحب سے نسخہ وغیرہ تجویز کرانے آئے تھے۔ اور اپنے چھوٹے خوشامدیوں اور شوربہ چٹوں کے دائرہ سے چند الفاظ کہہ کر انھوں نے میری طرف دیکھا۔ تو میں نے یہ کہا کہ میں وہ شخص ہوں اور مجھے شاعر نے بھیجا ہے تو وہ بوڑھا اپنی تیز نظروں سے منٹ دو منٹ میری طرف دیکھتا رہا اور چاہا کہ کچھ دیر میں تامل کروں کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ مجھ سے علیٰحدہ مقام میں گفتگو کریں گے۔ غرض حکیم صاحب وہاں سے اٹھ بیٹھے اور اس کمرے سے باہر نکل آئے پھر مجھے ایک علیٰحدہ چھوٹے سے قصر میں بلایا۔ اس کے سب طرف پاس پاس دیواریں محیط تھیں مگر جہاں کمرۂ خلوت تھا وہ دیواروں سے معرا تھا اور یہیں ڈاکٹر صاحب تشریف رکھتے تھے۔

انیسواں باب

حاجی بابا کا حکیم کا ملازم ہونا

جونہی میں بر اجا ڈاکٹر صاحب نے مجھے بلایا اور بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا میں اس انکساری اور اطاعت کی صورت بنا کر بیٹھا کہ جیسے کم درجہ کا آدمی کسی بڑے عالی قدر اور شان و شوکت والے کی ظاہر اً تعظیم و تکریم کرتا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ ہمارے دوست عسکر نے تمھاری بہت ہی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ یہ شخص قابل اعتبار ہے اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں خصوصاً اس امر میں تم کو بہت ہی محتاط کہا ہے جس کی میں نے تجویز کی ہے۔ اس لیے کہ تم نے زمانہ کا بہت کچھ گرم و سرد دیکھا ہے اور ہمیشہ اپنی تدابیر لائقہ اور چارہ گری میں تم کامیاب اور بارآور رہے ہو اگر کوئی مآل اندیشی اور رازداری کا کام تمھیں سپرد کیا جائے گا اس کو تم بڑی قابلیت اور اس لیاقت سے انجام دو گے جس لیاقت اور قابلیت کی اس میں حاجت ہو گی۔ جوں جوں وہ میری تعریف بیان کرتا تھا میں بار بار اپنی کمر کو خم کر کے سر اس کے آگے جھکا دیتا تھا اور اس کے آگے دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھتے ہوئے اس طرح سے باادب بیٹھا ہوا تھا کہ میرے ہاتھ آستینوں کے کناروں سے ڈھکے ہوئے تھے نہ صرف ہاتھ ہی بلکہ میرے پیر بھی جامہ سے پوشیدہ تھے اس کے بعد وہ بوڑھا حکیم یہ گویا ہوا۔ ”مجھے تم جیسے شخص کی ٹھیک اس موقع کے لیے حاجت ہوئی ہے اور جب مجھے اپنے دوست عسکر کی سفارش پر بہت بھروسہ اور اطمینان ہے تو میں چاہتا ہوں کہ تمھیں تمھارے کاموں میں ایک لائق اور قابل شخص بنا دوں جس قدر کہ میری آرزوئیں اور امیدیں ہیں اگر ان کے موافق تم کامیاب ہو گے تو تم اس بات کا یقین کامل کرو کہ یہ تمھارے لیے از حد بہتر ہو گا اور پھر میں بھی تمھاری خدمات لائقہ سے پہلو تہی نہیں کرنے کا اور ان کا مجھے برابر خیال رہے گا پھر حکیم نے اور بھی اپنے پاس بلایا اور ایک نہایت ہی دبی اور رازداری کی آواز میں مجھ سے کہا۔ حاجی تمھیں اس امر سے واقف ہونا چاہیے کہ ایک فرانسیسی کچھ عرصہ گزرا دربار میں آیا ہے اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی وہیں کا ہے۔ اس کافر ڈاکٹر نے یہاں بہت

کچھ ناموری اور شہرت پیدا کر لی ہے۔ یہ اپنے مریضوں کا اس طریقہ سے علاج کرتا ہے کہ جو ہمارے آگے بالکل نیا ہے اور وہ اپنے ہمراہ ایک صندوق دوائیات کا رکھتا ہے جن کا نام بھی ہم نہیں جانتے۔

یہ ڈاکٹر بہت سی ایسی اشیا کے علم کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے جن کو ہم نے تو کبھی فارس میں نہیں سنا۔ یہ فرانسیسی گرم و سرد امراض میں کوئی فرق ہی نہیں کرتا اور نہ ٹھنڈے اور گرم معالجہ میں غیریت تصور کرتا ہے جیسا کہ جالینوس اور ابن سینا نے برابر اپنی کتابوں اور تجارب میں کیا ہے۔ پیٹ میں اپنا تیز آلہ بھونکتا ہے کہ معدے میں ہوا پہنچے اور یہ دعویٰ بھی ہے کہ میں چیچک کا مرض برابر اچھا کر سکتا ہوں اور یہ سب میں ہی برا اور بدنام ہے کہ ہماری سرشت میں خاص ایک خلاصہ اور جوہر کسی شے کا منسلک کر دیتا ہے جس کا عمل الحال ان کے فلسفیوں میں سے ایک فلسفی نے کیا ہے۔ مگر اب یہ کبھی نہ ہو گا حاجی چیچک ہمیشہ میرے لیے ایک اطمینان بخش سلسلہ آمدنی کا ہے۔ بھلا تم خیال کرو میں اسے کیونکر ضائع کر دوں۔ ایک کافر تو یہ پسند کرتا ہے کہ یہاں آئے اور ہمیں مویشیوں کی طرح ہانکے بھلا ہم کیونکر اسے اجازت دے سکتے ہیں کہ ہمارے منہ میں سے وہ روٹی چھین کر چلتا بنے۔ لیکن وہ سبب اور وجہ جس کے باعث میں تمھاری مدد کا طلبگار ہوں یہ ہے کہ دو دن ہوئے کہ وزیر اعظم اپنے معمول سے زیادہ خوراک کھانے کے سبب سے مریض ہو گیا تھا اور بہت بے آرام تھا۔ کمبخت کچا کاہو اور کھیرا سرکہ میں ڈبو کر اور کھانڈ ملا کر چٹ کر گیا تھا۔ اس امر کی بھنک فرانسیسی ایلچی کے کان میں پہنچی کیونکہ اس کھانا کھانے کے وقت وہ بھی موجود تھا اس نے فوراً اپنے ڈاکٹر کو وہاں بلا بھیجا کہ وزیر صاحب کا جا کر علاج کرے اور اس نے وزیر صاحب سے یہ درخواست کی ہے کہ آپ اس ڈاکٹر کو علاج کی اجازت دیں گے یقین ہے کہ بہت جلد آپ کو صحت کلی ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وزیر اعظم اور فرانسیسی ایلچی کی باہم چپقلش ہو گئی تھی۔ موخر الذکر یعنی ایلچی نے یہ چاہا تھا کہ چند تجاویز ملکی معاملات میں میرے لیے جائز اور روا رکھی جائیں مگر وزیر اعظم نے صرف منفعت فارس کے لیے اس سے انکار کر دیا تھا۔ چونکہ یہ موقع وزیر نے ایلچی سے ملنساری کرنے کا خلاصہ دیکھ لیا ہے کیونکہ اس سے مصالحت باہمی بھی ہو جائے گی اس لیے اس نے مجبوراً ڈاکٹر کی خدمات کو قبول کیا یعنی اس کو اپنا معالج بنایا۔ کاش اگر مجھے پہلے سے خبر ہو جاتی تو میں ضرور اس معاملہ میں قدم آگے بڑھاتا لیکن ڈاکٹر نے دوائی کے استعمال کرانے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کو دوائی کیا دی ہے صرف بدمزا ایک سفید چھوٹی گولی دی ہے۔ اگر کل پہلوؤں سے خیال کیا جائے تو سوا بدقسمتی کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ گولی نے

کیسا اچنبھے کا اثر کیا ہے اور یہ گولی بجائے خود ایک نادر الوجود ثابت ہوئی۔ وزیر اعظم کو ایسی شفاء کلی میسر ہوئی کہ وہ سوا اس کے کچھ کہتا ہی نہیں کہ "مجھے یہ گولی ایسی معلوم ہوئی گویا میری انگلیوں کی نوکوں سے نمی کھینچ لی" اور اب وہ کچھ ایسا تندرست اور قوی ہو گیا ہے کہ وہ خود اپنے بڑھاپے پر ہنستا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میری بیویوں کو میری اس قوت وطاقت وصحت جسمانی کی مبارکباد دو لیکن یہ نقصان یہیں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے اور بھی آگے بڑھ کر سانس لیا ہے۔ یعنی اس گولی اور اس فرانسیسی ڈاکٹر کی شہرت تمام دربار میں پھیل گئی اور پہلی بات یہ ہے کہ خود شاہ نے اسی ڈاکٹر کو صبح کو سلام کہلا بھیجا ہے اس کو گویا گولی کی کرامت واعجاز تصور کرنا چاہیے شاہ نے وزیر اعظم کو بلایا کہ تمام کیفیت مرض وعلاج کی بیان کرے جب اس نے بیان کی تو تمام دربار میں خوب خوب آفرین ہوئی۔ پھر شاہ میری طرف متوجہ ہوا اور ارشاد کیا۔ حکیم صاحب اس کا آپ سبب بیان کریں کہ کیا وجہ ہوئی جو اتنی سی شے نے اتنا بڑا اثر کیا اور ایسی کارگر ہوئی اس وقت میں یہ جواب دینے کو مجبور ہوا۔ جھک کر اور زمین خدمت بوسید کا مضمون ادا کر کے۔ اے شاہ شاہان میں نے اب تک وہ دوائی ملاحظہ نہیں کی جو کافر ڈاکٹر نے آپ کے وزیر اعظم کو دی ہے لیکن ہاں میں اسے دیکھتے ہی بتا دوں گا کہ اس میں کیا کیا چیز ملی ہوئی ہے۔ اس وقت آپ کا غلام اے مرکز مخلوق یہ التماس کرتا ہے کہ آپ اس امر کو بخوبی یاد فرمالیں کہ اس موقع پر اس کام کا خاص وہ شخص ہے جو کہ اسلام کا دشمن ہے اور اس کے دماغ میں کفر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس لیے وہ کافر کے ہاتھوں میں ایک آلہ ہے اور ایسا شخص جو تمام معاملات میں قضا وقدر سے انکار کرے پھر بھلا اس کا کیا ٹھکانا۔ یہ کہہ کر میں نے یہ تردد کیا کہ یہ امر کیونکر معلوم ہو کہ وہ کافر اس گولی میں کیا کیا دوا ملا کر استعمال کرتا ہے جو کرامت واعجاز کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مجھے اپنی ٹوپی بھی تو سنبھالنی ہوئی اور میں نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ معاملہ نہیں ہوا تو بنی بات بگڑ جائے گی اور عزت کرکری ہوئی کچھ بات ہی نہیں ہے۔ تم بڑے ہی موقع پر آئے ہو تم سے مجھے مدد ملے گی۔ تم کو ابھی اس سے واقف ہو جانا چاہیے اور جس طرح سے ممکن ہو یہ ساری باتیں اس کے دماغ سے نکال لاؤ۔ لیکن چونکہ مجھے ابھی اس گولی کا ایک نمونہ لینا ہے جو اس نے وزیر اعظم کو دی تھی اس لیے کہ کل وہی گولی شاہ کی خدمت میں پیش کرنی ہے تو اب تم یہ کام کرو اور یہی میری خدمات کی ابتدا سمجھو کہ تم بھی وہ کاہو اور کھیرے وغیرہ کو سرکہ میں شکر ملا کر چٹ کر جاؤ اور اسی طرح سے مریض ہو جاؤ کہ جیسے ہز ہائینس وزیر ہوا تھا۔ تم یہ ساری کیفیت فرانسیسی ڈاکٹر سے کہنا یقیناً وہ تمھیں وہی گولی دے گا جسے تم مجھے دے دینا۔

میں (یعنی حاجی بابا)۔ پہلے ہی اس معاملہ میں خوفزدہ ہوکر۔ میں تو اسے جانتا ہی نہیں اس کے آگے اپنے کو پیش کیونکر کر سکوں گا۔

ایسی ایسی نادر الوجود کہانیاں یورپینوں کی نسبت بیان ہوئی ہیں کہ میں خود حیران ہوں کہ ان سے کیونکر پیش آتے ہیں۔ خدا کے لیے آپ اس امر میں مجھے تعلیم کیجیے اور ان کی ملاقات کی ساری اونچ نیچ بتا دیجیے۔

میرزا احمق۔ یہ بیشک درست ہے کہ ان کی تمام عادتیں اور طریق ہم لوگوں سے بالکل مناسبت نہیں رکھتے۔ اچھا ان کی نسبت میں چند باتیں بیان کرتا ہوں ان کا تمھیں خیال کر لینا چاہیے۔ ہم اپنے سروں کی حجامت بنواتے ہیں اور داڑھیوں کو بڑھاتے ہیں یوروپین اس کے بالکل خلاف کرتے ہیں۔ یعنی ان کی تھوڑی پر بالوں کا کچھ یوں ہی سا نشان باقی رہتا ہے (داڑھی کیا گاجر کی پینڈی شکل دکھائی دیتی ہے) اور ان کے سر کے بال ان کے سروں پر ایسے گنجان کثرت سے ہوتے ہیں کہ گویا ان کا یہ عہد دینی ہے کہ انھیں کبھی نہ کٹوائیں۔ وہ پلیٹ فارم پر بیٹھتے ہیں۔ ہم زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہیں۔ وہ چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں ہم ہاتھوں سے تناول کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ادھر ادھر چہل قدمی کرتے پھرتے ہیں۔ ہم بیٹھے رہتے ہیں وہ بڑے مضبوط کپڑے پہنتے ہیں مگر ہم ایسے نہیں زیب تن کرتے وہ بائیں جانب سے دائیں کی طرف لکھتے ہیں۔ ہم دائیں سے بائیں کی جانب وہ کبھی نہیں خدا کی عبادت کرتے اور ہم دن میں پانچ وقت کرتے ہیں۔ غرض اس کی انتہا ہی نہیں کہ ان کے طرز معاشرت کے طرق کہاں تک ہیں۔ لیکن حق اور نفس الحق یہ امر ہے کہ یہ لوگ دنیا میں نہایت درجہ کے ناپاک ہیں۔ اس لیے کہ وہ کسی شے کو نجس اور حرام ہی تصور نہیں کرتے۔ وہ سب قسم کے جانور کھاتے ہیں۔ سور سے لے کر کچھوے تک چھوڑتے ہی نہیں۔ اور بلا وسواس کے سب کو چکھ جاتے ہیں۔ ہر چہ آید دھر گھسیٹ مضمون ان کو بہت ہی رواں ہے۔ یہ بھی تو نہیں کرتے کہ پہلے اس کا گلہ کاٹ ڈالیں نہیں بلکہ مردہ جسم کو چٹ کرتے ہیں اور نہ انھیں ان کی صفائی غیر صفائی سے غرض ہے غرض جو کچھ ان کی باتیں ہیں سب ناشائستہ اور لغو ہیں یہ کبھی نہیں کرتے کہ گرم حمام میں جائیں اور کھلی سے خوب مل کر نہائیں۔

میں۔ جناب حکیم صاحب کیا یہ امر سچ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی مغلوب الغضب ہوتے ہیں اگر ان کی کسی بات میں شبہہ آ کے واقع ہو اور ان کو جھوٹا کہا جائے تو یہ اس قدر برانگیختہ ہو کر جنگ کرتے ہیں کہ جب تک اسے یا اپنے کو ہلاک نہیں کر ڈالتے ہر گز باز نہیں آتے۔

مرزا احمق۔ ہاں یہ بھی ان کی نسبت بیان ہوتا ہے لیکن مجھے اب تک اس قسم کا کوئی معاملہ آکر نہیں واقع ہوا۔ مگر ہاں ایک بات میں تمھیں بتائے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب وہ تمھاری کسی چیز کی تعریف کریں تو تم ہر گز ان کو اس تعریف کا وہ جواب نہ دو جو ہم لوگ باہم دیتے ہیں۔ جیسے یہ آپ ہی کی نذر ہے یہ آپ کا ہی مال ہے۔ اور اگر شاید انھوں وہ چیز لے لی تو پھر اس وقت بڑی دشواری ہوگی اور تم نے تو صرف ایک جھوٹی صلاح کی تھی وہاں وہ چیز ہاتھ سے نکل گئی غرض نہایت تلی ہوئی زبان میں ان سے اس قسم کی باتیں کرنی چاہیں جن کو وہ پسند کریں۔

میں۔ حضرت اگر یہی بات ہے تو مجھے اور بھی زیادہ خدشہ ہوا۔ بھلا جب میں بناوٹی بیمار بنوں گا اور اس سے جا کر کہوں گا کہ میں بیمار ہوں تو وہ کب اسے سچ سمجھے گا اور مجھے مریض سمجھ کر وہ کب اپنی دوائی دینے لگا اسے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ دوسرے کے لیے مانگتا ہے بس یہی غضب ہے۔

مرزا احمق۔ نہیں نہیں تم بیمار ہو جاؤ اور واقعی بیمار ہو جاؤ بس پھر کیا جھوٹ ہوگا۔ اے میرے دوست حاجی اب تم جاؤ۔ (میری گردن میں ہاتھ ڈال کے) جاؤ اور بہت جلد کھیرے وغیرہ کا استعمال کرو اور اسی شام کو مجھے گولی لا دو۔ مجھے بہت کچھ دم دلاسا دیا اور مجھے روکا کہ بس اب میری اس غیر مترتب درخواست پر کوئی اعتراض نہ کرے اس نے نہایت ہی مہربانی سے مجھے کمرے کے باہر کیا۔ غرض میں اس کے پاس سے روانہ ہوا۔ مجھے اس امر کا اصلاً علم نہیں تھا کہ آیا میری اس نئی وضع پر کچھ مذاق تو نہیں اڑے گا یا واقعی یہ بات کیا ہے۔ بغیر کسی قول و اقرار بغیر کسی وجہ کے مریض بن جانا بھلا اس کو میں کیوں کر قبول کرتا یہ بھی ایک عجیب بات تھی۔ میں پھر اپنے مربی سے معاملہ کرنے کے لیے اس کے کمرے میں واپس پھر کر آیا۔ لیکن اب یہاں اس کا پتہ بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوا وہ اپنی حرم سرا میں چل دیے آخر میں مجبوراً واپس پھرا اور اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ اپنے مقصود پر کامیاب ہو جاؤں۔

بیسواں باب

حاجی بابا کا اپنے مطلب پر کامیاب ہونا

اب مجھے یہ دھن لگی کہ ایلچی کے مکان پر چلنا چاہیے۔ میں یہ خیال کر کے پوچھتا پوچھتا روانہ ہوا۔ اب میں نے اپنے دل میں یہ خیال پکانا شروع کیا کہ حکیم کی بجا آوری حکم کی تعمیل ہو تو کیونکر ہو۔ بھلا یہ امر ایک خیال کرنے کے قابل تھا کہ درد شکم کوئی فروختنی یا خریدنی شے تو تھی نہیں کہ دم بھر میں بازار سے خرید لی جاتی۔ اگرچہ اس کاہو اور کھیرے نے بوڑھے وزیر کے پیٹ میں درد کیا۔ اور اسے یہ بادی چیزیں ہضم نہ ہوئیں تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مجھ جیسے جوان کے پیٹ میں بھی وہ خلل کرتیں۔ اور پھر یہ بھی ایک تعجب کی بات تھی کہ یکایک پیٹ میں کھاتے ہی سڑک پر خلل کیونکر ہونے لگتا۔ یہاں بڑا ہی قافیہ تنگ تھا۔ مگر میں نے سوچ لیا کہ کسی عمدہ تدبیر سے گولی کو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ ترکیب جو مرزا احمق نے بتائی ہے محض احمقانہ ہے۔ مجھے یہ خیال آیا کہ حاجی تو نے فریب کیا اور وہاں جا کر یہ کہا کہ میں بیمار ہوں اور واقعی بیمار و بیماری کا پتہ بھی نہیں ہے اور وہ تشخیص سے پہچان لے گا تو ایسا نہ ہو کہ مجھے فریبی سمجھ کے اپنے گھر سے نکال باہر کرے۔ خیر اس وقت یہ تدبیر ذہن نشین ہوئی کہ میں اس سے جا کر یہ کہوں کہ میں شاہی حرم سرا کا ملازم ہوں۔ میری بیگم صاحبہ کو یہ مرض ہو گیا ہے۔ تو لا محالہ میں اپنے ارادہ پر کامیاب ہو جاؤں گا اور وہ مجھے گولی دے دے گا۔

یہ منصوبہ دل میں گانٹھ کے میں بازار میں ایک پرانے کپڑے فروش کی دکان پر گیا اور چغہ اپنے لیے کاتبوں کے پہننے کا کرایہ پر لیا اور بجائے کٹار کے کمر میں ایک بستہ کاغذوں کا لپیٹا۔ تاکہ معلوم ہو کہ میں کوئی عام خادموں میں سے نہیں ہوں۔

مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ ایلچی فلاں مقام پر رہتا ہے۔ جو کچھ مرزا احمق نے مجھے تلقین کیا تھا اس کو اپنے دماغ میں جما کر ڈرتا ڈرتا اور سوچتا سوچتا میں ڈاکٹر کی جائے قیام پر گیا۔ میں نے دیکھا کہ دو طرفہ درخت والے راستہ پر صدہا عورتیں اپنے معصوم پیارے پیارے بچوں گودیوں میں لیے کھڑی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ یہ عورتیں صرف

چیچک کی مجرب دوائی کی خبر سن کر یہاں اپنے بچوں کو لے کر آئی ہیں۔ کچھ ملکی معاملات کے اسباب سے فرانسیسی اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے کچھ ترقی ہو چونکہ ڈاکٹر اپنا عمل مفت کرتا تھا اس لیے مریضوں کی بھی کمی نہ تھی ۔ خصوصاً فرقہء غربا کے جو ایک دیسی طبیب کو بھی نہیں بلا سکتے کیونکہ یا تو انھیں کچھ نذرانہ طبیب صاحب کے بھیٹ چڑھانا پڑے اور یا فیس دینی پڑے۔ اور طبیب صاحب ہیں کہ بغیر ان دونوں کے کہیں براجتے ہی نہیں۔

جب میں اندر گیا تو میں نے ایک شخص کو کمرے کے بیچ میں بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے قریب ایک بلند لکڑی کی میز رکھی ہوئی تھی اس پر بکس۔ کتابیں۔ آلے۔ اوزار کثرت سے چنے ہوئے تھے جن کے استعمال سے میں محض نابلد تھا۔ وہ شخص ایک عجیب و غریب پوشاک میں جیسے کہ نصاریٰ پہنا کرتے ہیں اور جن کو میں نے ہمیشہ اسی وضع میں دیکھا ہے جلوہ فزا تھا۔ اس کی ٹھوڑی اور لبوں پر بالوں کا نشان تک نہیں تھا۔ جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں بالکل ایک ہیجڑے کی صورت تھا۔ اس نے اپنے سر کو بے محابا کھول رکھا تھا۔ اس کی گردن میں ایک سخت و کرخت پٹی (کالر) لپٹی ہوئی تھی۔ اور اسی قسم کی دوسری جوڑ توڑ کی چیزیں اس کی گردن میں کلوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو کوئی مرض ہے یا کوئی زخم لگا ہے جس کو یہ چھپاتا ہے اس کے کپڑے اس کے جسم پر ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ اس کا باہر والا کوٹ خصوصاً اسی زاویہ نما شکل کا بنا ہوا تھا کہ یہ ایک امر بدیہی تھا کہ اس قسم کے کپڑے نہایت ہی کمیاب اور عنقا صفت ایران میں معلوم ہوتے تھے۔ اس کی پوشاک کا نیچے کا حصہ خصوصاً بہت ہی غیر واجب تھا۔ کیونکہ جو دری یا چادر غالیچہ اس کے کمرے میں بچھا ہوا تھا اس پر وہ بوٹ ہی پہن کر بیٹھا ہوا تھا۔ بس اس نے آدمیت اور بھلمنسی کا خون کر رکھا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ ہماری زبان بھی بولتا ہے کیونکہ جونہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا چاہیے۔ اور پھر اس نے فوراً ہی کہا صباح بخیر۔ یہ ایک ایسا صریحی مسئلہ تھا کہ میں نے اسے بدل پسند کیا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اس سے کچھ اچھی اچھی باتیں کرنی چاہیں اور کچھ اس کی مدح سرائی بھی کرنی ضرور ہے کہ آپ کی قابلیتیں اور لیاقتیں ایسی ہیں۔ پہلے تو میں نے یہ کہا کہ فارس میں آپ کی بڑی ناموری اور شہرت ہو رہی ہے بھلا لقمان کی آپ کے آگے کیا اصل ہے اگر آپ کی دانش و عقل کو اس سے مقابلہ کیا جائے تو توبہ توبہ بس یہی کہنا لازم آئے گا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور دیسی اطبا آپ کے ہمعصر یہ توسب آپ کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ ان سب باتوں کا اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے اس سے یہ کہا کہ خود شاہ نے آپ کی دوا کے اثر کو سنا ہے جو آپ نے وزیر اعظم کو عطا فرمائی تھی اور اس نے یہ امر سن کر اپنے مورخوں کو حکم دیا ہے کہ وہ واقعات کی سر گذشت میں اس عجیب و غریب واقعہ کو بھی قلمبند کریں کہ صرف ایک گولی نے آناًفاناً مریض کو اچھا کر دیا۔ گویا اس کی سلطنت کے ایک نادر واقعوں میں سے یہ واقعہ ہے کہ آپ کی اس زود اثر دوائی کا شہرہ شاہی محل سرا میں بھی پہنچا ہے اور وہاں کئی بیگمیں مریض ہو گئی ہیں اب وہ چاہتی ہیں کہ اس دوا کا استعمال کریں شاہ کی بہت پیاری لونڈی جار جیئن اس وقت بہت ہی تکلیف میں ہے مجھ کو شاہ کے حکم سے خوجوں کے سردار نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ وہی دوائی عنایت فرمائیں جو آپ نے وزیر اعظم کو دی تھی۔ خاص اسی دوا کے حصول کے لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔

ڈاکٹر (سر بگریبان ہو کے کچھ دیر تامل کر کے) میرا یہ طریقہ نہیں ہے کہ میں اپنے مریض کو بغیر ایک نگاہ دیکھے دوائی دے دوں اس لیے اگر بغیر دیکھے میں دوائی دے دوں تو اس سے غالباً نقصان ہو گا۔ اگر مجھے معلوم ہو گا کہ شاہی حرم میں میری مدد و معاونت کی خواستگاری ہے تو میں بہت خوشی سے چلنے کو موجود ہوں۔

میں۔ فارس میں یہ دستور نہیں ہے کہ حرم کا یا جار جیئن لونڈی کا چہرہ بغیر اس کے خاوند کے کوئی دیکھ سکے۔ اگر بہت ہی ضرورت پڑتی ہے کہ بغیر حکیم کے چارا ہی نہ ہو سکے تو طبیب بلایا جاتا ہے مگر اس عورت کے ہاتھ پر کپڑا یا برقع پڑا رہتا ہے جب طبیب نبض دیکھتا ہے۔

ڈاکٹر۔ لیکن میں جب علاج کرتا ہوں تو نہ صرف نبض ہی پر قناعت کرتا ہوں بلکہ مریض کی زبان بھی دیکھتا ہوں۔

میں۔ زبان کا دیکھنا فارس میں بالکل ایک نئی بات ہے اور مجھے اس کا یقین ہے کہ جب تک شاہ کا خاص حکم نہ ہو آپ حرم سرا میں تو یہ نہیں کر سکتے کہ کسی حرم کی زبان کو دیکھیں۔

ڈاکٹر۔ بہت خوب اگر میں آپ کو اپنی دوائی دوں تو اس امر میں میں ذمہ داری نہیں لیتا اگر اسے صحت نہ کی اور مار ڈالا تو اس کا جواب دہ میں نہیں ہوں گا۔

خیر جب میں نے اسے یقین دلایا کہ آپ کو کوئی نقصان اور کسی قسم کی کوئی بات عائد نہ ہو گی تو اس نے ایک بڑا صندوق کھولا جس میں دوائیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس میں سے اس نے ایک سفید پاؤڈر لی اور اس کو ایک روٹی کے

ٹکڑے کے ساتھ ملاملو کر ایک گولی کی صورت میں بنادی اور کاغذ میں لپیٹ کر مجھے دی اور اس کا استعمال بتا دیا کہ یوں دینا اور یوں کرنا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اپنے علم اور بھید کو پوشیدہ نہیں کیا تو میں نے اس سے اس دوائی کی فطرت اور خاصیت اور اس کے عمل کی کیفیت غرض سب باتیں اس سے دریافت کر لیں۔ اس نے بغیر کسی حجاب اور دوراندیشی کے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اس نے ہمارے ایرانی اطبا کے موافق نہیں بیان کیا کہ جو بڑے لمبے چوڑے اور فوق البھڑک الفاظ میں کسی بات کو بیان کرتے ہیں۔ اور جو اپنے اس مریض کو جو ان کے آگے علاج کے لیے آتا ہے صرف ابو علی سینا وغیرہ کی تحریر پر عملدرآمد کرتے ہیں۔

جب سب باتیں میں نے خوب سمجھ لیں اور جہاں تک ممکن ہوا ان کی تحقیق و تفتیش میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تو میں اس ڈاکٹر کے پاس سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے آقا نامدار مرزا احمق کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ بے شبہہ مرزا احمق نہایت اضطراب میں میرے منتظر تھے میں نے اپنا وہ منشیانہ یا کاتبانہ مانگا ہوا چغہ اتار ڈالا اور اپنے اصلی کپڑے پہن لیے۔ اور اب میں مرزا احمق کے سامنے ایسی بری صورت بنا کے آیا جو اس موقع کے لیے زیبا تھی۔ اس لیے کہ میری یہ خواہش تھی کہ اسے اس امر کا یقین آجائے کہ اس نے کاہو اور کھیرا کھا کر واقعی اپنے کو مریض بنالیا ہے اور صرف اسی مرض کے صدقہ میں یہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کامیاب ہوا ہے۔ میں اپنی ایک ایک بات میں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کچھ ایسا پیچ و تاب کھا جاتا تھا گویا میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے اور میں نے بالکل اپنی صورت مریضوں کی سی بنائی تھی۔ میری اس حالت نے مرزا کی کرخت اور ناملائم طبیعت کو رحم کی طرف پھیرا۔

جونہی میں نے اس کے کمرے میں قدم رکھا میں نے کہا لیجیے حضور آپ اپنی مطلوبہ چیز کو تھامیے۔ اور پھر میں دوہرا ہو گیا اور چہرے پر کچھ ایسی کشیدگی سے رویا کہ ایک تہلکہ مچ گیا۔ دیکھیے میں نے آپ کے حکم کی بجا آوری کر دی ہے اور اب میں نے صرف اپنے کو آپ کی فیاضی اور عالی ہمی کر ڈال دیا ہے۔ اس نے چاہا کہ مجھ سے اس کی کچھ کیفیت دریافت کرے کہ تو نے یہ کیونکر لی اور کس طرح پہنچا۔ میں نے اصلی بات کو تو بالکل چھپایا جب میں نے اسے وہ گولی دی تو میں نے اس کے یہ ذہن نشین کر دیا کہ مجھے بہت بڑے صلہ کی امید ہے۔ میں نے اس قسم کا اشارہ کیا کہ گویا میں اس گولی کو درد کی شدت اور اضطرابی میں لگا تا ہوں تا کہ وہ کچھ تو اپنے ہاتھ کی چیز مجھے دے۔ مرزا احمق شاہ استفسار سوال سے جو اس نے گولی کے معاملے میں کیا تھا ایسا ڈرا ہوا تھا کہ اس نے اس گولی کو اپنے

قبضہ میں کر لیا۔ اور اس نے فی الواقع مجھے ایک سونے کا ٹکڑا ابھڑایا۔ جو کچھ صلہ مرزا احمق نے اس گولی کے بدلے مجھے عنایت فرمایا ان کی کبھی بھی کسی چہیتی بیوی کو کبھی حشر تک یہ نصیب نہ ہوا تھا کہ یہ اپنے ہاتھ سے کچھ دیتا۔ میں نے اپنا یہ فریب کچھ دیر گانٹھے رکھا اور میں نے ارادہ کیا کہ اس سے مرض کے زائل ہونے کے لیے کچھ اس میں ہی سے دوالوں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ بوڑھا اپنی دوائی خود میرے لیے تیار کر رہا ہے مگر یہ دوائی بہت دیر میں بنتی اور میں کہاں تک یہ فریب گانٹھے رکھتا۔ اچانک میں تندرست ہو ہوا کر اٹھ بیٹھا۔

فارغ البال ہوئے خوب فراغت پائی

جب مرزا احمق نے گولی کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو پہلے اسے بہت ہی شوق سے ملاحظہ کیا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کے اسے خوب خوب چاروں طرف سے پھرا پھرا کے دیکھا۔ لیکن ذرا بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا بلا ہے اور کس کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔ جب اس نے خوب سر پٹک لیا اور اس کی خاک سمجھ میں نہ آیا تو ناچار میں نے اس سے یہ کہا کہ جناب ڈاکٹر نے مجھے اس کی کیفیت سے آگاہ کر دیا کہ یہ سیماب کی بنی ہوئی ہے۔

مرزا احمق۔ اہا سیماب کی ہے جب ہی مجھے نہیں معلوم ہوا تھا۔ تو یہ کافر یہ عیسوی کیا ہمیں سیماب سے زہر دینا چاہتا ہے لیجیے میرا تمام دستور العمل اور شہرت اور ناموری مذاق ہی مذاق میں اڑ جاتی۔ کس نے سنا ہے کہ سیماب بھی دوائی ہوتی ہے۔ سیماب ٹھنڈھا ہے اور کاہو کھیرا ابھی خنک ہے آپ کبھی برف و خنکی کے رفع کرنے کے لیے برف ہی استعمال نہیں کریں گے۔ گدھا اپنے فن کا پہلا اصول بھی تو نہیں جانتا۔

چہ داند بوزنہ لذات درادرک

نہیں حاجی یہ کبھی نہیں ہوگا ہم ہرگز ان طرق میں اپنی داڑھیوں پر مضحکہ نہ اڑوائیں گے مرزا احمق اپنے رقیب کو بہت دیر تک برا بھلا کہتا رہا اور اس پر سخت لعن طعن بھیجتا رہا اور اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی دیر تک یوں اس کو گالیاں دیتا رہتا۔ مگر اتنے میں شاہ کا چوبدار آگیا کہ شاہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے کہ بہت جلد حاضر خدمت ہو۔ یہ سنتے ہی مرزا نے درباری کپڑے پہنے اپنی سیاہ بھیڑ کے چمڑے والی ٹوپی کو شال کے عمامہ سے بدلا۔ اور فوراً اپنی سرخ جرابیں پہنیں اور اپنا گھوڑا سواری کا منگایا۔ گولی کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بہت تیزی اور جلدی سے چلا۔ بڑا ہی خوفزدہ تھا کہ دیکھیے وہاں جا کے کیا نتیجہ پیدا ہوئے گا۔

اکیسواں باب

طبیب اور شاہ فارش

آخر شام کو طبیب کی ملاقات شاہ سے ہوئی جب میرزا احمق وہاں سے واپس آئے آتے ہی مجھے بلایا۔ میں نے اسے بڑی گھبراہٹ اور تشویش میں دیکھا جونہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی مجھے اپنے بہت پاس بٹھایا اور ہر متنفس کو کمرے کے باہر نکال کر مجھ سے کان میں یہ کہا کہ اس کافر ڈاکٹر کا کسی نہ کسی طرح سے بندوبست کرنا چاہیے۔ تم کیا خیال کرتے ہو کہ کیا واقع ہوا شاہ نے اس سے مشورہ لیا اور اس صبح کو کامل ایک گھنٹہ تک شاہ سے اس کے تخلیہ میں باتیں ہوتی رہیں۔ شاہ عالیجاہ نے اس کا نتیجہ مجھ سے بلا کر کہا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس فرانسیسی نے شاہ کے دل پر اپنا بہت کچھ اثر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نے اپنی تمام شکایتیں اس کے آگے بیان کیں۔ اپنے ضعف کا حال کہا اپنے پرانے مرض ضیق النفس کی کیفیت بیان کی اور کمی ہاضمہ کی بھی شکایت کی۔ اس کافر نے صرف نبض دیکھتے اور زبان پر ایک نگاہ ڈالتے ہی سب بیان کر دیا کہ آیا شاہ گرم میں حمام اکثر غسل فرماتے ہیں۔ اور آیا جب شاہ حقہ پیتے ہیں تو شاہ کو فوراً کھانسی کا تو اعادہ نہیں ہوتا۔ یا شاہ اپنی خوراک میں گوشت کے مربہ۔ مٹھائی۔ اور مکھن میں تیرتے ہوئے چانول تو نہیں استعمال کرتے تو شاہ نے اس ڈاکٹر کو تین دن کہ مہلت دی ہے کہ وہ اسمیں خوض و فکر کرے اور اپنی کتابوں میں دیکھے اور عقلائے فرانس کی آرائے کو اس معاملے میں مجتمع کرے کہ وہ خاص اس مرض میں کیا حکم کرتے ہیں اور پھر ایسی دوائی بنائی جائے کہ جس سے مجھے صحت کلی ہو جائے اور پھر اصلی حالت از سر نو اعادہ کر آئے۔

اس کے بعد شاہ عالیجاہ نے میری رائے دریافت کی اور مجھ سے کہا کہ تم بہت دلیری اور آزادی سے فرانسیسیوں کی فطرت خاصیت اور ان کی دوائیات کی پوری پوری ماہیت بیان کرو۔ یہ سنتے ہی میں نے ایک لمحہ بھی اپنی رائے دینے میں وقفہ نہیں کیا۔ میں نے اپنی معمولی تمہید کے بعد یہ عرض کیا کہ اگر ان کی فطرتوں کی نسبت حضور استفسار فرماتے ہیں تو خداوند نعمت اپنی عقل غامض میں یہ تصور فرمائیں کہ یہ کافر منکر اور ناپاک قوم ہے اس لیے

کہ یہ بغیر وسواس کے سور کا گوشت کھاتے ہیں اور شرابیں اڑاتے ہیں۔ صورت دیکھیے تو بالکل عورتیں معلوم ہوتے ہیں اور اپنے طرق میں بالکل ریچھ ہیں۔ ہر وقت ان پر بڑا ہی خیال رکھنا چاہیے کیونکہ آپ خود ملاحظہ فرما لیں کہ آخر انھوں نے ہند کے ساتھ کیا کیا سلطنت پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے شاہوں اور نوابوں کو اپنا عاجز خادم بنا لیا۔ اب آپ اگر ان کی دوائیات کی بابت مجھ سے سننا چاہتے ہیں تو آپ گوش گزار فرمائیں۔ اللہ ان سے خداوند نعمت کو محفوظ ہی رکھے ان کی دواؤں کے اثر ایسے ہی فریب دہ اور دغاباز ہیں جیسے فرانسیسی اپنے ملکی معاملات میں خائن اور دغاباز ہیں۔ وہ ہماری صحت ہی کرنے میں رہ جاتے ہیں اور ہم رخصت ہی ہو جاتے ہیں۔ ان کا خاص مصالحہ سیماب ہے دیکھیے یہ گولی موجود ہے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ اپنے آلے اور چاقو ایسے آزادی سے استعمال کرتے ہیں کہ دم بھر میں ایک شخص کی زندگی بچانے کے لیے عضو کے عضو اڑا دیتے ہیں۔ جس قدر کہ بیرونی طریقہء معالجہ سے اموات ہوئی تھیں سب کی تصویر میں نے شاہ کے آگے کھینچ دی۔ اور شاہ سے خوب تاکیداً کہہ دیا کہ جب تک اس میں خوب غور وخوض نہ کر لیے جائیں ہر گز حضور ان لوگوں کی کوئی دوا بھی استعمال نہ کریں۔ اس امر کو شاہ نے پسند کر لیا۔ اب جونہی ڈاکٹر شاہ کو وہ دوائی بھیجے گا جس کو وہ تیار کر رہا ہے تو میں ضرور اس کو دیکھنے کے لیے بلایا جاؤں گا۔

اب اے حاجی (طبیب کہتا ہے) شاہ کو ہر گز کافر کی حکمت سے تو مس ہی نہ کرنا چاہیے اور اگر کوئی موقع ہوا اور اس نے دوائی کھائی اور اس دوا نے کچھ فائدہ بھی کیا تو میں تو گیا گذرا ہو گیا بھلا پھر کون مرزا احمق سے بار بار صلاح و مشورہ لے گا۔ نہیں کوئی نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے موقع ہی کو نہ اڑا دیں۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی

ہم باہمی عہد کر کے جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ کافر ڈاکٹر باطل ہو جائے علیٰحدہ ہو جائے۔

تین دن کے بعد پھر مرزا احمق کو شاہ نے اس دوائی کے ملاحظہ کرنے کے لیے بلایا دوائی میں صرف گولیوں کی ایک ڈبیا تھی۔ دیکھتے ہی مرزا احمق نے صدہا شبہات اس کی تاثیر کے خلاف پیدا کیے۔ اور سیکڑوں اندھا دھند اشارے اور خوف دول خارجہ کے ایجنٹ کی دوائی کھانے میں شاہ کو دلائے۔ آخر الامر شاہ سے یہ کہا کہ آپ اس معاملے میں اپنے وزرا سے مشورہ فرمائیں۔ یہ کہہ کر مرزا احمق چلے آئے۔ دوسرے دن پبلک دربار میں جب شاہ تخت پر جلوہ افروز تھے اور ان کے چاروں طرف ان کے وزیر اعظم۔ وزیر خزانہ۔ وزیر معاملات اندرونی۔ سکرٹری

سلطنت لارڈ چیمبر لین۔(ناظر) داروغہ اصطبل۔ وزیر تقریبات۔ طبیب خاص۔ اور اسی طرح کے شاہ کے اور بڑے بڑے افسر دست بستہ حاضر خدمت تھے۔ اس موقع پر شاہ نے اپنے وزیر سے مخاطب ہو کر تمام اس معاملہ کو جو دول خارجہ کے طبیب سے ہوا تھا کہ وہ مرض شاہ کو صحت پذیر کر دے گا اور پھر شاہ کو اصلی حالت پر لے آئے گا فرمایا۔ اور کہا کہ اول ہی مکالمہ اور مشورے میں سابق الذکر طبیب نے بہت اچھی طرح سے مجھ دیکھ کر یہ تشخیص مرض کیا کہ مجھ میں علامت ضعف بہت ہے۔ دوسری دفعہ مجھے اس نے اس امر کا یقین دلایا کہ میں نے تین دن تک خوب غور و تامل کیا ہے۔ اور مختلف کتابوں میں سے دیکھ کر اور اس مرض میں اپنے ملک کے عقلا کی آرائے کو جمع کر کے میں نے کئی کئی قسم و خاصیت کی دوائیات سے ایک مرکب دوائی بنائی ہے کہ اگر اس کا استعمال کیا جائے تو یہ ایسے عجائب و غرائب اثر دکھلائے گی کہ جن اثروں کا کوئی تعویذ گنڈا وغیرہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد شاہ عالیجاہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حکیم باشی یا افسر الاطبا کو اپنے دربار میں بلایا تھا جس کو سلطنت فارس کی ترقی اور رفاہ کا بہت ہی تفکر رہتا ہے۔ اور وہ ایک رکن سلطنت ہے اس نے دول خارجہ کے لوگوں پر بہت ہی گہرا خوض و فکر کر کے ان شبہات پر جو اس کے دماغ میں آئے ہیں ان سے مخالفت کی ہے۔ اول یہ کہ آیا یہ ملکی معاملات ہیں تو اس سے کچھ برہمی نہیں پھیلے گی کہ دول خارجہ کے لوگ خاص شاہ کے اندرونی معاملے میں دخل اندازی کریں یعنی شاہ کا علاج ان کے ہاتھوں ہو۔ دوسرے وہ علاج اور ان کی تدبیر کچھ خوفناک اثر تو شاہ پر نہیں کرے گی جس کو شاہ نے اپنی صحت کے لیے اکسیر سمجھا ہے اور ان سے امید بہتری کی ہے۔

ان صورتوں میں مرکز مخلوق یعنی شاہ عالیجاہ نے یہ فرمایا۔ میں نے یہ مصلحت سمجھا کہ پیشتر اس کے کہ میں اس کام کو شروع کروں اور ان کو اپنا معالج بناؤں تم سے بھی اس میں رائے طلب کروں کہ تم سب باہم مل کے اپنی اجماعی عقول سے ایسی مستحکم رائے کا اظہار کرو کہ جو شاہوں کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوتی ہیں اور تم اس معاملے میں پورا پورا اپنے علم اور اپنی عقلوں سے کام لے کر مجھے بتاؤ کہ طریقہ احسن کون سا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اس معاملے کو اپنی اپنی ترازوئے عقل میں وزن کرے اور اس دوائی کے اثرات کو ملاحظہ کرے اس لیے کہ ہم سب یعنی تم اور میں پورے طور سے اس دوا کی ماہیت و کیفیت کو جانچ سکیں اور اس کے مختلف اسباب و نتائج بہمہ وجود دیکھ سکیں جب وزیر اعظم اور اراکین سلطنت نے شاہ کی یہ شفقت آمیز اور

محبتانہ اسپیچ سنی تو سب نے زمین خدمت ببوسید کا مضمون ادا کر کے دست بستہ یہ عرض کی۔ خداوند تعالیٰ حضور کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے۔ اے آباد باداز تو این بزمگاہ

مبادا تہی عالم از نام تو

ہمان جنبش دور ز آرام تو

خدا کرے شاہی پر تو یوں کا یوں ہی بنا رہے اس میں کسی قسم کی کمی آ کر واقع نہ ہو ہم سب نہ صرف اس علم حکمت کے حصول پر خوش ہیں جو ہمارے سینوں میں بھرا ہوا ہے بلکہ ہماری خوشی بہت بڑی یہ ہے کہ حضور انور کے سایہ ءعاطفت میں پرورش پاتے ہیں۔ خدا حضور خداوند نعمت کو صحت کلی عطا فرمائے اور عالیجاہ کے دشمن پائمال ہوں۔

تجھے اور تیرے دشمن کو سدا ہو اوج عالم میں

تجھے تخت خلافت پر اور اسے دار سیاست پر

پھر سب یک زبان ہو کر بولے

اے مہدی آخر زمان با آن کف دریافشان	آب سلاطین جہاں یا برد ہ ءیار یختہ
کلکت تباشیر ہنر دادہ باہل بحر و بر	تیغت تباشیر ظفر شرقاًو غرباًریختہ
لطفت بقہرت صنم شدہ وز چیز عالم شدہ	احراق دوزخ کم شدہ اوراق طوبیٰ ریختہ
قہرت چو شمشیر آختہ بر فرق چرخ انداختہ	سوزن ز تف بگداختہ از جیب عیسیٰ ریختہ

خواجہ سراؤں کے سردار کو حکم ہوا کہ حرم سرا میں سے ڈاکٹر کی گولیوں کا بکس حاضر کرے اس نے فوراً ایک سونے کی کشتی میں لا کر حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہ عالیجاہ نے حکیم باشی کو پاس آنے کا حکم دیا اور کہا یہ گولیوں کا بکس لے کے وزیر اعظم سے شروع کر اور چاروں طرف پھر پھر کے ایک ایک شخص کو کھلا تا کہ کھانے کے بعد ہر متنفس اس کے اثر کو ظاہر کرے۔

حکم ہوتے ہی یہ عملدر آمد ہو گیا ہر درباری نے گولی کو نگل لیا اور سب گردنیں نیچی کیے ہوئے کچھ دیر تک بے حس و حرکت رہے۔ شاہ کی ہر ایک کے چہرے پر برابر نظریں لڑ رہی تھیں کہ دیکھوں ان گولیوں کا کیا اثر ہویدا ہوتا ہے۔ جب امیٹھی ہوئی اور کشیدہ صورتیں اور بنے ہوئے منہ ڈھیلے پڑ گئے تو اب معاملات یورپ پر گفتگو شروع

ہوئی۔ شاہ عالی جاہ نے ہر شخص سے طرح طرح کے سوالات کیے اور ان کے جواب بھی اسی نوع سے ہر ہر شخص نے دیے جو وہاں حاضر تھا اور جس نے یہ گولی کھائی تھی۔

اب دوا نے رفتہ رفتہ اپنا اثر طبائع پر کرنا شروع کیا۔ وزیر خزانہ جو کہ ایک بے ڈول شخص تھا اور جو اس وقت ایک عالم سکتہ میں کھڑا ہوا تھا یہ کہنے لگا۔ بلے بلے۔ یعنی ہاں ہاں۔ اے شاہ عالیجاہ جب میں اپنا منہ کھولتا ہوں تو مجھے کچھ بے آرامی سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ گولی نگلتے ہی میری تمام شکایتیں جو خوابیدہ تھیں پھر بیدار ہو گئیں یعنی عود کر آئیں سب کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ جس سے اور بھی اس کی مضطرب حالت کو زیادتی ہوتی تھی۔ چیف سکریٹری کا یہ عالم تھا کہ اس کے ہر ہر مسام سے دریا بہہ رہے تھے۔ یہ عجیب لانبا اور دبلا پتلا شخص تھا بالکل سر اپے کا بانس معلوم ہوتا تھا چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ عنقریب اس کی آواز کی صدا اس کے چہرے اور حالت سے آنے والی تھی کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وزیر اعظم نے عالیجاہ شاہ کجکلاہ سے عرض کی کہ حضور اس کا ناخوش اور مریض چہرہ یہ استدعا کرتا ہے کہ اس حالت میں حضور اجازت دیں تو وہ اپنے گھر چلا جائے کیونکہ یہ حالت اس کی بہت خراب ہے۔ غرض سب لوگوں کی یہی حالت ہوئی۔ مگر وزیر اعظم نے جو اپنی فطرت میں بہت ہی سخت اور شدید مشہور تھا ذرا بھی گولی کے برے اثر کو نہ گردانا بلکہ ان لوگوں کی صورتیں دیکھ دیکھ کے جو اس تکلیف میں مبتلا تھے اور جن کا ناکوں میں دم ہو رہا تھا ہنس رہا تھا۔

جب شاہ کجکلاہ نے گولیوں کے اثر اور نتائج غور فرمائے تو دربار کو برخاست کیا اور مرزا احمق سے کہا کہ جہاں تک تم سے جلدی ممکن ہو ہر گولی کی تاریخ کی پوری پوری تنقیح کرو اور اس معاملے کی مجھے ایک خاص رپورٹ پیش کرو یہ کہہ کر پھر اپنی حرم سرا میں چلا گیا۔

یہ متفنی بوڑھا ڈاکٹر اس وقت اپنے رقیب کو اپنے قبضہ میں کر چکا تھا اس شخص نے بادشاہ کے آگے اس دوائی کے برے اثرات کو اس صفائی سے بیان کیا کہ آخر شاہ نے یہ قطعی ارادہ کر لیا کہ ہرگز دول خارجہ کے اطبا کی دوائیوں کا تجربہ نہ کیا جائے اور یہ تمام معالجہ کے خیالات نسیاً منسیاً کر دیے جائیں گے۔ جب اس کی دوبارہ مجھ سے ملاقات ہوئی تو وہ مجھے ایسا خوش و خرم دکھائی دیتا تھا کہ توبہ بھلی بشاشت اس کے چہرے سے غپاغپ برس رہی تھی۔ اس ملاقات سے پہلے دن اس نے اپنی تمام کاروائی سے مجھے آگاہ ہی کر دیا تھا۔ صورت دیکھتے ہی مجھ سے یہ کہنے لگا۔ اے میرے دوست حاجی ہم نے اپنے حریف پر فتح حاصل کر لی ہے کافرنے تو ہمیں بیوقوف ہی گردانا تھا لیکن ہم

اسے بتائیں گے کہ فارسی کیا چیز ہیں۔ وہ کون کتا ہے کہ شاہ شاہان اس کی عزت اور عظمت کرے۔ نہیں یہ عزت و توقیر مجھے زیبا ہے۔ ہم نئ تحقیقات اور ایجاد کو لے کر کیا چولہے میں ڈالیں ہمارے باپ دادا اپنی اسی طب پر عملدرآمد کرتے رہے ہیں۔ جن نسخوں اور دوائیوں نے کہ ہمارے بزرگوں کو شفا بخشی ہے وہی ہمیں شفا بخشیں گی۔ جو کچھ اصول کہ ابو علی سینا اور لقمان نے قائم کیے ہیں ہمیں ان پر مطمئن ہو کر ان کی تقلید کرنی چاہیے یہ کہہ کر اس نے مجھے رخصت کیا اور کہا کہ اگر نیا ڈاکٹر دربار میں کچھ رسائی پیدا کرے تو تمھیں چاہیے کہ وہ تدابیر عمل میں لاؤ کہ اس کے تمام اثرات اور رسائی خاک میں مل جائے جس سے کہ میری ناموری اور نیک نامی دربار میں پوری پوری ہو۔

بائیسواں باب

حاجی بابا کا ڈاکٹر سے اپنی تنخواہ طلب کرنا اور اس میں ناکام ہونا

اب میں نے اس بوڑھے طبیب کے ساتھ مثل دوستوں کے رہنا شروع کیا یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس کا نوکر ہے۔ کیونکہ اس نے مجھے اجازت دے دی تھی کہ ہر وقت میرے پاس بیٹھا رہا کر۔ میرے ساتھ کھانا کھایا کر۔ میرا حقہ پیا کر۔ اور اسی وقت میں میں اس کے ملازمین کے ساتھ بھی نشست و برخاست رکھتا تھا۔ ان کے ہمراہ کھانا کھانا حقہ پینا وغیرہ غرض سب کچھ ہوتا تھا۔ لیکن ایک دن میں نے خیال کیا کہ حاجی صرف روٹیوں پر پڑے رہنا اور پہلوئے مصاحبت گرم کرنا یہ تو کچھ عمدہ زندگی نہیں ہے۔ اب تک جو کچھ نقدی کی طرف سے جو طبیب نے مجھے دیا تھا وہی مذکورہ بالا اشرفی تھی جس کو گولی کا صلہ کہنا چاہیے پس یہی میری گرہ میں بندھی ہوئی تھی جس کو میں نے بہت احتیاط سے رکھا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس سے ضرور تنخواہ کی بابت کچھ ذکر کرنا چاہیے اور اپنی تکلیف کو جو اس گولی وغیرہ کے حصول میں پیش آئی تھی اس کو دہرانا چاہیے میں نے اس کے لیے وہ موقع تاکا جب وہ یوروپین پر فتح پانے سے چڑھے دموں یعنی خوش تھا اور پھولا نہ سماتا تھا۔

دربار شاہی سے شاہ کجکلاہ کو دیکھ کر وہ آیا ہی تھا۔ اور اپنی فتحمندی کے سبب سے مجھ پر بہت ہی مہربان تھا۔ اسی خوشی میں اپنے فوارہ کے پتھر کی طرف کامل دو گھنٹے برہنہ پا مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ عموماً ہمیشہ یونہی ننگے پاؤں کھڑا رہتا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارا شاہ بھی کیا ہی اچھا شاہ ہے۔ کیسا قابل اور خوش خلق ہے۔ بھائی حاجی۔ یہ تو محض ناممکن ہے کہ میں اس کی نوازشات کو بیان کر سکوں جو وہ مجھ پر کرتا ہے۔ وہ میری لیاقتوں اور قابلیتوں کے آگے ڈاکٹر کو محض طفل دبستان تسلیم کرتا ہے اور اسے سخت برا بھلا کہتا ہے اور اس نے یہ کہا کہ وہ ڈاکٹر اے میرے معزز طبیب تیری جوتیاں اٹھانے کے بھی لائق نہیں ہے۔ اس نے پھر اپنے پیارے دوڑتے ہوئے پیدل سے وہ تیتر لوے وغیرہ منگا کر مجھے دیے جو شاہی باز نے شکار کیے تھے۔

میں۔ (یعنی حاجی بابا) واقعی شاہ درست ارشاد کرتے ہیں بھلا آج فارس میں آپ کا ثانی اور نظیر کون ہے۔

در صفحہ ءتصویر حلال است مثالت

در پر دہ ءتقدیر محال است نظیرت

شاہ بہت ہی خوش قسمت ہے کہ آپ جیسا طبیب حاذق ان کے ہاتھ لگا ہے فرانسیسی چیز ہی کیا ہیں جو دوائیات کی بابت کچھ زبان سے نکال سکیں۔ استغفر اللہ لاحول و لا قوۃ۔ توبہ توبہ اگر انھیں علوم متعارفہ۔ فنون مروجہ۔ سائنس غرض جو کچھ سیکھنا ہے تو وہ مرزا احمق صاحب کے آگے زانوئے شاگردی تہ کریں حضرت کیا یہ غلط ہو سکتا ہے۔

سالہا غوطہ بخوناب جگر باید خورد

تاز دل یک نفس معتدل آید بیرون

یہ سن کر ذرا اپنے تملق اور خوشامد سے مسکرایا۔ اور اسی خوشی میں جو قلیان پی رہا تھا اس نے اپنے منہ میں سے نکال کر مجھے دی اور پھر اپنی ذرا مونچھوں کو تاؤ دیا اور داڑھی پھڑ کائی پھر میں نے کہا۔ انشاءاللہ۔ کاش وہ دن مجھے بھی نصیب ہو کہ میں بھی آپ کی ناموری اور شہرت میں سے کچھ حصہ لوں۔ لیکن میں تو ایک کتا ہوں۔ میری حقیقت ہی کیا ہے میں اس مٹی سے بھی تو ہمسری نہیں کر سکتا جو صرف گلاب کے پھول کی ہمراہی سے خوشبودار اور معطر ہو جاتی ہے۔

انسان بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

طبیب۔ کیوں کیوں تم شکستہ دل کیوں ہوتے ہو۔

میں۔ ایک کہانی دہرا کے آپ ہی کو منصف بناؤں گا۔ اور پھر آپ ہی اس کو فیصلہ کریں گے ایک زمانہ میں ایک کتا تھا جو اپنی شباہت اور صورت میں بھیڑیا معلوم ہوتا تھا اس لیے بھیڑیے اسے اپنی سوسائٹی میں شامل کرتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور بھیڑ کو پھاڑ ڈالتا۔ غرض جو کام بھیڑیا کر سکتا ہے اور اس سے ممکن ہے وہ بلا تامل کرتا تھا۔ اسی وقت میں وہ اپنے بھائی یار دوستوں ساتھیوں کتوں کے پاس بھی رہتا تھا اور ان کی جماعتوں میں شریک ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ کتوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بھیڑیوں کے ساتھ مجلس گرم رکھتا ہے اور لطف یہ ہے کہ بھیڑیوں کو بھی یہ معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ کتا ہے اور بھیڑیا نہیں ہے۔ پھر انھوں نے اپنے دوائر میں اسے شامل نہ ہونے دیا تو اب یہ غریب اور مظلوم کتا دونوں جماعتوں کا گویا باعث رنج و الم ہونے لگا جب اس پر یہ صورت

گراں گذرنے لگی اور وہ اس غیر مشخص حالت کو برداشت نہ کر سکا تو اس نے اس فیصلہ کے لیے جہد بلیغ کی کہ کیا تو میں کتا ہی بن جاؤں اور یا بھیڑیا ہو جاؤں کہیں پاپ تو کٹے۔ میں نے طبیب سے کہا حضرت میں کتا ہوں آپ مجھ سے کہیں برتر اور بزرگ ہو کے اپنے ساتھ حقہ پینے۔ اور اٹھنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور مجھ سے مشورہ لیتے ہیں اور میں آپ کے احبا کی جماعت میں بھی شریک ہوتا ہوں۔ لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ ہے اور یہ ساری باتیں مجھے کیا مستفید ہیں۔ میں اب بھی بغیر کسی منفعت اٹھانے کے آپ کا خادم ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں ملتا۔ تو میں آپ سے بصد لجاجت عرض رساں ہوں کہ آپ مجھے میرے قابل خدمات پر معین فرما دیجیے اور میری تنخواہ مقرر کر دیجیے۔

طبیب۔ تنخواہ واقعی میں نہیں دیا کرتا۔ میرے جس قدر ملازم ہیں وہ سب میرے مریضوں سے کچھ لے لیتے ہیں جو جس کی تقدیر کا ہے اسے پہنچ جاتا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو وہ سب میرے ہمراہ کھاتے ہیں اور مجھ سے نوروز کی تقریب میں ایک کوٹ لے لیتے ہیں پھر اس سے زیادہ انھیں کیا چاہیے۔ اتنے میں ایک پیادہ شاہ کے پاس سے ایک چاندی کے خوان میں دو تیتر رکھے ہوئے آیا۔ طبیب اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے ادب سے اس سے وہ سینی لی۔ اور یہ تین دعائیہ جملے کہے۔ اللہ کرے نوازشوں اور مہربانیوں میں کبھی بھی کمی آکر واقع نہ ہوے۔ خدا اس کی دولت کو بڑھائے۔ اور الٰہی وہ زمانہ غیر محدود تک زندہ سلامت رہے۔

طبیب نے پانچ روپیہ لانے والے کو انعام دیے اس نے ندامت آمیز صورت میں انھیں واپس کر دیا پھر طبیب نے ایک تمن بڑھا دیا وہ بھی اس نے نہیں لیا۔ دو تمن دیے وہ بھی واپس تین دیے وہ بھی نہیں قبول غرض بڑی جھک جھک اور تھکا فضیحتی کے بعد پانچ تمن پر فیصلہ ہوا۔ اس ناپسندیدہ صورت سے جس قدر خوشی وشی تھی سب کافور ہو گئی۔ شاہ نے تحفہ کیا بھیجا گویا جی کا جنجال بھیجا۔ طبیب کو اس قدر غصہ اور غیض آیا کہ طبیب آپے کے باہر ہو گیا اور شاہ کو وہ کلام ناشائشتہ سے یاد کیا کہ اگر اس کی رپورٹ شاہ سے کر دی جاتی تو میاں طبیب صاحب کی قلعی کھل جاتی اور پوری کان گوشی ہوتی طبیب کی وہ یہ باتیں ہیں اجی بس خدا بچائے ایسے تحفوں سے یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم شاہ کے ملازمین کو مزدوری بھی دیں جو واقعی غارتگر شیطانوں کا ایک گروہ ہے نہ انھیں شرم ہے نہ لحاظ ہے اور سب میں بڑی تو یہ بات ہے کہ جب ایسا کوئی موقع ہوتا ہے تو میں تو انھیں اچھی طرح سے بھرپور دے دیتا

ہوں۔ لیکن وہ ہیں کہ مجھ پر ظلم کیے جاتے ہیں اور میری اس صورت پر ذرا رحم نہیں کرتے واقعی سعدی نے بہت درست فرمایا ہے۔

''کہ تم شاہ کی دوستی پر ہرگز بھروسہ نہ کرو بلکہ اس کے مقابل میں بچہ کی آواز وفغاں پر بھروسہ کرو کیونکہ سابق الذکر کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ذرا ذرا سی بات پر بدلتا رہتا ہے کچھ بھی شبہہ ہو ابس مشتبہ کا فیصلہ ہے خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہو۔ بچہ اگر اپنا رونا یا آواز بدلے گا تو صرف شب ہی کو۔''

جب طبیب یہ بنکار چکا تو اسے بڑا خوف معلوم ہوا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے ایسا نہ ہو کہ بادشاہ تک اس کی خبر پہنچ جائے تو پھر غضب ہی برپا ہو جائے گا اور ایک آفت نازل ہو گی پس وہ خاموش ہو کر پانچ تمنوں پر بھی دم سادھ گیا اور پھر کچھ نہ کہا۔

میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ وقت موزوں نہیں ہے کہ میں اس سے اپنی تنخواہ کی بابت کچھ ذکر کروں اب اپنے اس معاملے کو کسی آئندہ وقت کے لیے چھوڑنا چاہیے میں نے اپنے دماغ میں یہ خوب تہ نشین کر لیا تھا کہ جب کبھی کوئی موقع ہو گا تو فوراً اس لقمان زمان کو دھتا بتاؤں گا۔ مگر اس وقت میں نے اپنے کو نہ بھیڑیوں میں سمجھا نہ کتوں میں۔

تئیسواں باب

حاجی بابا کی شکستگی خاطر اور ایک مہ رو کے عشق میں مبتلا ہونا

اپنی قسمت سے نارضامند اور شکستہ دل ہو کر اور آئندہ کی تقدیر سے بے خبر میں نے اپنے دن سستی میں تیر کرنے شروع کر دیے۔ مجھے ذرا بھی علم حکمت کی طرف توجہ نہیں تھی اور نہ اس کی طرف میل کرتا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں نے کہ اسے سیکھا تھا وہ بھی کچھ سرسبز نہ معلوم ہوئے اس لیے میں نے ان باتوں کی بھی کچھ تفتیش نہیں کی جس میں مرزا احمق شب و روز مشغول رہتا تھا۔ اور کیا کرتا تھا۔ میں یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر میری اس حالت نے کچھ ترقی نہیں کی اور ذرا مجھے عروج نہ ہوا تو بے شک میں اس جگہ کو فوراً چھوڑ دوں گا کیونکہ ایک مایوسانہ حالت میں پڑا رہنا نہایت ہی نازیبا امر تھا۔ ان خیالات نے میرے دل میں کچھ ایسی ترقی پکڑی کہ گویا میں اپنے کو یہ سمجھنے لگا کہ مجھ کو تو انھوں نے اپنا غلام بنالیا۔ اس تصور نے اور بھی طبیعت کو بھڑکایا اور اب میں بالکل ایک جنون زدہ بن گیا کہ مجنوں کو بھی ہرگز یہ دیوانہ پن نصیب نہ ہوا ہوگا اس کے بعد میرے خیال میں یہ بیان کرنا غیر ضرورت ہے کہ میں مبتلائے عشق زہرہ جبیں ہو گیا تھا۔

موسم بہار گذر چکا تھا اور موسم گرما شروع ہو گیا تھا جس نے تمام باشندوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے اپنے بسترے لے کر چھتوں پر تاروں بھری چادر کے نیچے آرام کریں۔ میں نے ایسی حالت میں فراشوں اور باورچیوں وغیرہ کے ساتھ رہنا بہتر نہ سمجھا کہ جو نیچے کے کمرے میں اکٹھے ہو ہو کر پڑے رہتے تھے۔ میں نے اپنا بسترہ بالا خانہ کی کھلی ہوئی چھت پر جمایا۔ اس بالا خانہ پر عورات کے کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ یہ کوٹھی یا مکان بصورت مربع بنا ہوا تھا اور جن میں مختلف کمروں کی کھڑکیاں معلوم ہوتی تھیں۔ جن کے گرد یاسمن اور چنبیلی وغیرہ کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اس کے بیچ میں ایک لکڑی کی مربع پلیٹ فارم بنی ہوئی تھی جس پر گرمیوں میں مکان کے رہنے والے سوتے تھے۔ میں نے اس بارگاہ کے مختلف حصص میں اکثر عورتیں بیٹھی ہوئی دیکھیں لیکن کبھی کسی نظارے نے میرے دل پر اصلاً اثر نہ کیا اور نہ کسی زلف سیاہ فام میں میرا طائر دل الجھا۔ اور شاید ان میں سے کسی پر

دل ریجھ بھی جاتا لیکن میں نے نگاہ بھر کر ان میں سے کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ جہاں میں ان کو معلوم ہوا اور انھوں نے آوازے توازے پھینکے اور مجھے کراہت آمیز ناموں سے پکارنا شروع کیا۔ غرض ہر عورت سخت برا بھلا کہتی تھی۔

ایک شب کو جونہی آفتاب نے اپنے دمکتے ہوئے اور تمتماتے ہوئے چہرہ پر سیاہی کا برقع پہنا تو میں اس وقت اپنا بستر بچھا رہا تھا میں نے ایک مہ جبین کو دیوار کے ایک کونے پر جو کچھ ٹوٹا ہوا بھی تھا ذرا ابھرا ہوا دیکھا مہ جبین تما کو کے پتے چھت پر پھیلا رہی تھی۔

ماہ روے زور بام نظر می آید

نہ بزاری نہ بزور ونہ بزر می آید

اس کی نیلی نقاب بے حجابانہ بے خبری کی حالت میں اس کے سر پر پڑی ہوئی تھی جونہی وہ ذرا جھکی اس کی دونوں زلفیں اس کے فرق سے اس کے دمکتے ہوئے رخساروں پر آ پڑیں گو انھوں نے اس کا تمام روشن چہرہ چھپا لیا تھا لیکن پھر بھی اس کی دمک اور چمک نہیں گئی تھی اور وہ اس طرح سے روشن تھا جیسے شمع فانوس میں۔ جب میں نے اس کا یہ دل لبھانے والا چہرہ دیکھا تو اب مجھے یہ خواہش ہوئی کہ اس کو سر تا پا دیکھنا چاہیے کہ یہ نازنین اپنے متناسب الاعضا میں دل عاشق کا کہاں تک خون کرتی ہے۔ جو چیز کہ اس کے حسن دل آویز میں میں نے ملاحظہ کی حق تو یہ ہے کہ وہ سب بات میں لاثانی تھی اس کے چھوٹے چھوٹے پتلے پتلے مصفا ہاتھ ان میں حنائی رنگ کا جلوہ تھا۔ دل عاشق کا خون کیے ڈالتا تھا علیٰ ہذا القیاس یہی اس کے پیروں کا حال تھا جن میں اسی طرح سے حنائی رنگ نے اور بھی اس کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا غرض اس کا رنگ وروغن اور اس کی صورت کی اجماعی ہیئت سے حسن وخوبی برس رہی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ فطرت نے بس اسی کو بنایا ہے۔

خوبی کو اس کی خوبی سے خوبی

ناز کو اس کے ناز سے صد ناز

میں برابر ٹکٹکی باندھے ہوئے اس کی طرف نظارہ کرتا رہا اور جب تک میری طاقت اور شکیبائی نے مجھے سہارا دیا میری آنکھیں اس ماہرو کے حسن وجمال سے بہرہ مند اور مسرور ہوتی رہیں۔

پری روئے پری خو و پری صورت پری سیرت

پری نازو پری انداز مہر وؤ قمر طلعت

جب میں نے بہت ہی آہستگی میں کچھ کہا۔ جس سے اس کی نظریں فوراًاوپر کی طرف اٹھیں جب تک کہ وہ اپنی نیلی نقاب اپنے چمکتے ہوئے چہرے پر ڈالے میں نے سر تاپا اس کو بخوبی ملاحظہ کر لیا۔

لطافت جلوہ آرائے برودوش

ز لعل نازکی در موج آغوش

میں برابر صورت آئینہ بنا رہا یہاں تک کہ اس کے حسن نے اپنی محبت کے شعلے میری مجمر دل میں پورے پورے مشتعل کر دیے اور میں اسکی زلف دلارام کا اچھی طرح سے شکار بن گیا۔ اس کا تیر نگاہ ایسا نہ تھا کہ کلیجہ میں بھکتا اور جگر کے پار نہ ہو جاتا۔

تعجب نیست گر جان رفت با تیرش ز تن بیرون

کہ با مہمان برون از خانہ صاحب خانہ می آید

اس نے کچھ ظاہراً عتاب آمیز صورت سے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ لیکن نقاب بھی اس مہ جبین نے اس حکمت سے ڈالی تھی کہ اس کی دونوں آنکھیں شعلہ جوالہ کی طرح میری جان و دل پھوکے دیتی تھیں اور برابر مجھ پر اپنی نگاہوں کے تیز تیز قاصد دوڑاتی تھیں اور میری جنبش و حیرانی نے ان میں گونا سرور و ایک خوشی آمیز اثر پیدا کر دیا تھا۔ میں ابھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور میری شوق کی نگاہیں نیچی نہ ہوئی تھیں کہ اس شعلہ رو نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ گو اس درمیان میں وہ اپنا کام کرتی جاتی تھی۔ "تم میری طرف کیوں نظارہ بازی کرتے ہو یہ سخت گناہ ہے۔"

میں۔ تمھیں قسم ہے کہ مجھ سے روگردانی نہ کرو۔ محبت کچھ گناہ و جرم میں داخل نہیں ہے تمھاری آنکھوں کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے میرے دل کو کباب کر دیا۔ تمھیں قسم ہے اس مہربان ماں کی جس سے تم پیدا ہوئی ہو کہ ایک دفعہ اور بھی چہرے سے نقاب اٹھالو کہ میں تمھارے پری چہرہ کی زیارت کر لوں۔ کیونکہ

برنگ غنچہ ام جز بوے تو در دل نمی گنجد

بود این خانہ را از تنگی خود قفل بر رو ہا

مہ جبین۔(ذرا شرمیلی اور کچھ اطاعت آمیز آواز سے) تم جانتے ہو کہ ایک عورت کے لیے سخت گناہ ہے کہ اپنا چہرہ نامحرم کو دکھائے۔ نہ تم میرے بھائی ہو اور نہ باپ ہو نہ خاوند ہو کہ تم مجھے دیکھنے کا استحقاق رکھتے ہو۔ میں تو اب تک یہ بھی نہیں جانتی کہ تم کون ہو کیا تمھیں کچھ شرم بھی نہیں آتی کہ تم ایسی مجنونانہ گفتگو کرتے ہو۔

اس وقت اس دلارام نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی نقاب ڈالتے ڈالتے بھی مجھے اس کی صورت دیکھنے کا موقع مل گیا۔ واقعی جس قدر کہ میں نے خیال کیا تھا اس سے بھی زیادہ نکلا اس کی نکیلی اور بڑی بڑی سیاہی مائل آنکھیں ناظر کے دل کو جلا بھنا کر کباب کر رہی تھیں۔ جن میں سرخ سرخ دوڑے جو سرمہ سے پڑ گئے تھے گویا دل عاشق کے پھنسانے کے لیے کمین گاہ کا کام دے رہے تھے۔ اس کی محرابی بھویں جن کو ناک کے خط مستقیم نے علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیا تھا کیا ہی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور فطرت نے ان کو ناک پر اس طرح سے جمع کر کے جدا کر دیا تھا کہ وہاں کسی حکمت کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ جو انھیں باہم ملا دے اس کی ناک ستواں تھی۔ تنگ دہانی یہ اسی پر ختم ہو گئی تھی۔ جن میں شکر لبالب بھری ہوئی تھی۔

رخش رنگین خطش گلچین لبش شیریں دہن شکر

کا مضمون تھا۔ اس کے چاہ زنخدان میں نیلا گدا ہوا سوراخ کا نمایاں نشان تھا جو اس نے کس ہوشیاری سے اسے بنایا تھا۔ بالوں کی خوبصورتی کو تو کوئی چیز بھی نہیں پہنچ سکتی تھی اس کی سیاہی سنگ موسیٰ کو بھی مات دیتی تھی اور اس کے دونوں کاندھوں پر دو لانبی لانبی زلفیں ناگن کی صورت بل کھا رہی تھیں غرض اس کے حسن دلفریب کا میں ولی شیدا بن گیا۔ کیونکہ ہمارے شعرا نے جو کچھ خاکا ایک معشوق خوش اندام کا کھینچا ہے وہ سب اس میں موجود تھا یعنی شمشاد قد آہو چشم شکر خا وغیرہ وغیرہ۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اگر اسے تمام عمر بھی یونہی دیکھے چلا جاؤں گا جب بھی ہرگز نہ تھکوں گا۔ دل کچھ ایسا بیتاب ہو گیا تھا کہ بس یہی چاہتا تھا کہ چھلانگ ماروں اور اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ میرے دل میں اس کی الفت و محبت کے شعلے بھڑکتے جاتے تھے اور ان کی لو برابر بلند ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ میں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ اچک کر اس کے پاس جا ہی پہنچوں۔ میں نے یہ آواز کئی بار سنی۔ زینب زینب۔ تو میں اس وقت جلدی میں اپنے بالا خانہ سے اٹھ کر بھاگا مگر میں نے اس مقام پر اپنے کو دیکھا جہاں وہ شعلہ رو کھڑی تھی۔ کچھ دیر میں نے توقف کیا کہ شاید وہ پھر واپس آئے نہیں اس کا پتہ بھی نہیں تھا۔ میں نے ہر آواز پر بہت ہی کان لگائے لیکن سوا اس منحوس آواز کے اور کچھ نہیں سنائی دیتا تھا کہ جو ہر شے اور ہر شخص پر حملہ آور ہو

رہی تھی۔ اور یہ آواز کسی کی بھی نہیں تھی صرف طبیب مرزا احمق کی بیوی کی تھی جو اپنے شوہر کو بھی محکوم رکھتی تھی۔

دن بالکل ختم ہو چکا تھا۔ رات کی سیاہ چادر بچھ گئی تھی۔ میں نہایت ہی مایوسی کی حالت میں وہاں سے اپنے بستر پر واپس پھرنا چاہتا تھا کہ میں نے پھر یہ آواز سنی۔ زینب تم کہاں جاتی ہو کیوں نہیں اپنے پلنگ پر آ کے سوتیں۔ میں نے غپڑ شپڑ اپنے دلربا کے جواب کو سنا لیکن میں بہت جلدی یہ تفکر کرنے لگا کہ اس نے کیا جواب دیا کہ اتنے میں میں نے پھر بالا خانہ پر اسے دیکھا۔ بس اس وقت تو میں ایسا بیتاب ہو گیا کہ میں نے چاہا کہ اس دیوار کو پھلانگ جاؤں جو ہم دونوں میں حد فاصل تھی مگر وہ جلدی جلدی اپنے تماکو کے پتے سمیٹ کر چلتی بنی مگر چلتے چلتے دبی آواز سے یہ کہہ گئی کہ کل رات کو پھر اسی جگہ پر آنا۔ اس کے یہ لفظ میرے تمام جسم کے رونگٹے رونگٹے میں بیٹھ گئے اور ایسی سنسنیاں اٹھنے لگیں کہ کبھی آج تک نہ اٹھی تھیں میں ان کو اپنی زبان سے دہراتا رہا اور اس وعدہ پر تصورات کے گھوڑے دوڑاتا رہا اور اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی اور جب تک آفتاب کی چمکتی ہوئی اور تیز کرنیں میرے چہرے پر نہ پڑیں میں بیدار نہ ہوا۔

چوبیسواں باب

حاجی بابا کا زینب سے ملنا

میں نے اپنے دل میں یہ خیال باندھنا شروع کیا کہ اس کی محبت تو میرے دل میں بالکل تہہ نشین ہو گئی ہے اب دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے

بہ بینیم تا کرد گار جہاں

بدین آشکارا چہ دارد نہاں

آج رات کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت کون ہے۔ اور اس کا کیا تعلق ہے اور اگر یہ کوئی ایسی عورت ہے جس کا تعلق طبیب سے ہے تو بیشک طبیب کو بہت دقت کا سامنا کرنا پڑے گا اگر شادی پر خیال کروں کہ اس سے میری شادی ہو جائے گی تو یہ امر محض صورت ناممکنہ میں جلوہ دے رہا ہے۔ بھلا مجھ کو جورو کون دے گا۔ بھلا مجھ جیسا قلانچ اور مفلس شخص کہ جو ایک جوڑا پائجامہ کا بھی نہیں خرید سکتا جو شادی اور ازدواج کے اخراجات سے بہت ہی کم ہے مگر انشاء اللہ جب کبھی میرے پاس روپیہ ہو گا تو یہ معاملہ بخوبی انجام پذیر ہو جائے گا۔ اب تو میں عشق ہی کے اوپری مزے لوٹتا ہوں۔

یہ خیال کرتے کرتے میں اٹھ بیٹھا اور میں نے کپڑے بدلے مگر ذرا اور دنوں سے ادھر ادھر تاک جھانک کر اور کچھ ہوشیاری کے ساتھ۔ میں نے اپنی زلفوں میں اور دنوں سے زیادہ خوب کنگھی و نگھی کی اور میں نے اپنی کٹار رکھنے کی پیٹی کو باندھا اور ایک طرف سر پر ٹوپی کو رکھا پھر بسترے کو لپیٹا اور ملازمین کے کمرے میں لے آیا اب میں حمام میں نہانے کے ارادے سے گھر سے چلا کہ وہاں ذرا نہاؤں دھوؤں اور اپنے کو خوب بناؤں سنواروں کیونکہ وعدہء ملاقات دلبر سے بہرہ یاب ہونا ہے۔ میں حمام میں گیا اور وہاں میں نے اپنے وقت صبح کا بہت بڑا حصہ

گانے وغیرہ میں صرف کیا۔ اور باقیماندہ وقت ادھر ادھر گشت کرنے میں گذرا جو محض بے سود تھا یہانتک کہ ملاقات کا وقت آنکھوں کے آگے پھرنے لگا۔

آخر کار دن آخر ہونے لگا۔ اور۔

سیاہی آسمان کی کہہ رہی ہے دن ہوا آخر — اجازت ہے کہ جگ جگ کرتے نکلیں سب مہ و اختر
وہ سناٹے نے باندھا ہے سماں پر اک سماں ایسا — کہ جس سے چھا گئی حیرت بلا کی چشم حیراں پر
ادھر وہ ٹمٹماہٹ روز آخر کی یہ کہتی ہے — کہ گڈ بائی (خدا حافظ) بس اب ملنا رہا کل پر

میری بے صبری انتہا کو پہنچ گئی تھی اب میں صرف یہ انتظار کر رہا تھا کہ کسی طرح سے شام ہو اور میں درد سر کا بہانہ بنا کے اپنا بستر اسنبھالوں۔ میری بد قسمتی نے یہاں بھی نہیں بخشا۔ کمبخت طبیب کو دربار میں اور دنوں سے زیادہ دیر لگ گئی۔ یہاں اس انتظار میں کہ وہ آئے تو اس کے ساتھ شام کا کھانا وانا کھا کے جا کے لیٹیں وہاں پتہ ندارد توبہ آخر نوکروں نے تو مجبور ہو کر کھا پی لیا۔ تو پھر میں کیوں بند میں رہنے لگا مجھے بھی اس پابندی سے نجات ہوئی۔ اب میں اپنے وقت معہود کا ہمہ تن چشم ہو کر منتظر رہا اور امید موہوم کا خمار میری آنکھوں سے ہویدا تھا کہ اتنے میں مغربی آسمان پر ایک سرخ چادر بچھ گئی اور شفق نمایاں ہونے لگی۔

شفق بن کے گردوں پہ ہوتا ہے ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گناہ کا لہو ہے

مہتاب بھی اپنا روشن چہرہ سیاہی کے برقع میں سے نکالتا جاتا تھا۔ بس اس وقت اپنا بستر ابغل میں دبا کر میں بالاخانہ کی چھت پر پہنچا جلدی جلدی میں نے اسے بچھایا اور اب شکستہ دلی سے میں ٹوٹی ہوئی دیواروں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا لیکن میں نے صرف تماکو کے پتے پھیلے ہوؤں کے اور کچھ بھی نہیں دیکھا کس قدر مایوسی اور حرماں اس وقت مجھے ہوئی۔ ان تماکو کے پتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کام ناتمام رہ گیا ہے پھر اسے کوئی آکر سنبھالے گا۔ چاروں طرف میں نے دیکھا لیکن کہیں پیاری زینب کا پتہ نہیں پایا۔ میں دو ایک بار کھانسا کھنکارا بھی لیکن جواب ندارد صرف ایک آواز میرے کان میں پہنچی اور وہ ڈاکٹر یا طبیب کی بیوی کی تھی کہ جو کسی پر خفا ہو رہی تھی اگرچہ اس کی آواز کی باریکی دیواروں میں بھی چھید کرتی تھی لیکن پھر بھی میں یہ دریافت نہیں کر سکا

کہ اصل میں سبب کیا تھا اور کس پر کس وجہ سے یہ خفا ہو رہی ہے کہ اتنے میں جب وہ صحن میں آ کے بہت خفا ہوئی اور غل مچایا تو معلوم ہوا کہ زینب سے یہ مخاطب ہو کے کہہ رہی ہے۔

اب تو مجھ سے کام کو پوچھتی ہے چڑیل یہ تو بتا کہ تو حمام میں کس کے حکم سے گئی تھی شیطان کی بچی۔ مقبرے میں تجھے کیا کام تھا۔ تو اب میں تیری لونڈی بنی تھی کہ میں بیٹھی راستہ دیکھوں کہ دیکھیے بیگم صاحب کب تشریف لاتی ہیں اور تو خوشیاں مناتی پھرے تو نے یہ کام اب تک کیوں نہ کیا۔ تجھے نہ کھانے پینے کو ملے گا نہ سونا ملے گا جب تک تو پورا کام نہ کرلے گی۔ پس تو ابھی جا اگر ادھورا چھوڑ کر الٹی آگئی تو واللہ باللہ ثم باللہ پیسہ پر رکھ کے تیری بوٹیاں اڑاؤں گی۔ یہاں تک کہ تیرے ناخنوں سے خون نکل آئے گا۔ اس پر میں نے کچھ کھینچا کھینچی اور کشمکش کی آواز سنی کہ اتنے میں میں نے اس کی ناخوش اور کشیدہ صورت کو اسی جگہ پر دیکھا جس کو ایک لمحہ سے زیادہ نہ گذرا ہو گا میں بچشم انتظار دیکھ رہا تھا۔

عشق کرنا بھی کیا عجیب و غریب چیز ہے۔ (میں نے اپنے دل میں خیال کیا) یہ کس قدر زیرکی اور تیز فہمی کو تیز کرتا ہے اور یہ چارہ گری میں کتنا بارآور ہے۔

عشق کیا شے ہے کسی عاشق سے پوچھا چاہیے کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیے

کیا تڑپنے میں مزا ہے قتل ہو قاتل کے ہاتھ

اس کی لذت کو کسی بسمل سے پوچھا چاہیے

مجھے کن انکھیوں ہی کن انکھیوں میں معلوم ہوا کہ میری معشوقہ نے کس عقلمندی اور دانائی سے ملنے کی تدبیر نکالی ہے کہ بڑی دیر تک بغیر کسی تعرض کے ملاقات ہوا کرے اور کوئی خلل انداز آ کر نہ ہو۔ زینب نے مجھے دیکھ تو لیا لیکن جب تک نیچے کا طوفان بے تمیزی نہ بند ہوا وہ مجھ سے کچھ خبر نہ ہوئی اور جب بالکل سناٹا ہوا اور ہر شے چپ چاپ ہوئی تو وہ میری طرف آئی اب اس کہانی اور سرگذشت کا پڑھنے والا خیال کر سکتا ہے کہ میں کس پھرتی سے آناً فاناً اس کے پاس پہنچا ہوں گا۔ جو لوگ کہ محبت کے کوچہ سے واقف ہیں جنھوں نے کہ شب وصل کی چاشنی چکھی ہے وہ خود ہی خیال فرمالیں کہ ہمارے وجد اور خوشی کا کیا عالم ہو گا کیونکہ ایسی حالت کو بیان کرنا ناممکن ہے۔

خوشا وقتے و خرم روزگارے

کہ یارے برخورد از وصل یارے

زینب سے یہ امر معلوم ہوا کہ اصل میں وہ کردش کی بیٹی تھی جو اپنی قوم میں سردار تھا۔ اور جو مع اپنے تمام کنبہ کے جس میں مویشی اور گلہ وغیرہ بھی شریک تھا قیدی بنالیا گیا تھا۔ جب یہ لڑکی بالکل معصوم بچہ تھی اور ان حالتوں سے جن کا زینب نے مجھ سے بعد ازاں کہنے کا اقرار کیا طبیب کی لونڈی بنائی گئی چنانچہ اب غلامی کی حالت میں تھی۔ اول ہی اول جب ہم ایک دوسرے کے نظارے سے خوش ہوئے تو زینب نے طبیب کی جورو کے غصہ کی کیفیت ٹوٹے ہوئے الفاظ میں بیان کرنی شروع کی۔

زینب۔ افسوس صد افسوس۔ کیا تم نے سنا کہ طبیب کی بیوی نے مجھ سے کیا کہا بے ایمان عورت لامذہب عورت کے سخت اور کریہہ الفاظ سے مجھے مخاطب بنایا۔ یہ ظالم عورت ہمیشہ یونہی مجھ سے پیش آتی ہے۔ اور ہمیشہ مجھے برا بھلا کہتی رہتی ہے۔ میرا تو یہاں کتے سے بھی تو کم درجہ ہو گیا ہے۔ ہر متنفس مجھے بغیر گالی کے یاد ہی نہیں کرتا میرے پاس کوئی بھی نہیں آتا۔ میرا زہرا پانی پانی ہو گیا میری تازہ روح مرجھا گئی۔ میں شیطان کی بچی کیوں کہلائی جاؤں میں کرد ہوں۔ یزیدی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم شیطان سے ڈرتے ہیں بھلا بتاؤ تو سہی کون نہیں ڈرتا لیکن میں اس کی بیٹی نہیں ہوں۔ کاش اگر یہ طبیب کی جورو ہمیں ہمارے پہاڑوں میں مل جاتی تو پھر اس عورت کو معلوم ہوتا کہ کردوں کی بیٹی کیا کر سکتی ہے۔

میں نے اس کی ڈھارس بندھانے کی بہت کوشش کی اور میں نے اس کے یہ ذہن نشین کیا کہ تو گھبرا نہیں وہ وقت آجائے گا کہ تو اس سے اپنا بدلہ لے لے گی۔ اس وقت تک اپنا غصہ روک رکھ۔

ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ

قائم جو زمین و آسمان ہے

اس نے اس امر سے ناامیدی ظاہر کی کہ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میرے کل کاموں کی بلا کی نگہداشت کی جاتی ہے کہ میں بغیر اپنی بیگم کی واقفیت کے بہت ہی مشکل سے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھی جا سکتی ہوں۔

اصل یہ ہے کہ اس طبیب کا جو ہیچ خاندان کا شخص ہے بادشاہ کی ایک لونڈی سے نکاح ہو گیا جو برے چال چلن ہونے کے سبب حرم سے خارج کر دی گئی تھی۔ انھوں نے غرض شاہ کے حکم سے اس سے شادی کر لی۔ یہ لونڈی سوائے بد مزاجی اور غرور کے اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائی بس یہی جہیز گویا لے کر ڈاکٹر کے گھر میں براجی کیونکہ

دماغ میں تو وہی شاہی حرم کی ہوا بھری ہے بھلا غرور کیوں نہ ہو گا۔ اب نیا خاوند جو اسے ملا اس کو وہ اپنے پیر کی خاک سے بھی کم درجہ کا خیال کرتی ہے اور اس کو ایسی قابل رحم اطاعت میں رکھتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ طبیب کو اتنی دلیری نہیں ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے اس کے آگے بیٹھ جائے اور یہ عورت گاہے ماہے اجازت دے دیتی ہے ورنہ طبیب صاحب دست بستہ حاضر ہی کھڑے رہتے ہیں۔ اور یہ کمبخت ایسی حاسدہ ہے کہ حرم میں کوئی بھی لونڈی ایسی نہیں ہے جس پر اسے براشبہہ نہ جاتا ہو۔ اور اس کی نگاہ میں ہر ایک مشتبہ نہ ہو اس کے مقابل میں اگر ڈاکٹر کو خیال کیا جائے تو وہ بھی بجائے خود بہت ہی مغرور ہے اور اپنی ثناخوانی سے بہت ہی خوش ہوتا ہے وہ بھی تو اس غیر مستقل انسانی فطرت کا مطیع ہے اور کسی طرح سے بھی تو وہ اپنی حسین اور خوبصورت لونڈیوں کا خوش نظارہ نہیں کر سکتا۔ گو طبیب کی میری طرف خاص نگاہ ہے مگر صرف اپنی بیوی کے حسد سے وہ سرگرداں ہے جس کی اجازت ہے کہ کوئی بات چیت بغیر اطلاع کے نہ ہو۔ حرم میں بہت ہی فن فریب ہوتے ہیں اور جب بیگم خود حمام میں یا مسجد میں جاتی ہے تو بہت پیش بندی اور عاقبت اندیشی سے لونڈیوں غلاموں میں اوقات کی تقسیم۔ جگہ اور موقع کا انقسام ہو جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو باہم کچھ ساز و باز ہو جائے۔

چونکہ کبھی اندرون کی حالت دیکھنے کا مجھے اتفاق نہ ہوا تھا تو میں اس سے بہت متعجب ہوا اور میرا تعجب اس درجہ کا بڑھا کہ مہ جبین زینب متضمن حالات حرم کی حکایت بیان کرنے لگی۔ اور طبیب کی حرم سرا میں اپنی زندگی کی تاریخ اس نے یوں دہرائی۔

عورات

زینب۔ ہم علاوہ ہماری بیگم کے پانچ حرم میں ہیں۔ ایک شیریں۔ جو جارجیا کی رہنے والی ہے۔ دوسری نور جہاں۔ تیسری ایتھی پین لونڈی۔ چوتھی فاطمہ جو کھانا پکاتی ہے۔ پانچویں بڑھیل لیلیٰ جو لڑکیوں کی نگہبانی کرتی ہے۔ میں گویا اپنی بیگم کی ٹہلنی یا خادمہ ہوں اور جس کو سب خانم کہہ کے پکارتے ہیں۔ میں اسے حقہ بھر کے دیتی ہوں۔ کافی اس کے آگے لاتی ہوں۔ اس کو کھانا کھلاتی ہوں۔ اس کے ساتھ حمام میں جاتی ہوں۔ اس کو کپڑے پہناتی ہوں اور اتارتی ہوں۔ اس کے کپڑے درست کرتی ہوں۔ اس کا تماکو کوٹتی ہوں اور اس کے آگے دست بستہ کھڑی رہتی ہوں۔ شیریں جو جارجیا والی ہے یہ صندوق دار ہے۔ یعنی کل گھر کی حفاظت اس کے ذمہ ہے۔ اس کو میرے آقا اور بیگم کے کپڑوں کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے نہ صرف ایک ان ہی کی بلکہ تمام گھر کی۔ جس قدر کہ کھانے والے ہیں خرچ ہوتا ہے سب کا انتظام اسی کے ذمہ ہے۔ تمام چینی چاندی اور دوسری قسم کی ظروف کی بھی یہی خبرداری کرتی ہے۔ غرض کل اشیا کی نگہداشت کرنا اسی کے ذمہ ہے۔

نور جہاں جو حبشن ہے یہ فراشی کا کام دیتی ہے اور غالیچے وغیرہ بچھاتی ہے اور یہ تمام غلیظ و نا ملائم کام کرتی ہے۔ چاندنیوں غالیچوں کا بچھانا۔ کمروں میں جھاڑو دینا تمام صحن میں چھڑکاؤ کرنا۔ باورچن کو مدد دینا۔ پارسلوں اور تاروں کا لے جانا۔ غرض جو اس قسم کا کام ہو اس کو وہی انجام دیتی ہے۔

اچھا اب بڑھیل لیلیٰ کو خیال کیا جائے تو یہ گویا نوجوان عورتوں کی محافظ ہے ذرا ذرا سی بات جا کر یہ لگاتی ہے کہ آج اس نے یہ کیا اور اس نے فلاں حرم کے ساتھ یہ باتیں کیں اور یہی بڑھیا ڈاکٹر یا طبیب کا بھی بخوبی پہرہ دیتی ہے ممکن ہے کہ وہ کسی کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ لے۔ اسی طرح سے ہمارے دن بیہودہ جھگڑوں اور ٹنٹوں میں صرف ہوتے ہیں مثلاً دو حرمین باہم گٹھ گئیں اور دوسری حرموں سے مقابلہ ہو رہا ہے وہ ان کی جا کے لگاتی ہیں اور ان کی کہتی ہیں۔ یونہی کشمکش میں گذرتی ہے۔

زندگی اپنی جب اس طور سے گذری زینب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اب اس وقت اگر دیکھا جائے تو جارجیا والی سے میری کھلم کھلا لڑائی ہے کیونکہ کچھ زمانہ کا عرصہ گذرا کہ اس کے ہاتھ قسمت کھلنے کا ایک فقیر سے ایک تعویذ لگا تھا۔ یہ تعویذ اس نے لیا ہی تھا کہ دوسرے ہی دن خانم

نے اسے ایک جاکٹ دی تو اب میرے حسد کا کیا ٹھکانا ہے میرا ابھی ارادہ ہوا کہ میں بھی اس فقیر سے ایک تعویذ لوں کہ میرے ہاتھ ایک نوجوان خاوند لگے۔ اسی شام کو میں نے تمھیں بالاخانہ پر دیکھا۔ تو پھر میری خوشی کا اندازہ کرلو۔ اس وقت مجھ میں اور نور جہاں میں رقابت پھیلی ہوئی ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں شاید ہم پھر یکایک دوست بن جائیں۔ ہاں نور جہاں سے میری بہت ہی موافقت ہے کیونکہ ہر موقع پر وہ میری رقیب کی اپنی خانم سے لگاتی بجھاتی رہتی ہے۔ کچھ عجیب و غریب مٹھائی مع بکلاوہ کے شاہی حرم میں سے ہماری خانم کو تحفہ بھیجی گئی تھی۔ اس میں بہت سا حصہ گھونسیں اڑا گئیں جارجیا ہی تقصیر دار ٹھہری۔ بس اس کی ٹانگوں پر خوب ہی نور جہاں نے کوڑے بازی کی۔ میں نے اپنی بیگم یا خانم کا پینے کا کٹورا توڑ دڈالا یہ چھدا ابھی اسی پر رکھا گیا اور خانم نے اسے مجبور کیا کہ مجھے دوسرا کٹورا لانا پڑے گا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ میرے خلاف منصوبہ گانٹھ رہی ہیں کیونکہ جارجیا والی ہمیشہ سے لیلیٰ سے گٹھی ہوئی ہے اور وہ ہماری خانم کے بہت ہی معتبروں سے ہے۔ میں وہ چیز کبھی نہیں کھاتی جو اس کے ہاتھوں میں ہو کے میرے پاس آتی ہے اس لیے مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں وہ زہر نہ ملا دے اور یہی اس کی حالت ہے اور وہ مجھ سے خائف اور ترساں رہتی ہے یہ بات تو نہیں ہے کہ ہمارا عناد اس درجہ کا بڑھا ہوا ہو کہ جس سے زہر دینے کی نوبت پہنچ جائے مگر صرف دور اندیشی سے ذرا احتیاط کیا جاتا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ امر تو سب حرم سراؤں میں ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ہم دونوں میں لپاڈگی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس نے میری طرف تھوک کر اور یہ کہہ کے کہ لعنت بہ شیطان مجھے سخت طیش میں کر دیا جس کو تم جانتے ہو کہ یزیدیوں کے لیے یہ بہت ہی بڑی گالی ہے۔ یہ سنتے ہی میں اس پر آپڑی اور جہاں تک مجھ سے برا بھلا کہا گیا خوب سنایا اور فارسی میں جتنے میں نے برے الفاظ سیکھے تھے دل کھول کر کہے اس کے جھونٹے دوڑ کر پکڑ لیے اور ان کو میں نے جڑ سے اکھیڑ لیا لیلیٰ نے ہمیں آ کے علیٰحدہ علیٰحدہ کیا اور ہم باہم خوب گالی گلوچ لڑتے رہے یہاں تک کہ ہمارے حلق غصہ اور طیش سے خشک ہو گئے۔ تو اس جھگڑے سے ہم میں اس میں بہت دشمنی ہو گئی ہے اب اس کا یہ حال ہے کہ جہاں تک اس سے ممکن ہوتا ہے وہ میری طرف سے لگائی بجھائی کرتی رہتی ہے۔

زینب مجھ سے یونہی بات چیت کرتی رہی یہاں تک کہ صبح صادق نے اپنا جلوہ کیا۔

مؤذن بانگ بے ہنگام بر داشت

کا مضمون ہوا۔ اور اس نے مسجدوں میں نمازیوں کہ یہ کہہ کے بلایا۔ "الصلوٰۃ خیر من النوم۔" "الصلوٰۃ خیر من النوم۔" یعنی نماز بہتر ہے سونے سے۔ جو صبح کی اذان میں کہا کرتے ہیں۔ ہم نے باہم وعدے وعید کیے کہ جب کبھی ممکن ہو اور موقع ملے ہم دونوں ایک دوسرے کے دیدار سے مشرف ہوں۔ میں نے اس سے یہ کہا کہ جب تو مجھ سے ملنا چاہے اور تجھے شب کو آنے کا موقع ملے تو تو اپنی نقاب فلاں درخت کی شاخ میں لٹکا دے جو میرے بستر ے کے مقام سے دکھائی دیتا تھا اور اگر میں اسے لٹکا ہوا نہ دیکھوں گا تو سمجھ جاؤں گا کہ موقع نہیں ہے یہ اس نے بھی پسند کیا اور ہم دونوں رخصت ہوئے۔

پچیسواں باب

عاشق اور معشوق کا باہم ملنا

دوسری شب کو میں نے بالا خانہ کی چھت سے دیکھا کہ شاید نقاب لٹکی ہوئی معلوم ہو لیکن افسوس نہ معلوم ہوئی۔ کس ناامیدی اور مایوسی سے میں شکستہ دل ہو گیا۔ تمام تما کو وغیرہ کا پتہ ہی نہیں تھا سب نیچے چلا گیا تھا۔ مطلع صاف تھا۔ میں نے طبیب کی جورو کی طرف خیال کیا اور اس کی طرف ایسا متوجہ ہوا جیسے کوئی دل لبھانے والی آواز کو سنتا ہے مگر بالکل پتہ ہی نہ تھا۔ جوتیوں کی کھسڑ کھسڑ کی آواز بھی نہ سنائی دیتی تھی جس کو میں نے خیال کیا کہ یہ بڑھیا لیلیٰ کی رفتار کی آواز ہے مگر سناٹا تھا۔ میں نے اسی سلسلہ میں شاہی بینڈ کی جھن جھناہٹ کی آواز سنی۔ طبل کی دھوں دھوں اور قرنا کی تیز صدائیں جو سب کو آفتاب ہونے کی خبر دیتی تھیں۔ میں نے موذنوں کی مختلف اذانیں سنیں جو عشا کی نماز کے لیے نمازیوں کو بلا رہے تھے۔ پولیس کا طبل بھی بج رہا تھا جو دکانداروں سے گویا تھا کہ اپنی اپنی دکانیں بند کر کے گھروں میں جا کے آرام کرو۔ شاہی محل پر سے سنتریوں کی آوازیں بہت دور سے سنائی دیتی تھیں جو محل کے بروج میں پہرا دے رہے تھے۔ رات کی گھٹاٹوپ چادر اب پورے طور سے تمام عالم پر چھا گئی۔ آفتاب سیاہی کا برقع اپنے روشن چہرے پر کبھی کا اوڑھ چکا اور ڈاکٹر کی حرم سرا میں سناٹا اور چپ چاپی معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اگر یہ لوگ سب حمام جاتے جب بھی وہاں اتنی دیر تک قیام نہ رکھ سکتے تھے کیونکہ علاوہ بریں حمام شگون کے باعث سے فجر ہی کو کھولے جاتے ہیں۔ کیا تو کوئی بیمار ہو گا۔ یا ان میں شادی ہو گی یا کہیں بچہ پیدا ہوا ہو گا یا کوئی مر گیا ہو گا۔ یا ڈاکٹر پر خود کوئی آفت آئی ہو گی غرض میں اسی قسم کے خیالوں کا خیال کر رہا تھا اور اپنے کو ہلاک کر تا تھا کہ یکایک مجھے یہ سنائی دیا کہ کوئی دروازے کو بہت زور سے دستک دے رہا ہے۔ جونہی کھلا مچا چج جوتیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اب بہت سی یکوان عورتوں کی آوازیں آنے لگیں ان آوازوں میں خانم کی آواز الگ معلوم ہوتی تھی اس آواز کا لہجہ صاف کہے دیتا تھا کہ یہ آواز خانم ہی کی ہے۔ کتنی ہی لالٹینیں آگے پیچھے آتی جاتی تھیں ان سے میں نے بہت سی عورات کی صورتیں دیکھ لی تھیں ان میں

میری پیاری زینب بھی تھی جس نے اپنا برقعہ منہ پر سے اٹھا دیا تھا۔ اب میں انتظار کرنے لگا کہ شاید اس کی ملاقات کی زحمت مجھ پر نازل ہو کہ کچھ دیر نہ ہوئی کہ پیاری جلوہ فزا ہوئی۔

زینب نے بڑی ہوشیاری سے مجھ سے کہا کہ یہ حالتیں ایسی آکر واقع ہوئی ہیں کہ جن سے ہم اس موقع پر نہیں مل سکتے۔ گو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں گی اگر موقع ملا تو ضرور بالضرور میں اس امر کی کوشش کروں گی کہ ہم دونوں شربت وصل سے مسرور ہوں۔ چند الفاظ میں زینب نے مجھے اس امر سے بھی اطلاع دی کہ ہماری خانم کی بہن کا انتقال ہو گیا تو اب انھیں بھی وہاں بلایا گیا تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسے رقیب نے زہر دے دیا تھا۔ تو ہماری خانم سب عورتوں کو اپنے ہمراہ لے گئی تھیں کہ وہاں جا کر سب بہت زور و شور سے نالہ وزاری کریں جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے سب نے جب تک کہ ان کی آوازیں نہ بیٹھ لیں برابر نالہ وزاری کی ہماری بیگم نے اپنے کپڑے حالت غم میں کمال ہوشیاری اور زیرکی سے پھاڑ ڈالے کیونکہ انھیں یہ خیال تھا کہ میں ایک پیاری اور قیمتی جاکٹ پہنے ہوں صرف ایک دو ہی کپڑے پھاڑے جو محض بے قیمت تھے اور جن کی اتنی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ کل گویا تجہیز و تکفین ہو گی۔ یہ ضرور تھا کہ سب لوگ آہ وزاری کرنے کے لیے وہاں جمع ہوں اور سب ایک ایک سیاہ رومال لیں اور مٹھائی کھائیں۔ میرے دلبر نے یہ وعدہ کر کے کہ مجھ سے جہاں تک ممکن ہو گا میں کل شام کو آنے کی کوشش کروں گی پھر مجھ کو تنہا چھوڑا اور چلتے وقت مجھ سے یہ کہہ گئی کہ نشان کا خیال یاد رکھنا۔

جب صبح کو میں اٹھا اس امر سے بہت ہی متعجب ہوا کہ زینب مجھے اشارہ کر کے نیچے بلاتی ہے۔ میں دیکھتے ہی چھلانگ مار کر بہت پھرتی سے اس کے اشارے کے ساتھ پہنچا اور اسی راستہ سے اتر کر وہاں گیا جہاں سے کہ وہ اترتی تھی اب میں نے اس وقت اپنے کو حرم کے مرکز میں پایا۔ میرے جسم پر ایک رعشہ سا چھا گیا اور میں مارے ڈر کے کانپ گیا کیونکہ جب میں نے یہ خیال کیا کہ میں اس مقام میں ہوں کہ جہاں کسی کے آنے کی اجازت نہیں ہے اور کوئی پرندہ پر تک نہیں مار سکتا۔ لیکن اپنی حسینہ کے بے تکلف برتاؤ اور مسکرانے سے میں آگے بڑھا۔

زینب۔ آؤ حاجی آؤ۔ ڈر کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔ یہاں سوائے میرے کوئی بھی نہیں ہے اگر ہماری قسمت اچھی ہے تو ہم تمام دن باہم مزے اڑائیں گے۔

میں۔ تم نے کس کرامت سے یہ سناٹا کیا۔ خانم کہاں ہے۔ اور عورتیں کہاں چلی گئیں اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو پھر ڈاکٹر سے کیونکر جان بچے گی۔

زینب۔ ڈرتے کیوں ہو۔ میں نے تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے اور اگر کوئی آ بھی جائے تو میرے کھولتے کھولتے تم بچ سکتے ہو۔ لیکن اب اس کا بھی کچھ ڈر نہیں ہے سب عورتیں اس کی تجہیز و تکفین کرنے گئی ہیں۔ اور اگر مرزا احمق کی کہو تو خانم اس کا پہلے ہی انتظام کر گئی ہے کہ اگر میں صرف اکیلی ہوں تو اس کی مجال نہیں ہے کہ وہ گھر میں قدم بھی رکھ سکے۔ اے حاجی تم خوب سمجھ لو کہ اس وقت ہمارے نصیب بلند ہیں اور بڑھ رہے ہیں اور وہ بہت ہی خوش قسمت ساعت تھی کہ ہم دونوں نے باہم ایک دوسرے کو دیکھا۔ خدا کی قدرت ہے ہر شے ہم دونوں کے موافق ہی ہوتی رہی۔ میری رقیب جار جین نے خانم کے دماغ میں یہ بات تہ نشین کر دی کہ لیلیٰ کو ایسے موقع کا بہت ہی علم ہے اور وہ اس نے بچپن سے حاصل کیا ہے اور اسے خوب واویلہ و بکا کرنا آتا ہے۔ تو اسے وہ اپنے ساتھ لے گئی کیونکہ ایسے موقع پر اس کا ہونا ضرور تھا۔ میں وہ ایک کرد کی قوم میں سے ہوں اول تو میں فارسیوں کے رسم و رواج سے بہت ہی کم واقف ہوں۔ دوسرے قوم کرد بس اس صورت نے مجھے سیاہ رومال اور مغفات سے باز رکھا اسی لیے میں گھر میں چھوڑ دی گئی ایک گھنٹہ گذرا کہ سب کے سب متوفی کے مکان پر چلے گئے۔ جب لیلیٰ میری جگہ پر مقرر ہوئی تو میں ظاہراً بہت خفا ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم دونوں اس وقت یہاں پر موجود ہیں اور اپنا وقت یہاں یونہی خوشی اور خرمی میں گذاریں گے۔ پھر میری پیاری مطبخ میں میرے لیے کھانا تیار کرنے چلی گئی اور مجھے ادھر ادھر دیکھنے بھالنے کے لیے چھوڑ گئی کہ میں تمام حرم سرا کی پوشیدہ چیزوں کی خوب سیر کروں۔

میں پہلے خود خانم کے کمرے میں گیا۔ اس کمرے کی تمام کھڑکیاں جن میں آئینے جڑے ہوئے تھے باغ کی طرف کھلی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں خانم کی خاص جائے نشست تھی کہ جہاں ڈبل غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ اس غالیچہ پر ایک لمبی مسند بچھی ہوئی تھی۔ جس پر ایک سونے کی تاروں کا غلاف پڑا ہوا تھا۔ اس کے آنچلوں میں ایک فیتہ لگا ہوا تھا جس پر بہت ہی مہین ململ کی ایک چادر خاک وغیرہ سے محفوظ کرنے کے لیے نقاب نما پڑی ہوئی تھی۔ اس بیٹھک کی جگہ ایک آئینہ لگا ہوا تھا جس پر نہایت ہی خوبصورتی سے نقش و نگار ہو رہے تھے۔ اور وہیں ایک صندوقچہ رکھا ہوا تھا جس میں عجیب و غریب چیزیں تلے دانی جس میں سرمہ کی سلائی اور سرمہ وغیرہ تھا۔ کچھ چینی سرخ رنگ۔ ایک جوڑا بازوبندوں کا جن میں تعویذ بھی شامل تھے یہ سب سامان اسی صندوقچہ میں موجود تھا ایک طرف جڑاؤ جھومر۔ چاقو۔ قینچی۔ سروتا۔ یہ بھی چیزیں وہاں موجود تھیں۔ اور ایک ستار ایک دف۔ یہ بھی دونوں چیزیں

وہیں قریب ہی زینت دی گئی تھیں۔ خانم کا بستر الپٹا ہوا اور ایک سفید اور نیلے بقچہ میں بندھا ہوا ایک طرف الگ رکھا ہوا تھا چند تصاویر بے چوکھٹے کی دیواروں میں لٹک رہی تھیں۔ الماری پر جو بہت اونچی تھی تمام بلوری اور قسم قسم کے ظروف چنے ہوئے تھے ایک گوشہ میں مئے گلرنگ شیرازی کے شیشے زینت دے رہے تھے جن میں شراب ارغوانی جھلکتی ہوئی کیا ہی بہار دے رہی تھی۔ بہت ہی نور کے تڑکے خانم اٹھ کر دو ایک گلاس نوشجان فرماتی تھیں تاکہ اس الم ومصیبت کی تخفیف ہو جائے جو اس کی بہن کے انتقال سے ہوا تھا۔

میں نے اپنے دل میں کہا کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گھر چھپا ہوا ہے کیا تقدس و پاکی اور کسر نفسی کا جلوہ میں دیکھ رہا ہوں۔ ہمارا طبیب جو اپنے کو بہت ہی پکا مسلمان کہتا ہے اور پھر یہ ارغوانی شربت ٹھنڈے پانی میں ملا کر اڑاتا ہے۔ اور جو وہ باہر صرف شربت کا نام کر کے پیتا ہے اس کا خزانہ تو یہ جمع ہے۔

اس وقت میں نے اپنی تعجبانہ طبیعت کو مطمئن کیا اور دوسرے کمروں کو ملاحظہ کرنے لگا یہ کمرے ملازمین کے تھے۔ زینب نے کھانا پکا کر تیار کر لیا۔ اور ہمارے آگے خانم ہی کے کمرے میں قابوں میں کھانا لا کے چن دیا۔ میں اسی جواہر نگار اور زریں مسند پر بیٹھا جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ زینب نے جو خوشگوار کھانا تیار کیا تھا اس کی لذت کو میں نہیں بیان کر سکتا۔ ایک قاب میں چانول رکھے ہوئے تھے جو برف کی طرح سفید تھے۔ اسی قاب کے پاس دوسری قاب میں کباب شامی مزادے رہے تھے۔ اور یہ شامی کباب پراٹھوں میں پکائے گئے تھے۔ جن کی پرت پرت علیٰحدہ تھی۔ بالکل اصفہانی سردے کے موافق جس کی خوشنما قاشیں اور ان کے علیٰحدہ علیٰحدہ پرت کیے ہوئے کیا ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک بلوری طشتری میں چند ناشپاتیاں اور خوبانی بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ایک رکابی میں کچھ انڈوں کا خاگینہ۔ پیاز۔ اور ہرا پودینہ۔ ایک میں ترش دہی بنا ہوا اور چند پیالوں میں قسم قسم کے شربت یہ سب دسترخوان پر چنے ہوئے تھے ان چیزوں کے ضمن میں کچھ طشتریوں میں لذیذ مٹھائی اور ایک ظرف تازہ شہد کا بھی موجود تھا۔

میں۔ ذرا مونچھوں پر تاؤ دے کر۔ تم نے تو بہت ہی جلد یہ کھانا جو شاہوں کے شایان ہے تیار کر لیا۔

زینب۔ بھلا آپ یہ کیا فرماتے ہیں یہ ہے ہی کیا۔ میری خانم نے حکم دیا تھا کہ یہ کھانا فجر ہی کو تیار ہو جائے لیکن اور اور خیالوں سے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ متوفی کے گھر ہی کھانا زیبا ہے۔ اس لیے وہ بے کھائے چلی گئیں اور جیسے کہ تم دیکھتے ہو مجھے گھر میں چھوڑ گئیں لو اور آؤ جلدی کھانا کھالیں پھر خوشی منائیں۔

غرض ہم دونوں نے بیٹھ کر خوب خوب ہتھے مارے اور کچھ دستر خوان پر اپنے بعد ازاں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا۔ جب ہم اپنے ہاتھ دھو چکے ہم نے اپنے آگے شراب ارغوانی رکھی۔ اور اب دور چلنے شروع ہوئے۔ اب یہاں نہ نجات کا خیال تھا نہ عذاب کا حشر۔ ہم نے ایک دوسرے کو مل کر مبارکباد دی کہ اس وقت کیسے وہ خوش اور بہت ہی شاد شخصوں کا باہم جلسہ ہوا ہے۔

اس وقت میری خوشی کا کچھ عالم نہ پوچھو آئندہ وحال کے تمام خیالات کو بالائے طاق رکھ کر میں نے ستار اٹھالیا اور حافظ جی کی یہ غزل الاپنے لگا۔ جو میں نے بچپن میں یاد کی تھی اور جس کو اکثر حمام میں سامعین کے سننے کی چاہ سے گایا کرتا تھا۔

غزل حافظ

کنار آب وپاے بادو طبع شعر یاری خوش — معاشر دلبر شیرین وساقی گلعذاری خوش

الا اے دولت طالع کہ قدر وقت میدانی — گوارابادت این عشرت کہ داری روز گارے خوش

ہر آنکس را کہ در خاطر ز عشق دلبری باریست — سپندی گوبر آتش نہ کہ داری کارباری خوش

شب صحبت غنیمت دادن داد خوشدلی بستان — کہ مہتاب دل افروز است طرف جوئباری خوش

عروس طبع رازیورز فکرمی بندم — بود کز نقش ایامم بدست افتد نگاری خوش

مئے در کاسہء چشم ست ساقے رابیامیزد — کہ مستی میکند باعقل ومی آرد خماری خوش

بغفلت عمر شد حافظ بیابامابہ میخانہ

کہ شنگولان سرمستت بیاموزند کاری خوش

زینت اس وقت بالکل وجد میں ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس بیچاری نے آج تک اپنی زندگی میں یہ دل لبھانے والا اور سرور کرنے والا گانا سنا ہی نہیں تھا اس وقت یہ خیال اس کے سرور اور وجد آمیز قلب میں سے بالکل نسیاً نیسا ہو گیا تھا کہ ہم دونوں ایک کمبخت شخص ہیں کیونکہ وہ ایک لونڈی تھی اور میں ایک تہی دست اور بیچارہ تھا اس وقت ہمارا باہم یہ خیال تھا کہ جو کچھ ہمارے گرد رکھا ہوا ہے یہ سب ہمارا ہی ہے اور یہ شراب ارغوانی اور ہمارا عشق ہمیشہ تک قائم رہے گا۔

میں نے اسی قسم کے اور بھی کئی گیت گائے لیکن جب میں نے دیکھا کہ جیسے ہماری شراب ارغوانی کی بوتلیں خالی ہو گئی ہیں اسی طرح سے مختلف غزلوں سے دماغ بھی خالی ہو گیا ہے۔ ابھی وقت بھی بہت کچھ صرف نہ ہوا تھا۔ زیادہ عرصہ باقی تھا جس میں ہم دونوں خوب خوشی منائیں۔

میں۔ پیاری زینب تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی زندگی کی کچھ رام کہانی دہراؤں گی۔ تو اب یہ بہت ہی موزوں وقت ہے۔ بہت دیر تک کوئی چیز ہماری اس خوش صحبت میں حارج نہ ہو گی اور چونکہ ہماری یہ صحبت شب کو ایک بے تحقیق امر ہے خبر نہیں ہو یا نہیں تو بہتر ہے کہ ان خوش ساعتوں میں اپنی سرگذشت بیان کریں۔ یہ سن کر زینب نے میری تجویز کو بدل و جان قبول کر لیا اور اس طرح سے اپنی سرگذشت بیان کرنے لگی۔

چھبیسواں باب

زینب کی رام کہانی

میں ایک سردار کی لڑکی ہوں جو کردستان میں بہت ہی نامی گرامی ہے اور جو اوکس آغا کے نام سے مشہور ہے۔ میری ماں کون تھی اس کو میں ٹھیک ٹھیک نہیں جانتی میں نے سنا ہے کہ میں کرند (کردستان میں ایک ضلع کا نام ہے) کے پوشیدہ جلسون میں پیدا ہوئی تھی۔ چونکہ اس قسم کے راز قوم کرد میں ہمیشہ چھپائے جاتے ہیں اس لیے میں اس امر کی دلیری نہیں کر سکتی کہ کسی سے اپنا تعلق ظاہر کروں۔ اور اس لیے میں تحقیق بیان نہیں کر سکتی کہ آیا وہ رپورٹ جو میری پیدائش کی بابت ہے سچ ہے یا نہیں۔ یہ بہت ہی سچ ہے کہ میں نے کبھی اپنی ماں کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ایک مخاطرہ میں میں عورات میں لائی گئی تھی اور میرا ساتھی ایک گھوڑی کا بچھڑا تھا جس نے میرے ساتھ پرورش پائی تھی یہ بچھڑا بھی اسی ڈیرے میں پیدا ہوا تھا جس میں کہ میں تولد ہوئی تھی اس بچھڑے کی ماں کا اصلی عرب کا خون تھا کہ جس کی آؤ بھگت اور چوپائے جانوروں سے زیادہ ہوتی تھی غرض کہ اس گھوڑی پر بہت ہی توجہ کی جاتی تھی اور یہ اور بیویوں سے زیادہ عزیز سمجھی جاتی تھی اور اس کی نگہداشت آدمیوں کے موافق ہوتی تھی۔ یہ ڈیرے میں ایک گرم مقام پر رہتی تھی اس کا بہت خوبصورت سازوسامان زین وغیرہ تھا اور ہمارے کل سفروں میں بہ نسبت اور جانوروں کے اس کی نگہبانی بہت ہی اچھی طرح کی جاتی تھی۔

جب وہ گھوڑی مر گئی تو تمام کیمپ میں نالہ وبکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور سب نے سخت ماتم کیا۔ بچھڑا گویا میرے باپ کا جنگی گھوڑا بنا۔ اور وہ اس وقت تک تمام کردستان کا فخر وافتخار ہے۔

آپ اس بات کو خیال فرمائیں کہ گو کرد اپنے کو کسی سلطنت کا مطیع نہیں خیال کرتے تاہم ہمارے باپ دادا اور خصوصاً میرا باپ اپنے گلہ کو کردستان کے پہاڑوں میں جو ترکی سلطنت میں ہیں اور جو پاشاء بغداد کی حکومت میں واقع ہیں چراتا ہے اور اپنے ڈیرے خیمے وہاں قائم کرتا ہے۔ جب کبھی اسے جنگ کا موقع آتا ہے تو وہ اپنی اور قوموں کو بلا لیتا ہے کہ جو جنگ کے لیے کافی تعداد گھوڑوں کی مہیا کریں جو ایشیا میں بہت ہی مشہور ہیں کہ جنگ

میں سب سے بالاتر رہتے ہیں اور بہت ہی خوب کام دیتے ہیں۔ میرا باپ صرف اپنی قوت۔ اپنی جرات۔ اپنی شہسواری کے سبب سے پاشا کا بہت ہی پیارا تھا۔ اس کی صورت پر شکوہ تھی اور جس وقت وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور جب اس کا خود فولادی کالوہا دونوں طرف اس کے کاندھوں پر پڑتا تھا تو اس کی بہت ہی دہشتناک صورت دکھائی دیتی تھی اس نے بہت سے جوانان تیز آہنگ کو تہ تیغ کیا تھا اور وہ اپنے بھالے کی نوک پر بالوں کا طرہ لے جانے میں سب سے ممتاز گنا جاتا تھا۔ اور جب جنگی لباس پہن کر تیار ہوتا تھا تو لوگ بہت ہی تعریف کرتے تھے۔ میں اس کی اس وقت کی شان و شوکت کبھی بھی نہ بھولوں گی جب اس کی رانوں کے نیچے گھوڑا ہوتا تھا۔

رستم دغا حاتم کرم جان جہان فرخ شیم

درزور طاقت گستم در معرکہ ثابت قدم

میں نے اسے ہزاروں سواروں میں دیکھا ہے۔ جو تمام چار آئینہ لگائے ہوئے خود فولادی پر مور کے پر لہریں مارتے ہوئے اور ان کے نیزے آفتاب کی روشنی سے چمکتے ہوئے جو انتظاری کر رہے تھے اور پاشا سے ملنے کے لیے تیار تھے۔ اس مہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا یہاں سے ہماری بدقسمتی کی تاریخ شروع ہوئی۔

وہابی حدود بغداد میں حملہ آور ہوئے تھے اور تمام اطراف میں ایک تہلکہ مچایا تھا اس وقت پاشا نے کردسے مدد لینے کا وقت خیال کیا۔ وہ کثرت سے فوج لے کر میدان جنگ میں آیا اور فوراً دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ ایک ہی شبخون میں میرے باپ کا شیخ کے بیٹے سے مقابلہ ہو گیا جو فوج وہابیہ کی کمان کر رہا تھا اس نے اس عرب کو قتل کر ڈالا اس کے تمام ہتھیار مع اس گھوڑی کے جس پر دشمن سوار تھا لے کر پھرا۔ میرے باپ نے اس گھوڑی کو بہت ہی بیش قیمت تصور کیا اور چاہا کہ اس کو پاشا سے پوشیدہ کرے۔ اس خیال سے اس نے وہ گھوڑی اپنی جگہ قیام میں بھجوا دی اور حکم دے دیا کہ اس کو بہت ہی نگہبانی اور ہوشیاری سے چھپایا جائے اور اس کو حرم سرا کے ڈیروں میں باندھا جائے۔ لیکن اس کے یہ دوراندیشانہ خیالات محض غیر مفید تھے۔ کیونکہ جس مطلب کے لیے چھپانے کی اس نے کوشش کی تھی اور جس کو یہ چاہتا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو وہ سب میں پھیل گئی۔ چونکہ پاشا کو اس سے الفت تھی اور بہت ہی اس کی توقیر کرتا تھا۔ اور اس کو یہ بھی خیال تھا کہ یہ ایک معمولی گھوڑی ہو گی اس لیے اس نے کچھ نہ کہا۔ مگر جنگ کے کچھ ہی دن فرو ہونے کے بعد وہابی جنگلوں میں نکال دیے گئے تھے اور سب کرد اپنی اپنی قیام گاہوں میں واپس چلے گئے تھے۔ ایک دن ہمیں صبح کو تعجب ہوا جب ہم نے دیکھا کہ چند پاشا کے افسر

یعنی سواروں کا کپتان دس آدمیوں کی ہمراہی میں ہمارے خیموں میں آیا۔ سب جری سوار اور ہتھیار بند تھے ہر شخص ہم میں سے ان کی تعظیم و تکریم کے لیے چوکس ہوا ان کے گھوڑوں کو قریب ہی کی سر سبز چراگاہ میں لے گئے اور ان کے آگے ہری ہری گھانس ڈال دی بہت ہی دھوم دھام اور تکریم سے سواروں کو ڈیروں میں بٹھایا وہاں ان کو کافی اور حقے پلائے اور پلاؤ پکانے کے لیے چانولوں کی بڑی دیگ چولھے پر چڑھائی گئی۔ دو بھیڑیں فوراً ذبح کی گئیں اور عورتوں نے انھیں فوراً پکا کر تیار کیا اور کچھ روٹیاں بھی اسی کے ساتھ پکائیں۔ غرض جو کچھ ہم سے ہو سکا اور جہاں تک ہم تکلف کرنا جانتے تھے اور جس قدر کہ ہم خاطر کر سکے ہم نے اپنے مہمانوں کی خاطر داری میں کوئی بھی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

جونہی میرے باپ نے دیکھا کہ پاشا کے آدمی چلے آتے ہیں اور ابھی وہ ان کے خیموں سے دور ہی تھے تو وہ اسی وقت سمجھ گیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے اس نے فوراً اپنے بڑے بیٹے کو حکم دیا کہ اس گھوڑی کو کھول کر توپڑ دس کے خندق میں لے جا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ ہمارے ڈیرے خیمے ایک پہاڑی سیلاب کے کنارے پر ایستادہ تھے تو ایسی حالت میں یہ بہت ہی آسان تھا کہ ہم کوئی چیز وہاں سے ہو کر چوری کر کے لے جائیں اور کسی کو کان و کان خبر نہ ہو۔ وہ بلند اور پیچدار پہاڑ جو ہمارے پڑوس میں واقع تھے ایسے پیچدار تھے اور ان میں اس قسم کا الجھاؤ تھا کہ اگر ہم پر کوئی آفت آکے واقع ہو تو وہ ہماری خاصی پناہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت مجھے وہ ساری باتیں اس طرح سے معلوم ہوتی ہیں گویا کل ہی گذری ہیں ہم عورات جہاں مرد جمع تھے اس مقام کو پورے طور سے جہاں تک تاک کر سکتی تھیں ہمارے تعجب نے خود ہماری اس امر کی طرف رہنمائی کی کہ ہم سنیں کہ یہ لوگ باہم کیا باتیں چیتیں کرتے ہیں۔ افسر اور دو ترک تو ڈیرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور باقیماندہ ہتھیار بند ڈیروں کے باہر کھڑے تھے۔ میرا باپ نہایت ہی ادب سے بچھی ہوئی اور ممتاز چادر سے علیٰحدہ دونوں اپنے ہاتھ آگے کیے ہوئے گردن جھکائے بیٹھا تھا اور اس کی نشست دوزانو تھی اور جو بہت ہی عاجزی ظاہر کر رہی تھی۔ مگر چاروں طرف اسی حالت میں اپنے کو نظر کر رہا تھا اور ادھر ادھر دیکھتا جاتا تھا۔

میرا باپ۔ "ای آمدنت باعث آبادی ما۔"

آپ نے ہمیں سرفراز فرمایا اور جو کچھ ہمیں آپ کے آنے پر خوشی ہوئی ہے ہم بیان نہیں کر سکتے۔

افسر۔ خوشا تا وقتیکہ ہمیں ایک دوسرے کے دیدار سے شادمانی حاصل ہو۔ آج مدت کے بعد ہم باہم ملے ہیں۔

غرض اسی قسم کی تکلف آمیز باتیں کر کے وہ خاموش ہو رہے اور اپنے حقے پینے لگے جب ان کے حقوں سے بقے کے بقے دھوئیں کے نکلنے لگے اور وہ کافی طور سے انھیں پی چکے تو افسر نے میرے باپ کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا۔

ہمارے آقا پاشا نے تمھاری صحت اور امن کی خیر مانگی ہے وہ تم سے بہت محبت رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ تم میرے گاڑھے دوستوں میں سے ہو۔ ماشاء اللہ آپ کیا ہی اچھے شخص ہیں تمام فرقہ کرد کے کیا کہنے۔ کیا خوب لوگ ان میں ہیں۔ تمھارے دوست ہمارے دوست ہیں اور تمھارے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔

یہ سن کر ایک بوڑھے ترک نے جو وہیں کھڑا ہوا تھا اس کی زور سے تائید کی اور اپنے افسر کا ہمزبان ہوا۔ اس پر میرے باپ نے ذرا اپنے کاندھے سکیڑ کر اور اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھ کے نیچی نگاہوں سے یہ گذارش کی۔

میں پاشا کا ادنیٰ غلام ہوں اور میں آپ کا بھی غلام ہوں۔ آپ میری یہ عزت افزائی کرتے ہیں اور آپ نے یہ قدر افزائی فرمائی جو میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

الحمدللہ کہ ہم پاشا کے سایہء عاطفت میں امن سے گذارا کرتے ہیں اور اپنی ٹوپیوں کو نڈر ہو کے ایک طرف اتار کے رکھ دیتے ہیں۔ خدا اسے سرسبزی عطا کرے گویا اب معاملہ کی گفتگو شروع ہوئی۔

افسر۔ او کس آغا ہمارے سردار کے پاس وہابیوں نے ایک وکیل بھیجا ہے اور اس نے وہ گھوڑی مانگی ہے کہ جس پر ان کا کمانیر سوار تھا اور عین معرکہء جنگ میں مارا گیا اگرچہ ان کا یہ مقولہ ہے کہ اس کا خون ہم سب کی گردن پر ہے اور اس کے خون کی دیت کیا تو خود پاشا کی جان یا اس کے بیٹے کی جان کے ساتھ ہو گی تاہم اس وقت یہ خیال وہ چھوڑ دیں گے اگر وہ گھوڑی انھیں دے دی جائے جس پر کہ وہ پیچ کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ گھوڑی عرب کی عمدہ نسلوں میں سے ہے۔ اور اگر دیکھا جائے تو اس گھوڑی کا سلسلہ اس گھوڑی سے ملتا ہے کہ جس گھوڑی پر بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس گھوڑی کے لینے کے لیے روپیہ دینے کو موجود ہیں یہاں تک کہ پاشا آخر ساکت ہو گیا۔ اس وقت تمام عالم جانتا ہے کہ تم بہادر ہو اور صرف تمھارے نیزہء جانستان نے شیخ کے بیٹے یعنی عرب کے کمانیر کی جان جسم سے نکالی ہے ہمارے مالک

نے تمام وزرا اور امرائے شہر بغداد سے صلاح لے کے ان کی درخواست پر توجہ مائل کی اور چونکہ اب یہ ایک گورنمنٹ کا کام ہے اس لیے اس نے خاص مجھے تمھاری خدمت میں اسی لیے بھیجا ہے کہ تم وہ گھوڑی مجھے پکڑا دو بس یہی میری درخواست تھی جو میں نے گوش گذار کی۔

میر اباپ۔ واللہ واللہ پاشا کے نمک کی قسم جس کو میں کھاتا ہوں۔ تمھاری روح کی اور تمھاری اس ماں کی قسم جس نے تم کو جنا ہے۔ تمام ستاروں اور آسمانوں کی سوگند وہابی محض جھوٹے ہیں۔ وہ گھوڑی کہاں ہے جس کو انھوں نے گم کر دیا اور مصیبت زدہ جانور کہاں ہے جو میری تقدیر میں آ کے پڑا۔ یہ صحیح ہے کہ میرے ہاتھ ایک گھوڑی لگی تھی لیکن وہ کچھ ایسی عیبی اور کمبخت تھی کہ میں نے میدان جنگ کے ایک ہی دن بعد اس کو ایک عرب کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ ہاں اس کا سارا ساز و سامان زین و لجام تو آپ لے جا سکتے ہیں اور جو گھوڑی مانگیے تو بندہ پرور اس کا تو پتہ بھی نہیں۔

افسر۔ اللہ اللہ۔ یہ ایک بہت ہی اہم اور با نتیجہ کام ہے او کس آغا تم میری طرح سے ایک متدین شخص ہو۔ ہماری داڑھیوں پر خندہ زنی نہ کرواؤ اور ہمیں برہنہ سر یہاں سے نہ بھیجو اگر ہم گھوڑی کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے تو ہمیشہ کے لیے ہمارے منہ سیاہ ہو جائیں گے اور تم میں اور پاشا میں دوستی کے دروازے بند ہو جائیں گے تمھیں میری جان کی قسم ذرا مجھے بتا دو کہ وہ گھوڑی کہاں ہے۔

میر اباپ۔ اب میں کیا کہوں اور کیا کروں اے میرے دوست۔ گھوڑی یہاں نہیں ہے۔ وہابی جھوٹے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ یہ کہہ کے میرا باپ افسر کے قریب آیا اور بڑی دیر تک پھسر پھسر کچھ باتیں کان میں کرتا رہا۔ جب باتیں ہو چکیں تو دونوں کچھ رضامند سے معلوم ہوئے۔

اس کے بعد افسر نے بہت زور سے بہ آواز بلند کہا۔ اگر واقعی یہ امر ہے کہ وہ جانور تمھارے قبضہ میں نہیں ہے تو پھر قسمت سے تو کوئی جنگ و جدل نہیں ہے۔ اب ہمیں بغداد واپس جانا چاہیے۔

میر اباپ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر عورتوں کے کمرے میں آیا۔ اور اپنے مہمانوں کو کافی اور حقہ پیتے ہوئے چھوڑا تاکہ اس کھانے کو تیار کرائے جو ان کے لیے پک رہا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو اس کی خزانچی تھی کہ اشرفیوں کی تھیلی لائے۔ یہ اشرفیوں کی تھیلی پرانے کپڑوں میں لپٹی ہوئی رکھی تھی اور جو اس کے پاس امانتاً رکھوائی تھی۔ اور گھوڑی کا زرین زین و لجام بھی اپنے پاس منگایا۔ اس نے بیس ڈیوکیٹ لیے اور ان کو رومال کے

ایک کونہ میں باندھ کر اپنی کمر سے کس لیا اور یہ حکم دیا کہ سب کھانا تیار کر کے مہمانوں کے ڈیروں میں بھیجا جائے پھر آپ اپنے معزز مہمانوں کے پاس واپس چلا گیا جب تک کہ کھانا کھانے کا گھنٹہ آیا بہت ہی کم باتیں ہوئی تھیں اور جو چند باتیں بھی ہوئیں وہ صرف گھوڑوں کتوں اور ہتھیاروں پر ہوئی تھیں۔

افسر نے اپنی خرجی سے ایک لمبا پستول نکالا۔ اس پستول کا دستہ چاندی کا تھا تمام آدمیوں میں یہ پھرا اور ہر ایک نے اسے انگریزی پستول کہا۔

دوسرے شخص نے اپنا تیغہ نکالا یہ پہلے ہی پانی کا خراسانی تیغہ تھا۔ اس کے بعد میرے باپ نے ایک لمبی سیدھی دو دھاری تلوار نکالی اور یہ کہا کہ یہ وہ شمشیر ہے جو میں نے عرب کو قتل کر کے اس کی میدان جنگ میں لی تھی۔

کھانا تیار ہو گیا۔ افسر کے آگے دستر خوان بچھایا گیا۔ اس پر روٹیاں لا کے رکھی گئیں اور سب کا دایاں ہاتھ پانی سے دھلایا گیا۔ دستر خوان کے بیچوں بیچ ایک لکڑی کی بڑی رکابی میں شوربہ بھر کر رکھا۔ میرے باپ نے پھر بآواز بلند کہا۔ بسم اللہ یہ سنتے ہی سب نے کھانا شروع کیا۔ ایک افسر دس اس کے ساتھی ایک میرا باپ اور تین اس کے بیٹے وغیرہ دایاں بازو آگے کی طرف کر کے لکڑی کے چمچوں سے شوربا پینے بیٹھ گئے۔ ایک بھیڑ پوری بھنی ہوئی آگے لائی گئی سب نے اس کو پارہ پارہ کر دیا اور جس قدر جس سے کھایا گیا اور اس کا ٹکڑا لیا گیا خوب اڑایا۔ اس کے بعد پلاؤ کی رکابی پر ہتھے لگے۔ جب سب کا پیٹ بھر گیا اور انھوں نے کھانوں سے ہاتھ کھینچے تو سب اٹھ بیٹھے اور ہاتھ دھونے شروع کیے ہاتھ دھونے میں یہ کہتے جاتے تھے۔ شکر اللہ شکر اللہ۔ اللہ برکت ذرسن یعنی خدا تیرے ہاں برکت پیدا کرے۔ لوگوں نے دستر خوان کو سمیٹ لیا اور ڈیرے کے باہر لے گئے اور میرے باپ کے گوالیون نے جو کچھ ان کے آگے کا بچا بچایا تھا سب کو صاف کر دیا۔

جب سب فراغت ہو گئے تو افسر یہاں سے روانہ ہونے کے لیے متردد ہوا اور اپنی خواہش بھی ظاہر کی اس کا دوسرا ساتھی گھوڑے تیار کرنے کے لیے چلا گیا۔ اور اب میرا باپ اور صرف افسر ڈیرے میں رہ گئے۔ میں ایک تنگ مقام سے اس ساری کاروائی کو دیکھ رہی تھی اب میں نے چاہا کہ یہ بھی دیکھ لوں کہ ان دونوں میں کیا ہوتا ہے میں نے ان کی گفتگو پر کان لگائے۔

میرا باپ۔ (افسر سے) بے شک دس ہی ڈیوکیٹ ہیں جن کو میں دے سکتا ہوں۔ ہم غریب ہیں بھلا ہمارے پاس زیادہ کہاں سے آئے۔

افسر۔ یہ محض ناممکن ہے تم جانتے ہو۔ اور تمھیں اس کا بخوبی علم ہے کہ اگر میں اس زر نقد کا دگنا نہ لوں گا تو کیا آ کر واقع ہو گا۔ جب پاشا کو یہ معلوم ہو گا کہ ہم گھوڑی لے کر نہیں آئے تو پھر وہ مجھے فوراً حکم دے گا کہ اوکس آغا کو گرفتار کر لاؤ اور اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لاؤ۔ اور اس کے علاوہ مجھے اب بھی اس حالت میں گرفتار کرنے کا حکم ہے جب تم ہماری درخواست قبول نہ کرو لیکن میں تم سے کچھ بھی نہ کہوں گا اگر تم میرا کہنا سنو گے اور وہ صرف بیس ڈیوکیٹ یعنی اشرفیاں ہیں۔ اس پر میرے باپ نے اپنی کمر میں سے وہ رومال کھولا اور اس میں سے اشرفیاں نکال کر ایک ایک کر کے گن دیں۔ جب افسر نے ان کو ہاتھ میں لے کر خوب پرکھ لیا تو اپنی پگڑی کا ایک آنچل کھول کر اس کے کونے میں اسے باندھا اور خوب لپیٹ لپٹا کر اسے ایک کونے میں رکھ لیا جب وہ اپنی پگڑی میں باندھ چکا اور پوری طرح سے مطمئن ہو گیا تو اس نے میرے باپ سے یہ الفاظ کہے۔

اب ہم دونوں نے مل کر باہم نمک کھایا ہے اور ہم دونوں بھائی ہیں اگر پاشا کی طبیعت کسی اور خلاف بات کی طرف رجوع ہوئی تو میں اس میں مخل ہوں گا لیکن تمھیں بھی چاہیے کہ تم بھی اس کے لیے کچھ نذرانہ بھیجو تاکہ وہ تمھاری تکلیف دہی کے خیال سے پھر جائے۔

میرا باپ۔ "بشم استن"۔ یعنی مجھے اپنے سر کی قسم میرے پاس ایک بھورا شکاری کتا ہے۔ اور وہ تمام کردستان میں مشہور ہے اور وہ ہرن کو دوڑ کر پکڑ لیتا ہے۔ آہو کی رفتار اس کے آگے ہرن ہوتی ہے۔ یہ وہ کتا ہے کہ شاہ فارس کے باپ نے بھی خواب میں نہ دیکھا ہو گا وہ کتا میں بطور نذر کے پیش کرتا ہوں۔

افسر۔ بہت خوب لیکن یہ کافی نہ ہو گا۔ تم خود خیال کر لو کہ یہ کس قدر مفید اور بانتیجہ ہے کہ جب ہمارا آقا تم سے خوش ہو گا۔

میرا باپ۔ دیکھنا اس وقت ایک خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے کہ میری ایک لڑکی نہایت ہی خوبصورت ہے چاند کا سا مکھڑا رکھتی ہے۔ اور بہت بڑی جسیم اور تن آور ہے بہت بڑا گھیر رکھتی ہے۔ تم اس سے یہ ضرور ہی کہہ دینا کہ اگرچہ یزیدی کافر ہیں۔ (لیکن صرف اس کی ہی آنکھوں میں) پھر بھی اس کے ہاتھ وہ خوبصورت نازنین لگتی جو حوروں کو بھی پرے بٹھائے گی۔ اب میں اس کے بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔

افسر۔ تالیاں بجا کے۔ آفرین آفرین یہ بہت عمدہ بات ہے۔

آفرین باد برین ہمت مردانہ تو

میں اس سے یہ درخواست کروں گا اور عجب نہیں کہ وہ اسے قبول کر لے گا اور پھر اس طور سے حرم میں تمھارا ایک قوی دوست ہو گا۔ جس سے تمھیں اس کشمکش سے نجات ملے گی اور آئندہ تم ان سب باتوں سے محفوظ رہو گے۔ اس بات پر وہ دونوں رضامند معلوم ہوئے۔

میں جو کہ ایک قربانی کی شے بنائی گئی تھی میں نے اس مقام کو چھوڑ دیا جہاں سے میں یہ تانک جھانک کر رہی تھی اور میں اپنی آئندہ قسمت پر فکر کرنے لگی پہلے تو اپنی قسمت پر رونے لگی اور میں نے خوب واویلا کیا اور یہ دل میں کہا۔

ہوں وہ تقدیر کی پوری کہ جہاں کی کلفت	میری غم خوار وانیس اور مری یار خلوت
بس مصیبت کو وہ الفت ہے خدا کی پناہ	اک گھڑی بھر بھی وہ دیتی نہیں مجھ کو فرصت
وہ زبان لاؤں کہاں سے کہ مصیبت روئے	اس کو ہوتی ہے بہت اپنے بیان سے رقت

لیکن پھر دوبارہ ذرا تفکر کر کے اور سر بہ گریبان ہو کے میں نے یہ کہا۔۔"اے میری روح کیا اب میں پاشا کی بیوی بنوں گی۔ کیا میں ہی اچھے اچھے کپڑے زیب تن کروں گی۔ کیا میں گھانس پر پیدا ہوئی تھی۔ اور اب اس مقام تولید کو کس قدر خوشی ہو گی تمام پہاڑی لڑکیاں میری یہ شان وشوکت دیکھ کے حسد تو ضرور ہی کریں گی۔"

جب کچھ وقت گزر گیا تو میں نے جنگ میں کھلے ہوئے میدانوں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ جب میں نے دیکھا کہ افسر اور اس کے ساتھیوں نے کتے کو لے کر اپنا سارا سازو سامان درست کر لیا ہے اور سب کسے کسائے پہاڑی سلسلہ میں ہو کے ہمارے ڈیروں کے کنارے کنارے جارہے ہیں۔ میں نے سنا کہ میرا باپ بہت شکر ادا کر رہا تھا کہ خدا نے ان نامبارک مہمانوں کو آسانی سے ٹالا۔

جونہی وہ نظر سے غائب ہو گئے اس نے یعنی میرے باپ نے فوراً ایک گوالیے کے لڑکے کو اپنے بیٹے کے پاس پہاڑوں میں جہاں وہ گھوڑی لیے بیٹھا تھا بھیجا کہ گھوڑی لے آئے جب گھوڑی اس کی بیوی کے ڈیرے میں بحفاظت پہنچ گئی اس نے اپنی قوم کے بزرگ تر اشخاص کو بلایا جن میں اس کے اور اس کی بیوی کے رشتہ دار بھی شریک تھے جو ہماری ہمسائیگی ہی میں رہتے تھے۔

میرے باپ نے ان سے ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ ہماری پاشا سے مخالفت ہو گئی ہے وہ ضرور جب تک ہم اس کی حدود میں ہیں ہماری بربادی اور ہم سے بالجبر مال و متاع لینے کے لیے موقع ڈھونڈے گا اور واقعی ہم سے سب کچھ مقبوضہ شے لے لوا کے ہمیں بھیک مانگنے کے موافق کر دے گا۔

یہ سب لوگ مردانہ ڈیر میں جمع ہوئے تھے کل تعداداً دس شخص تھے مسند پر بطور میر مجلس میرے باپ کا چچا جو ساری قوم میں بزرگ تھا بٹھایا گیا تھا یہ بہت بوڑھا تھا اور اس کی داڑھی برف کی طرح سفید ہو رہی تھی۔

میرے باپ نے کہا تم جانتے ہو کہ ہم یزیدی ہیں اور یہ بھی تمھیں معلوم ہے کہ سب مسلمان ہمیں کس درجہ کا برا اور ناپاک خیال کرتے ہیں۔ پاشا کی میری صرف شخصی دوستی ہوئی اور اس نے میرے ساتھ بنائے دوستی ڈالی۔ اس لیے کہ میں اس کے ہمراہ جنگلوں میں سڑا۔ اس لیے کہ میں میدان جنگ میں ایک شیر ہوں اور اس کے دشمن کا خون پی جاتا ہوں۔ لیکن اس کو طمع زر نے ایسا آ کے گھیرا ہے کہ میری یہ کوشش اور مدد بھی اس کا اطمینان نہیں کر پاتی۔

اگر ہم یہ موقع ہاتھ سے کھو دیں گے تو وہ مجھے میرے باپ کو میرے دادا کو میرے پر دادا کو ہمیشہ کی آگ میں کباب ہوتا ہوا دیکھے گا ہم اس کے مقابلہ کرنے کے لیے تھوڑے ہیں مگر قسم ہے اس بڑی قوت کی جس کی ہم پرستش کرتے ہیں کہ اگر میرے بال بچے نہ ہوتے اور مجھ پر ان کی حفاظت کا بار نہ ہوتا میں صرف ایک برچھا ہاتھ میں لے کے اور پہلو میں شمشیر آبدار لٹکا کر اپنی گھوڑی پر سوار ہو کے جس وقت کہ آراستہ ہوتا تو بزدل پاجیوں کے لشکر بے تعداد کا ذرا بھی ہراس میری طبیعت میں نہ آتا اور یہ تو مجھے ارمان ہے کہ میں تیغ بُران سے منہ بہ منہ دشمن کا مقابلہ کروں۔ آپ جانتے ہیں۔

بہر جا کہ شمشیر من کار کرد
یکے را دو کرد و دو را چار کرد

اس لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ ہم بلا توقف ایک لمحہ ترکی کی حدود کو چھوڑ دیں اور فارس کی حدود میں اپنا مسکن جہاں ضرور ہماری آؤ بھگت ہو گی اور ہم وہاں محفوظ ہوں گے اختیار کریں۔

اوکس آغا کا چچا۔ اوکس آغا (اس وقت ہر شخص بہت غور سے اس بوڑھے کی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو رہا تھا) تم میرے بھائی کے بیٹے ہو اور تم میرے بھی بچہ ہو۔ تم قوم کے افسر ہو۔ اور تم ہماری حفاظت اور اچھے موید

ہو۔ اگر میں تمھیں یہ نصیحت کروں گا کہ تم پاشا کو گھوڑی واپس دے دو تو تم مجھے نالائق یزیدی اور کرد خیال کرو گے اگر فرض کریں کہ یہ گھوڑی اس نے لے بھی لی تو ہمارے ہاں کیا کمی ہو جائے گی مجھے ترکی گورنروں کا تجربہ ہوا ہے کہ ان کو صرف بہانہ چاہیے اور جہاں ان کے ہاتھ کوئی بہانہ لگ گیا بس پھر وہ اس کی زور سے تائید کرتے ہیں اور اس پر ان کا عمل ہوتا ہے۔ اس لیے میں تمھاری رائے سے موافق ہوں۔ اب ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔ مجھے ایک زمانہ یہاں گذر گیا ہے۔ ان ہی پہاڑوں پر میں نے اپنے گلے اور مویشی چرائے ہیں اور بچپن سے میں یہ کرتا رہا ہوں۔ میں نے آفتاب کو سامنے کے پہاڑوں پر چڑھتا ہوا دیکھا ہے۔ اور دور کے میدانوں میں غروب ہوتے وقت بھی اس کی الوداعی خونی کرنوں کو ملاحظہ کیا ہے۔ میں اس جگہ سے محبت رکھتا ہوں اور زیادہ محبت کا یہ باعث ہے کہ ہمارے باپ دادا بھی یہیں پیدا ہوئے اور انھوں نے یہیں پرورش پائی۔ تاہم اب یہ کہا جائے گا کہ قوم کی بربادی کا سبب میں گنا جاؤں گا۔ اس لیے میں فوراً روانگی کے لیے تیار ہوں۔ روانگی میں توقف کرنا بیشک ایک خوفناک امر ہے۔ دو ہی دن نہ گذرنے پائیں گے کہ ہم پاشائی فوج کو سامنے سے نمودار دیکھیں گے جو ہماری بربادی کے لیے آمادہ ہوگا اور ہمارا ستیاناس کر دے گا۔ چلو اور جلدی چلو اے میرے بچو خدا ہر جگہ مہربان ہے۔ وہ وقت آتا ہے کہ تم اپنی پرانی قیام گاہوں کو چھوڑو گے اور جب تم صف بستہ ہو کر گرمیوں کی چراگاہوں سے جاڑوں کی قیام گاہوں اور جاڑوں کی قیام گاہوں سے گرمیوں کی چراگاہوں تک روانہ ہو گے اس وقت ہمیں کچھ خوف و خطر آ کے نہ واقع ہو گا۔

اس کے بعد ایک بوڑھا گوالیا کہ جس کو اس ملک کے حصص سے اور فارس کے اس بڑے حصہ سے جو ہمارے ملک اور فارس میں آ کے واقع ہوا ہے بخوبی آگاہی تھی ادب سے یہ گذارش کرنے لگا۔ اگر ہمیں جانا چاہیے تو ابھی روانہ ہو جانا چاہیے کیونکہ اگر ایک دن توقف کریں گے تو ہمیں پھر یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ پہاڑوں پر برف گلنی شروع ہو گئی ہے۔ مگر ایک ہفتہ کے بعد سخت سیلاب آئے گا کہ ہم ہرگز اپنی بھیڑوں وغیرہ کو لے کے نہ عبور کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ تین ہفتہ میں وہ دن آجائے گا کہ آفتاب برج حمل میں جا کے قیام کرے گا اس وقت انشاء اللہ ہماری بھیڑوں کی بہتات زیادہ ہو گی۔ تو ہمیں چاہیے کہ ابھی ان ہی دنوں میں اپنا سفر طے کر لیں اور اس وقت جا کے آرام کریں کہ جب بھیڑوں کی بہتات ہونی شروع ہو جائے گی اب ہمیں اس بات کو بھی طے کر لینا چاہیے کہ ملک کے کون سے قطعہ میں ہم اپنا مسکن کریں گے اس لیے کہ فارسی پھرنے والی قومیں اپنی چراگاہ کے استحقاق

کے لیے اسی چمچپڑ ہیں کہ تو اور پھر بغیر کسی واجبی حکم گورنمنٹ کے جب ہم ان کی چراگاہوں میں دست اندازی کریں گے اور بیجا دخل دیں گے تو اس وقت ضرور ہمارے گوالیون اور ان کے گوالیون سے باہم لپاڈگی ہو گی اور پھر اس جھگڑے کا نتیجہ کیا ہو گا اس کا علم خدا کو ہے۔

میرا باپ۔ بیشک یہ گوالیا سچ کہتا ہے۔ (اس کی طرف مخاطب ہو کے) بہت خوب کارابیگ کیا کہنے واقعی تم نے بہت ہی اچھی نصیحت کی بات کہی ہے تم واقعی اچھے ملازم ہو۔ شاباش۔ پہلے اس سے کہ ہم فارس کے ملک میں جا کر قیام کریں یہ بہتر ہو گا کہ ہم میں سے ایک شخص کرمان شاہ چلا جائے اور وہاں جا کے شہزادے سے ملک میں رہنے کی رخصت طلب کرے اور جب ایک دفعہ پاشا تک ہماری پہنچ ہو جائے گی میں خود اس خدمت کو انجام دوں گا۔ اور جو کچھ مناقشہ یا تنازع دوسری گردش کنان اور خانہ بدوش اقوام سے آکے واقع ہو گا سب کا پورے طور سے انسداد ہو جائے گا اور میں یہ سب پخت وپز ہی کر کے تمھارے پاس واپس پھروں گا۔

تمام آدمی فوراً ہی روانہ ہونے کے لیے یک زبان ہوئے میرے باپ نے حکم دیا کہ بھیڑیں اور سارا گلہ اکٹھا کیا جائے۔ ڈیرے سب اکھیڑ لیے گئے اور بیل اسباب لے جانے کے لیے تیار ہوئے۔ اونٹوں پر بھی کجاوے رکھے گئے غرض ہر شے آدھی رات کی روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔ اس سبب سے کہ آفتاب نکلنے سے پہلے ہم ایک منزل طے کر لیں۔ وہ گھوڑی جس کے سبب سے یہ سارے کرتوت ہوئے تھے اس پر میرا باپ خود سوار ہوا اور اس کی خاص بیوی اور بچے کجاوے میں بیٹھے۔ جس اونٹ پر یہ سوار ہوئی تھی وہ قسم قسم کی زیبائشی چیزوں سے مزین تھا۔ ایک پاکھر اس پر پڑی ہوئی تھی جس پر زریں پوتھوں کا کام ہوا تھا ایک کپڑا کجاوے پر پڑا ہوا تھا جس میں کثرت سے فیتے ٹکے ہوئے تھے غرض پوری شوکت کا سامان تھا۔

جونہی عورتوں کو یہ خبر ہوئی کہ اب یہاں سے کوچ ہوتا ہے ایک واویلا اور شور و غوغا مچنا شروع ہوا۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں یہاں سے کوچ کرنے کی برائی اس کی اصلیت سے بھی زیادہ معلوم ہونے لگی۔ ان کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ شاید پاشائی فوج پہنچی ہے کہ تمام قوم کرد کو گرفتار کر لیں اور ان کے بال بچوں کو غلام بنا کر لے جائیں۔ اور اگر میرا خیال کیا جائے تو میری (یعنی زینب کی) مصیبت اور نئے نئے خیالات سے بڑھی کیونکہ میں نے اپنے باپ اور ترکی افسر کی باتیں سنی تھیں میں سوا اس کے اور کیا خیال کر سکتی تھی کہ میں پاشا کی بیوی بنائی جاؤں گی۔ میرا وہ خواب و خیال جاتا رہا بجائے اس کے کہ امیرانہ پوشاکیں۔ شاہانہ محلات۔ سنہری محافوں کی نشست عیش و عشرت

میں زندگی بسر کرنے کے خیالات کہ جن پر پہلے میں پھولی ہوئی تھی اور مجھے ایک خوشی ہوئی تھی سب خیر باد ہو گئے اب تو صرف سوائے شدید اور سخت محنتوں کے میرے آگے کچھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ مثلاً جانوروں کالادنا۔ اسباب کاباندھنا۔ دودھ کادوہنا۔ مکھن کابلونا۔ یہ سب چیزیں مجھے برابر معلوم ہونے لگیں۔

اس وقت ہمارا تمام کیمپ جارہا تھا۔ اور جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی تمام پہاڑ بھیڑوں اونٹوں بیلوں سے پر معلوم ہوتا تھا۔ جن کو گوالیے اپنی اپنی قیام گاہوں سے برابر لیے چلے جاتے تھے۔ ڈیرے خیموں کے ٹکڑے ہو گئے تھے اور سب لاد دیے گئے تھے۔ عورات جنھوں نے کہ اس سفر کی محنت کا بہت بڑا حصہ لیا تھا اپنے باورچی خانہ کے برتن وغیرہ لادنے میں زیادہ چالاک دکھائی دیتی تھیں تمام چادریں اور دریاں سمیٹ لی گئی تھیں اور اونٹ ان سے لدے پھندے موجود تھے تمام آلے مکھن وغیرہ بنانے کے اکٹھے کر لیے اور خچروں۔ بیلوں۔ اونٹوں پر کاٹھیاں لاددی گئیں۔ مویشی سب آپہنچے اونٹوں کو گھٹنوں کے بل بٹھایا۔ ان پر کجاوے رکھے۔ ہر ایک خچر پانچ یا سات ڈوریوں سے خوب کسا گیا۔ اور ان کی گردنوں میں گھنٹیاں ڈالیں۔ بھیڑوں اور بکروں نے لمحہ کے لمحہ اپنا کوچ کر دیا تھا۔ اور روانہ ہو گئے تھے۔ چاروں طرف ان کے محافظ کتے ان کے ساتھ تھے جن کے ہمراہ گوالیے بھی راستہ طے کر رہے تھے۔ ایک شخص ان میں سے سب سے آگے چلتا تھا اور پھر سب اسی کی پیروی کرتے تھے۔

آدھی ہی رات کو تمام کیمپ نے زمین کو صاف کر دیا اور جب دن نکلا تو ہم بہت دور پہنچ چکے تھے اور ہماری قطار پہاڑوں میں بہت دور کے فاصلے پر چلتی ہوئی نظر آتی تھی۔ ہمیں اس کا خیال تھا اور ہم سب اس کا کھوج رکھتے تھے کہ ہمیں کوئی ایسا شخص نہ ملے کہ جو ہماری نقل وحرکت کی خبر پاشا تک پہنچا دے۔ چند روز کے سفر کے بعد ہم حدود فارس میں پہنچے بہت ہی کم ہمیں واقعات اور سانحات پیش آئے اور جس قدر کہ ہمیں امید تھی اتنا یاوری بخت سے ہم نے کسی کو سدراہ نہ پایا۔ سفر میں میرا باپ مع چند افسران قوم کے اپنے عقب کا زیادہ خیال رکھتا تھا کہ مبادا پاشا کے آدمی ہمارے آگے سدراہ ہوں تو جہاں تک ہم سے ممکن ہو اس کا انصرام کر لیں۔ لیکن خوش قسمتی تھی ہم پر عنایت کی ہم نے سوائے اپنے گردش گوالیوں کے کسی کو بھی سفر کی راہ میں نہ دیکھا۔

جب ہم ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے تو میرا باپ سوار ہو کے کرمان شاہ کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں شاہ کجکلاہ کا بیٹا گورنری کرتا تھا کہ اس سے جا کے اس امر کی اجازت لے کہ فارس کی حدود میں ہم مقیم ہوں اور ایک چراگاہ اپنے

گلہ کے لیے تجویز کر لیں۔ ہم متفکر ہو کے اس کی انتظاری میں رہے کہ اسی وقت ہم پر دونوں ترکوں اور فارسیوں کا حملہ ہوا۔ لیکن چونکہ دونوں ملکوں کی یہ پالیسی ہے کہ خانہ بدوش اقوام کو اپنی حدود میں آنے کی تحریص و ترغیب دیں اس لیے ہمیں کسی قسم کی ایذا یا مضرت نہیں پہنچی۔ کیونکہ جب فارس کا سردار ہمارے قریب پہنچا وہ ہم سے کچھ مزاحم نہ ہوا۔

آخر کار میرا باپ واپس پھر کے آیا اس کے ساتھ شہزادے کی طرف سے ایک افسر بھی آیا تھا کہ جو دس چراگاہ ہمارے لیے بتائے کہ وہاں ہم اپنے مویشی چرائیں۔ ہمارے جاڑے کی قیام کے لیے تو پہاڑوں کا سایہ دار گوشہ تجویز ہوا جس کے قریب کثرت سے پانی کا چشمہ موجود تھا اور ہمارے گرمی کے قیامی قطعات پاس ہی کے ملے ہوئے پہاڑوں میں جو وہاں سے تین دن کے راستہ پر تھے قرار دیے گئے۔ یہ مقام ٹھنڈے تھے۔ جن کے چاروں طرف کثرت سے پانی اور گھاس اگی ہوئی تھی اور مقام بھی ترکی حدود سے فاصلے پر آ کے واقع ہوئے تھے ان سے بھی کسی قسم کی زحمت ہونے کی امید نہ تھی۔ کرمان شاہ میں میرے باپ کی بہت شہرت تھی۔ جب اس کے آنے کی خبر یہاں پہنچی تو شہزادہ بہت خوش ہوا۔ اور بڑی توجہ اور توقیر سے اس کے ساتھ پیش آیا اور اسے خلعت فاخرہ سے ممتاز کر کے رخصت کیا۔

اس کے وہاں قیام گاہیں قائم کرنے اور بسنے پر کچھ قول و قرار نہ ہوئے بلکہ اس بات پر بہت بہت اقرار کیے گئے کہ ہم تمھاری حفاظت کریں گے۔ میرے باپ سے شہزادے نے یہاں تک کہا کہ اگر پاشا تم پر اور تمھاری قوم پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ ہماری گورنمنٹ کی ملک ہے اور میرے پاس اس امر کی درخواست بھیجے کہ میں تمھیں اپنے ہاں دخل نہ دوں اور اپنی حفاظت میں نہ لوں تو میں اس کے باپ کو بھی جلا کر خاکستر کر دوں گا۔ اور اس کی ڈاڑھی پر خندہ زنی کروں گا۔ خدا کی دنیا کا منہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے اگر ایک شخص کو ایک جگہ کچھ تکلیف ہو اور اس سے وہاں برے طور سے برتاؤ کیا جائے تو وہ اس جگہ رہ سکتا ہے جہاں اسے کوئی مضرت نہ پہنچے اور کسی طرح کے چشم زخم حاصل ہونے کی امید نہ ہو۔ غرض ہم یہاں بسے اور اپنے پہلے طریقہ اور حرفے کرنے لگے۔

شہزادہ کو جو امید تھی وہی ہوا کہ تھوڑی مدت کے بعد پاشا بغداد کا ایک افسر کرمان شاہ پہنچا۔ اس کے پاس پاشا کی چٹھی تھی جس کا یہ مضمون تھا کہ اوکس آغا مع اپنی تمام بھیر بنگاہ ہماری حدود میں پہنچایا جائے اور اس میں ہمارے فرار کی کل حالتیں مرقوم تھیں میرے باپ کو چور گردانا گیا تھا اور اس پر یہ الزام قائم کیا تھا کہ اس نے ایک بیش

قیمت گھوڑی چرالی ہے اور اس گھوڑی کو پاشا کی ملک بتایا گیا تھا۔ وہ گھوڑی فوراً واپس ہونی چاہیے اور اگر یہ امر نہ ہوا تو حدود فارس کو تہ و بالا کر دیا جائے گا اور اس کے معاوضہ میں فارسی ملک پر قبضہ ہو جائے گا۔
یہ تمام باتیں اور صورتیں میرے باپ کو معلوم تھیں۔ شہزادے کے پاس سے ایک طلبی آ کر پہنچی کہ وہ فوراً حاضر دربار ہو۔
جونہی یہ خبر ہمیں پہنچی ہم میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو گئی اور ایک کھلبلی مچ گئی یہ ایک صریحی امر تھا کہ پاشا گھوڑی لیے بغیر ہرگز باز نہ آئے گا۔ اور کوئی دقیقہ اس کے قبضہ کرنے میں نہ اٹھا رکھے گا۔ اس وقت نہ یہ خیال میں آ سکتا تھا کہ ہم جیسی کمزور اور بیچاری قوم کچھ جوڑ توڑ کرے اور فریب کر کے کچھ رشوت نکالے بھلا اتنے بڑے سردار کو ہم رشوت ہی کیا دے سکتے تھے اور علاوہ اس کے یہ بھی تو ہے کہ ایسے خزانہ پر قبضہ رکھنا یہ بھی تو فارسیوں کی نگاہ میں بہت بڑا جرم ہے وہ قطعی گھوڑی کو اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔ اور اس امر کی بالضرور کوشش کریں گے کہ اس کو ہم سے بالجبر لے لیں اگر یہ بھی فرض کریں کہ اس وقت نہ سہی اور اوقات میں غرض چھوڑنے کے ہیں نہیں۔
یہ بات بھی جلد مشہور ہو گئی کہ ہم میں کچھ یزیدی بھی ہیں اور یزیدیوں سے خصوصاً حضرت علیؑ کے مذہب والے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اب یہ خیال پھیلا کہ جوں جوں وقت قریب آتا جاتا ہے وہ واقعہ آنکھوں کے آگے پھر رہا ہے کہ ہم اب شکار ہوں گے۔ اب اس کی کیا تدبیر کریں اور اس کے لیے کیا بات سوچیں۔
جب میرا باپ شہزادے کی طلبی پر روانہ ہونے لگا تو اس نے پوشیدہ حکم دے دیا کہ گھوڑی کو ذرا محفوظ مقام پر رکھنا کیونکہ میں وہاں جا کے محض انکاری ہوں گا۔ مگر جب وہ شہزادے کے پاس سے واپس ہو کے آیا تو یہ سارا خیال اور گھوڑی کو چھپانا بے ضرورت ثابت ہوا جب میرا باپ وہاں پہنچا ہے تو شہزادے نے بڑی عنایت اور نوازش سے باتیں کیں اور میرے باپ کو یقین دلایا کہ کسی حالت میں بھی پاشا کی درخواست کی تعمیل نہ ہو گی کہ میرا باپ گھوڑی پر قبضہ رکھے اور جب تک وہ یہاں رہے امن اور آرام سے زندگی بسر کرے۔ شہزادے کے یہ لفظ تھے جو خاص اس کی زبان سے نکلے تھے۔ "تم اب آرام کرو۔"
او کس آغا جب تک کہ تم ہمارے سایہء عاطفت میں ہو تم بے خوف تکیہ پر آرام سے سر رکھ کے خواب راحت میں سرشار ہو پاشا نے تم پر اور تمھاری قوم پر جو دعویٰ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ہماری گورنمنٹ کی ملک ہیں۔ اچھا پھر کیا ہے۔ میرے باپ کے محلات کے دروازے جو مرکز مخلوق اور شاہ شاہان ہے ہر شخص کے لیے

کھلے ہوئے ہیں اور جونہی کوئی پردیسی یہاں داخل ہو اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ حفاظت میں آگیا ہے۔ تم ہماری پناہ اور حفاظت کے خواستگار ہوئے کیا مسلمان نہیں ہیں کہ تمھاری حفاظت کو ہم اپنے اوپر فرض نہ جانیں اور اس سے انکار کریں۔ جاؤ اپنے ڈیروں میں جاؤ خوش ہو ہم پاشا سے سمجھ لیں گے۔

جب یہ بات ہم نے سنی تو ہمیں بہت ہی خوشی حاصل ہوئی اور میرے باپ نے صرف اس عظیم الشان فتح کے حاصل ہونے پر تمام بزرگان قوم کی دعوت کی جہاں ہماری حال کی جائے قیام پورے طور سے متفرق ہو گئی تھی اور آئندہ کی تدابیر پر توجہ مائل کی گئی تھی۔ ہر شخص اس بات سے خوش تھا کہ وہاں سے بھی اللہ نے ساتھ خیر کے بھگایا اور پھر یہاں بھی امن مل گیا مگر سب میں بوڑھا شخص یعنی میرے باپ کا چچا وہ متفکر اور متردد ہی معلوم ہوا اور اس کو اس امر سے اصلاً خوشی حاصل نہ ہوئی۔ کیونکہ اس نے ایرانیوں کا زمانہ بہت کچھ دیکھا تھا بچپن سے نادر شاہ کی نوکری کی تھی اسے شہزادے کی ان مہربان اور شفقت بھری لفظوں پر ذرا بھروسہ نہیں تھا اور وہ اس کے وعدہ وعید کو ذرا بھی سچ نہیں جانتا تھا۔ اس نے اپنی تمام جماعت سے یہ مخاطب ہو کے کہا۔ تم فارسیوں سے اصلاً واقف نہیں ہو۔ تمھارا ان سے کبھی کوئی معاملہ آ کے نہیں پڑا۔ اس لیے تم کو چاہیے کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں پر نہ جاؤ اور ان کی اس تھپکی دینے پر ہرگز بے خوف و خطر اور امن کے ساتھ زندگی بسر نہ کرو۔ میں ان میں مدتوں رہا ہوں اور مجھے ان کے قول و قرار کی قدر و قیمت بخوبی معلوم ہے۔ ان کے ہتھیار ایسے نہیں ہیں کہ جیسے تمھیں میدان جنگ میں دیکھنے کا موقع ہوا ہے۔ بجائے شمشیر اور نیزے کے وہ دغابازی فریب دہی۔ بد معاشی اور کذب استعمال کرتے ہیں۔ اگر تم کچھ بھی سرانجام کرنے کے لیے مستعد ہو تو اپنے کو پھندے میں پھنسا ہوا تصور کر لو۔ جب تم یہ خیال کرو کہ ہم پھولوں کے بچھونوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بس اپنے سر پر بربادی اور ویرانی کا تصور کر لو۔ دروغ گوئی یہ انکا بہت بڑا قومی عیب ہے۔

کیا تم نے اس بات پر خیال نہیں کیا کہ وہ کوئی لفظ بغیر قسم کے زبان سے نکالتے ہی نہیں۔ بھلا تم ہی خیال کر کہ جو شخص سچ بولے گا وہ قسم کیوں کھانے لگا۔

اعتبار وعدہ ہائے مردم ایران غلط

ہاں غلط آرے غلط امشب غلط فردا غلط

ایک شخص تو قسم کھاتا ہے تمھاری روح کی اپنے سر کی۔ تمھارے بچوں کی۔ پیغمبر کی اپنے رشتہ داروں کی اپنے باپ داداؤں کی۔ دوسرا شخص قبلہ کی۔ پادشاہ کی اس کی داڑھی کی قسم کھاتا ہے۔ تیسرا تمھاری جان کی۔ تمھارے نمک کی اور امام حسینؑ شہید کربلا کی شہادت کی سوگند کھاتا ہے۔ کیا ان میں سے کسی بزرگ شے کا بھی انھیں پاس و لحاظ رہتا ہے۔ نہیں بلکہ وہ ہر وقت جانتے ہیں کہ جھوٹ بولتے ہیں اور پھر اس پر بھی وہ قسمیں کھائے چلے جاتے ہیں۔

اب ہماری ہی حالت اور ہمارے اس مقدمہ میں خیال کیا جائے کیا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ ہم بے ایذا دیے ہوئے رہا کر دیے گئے۔ کہ ہم اس پر یعنی اس گھوڑی پر قبضہ رکھیں جو ہنوز ہمارے سروں پر آفتوں پر آفت لا رہی ہے۔ یہ فارس والے گھوڑوں کے معاملہ میں ترکوں سے بھی زیادہ وحشی ہیں۔ ان کی نظروں میں ایک عربی گھوڑی ہیرے اور جواہرات سے بھی زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ اگر اس وقت شاہ کو یہ خبر ہو جائے کہ ہم عربی گھوڑی رکھتے ہیں فوراً وہ لینے کے لیے آدمی روانہ کرے گا تو پھر بتاؤ کہ کیا صورت پیش آئے گی۔ کیا ہم تمام دنیا کے مقابلے کے لیے دست بشمشیر ہو جائیں گے۔ نہیں نہیں اے میرے دوستو۔ تم جو کچھ چاہو اپنا اچھا برا خوب سمجھ لو۔ اور جو تم میری کہو تو مجھے تو تمھارا یہاں رہنا غیر معین معلوم ہوتا ہے۔ میں تمھیں ایک عام طور نصیحت کرتا ہوں کہ تم ایرانیوں کے قول و قرار پر ہرگز بھروسہ نہ کرو اور دیکھو کہ وہ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

غرض وہی دہشتناک موقع دیکھنا پڑا۔ اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب تم مجھے یہاں دیکھتے ہو۔

ایک صبح کو آفتاب کے نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہم نے کچھ غپڑ شپڑ دیکھی اور کتے کچھ سٹ پٹائے سے معلوم ہوئے اور انھوں نے بھونکنا اور دہشت سے غل مچانا شروع کیا چونکہ ہم اس بات کے عادی تھے اور ہمیں یہ معلوم تھا کہ بھیڑیے اکثر ہمارے گلہ پر حملہ آور ہوتے ہیں اسی باعث سے کتے غل مچاتے ہوں گے تو ہم نے چنداں خیال نہ کیا مگر آخر کار میرا باپ اور اس کے بیٹے جاگے بندوقیں ہاتھ میں لیں اور باہر نکلے کہ دیکھیں کیا آفت آتی ہے۔ وہ بیس قدم بھی نہ چلے ہوں گے کہ انھوں نے ایک سوار دیکھا اور پھر دوسرا اور پھر تیسرا اور اس کے بعد بہت سے۔ آخر کار یہ معلوم ہوا کہ ان کے تمام ڈیرے خیمے گھر گئے میرے باپ نے اسی وقت اپنا خوف سب میں ظاہر کر دیا فوراً تمام کیمپ میں ایک تحریک پیدا ہو گئی۔ سوار میرے باپ پر لپکے اور انھوں نے چاہا کہ اس کو گرفتار کر لیں۔ لیکن اس نے ایک کو گولی مار کر اپنے پیروں میں گرایا اور دوسرے کو تلوار سے زخمی کیا۔ بندوق کی آواز اور

غل غپاڑہ گویا کہ پورے حملہ کرنے کانشان تھاان کا اصلی مدعا صرف گھوڑی کالینا تھاچنانچہ پہلے انھوں نے عورتوں کے ڈیروں پر حملہ کیااور اپنی متلاشی شے کو قبضہ میں کر لیا۔

جب دن نکل آیاتو ہم نے دیکھا کہ ہمارے حملہ آور ایرانی تھے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ شہزادے کے حکم سے حملہ آور ہوئے تھے۔ میرے باپ نے بدقسمتی سے ان کے سردار کو قتل کرڈالا بس یہی ہمارے قیدی بننے کا کافی سبب تھا۔ اب تم خود ہماری اس وقت کی حالت کو خیال کر سکتے ہو وہ آفت اور مصیبت ہم پر آکے واقع ہوئی تھی جس کو میں کبھی نہ بھولوں گی اور جس کا خوفناک نظارہ اب تک میری آنکھوں کے آگے گردش کر رہا ہے ہمارے باپ کی ہماری آنکھوں کے آگے توہین وفضیحت ہو رہی تھی اور ہمارامال واسباب سب لوٹ لیا گیا۔

زینب مجھ سے اب یہ کہنے کو تھی کہ میں مرزا احمق کی ملک کیونکر بنائی گئی کہ اتنے میں دروازہ کے کھڑ کھڑانے کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں ایک بڑی دہشت میں اٹھے میری معشوقہ نے مجھے تو بالا خانہ کی چھت پر روانہ کیا اور آپ یہ دیکھنے گئی کہ کون آیا ہے۔ اس آوا سے جو کواڑ کھلواتی تھی زینب نے پہچان لیا کہ یہ ڈاکٹر کی آواز تھی اور اس نے اپنی عقل و دانش میں اس امر کا خیال کر کے کہ کھانا پکانے وغیرہ کی خاصی وجہ ہو جائے گی اور یہ کہنے کی جگہ ہو گی کہ ڈاکٹر کے لیے تیار ہوا تھاوہ دروازے پر گئی اور دروازے کو کھول کر طبیب کو اندر آنے دیا۔ بالا خانہ کی چھت سے میں ہر واقعہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ طبیب زینب کو تنہا دیکھتے ہی کھل گئے۔ اس نے چند باتیں اس سے الفت آمیز کیں اور اس میں اصلاً غلطی نہیں ہو سکتی کہ کس طرح وہ دل سے فریفتہ معلوم ہو تا تھا۔

جب اس نے اپنی بیوی کی کھڑکی کی طرف دیکھا کہ کھانا تیار رکھا ہے اور ہر طرح سے سب چیزیں موجود ہیں۔ چند ہی باتیں طبیب زینب سے پوچھنے پایا تھا کہ اتنے میں خانم مع چند عورات کے اچانک نمودار ہوئیں میں اس کی نگاہ اور اس وقت کے دیکھنے کو ہر گز نہ بھولوں گا۔

خانم۔ سلام علیکم۔ (عزت سے) میں تمھاری عاجزہ ملازمہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ دونوں حضور عالیجاہ اور بیگم صاحبہ صحیح و سالم ہوں گے۔ اور آپ دونوں نے اپنا وقت خوب ہی پسندیدگی سے گذارا ہو گا۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں بہت ہی جلدی پہنچی پھر اس کے چہرے پر خون چڑھ گیا۔ اس نے فوراً اپنا تمسخر تو ترک کر دیا اور اس ناخوش مجرم پر دانت پیسنے لگی۔ اور کہا یہ میرے کمرے میں کھانا ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ معلوم ہو گیا کہ میں ایک کتے سے بھی کمتر ہوں۔ میرے ہی مکان میں۔ میرے ہی غالیچہ پر اور میرے ہی چھپر کھٹ پر میری ہی لونڈی سے

مزے اڑائے جائیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ میں سر اسر حیرت زدہ ہوں میری تو عزت خاک میں مل گئی کہ مجھے آسمان پر سے زمین پر گرا دیا گیا۔ پھر خانم نے اپنے خاوند کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا۔

اے میرزا احمق میری طرف دیکھ اور میری روح کی قسم کھا کے مجھ سے کہہ کہ کیا تو بھی اس قابل ہے کہ تیرا شمار آدمیوں میں کیا جائے۔ تم طبیب بھی ہو۔ لقمان زمان بھی ہو۔ دانائے دوراں بھی ہو بندر کا چہرہ بھی رکھتے ہو۔

بندر کی یہ صورت ہے تو لنگور کی گردن

اس لمبی نیچی داڑھی سے۔ اس جھکی ہوئی کمر سے آپ کو عشق بازی سوجھی ہے تو بہ تجھے یہ خبر نہیں۔

چون پیر شدی حافظ از میکدہ بیرون شو

رندی و خراباتی در عہد شباب اولےٰ

لعنت ہے تیری اس لمبی داڑھی پر۔ پھر خانم نے اپنی پانچوں انگلیاں اس کے چہرے کے آگے کر کے یہ کہا کہ میں اس صورت پر تھوکتی ہوں بھلا میری جب کیا حقیقت رہی کہ جب تم نے میرے آگے ایک غیر مصفا لونڈی پسند کی۔ اب میں تمھارا کیا کروں کہ تم نے میرے ساتھ کیسا ناجائز برتاؤ کیا ہے۔ جب تمھارے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور ایک کوڑی تمھارے پلہ میں نہ تھی اور تم سوائے دوائیوں اور نسخوں کے کچھ بھی نہیں رکھتے تھے تو میں اس وقت تمھارے پالے پڑی تھی اور میں نے تمھیں ایک آدمی بنایا تھا اب تم بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہوتے ہو تو آدمی تمھارے آگے اپنا سر جھکاتے ہیں۔ تم کشمیری شال زیب تن کرتے ہو اب تم ایک معزز شخص ہو گئے ہو مگر پھر کیا کچھ بھی نہیں۔ اب بتاؤ اس کے کیا معنی ہیں۔ کچھ تو منہ سے پھوٹو۔

طبیب پر جوں جوں اس کی بیوی یہ سخت حملے کرتی جاتی تھی وہ ہزاروں قسموں اور طرح طرح کی باتوں سے اس کو یقین دلوا رہا تھا کہ نہیں خانم میں نے یہ جرم نہیں کیا جس کا تمھیں خیال ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔

ہر چند مرزا احمق نے قسمیں کھائیں اور خدا کو گواہ دیا لیکن پھر بھی اس کی بیوی کے غصہ کی وہی حالت تھی بلکہ اور اس کی قسمیں آگ میں تیل کا کام کرتی جاتی تھیں۔ اور وہ لحہ بلمحہ اور بھی زیادہ مشتعل ہوتی تھی۔ جب خوب اپنے خاوند کو برا بھلا کہہ چکی اور جہاں تک اس کے غصہ نے گواہی دی کوئی دقیقہ مذلت و خواری کا نہ اٹھا رکھا تو پھر یکایک وہ زینب پر پلٹ پڑی اور پھر زینب پر خوب ہی دل کے پھپولے پھوڑے چونکہ غصہ میں دیوانی بن رہی تھی پھر مرزا احمق پر گری یہاں تک کہ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ مگر غضب تو یہ ہوا کہ وہ صرف ان سخت

اور مغضوب لفظوں ہی پر قانع نہ ہوئی بلکہ اس نے آگے بڑھ کر کمبخت زینب کی زلف کو جو اس حسین لڑکی کے کاندھوں پر بل کھا رہی تھی آگے کھینچ کے جھٹکا مارا اور اس قدر زور اور بے رحمی سے گھسیٹا کہ وہ نہایت ہی دردناک آواز سے غل مچانے لگی پھر اس ظالمہ عورت نے اپنی اور لونڈیوں کی مدد سے اسے ایک تالاب میں ڈال دیا اور وہاں اس پر وہ کوڑے بازی کی کہ وہ ادھ موئی ہو گئی۔ آہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی جس وقت کہ میں نے اپنی بے گناہ حسینہ کو اس طرح سے کوفت ہوتے ہوئے دیکھا۔ بس یہ جی چاہا کہ اڑ کر جاؤں اور اسے خلاصی دلوادوں میرے تمام جسم میں ایک ایک رونگٹے سے شعلے مشتعل ہو رہے تھے اور تن بدن میں میرے آگ لگ رہی تھی۔ میں ان ظالمہ اور ناترس عورتوں کا خون پی سکتا تھا لیکن اس وقت میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ اگر میں حرم میں بیٹھ جاتا تو موت گویا میری قسمت کی ہو چکی تھی کیونکہ وہ عورتیں غالباً مجھے کٹہرہ سے اس حرم میں گھیر لیتیں مگر اس وقت زینب کے لیے میں بہتر کام کیا کر سکتا تھا۔ بیچاری زینب پر وہ آفت برپا تھی کہ الامان جس طرح سے کہ اس پر آفت اس وقت ٹوٹ رہی تھی وہ پہلے سے بھی زیادہ تھی کیونکہ خانم کو اس سے کچھ کم حسد نہ تھا۔ میں کیا خاک جاتا اور اسے رہائی دلواتا اور دونوں کی جان کے لینے کے دینے پڑ جاتے۔

آہ آزاں دم کہ بعد رفتن من

خون زینب بود بر گردن من

غرض وہ مار تھمی اور اس کو ادھ موا کرنے کے بعد وہ طوفان بدتمیزی دفع ہوا میں بھی اپنی چھپی ہوئی اور پوشیدہ جگہ سے اپنے بالاخانہ کی چھت پر آیا اور میں وہاں سے اتر کر شہر سے جنگل چلا گیا تاکہ جو کچھ مجھے کرنا ہے اور میرے لیے آئندہ زیبا ہے اس کی پیروی کروں۔ ڈاکٹر کی خدمت میں رہنا یہ تو محض بے سود تھا اور یہ امید کرنی کہ پھر زینب کی صحبت سے لطف اڑاؤں گا اور بھی حماقت تھی۔ جب مجھے اس بدقسمت لڑکی کا خیال آتا تھا تو میرا دل لہولہان ہو جاتا تھا کہ حیف کس بے رحمی اور سفاکی سے اس پر ظلم شدید روا رکھا گیا۔ کیونکہ جو کچھ بے اعتدالیاں اور مظالم حرم میں ہوا کرتے ہیں ان کی کہانیاں میں نے پورے طور سے گوش گزار کی تھیں تو پھر یہ امر ظاہر ہی تھا کہ اس عفریت ناخداترس یعنی خانم کے دست قدرت میں جو کچھ ہوتا وہ بھلا اس سے کیوں باز رہتی اور اس پر کیوں نہ عملدرآمد کرتی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

جلد اول تمام ہوئی

دوسری جلد

پہلا باب

مرزا احمق کا شاہ کو مہمان کرنا

میں چلتے چلتے یہ ارادہ کرتا جاتا تھا کہ اب طبیب کے گھر سے تو آزاد ہوں اور طہران کو چھوڑ دوں۔ صرف یہ مایوسانہ خیالات تھے کہ جو میرے دل پر اپنی قیام کی جگہ سے گذر رہے تھے لیکن زینب کی محبت نے میرے اس ارادے کو مغلوب کر دیا اور اس تجویز کو کچھ عرصہ کے لیے سرسبز نہ ہونے دیا۔ اور صرف اس کے دوبارہ دیکھنے کی امید پر میں نے اپنی وہی مصیبت ناک اور سختی کی حالت گوارا کی اور مرزا احمق پر اپنی زندگی منحصر رکھی۔ مرزا احمق کو یہ شبہہ تو تھا ہی نہیں کہ میں ہی اس کا رقیب ہوں اور جو کچھ حرم میں کرتوت ہوئے اور طوفان بے تمیزی مچا اس کا سبب میں ہوں۔ لیکن اس امر سے تو وہ خبردار تھا کہ کسی نہ کسی کی حرم میں ضرور رسائی ہو گئی ہے اور اس لیے آئندہ کے لیے دور اندیشانہ منصوبے باندھتا تھا۔ مجھے اس کا بہت ہی خیال تھا کہ خانم کے غصہ کے کیا کیا نتائج ہوئے۔

میں روزانہ حرم سرا کے دروازے پر ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کرتا تھا کہ شاید زینب نکلتی ہوئی معلوم ہو اور اپنی بیگم کی ہمراہی میں کہیں جاتی ہو کیونکہ وہ اس کی مصاحبت میں جایا کرتی تھی مگر محض بے فائدہ تھا۔ اس بیچاری کا وہاں سان و گمان بھی نہ تھا۔ اب مجھے یہ خیال گذرا کہ شاید خانم نے اسے قید کر کے رکھا ہے یا حرم میں اپنے ان دشمنوں کی قربانی بن گئی جو پہلے ہی اس سے جلتی تھیں۔

صبر و شکیبائی کو تو میں اس خیال میں رخصت ہی کر چکا تھا اور بیتابیء قلب وہ حد کے درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ نور جہاں یعنی حبشن لونڈی حرم سرا سے نکلی ہے اور باہر بازار کی طرف جاتی ہے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا اور صرف اس بھروسہ پر اس کا تعاقب کیا کیونکہ میں یہ جانتا تھا اور زینب سے مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ میری حسینہ کے دوستوں میں ہے۔ تو میں اس کے پاس پہنچا اور یوں گفتگو کرنی شروع کی۔

میں۔ سلام علیکم نور جہاں۔ اس وقت صرف تنہا تم اتنی جلدی کہاں جا رہی ہو۔

نور جہاں۔ خدا کرے تمھاری نوازشات یونہی ہمیشہ بنی رہیں اور کبھی کم نہ ہوں اے آغا جی۔ میں اس وقت عطار کے پاس اپنی کردش لونڈی کے لیے نسخہ بندھوانے جاتی ہوں۔

میں۔ کیا زینب کے لیے اس کو کیا ہوا۔ کیا وہ بیمار ہے۔

حبشن لونڈی۔ آہ وہ غریب اور مظلوم لڑکی بیمار بھی ہے اور سخت مغموم بھی۔ تم پارس کے لوگ بہت ہی خراب قوم ہو۔ ہم لوگ باوجودیکہ حبشی ہیں اور غلام ہیں لیکن پھر بھی تم لوگوں سے رحیم ہیں۔ تم لوگ ہمیشہ اپنی مہمان پروری اور غیر ملک والوں کے ساتھ عنایت و نوازش کی دون کی لیتے ہو کہ ہم ایسے مہمان نواز ہیں اور ایسے مسافر دوست ہیں لیکن دیکھو کہ ایک غریب مظلومہ پردیسن کے ساتھ کیا کیا خدا کا غضب ان کی جانوں پر ٹوٹ جائے جانور سے بھی تو یہ غیر رحیمانہ برتاؤ نہیں کرتے۔

میں۔ اے نور جہاں خدا کے لیے مجھے یہ تو بتاؤ کہ انھوں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ تمھیں میری روح کی قسم سچ کہنا۔

نور جہاں۔ صرف ہماری خانم کے حسد اور جلاپے نے اس بیچاری مظلومہ کو ایک تنگ و تاریخ کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ جہاں اسے یہ مقدور نہیں تھا کہ وہ کچھ واویلا کرتی۔ اس بیچاری پر اس چارچوٹ کی مار سے جو اس پر پڑی تھی اسے سخت بخار چڑھ آیا۔ اور بخار کی بھی وہ شدت ہوئی کہ وہ لب گور ہو گئی۔ لیکن صرف اٹھتی جوانی اور قوت نے خود بخود اس بخار کو مغلوب کر دیا اور جب وہ اچھی طرح سے تندرست ہو گئی تو ذرا اس کی خانم نے اس پر رحم کیا اور اسے اجازت دے دی کہ وہ سرمہ وغیرہ کا استعمال کرے جو اب میں عطار سے اسے لا کے دوں گی۔ لیکن یہ ایک امر یقینی ہے کہ اگر یہ خبر نہ مشہور ہوتی کہ شاہ مرزا احمق کے مکان پر آئیں گے تو اس پر ہرگز نہ رحم کھایا جاتا کیونکہ شاہ اس امر کا استحقاق رکھتا ہے کہ چاہے جس شخص کی حرم سرا میں چلا جائے اور اس کی بیوی کو بے نقاب ملاحظہ کرے۔ خانم جو کہ اپنی نمائش کثرت غلامان اور لونڈیوں سے جانتی ہے تو اس موقع کے لیے زینب کو قید خانہ سے باہر نکالا ہے تاکہ وہ اس کی خدمت میں حاضر باشی کرے مگر پھر بھی وہ چار دیواری سے کبھی اُکس نہیں سکتی۔

اس خبر کے سننے سے کہ وہ اچھی ہو گئی ہے مجھے گونہ تسکین ہوئی اب میں اس امر کی ادھیڑ بن کرنے لگا کہ کون سا سلسلہ ایسا نکلے کہ جس سے پھر ایک بار زینب سے ملاقات نصیب ہو۔ لیکن ایسی لاینحل روک جو میں نے پہلے ہی

خیال کی تھی کہ یہ سخت تکالیف اور مصیبتوں کا اس مظلومہ کو صرف میرے ہی سبب سے سامنا کرنا پڑا تو میں نے مصلحت یہی جانی کہ میں اس وقت تو چپکا ہی رہوں اور شاعر کے اس قول پر عمل کروں "خواہشات نفسانی کی دری لپیٹ لو اور اس کو ادھر ادھر اپنی رغبت کے لیے نہ بچھاؤ۔"

اس عرصہ میں شاہ کی روانگی کا وہ دن آ گیا جس میں ہمیشہ وہ موسم گرما میں سفر کیا کرتا ہے اور اپنے رواج و رسم کے موافق وہ پیچ کا وقت امرا سے ملنے ملانے میں صرف کرتا ہے۔ اور اس وقت وہ اپنے اور اپنی بیوی کے لیے امرا سے نذرانہ لیتا ہے۔

نور جہاں نے مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ شاہ مرزا احمق کے گھر پر آئے گا یہ بات صحیح نکلی۔ واقعی شاہ نے امرا میں سے مرزا احمق ہی کو اپنے ورود مسعود کا شرف بخشا کیونکہ یہ مشہور تھا کہ یہ طبیب بہت دولتمند ہے اور شاہی شکاری چنگل کا مدت سے اس پر دانت تھا۔ غرض طبیب کو اس امر کی اطلاع ملی کو فلاں روز ہمایوں میں شاہ کجکلاہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے تمھارا کاشانہ منور کریں گے۔ اور ایک بہت بڑا امتیاز نشان طبیب کے ساتھ یہ بھی برتا گیا تھا کہ اس کو اس امر کی بھی اطلاع دے دی تھی کہ شاہ کا یہ صرف ایک معمولی ورود ہو گا۔ لیکن طبیب کو فرض ہے کہ شاہ عالیجاہ کے ورود مسعود پر بہت کچھ فخر حاصل کرنے کا موقع لے۔ غرضیکہ شاہ اپنا شام کا خاصہ وہیں تناول فرمائیں گے۔

طبیب کی کچھ اس سے باچھیں کھلیں کہ شاہ نے مجھے اور امرا سے صرف اپنے قدوم میمنت لزوم سے فخر حاصل کرنے کا موقع بخشا۔ اور نصف وہ اس غم میں گھلا جاتا تھا کہ اس کی دعوت وغیرہ میں جو خرچ ہو گا اس کا کیا علاج۔ اس امر کا مرزا احمق کو خیال تھا۔ غرض اسی پیچ و تاب میں وہ دعوت کی تیاری کرنے لگا۔ اول چیز جو مرزا احمق کے خیال میں آئی وہ پا انداز تھی اس نے سوچا کہ یہ کچھ قیمتی ہونی لازم ہے۔ کیونکہ اسی سے ملک میں اس کی شہرت ہو گی اور اسی پا انداز پر وہ شاہ سے کھڑے ہو کر باتیں کرے گا۔ ایک طرف سے تو اس کی خود پسندی اور خود بینی کی آگ بھڑکا رہی تھی اور دوسری جانب سے حرص اور طمع کے شعلے مشتعل ہو رہے تھے۔ اب آپ یعنی مرزا احمق اس خیال میں تھے کہ اگر میں نے شاہ کے آنے پر بہت کچھ دولت صرف کر دی تو پھر آئندہ کے لیے بھی میں اسی کا نشانہ بنوں گا۔ اور جو مین نے ذرا تنگی سے اٹھایا اور کم خرچ کیا تو مصیبت یہ ہو گی کہ میرے رقیب میری حقارت کریں گے۔ اور ان کی تحقیر آمیز نظریں یوں مجھے کھائے چلی جائیں گی۔

مرزا احمق نے مدت سے مجھ سے کسی کام میں مشورہ لینا چھوڑ دیا تھا اور میں صرف اس وقت نرامفت خور تھا۔ لیکن وہ بات پھر یاد کر کے کہ صرف میرے ہی سبب سے اس کو ڈاکٹر یورپ پر فتحمندی حاصل ہوئی تھی اس نے مجھے پھر اپنے پاس بلایا۔ تاکہ مجھ سے ان پیچیدگیوں میں مشورہ لے جو اس کو تہ وبالا کر رہی ہیں۔

مرزا احمق۔ حاجی اس سخت مشکل بات میں کیا کرنا زیبا ہے مجھے اس امر کا ایما ہوا ہے کہ شاہ مجھ سے قیمتی پا انداز حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے۔ اور یہی معاملہ وزیر خزانہ سے پیش آیا ہے جس کا ایسے مواقع پر شوکت وعظمت دکھانا گویا اصلی مدعا یہ ہے کہ تمام فارس میں اس کی شہرت ہو اور لوگ اسے تعجب انگیز نظروں سے دیکھیں اب یہ محض ناممکن ہے کہ میں اس کا رقیب بن سکوں۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ میں بانات شاہراہ میں داخل ہونے کے موقع پر بچھاؤں کہ جہاں شاہ گھوڑے پر سے اترے گا۔ لیکن اسپر بالکل سونے کے تاروں کا کام ہو۔ اور پھر اس کی یہ رائے ہے کہ جتنی جگہ پر دربار ہو وہاں کشمیری شال کا فرش ہو۔ اور شال معمولی نہ ہوں بلکہ بہت قیمتی ہوں اور ان پر جو مسند بچھائی جائے اس کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں وہ تو بہت ہی زیادہ قیمت رکھتی ہو۔

یہ تم جانتے ہو کہ میں نمودیا شخص تو ہوں نہیں کہ خواہ مخواہ اپنی نمود دکھاؤں میں صرف ایک حکیم ہوں۔ اور ایک عالم ہوں۔ میں کچھ امیرانہ اظہار یا امیرانہ طریقہ نہیں رکھتا۔ اور علاوہ بریں یہ بھی صاف ہے کہ یہ وزیر خزانہ صرف یہ کہتا ہے کیونکہ اس کے پاس اس قسم کے کپڑے ہیں۔ زربفت۔ اور کمخواب کے تھان ہیں۔ شال ہیں۔ جن کا وہ انصرام کر سکتا ہے تو اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے ہاتھوں سے ان چیزوں کو لے لے۔ نہیں یہ محض ناممکن ہے کہ میں اس فضول مصرف کی تجویز کو سنوں بھی۔ تو یہ بتاؤ کہ پھر کیا کیا جائے۔

میں نے یہ سن کر جواب دیا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ حکیم ہیں لیکن پھر بھی آپ شاہی طبیب ہیں آپ اس وقت ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنی بیوی کی عزت اور خود اپنی توقیر کے لیے وہ کچھ کریں جو آپ کے شایان شان ہو شاہ اس بات سے ناراض ہو گا اگر آپ اس کی خاطر داری میں کچھ کوتاہی کریں گے اور جس سے اس کی وہ امید اور اعتبار جاتا رہے گا جو وہ تم پر رکھتا ہے۔

مرزا احمق۔ یہ درست ہے اے میرے دوست حاجی اس میں شک نہیں جو تو کہتا ہے وہی حق ہے۔ تاہم میں صرف ایک طبیب ہوں اور یہ مجھے خیال نہیں ہو سکتا کہ جس وقت مجھے ضرورت ہو گی۔ شال۔ زربفت۔ و کمخواب کے تھان اور سامان مل سکیں گے۔

میں۔ اچھا پھر آپ اور کیا کر سکتے ہیں۔ آپ گل عباس سے تو سڑک پاٹ دیں گے۔ اور آپ شاہ عالیجاہ کی مسند کی جگہ گچ کاری کا کام کروائیں گے۔

مرزا احمق۔ یاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم پھول راستہ میں بچھوا سکتے ہیں اس لیے کہ وہ بہت ہی سستے ہیں اور شاید ہم ایک بیل شاہ کے گھوڑے کے پیروں میں نثار کر سکتے ہیں کیا یہ درست نہ ہو گا۔

میں۔ اگر آپ اس طرح سے کام کریں گے تو خود شاہ بد گمان ہو گا اور تمھارے دشمن تمھاری طرف شاہ کو لگائے بجھائیں گے اور یہ رائے دیں گے کہ اس کو ایسا ننگا کر دیا جائے کہ جیسا میرا ہاتھ ہے۔

شاید جس قدر کہ وزیر خزانہ کی رائے ہے اتنا سرانجام کرنا تو کچھ ضرور نہ ہو گا آپ چھینٹیں تو شاہراہ میں بچھا سکتے ہیں۔ مخمل کا فرش اس جگہ کیجیے جہاں شاہ گھوڑے پر سے اتریں کمخواب کا فرش دربار کے احاطہ میں ہو اور کمرے میں شال بچھا دیے جائیں۔ یہ کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں ہو گا۔

مرزا احمق۔ یہ تم برا نہیں کہتے۔ میں اس کا تو انتظام بخوبی کر سکتا ہوں ہمارے ہاں چھینٹ تو موجود ہے اور وہ صرف عورتوں کے پائجامے بنوانے کے لیے خیال کی گئی تھی کل ہی مجھے میرے مریض نے ایک مخمل کا ٹکڑا دیا ہے۔ اور میں اپنی خلعف کمخواب خریدنے کے لیے بیچ سکتا ہوں۔ اور میری بیوی کی دو یا تین شالیں کمرے میں بچھنے کے لیے کافی ہوں گی۔ غرض حضرت علیؑ کی عنایت سے یہ امر طے پا گیا۔

میں۔ افسوس۔ حرم میں بھی تو شاہ تشریف لے جائیں گے آپ جانتے ہیں کہ اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو گی کہ پادشاہ کا نظارہ ہو۔ اور آپ کی عورات کو یہ زیبا ہے کہ وہ اچھے اچھے کپڑے پہن کے بادشاہ کی حضور میں حاضر ہوں۔

مرزا احمق۔ اوہو اس کے لیے وہ دوسرے سے بھی مستعار مانگ سکتی ہیں اور انھیں جس شے کی ضرورت ہو اپنی سہیلیوں ملانیوں سے لے سکتی ہیں۔ مثلاً جواہرات۔ پائجامے۔ جاکٹیں۔ شال۔ غرض جس قدر انھیں حاجت ہو وہ یہ حاصل کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ امر کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ جب اس انتظام کی بابت اس سے مشورہ لیا گیا اور کہا گیا کہ ہماری یہ رائے ہے اس نے سخت مخالفت ظاہر کی۔ اس نے اپنے خاوند کو پیدائشی کمینہ کہا۔ ممسک بنایا نالائق۔ ناقابل کہا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تو اس قابل ہی کہاں تھا اور تیری یہ عزت ہی کہاں تھی کہ تیرے نکاح میں مجھ ایسی بیوی آتی۔ غرض اس نے زور ڈالا کہ ایسے موقع پر وہ عزت اور توقیر کا کام کیا جائے اور وہ شوکت اور نمود دکھائی

جائے جس سے ہم تمام لوگوں میں ممتاز بنیں۔ یہ تو محض بے کار تھا کہ اس کے خلاف رائے زنی کی جاتی غرض تیاریاں اسی طرح سے ہوتی رہیں کہ جو اس تجویز اور خیال سے بہت ہی دور تھیں جو ڈاکٹر نے سوچا تھا۔ ہر شخص اس خرچ اور اخراجات سے بہت ہی خوش تھا اور اس کی خوشی صرف اس سبب سے تھی کہ اس ظالم طبیب نے دوسروں سے غیر رحیمانہ برتاؤ سے یہ روپیہ جمع کیا تھا اچھا ہوا کہ اس طرح سے کھلے بھاؤ لٹتا ہے۔ اس کا یہی علاج ہے۔

دوسرا باب

شاہ کے استقبال نذر اور گفتگو کا بیان

اس دن کی فجر کو جب یہ عظیم الشان واقعہ ظہور پذیر ہو گا اور یہ وہ دن ہے جس کو نجومیوں میمون اور مسعود بتایا تھا۔ مرزا احمق کے مکان میں تیاری کی آوازیں اور ذرا چل پکار گوش گذار ہونے لگیں۔ شاہی ڈیرے خیمے استادہ کرنے والے اس دالان میں جہاں شاہ آ کے رونق افروز ہو گا نئے نئے غالیچے بچھا رہے تھے اور مسند بچھانے اور اس پر شال ڈالنے کی تدبیر میں مصروف تھے۔ تمام احاطہ میں انھیں نے چھڑکاؤ کر دیا تھا۔ فوارے چلنے لگے تھے اور عمارت کے سامنے ایک مسہری کھڑی کر دی تھی۔ شاہی باغبان بھی حاضر ہو گئے تھے انھوں نے تمام احاطہ کو پھولوں سے پاٹ دیا تھا۔ پانی کی پوکھر کی سطح پر فوراً اس مقام پر جہاں شاہ کجکلاہ نشست فرمائیں گے غلاف وغیرہ چڑھا دیے گئے تھے۔ اور وہاں انھوں نے گلاب کے پھولوں کی پتیاں بڑی حکمت اور عقلمندی سے بچھائی تھیں۔ سنگ مرمر کے حوض کے گرد نارنگی کی قطار لگائی تھی جن کی تروتازگی اور شادابی کیا ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اور ایک عام شکل میں بہت لطف پیدا کر رہی تھی۔

پھر باورچی بھی ایک گروہ کا گروہ اپنے پتیلے والوں۔ کڑاہیاں لیے ہوئں۔ چانوال ابالنے والوں۔ غرض تمام آدمیوں کی ہمراہی میں آ دھمکے۔

یہ بھیڑ وبنگاہ دیکھ کے مرزا احمق کے اوسان باختہ ہو گئے۔ آپ گھبرا کے باورچیوں کے افسر سے بولے۔ کیوں بھئی اس کے کیا معنی۔ کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں نے بادشاہ کی طرح شارے شہر کی دعوت کی ہے۔

اس نے جواب کہ نہیں تو۔ مگر شاید آپ کو سعدی کے یہ اشعار یاد نہیں ہیں جو آپ ایسا فرماتے ہیں۔

گر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے — بر آورند غلامان او درخت از بیخ

نہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روادارد

زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

انھوں نے فوراً ہی باورچی خانہ میں اپنا دخل کر لیا۔ باورچی خانے کا چوتھائی حصہ تو ان کے کاموں سے گھر گیا۔ اور لا جرم یہ بھی ایک ضروری امر تھا کہ کورٹ کے ضمن ہی میں چولھے بنائے جائیں۔ جن پر دیگوں میں چانول ابالے جائیں کیونکہ اس قسم کی تقریبوں کے موقعوں پر چانولوں کا ہونا ایک لابُد امر خیال کیا گیا ہے۔ علاوہ باورچیوں کے حلوائی بھی ایک دالان میں اپنے کڑھاؤ میں مٹھائی تیار کر رہے تھے۔ جہاں مٹھائی۔ شربت۔ برف۔ میوے وغیرہ بن رہے تھے۔ وہ اس سامان کے لیے اس قدر کثرت سے مصالحہ مانگتے تھے کہ جب مطلوبہ اشیا کی فہرست طبیب کے سامنے آتی تھی تو وہ مر مر جاتا تھا۔ یہ تو تھی ہی لیکن طبیب کی جان پر ایک اور آفت یہ نازل ہوئی کہ شاہ کا ایک بینڈ بجانے والوں کا بھی گروہ آموجود ہوا۔ اس گروہ کے افسر لوتی باشی کے ساتھ بیس شخص تھے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے کاندھوں پر طبل ڈالے ہوئے تھا۔

شاہ کے نزول اجلال کا وقت مغرب کے بعد مقرر ہوا۔ اس وقت جب دن کی کچھ گرمی کم ہوئی اور طہرانیوں کو شام کی خنکی سے فرحت حاصل ہونے لگی تو شاہ کجکلاہ محل سے سوار ہو کر طبیب کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

شاہراہیں تمام صاف ہو گئی تھیں اور ان پر چھڑکاؤ کر دیا گیا تھا۔ جب شاہی جلوس نزدیک پہنچا تو راستہ میں پھول بکھیرے گئے۔ مرزا احمق نے دوڑ کے اپنے کو شاہی حضور میں اس اطلاع کے لیے حاضر کیا کہ سب سامان تیار ہے۔ مرزا احمق اس جلوس میں شاہ کی رکاب کے پاس پاس چل رہا تھا نقیبوں سے جلوس بھی معلوم ہوتا تھا۔ یہ نقابت کی ممتاز لکڑیاں ہاتھ میں لیے ہوئے اور اپنے سروں پر کلغی لگائے ہوئے شاہ کے پہنچنے کی خبر دیتے تھے۔ اور سڑکوں پر سے ہر شخص کو علیٰحدہ کرتے جاتے تھے۔ مکانوں کی چھتوں پر عورتیں سفید نقابیں ڈالے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں اور امیروں کے گھروں میں سے عورتیں قناتوں اور چقوں کی آڑ میں ہو کے یہ تمام جلوس شاہی دیکھ رہی تھیں۔ یہ قناتیں ان کے بالا خانے کے صحنوں میں ایستادہ تھیں۔ نقیبوں کے بعد ایک گروہ ڈیرے کھڑے کرنے والوں اور فراشوں کا بڑی بڑی لکڑیاں ہاتھ میں لیے ہوئے راہ میں مخل ہونے والوں کو ہٹاتا جاتا تھا۔ اس کے بعد عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنے ہوئے اصطبل کے افسر آئے۔ ان کے کاندھوں پر کارچوبی زین اور پاکھریں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے شاہ کے سونے کے حقے لیے ہوئے زرق برق ملازم نکلے۔ پھر شاہ کی قبا۔ اور شاہ کی افیون کا بکس ہاتھوں میں لیے ہوئے اور ملازم خاصہ ظاہر ہوئے۔ اور ان کے بعد گھریلو خاص ملازمین کا ایک دستہ آیا۔ یہ

گویا ایک صرف نج کے طور پر جلوس تھا۔ شاہ کجکلاہ کے ساتھ اس وقت کوتل گھوڑے نہیں تھے جو ہمیشہ ان کی عظیم الشان عظمت اور نمائش کا باعث ہوتے ہیں۔

اس جاہ و حشم کے بعد ایک غول دوڑتے ہوئے پیدلوں کا نکلا جو من موجی پوشاکیں زیب تن کیے ہوئے تھا۔ بعض پیدلوں کے سیاہ مخملی کوٹوں پر سونے کے سکے ہار نما بنے ہوئے تھے۔ اور بعض پیدلوں کی کمخواب اور زربفت کی پوشاکیں تھیں بعض ریشم کے کپڑوں سے آراستہ تھے۔ ان کے بعد خود شاہ بڑی شوکت سے اسپ تیز گام پر رواں تھے جن کے ارد گرد بڑے بڑے افسر پیدل دوڑ رہے تھے اور ایک شخص معزز عہدے کا ہاتھ میں کوڑا لیے ہوئے زین پکڑے ہوئے جا رہا تھا۔ شاہ ایک نزاکت رفتار گھوڑے پر سوار تھے اس گھوڑے پر ساز و سامان سب بہت ہی بیش قیمت تھا۔ مگر شاہ کی خود پوشاک صاف تھی۔ صرف اس کی قیمتی شالوں اور جواہرت سے جو اس میں ٹکے ہوئے تھے اور لوگوں کے کپڑوں سے ممتاز تھی پادشاہ کے بعد پچاس قدم کے فاصلے پر تین آپ کے صاحبزادے تھے۔ ان کے بعد امرا۔ پھر وزیر تقریبات۔ ان کے پیچھے افسر سواراں۔ پھر درباری شاعر۔ یونہی اور بہت سے شاہی خاص ملازم مع اپنے اپنے ملازمین کے ہمراہ رکاب تھے۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو صرف پانچ سو آدمی شمار ہوئے تھے جو مرزا احمق کے ہاں دعوت کھانے آئے تھے۔ دروازہ پر شاہ عالیجاہ گھوڑے پر سے اترے اس لیے کہ وہ راہ ایسی تنگ تھی کہ وہاں سے وہ سوار ہو کے نکل نہیں سکتے تھے۔ یہاں سے شاہ مع اپنے تمام امرا وزرا کے جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اس مقام پر پہنچے جو ان کی نشست کے لیے بہت شان و شوکت سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سوائے شاہزادوں کے سب دست بستہ پادشاہ کے آگے کھڑے ہوئے تھے اور مرزا احمق بھی اپنا خدمت گاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔

جب شاہ اپنی نشست کی جگہ پر رونق افروز ہوئے تو تھوڑی دیر کے بعد افسر یا وزیر تقریبات ہمراہی خواجہ سرا برہنہ پا حوض کے قریب نمودار ہوا۔ موخر الزکر یعنی خواجہ سرا کے ہاتھ میں سینے سے لگا ہوا ایک چاندی کا طباق جس میں سونئے سکے کے تمن پھیلے ہوئے تھے موجود تھا۔ اس کے بعد وزیر تقریبات نے باآواز بلند یہ کہا۔

”مرجع خلائق ظل اللہ شاہ عالیجاہ کا نہایت ہی کمینہ خادم حضور لامع النور کی خدمت میں کچھ نذر گذارتا ہے یعنی مرزا احمق افسر الاطبا نے اس امر کی جرات کی ہے کہ شاہ عالیجاہ کے قدموں کی خاک پر سو اشرفیاں نثار کرے۔“

شاہ نے اس کا یہ جواب دیا۔

"مبارک ہو اے مرزا احمق۔ الحمد للہ تم ایک اچھے اور لائق خادم ہو۔ شاہ اپنی خاص التفات خسروانہ میں سے تمھیں حصہ دیتا ہے۔ جاؤ اور خدا کی حمد کرو کہ شاہ تمھارے مکان پر جلوہ افروز ہوا ہے اور تمھاری نذر کو قبول کرتا ہے۔"

یہ سن کر ڈاکٹر یعنی طبیب نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کے زمین خدمت چومی۔ پھر شاہ نے اپنے امرائے عظام کی طرف مخاطب ہو کے یہ فرمایا۔

"شاہ کے سر کی قسم مرزا احمق بہت ہی اچھا شخص ہے فارس میں اس کا مثل کوئی نہیں۔"

در صفحہء تصویر حلال است مثالش

در پردہء ایران محال است نظیرش

لقمان کی بھلا اس کے آگے کیا ہستی ہے لقمان اس کے آگے کا طفل دبستان ہے۔ گیلن سے بھی فاضل اجل ہے۔ یہ سن کر سب امرا ایک زبان ہو کر بولے جو کچھ حضور نے فرمایا وہ درست ہے لقمان یا گیلن کی مرزا احمق کے آگے کیا حقیقت ہے وہ چیز ہی کیا ہے۔ یہ بھی شاہ شاہان کی نیک اختری کا سبب ہے۔ آج تک نہ تو ایسا کوئی شاہ فارس نظر آیا اور نہ ایسا طبیب ایسے کسی شاہ کا دیکھنے میں آیا۔ لوگ یورپ اور ہند کے اطبا کی مدح سرائی کرتے ہیں بھلا ہمیں کوئی بتائے تو سہی کہ جو اطبائے فارس کو علم ہے وہ کسی نے خواب میں بھی دیکھا ہے۔ جب تک کہ شاہ کے جاہ جلال سے فارس منور ہے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہاں کی بزرگی اور عظمت۔ شان و شوکت کہیں اور بھی ہو گی۔ شاہ۔ یہ درست ہے فارس ملک ہی ایسا ہے کہ ابتدائے پیدائش عام سے اس دن تک اس کے باشندے فہم و فراست اور اپنی عقل و کیاست میں سب سے سبقت رکھتے ہیں اور مشہور عالم ہیں اور فارس کے حکمرانوں کا جلال اور ان کی مدبری نے ایک عام کی نگاہوں میں چکا چوند کی ہے۔ کیومرس سے لے کر جو دنیا کا اول بادشاہ ہوا ہے مجھ تک جو حال کا شہنشاہ ہوں فہرست شاہان فارس کیسی مکمل اور کیسی با جاہ و جلال ہے۔ ہندوستان کے بھی شہنشاہ تھے۔ عرب میں بھی خلیفہ ہوئے ہیں۔ ترکی میں بھی سلطان ہوئے ہیں۔ تاتار میں خان۔ چین میں خاقان۔ اور اسی طرح سے فرانسیسی۔ خداوند تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میری سلطنت میں آتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اور میرے لیے تحفے تحائف لاتے ہیں۔ یہ غریب کافر جن کے ہاں شاہوں کی گویا پارسل ہے اور جن کے ممالک اب تک ہم نے سنے بھی نہیں۔

ایک درباری۔ درست حضور درست سوائے انگریز کے اور قوم فرانس کے جو سب پہلوؤں سے خیر تاہم غنیمت ہیں مگر اور اقوام تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ مسکوڈلس کو ملاحظہ کیجیے جو یوروپین نہیں یورپ کے کتوں سے بھی تو کم ہیں۔

شاہ۔ ہاہاہا۔ تم سچ کہتے ہو۔ (ذرا مسکرا کے) وہ خورشید کلاہ بھی تو رکھتے تھے جو انھیں کا مقولہ ہے۔ یہ خورشید کلاہ ایک عورت کے زیب سر ہوا کرتی تھی اور وہ عورت ایک عجیب شخصیت رکھتی تھی۔ یہ بہت سچ ہے اور اس کو ہم بخوبی جانتے ہیں۔ پناہ بخدا کہ جب عورت کسی کام میں دخل دیتی ہے تو پھر اس وقت اللہ یاد آتا ہے۔ لیکن اس عورت کے بعد مسکوڈلس کا پال حکمران ہوا جو بالکل ایک دیوانہ شخص تھا۔ جس کے دیوانہ پن کی مثال میں تمھیں دیتاہوں اس نے ہند پر قزلباشوں کے عہد میں فوج کشی کی تھی۔ روسیوں کو دیکھو سر پر چھجے دار ٹوپی (ہیٹ) رکھ کے اور ایک ڈبل مضبوط کوٹ پہن کر اور سخت کرخت پاجامہ زیب پا کر کے اور اپنی داڑھی کا صفایا بول کر اپنے کو یوروپین کہتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو تم بھی اپنے بازوؤں پر بط کے پر باندھ لو اور اپنے کو فرشتہ کہنے لگو۔

امیر عظام۔ کیاخوب کیاخوب۔ شہنشاہ اس وقت تو بالکل فرشتوں کی سی باتیں فرمارہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یورپ کا شاہ زبان سے کچھ الفاظ کہتاہے۔ یہ سن کر جس قدر لوگ کھڑے ہوئے تھے سب نے ہاں ہاں بلے بلے کہا۔

ایک بولا۔ خدا اعلیجاہ کو ہزاروں برس زندہ وسلامت رکھے۔

شاہ شاہان جیے ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دوسرا بولا۔ خدا حضور پرنور کا کبھی سایہ کم نہ کرے۔

شاہ۔ ہاں یورپ کی عورتوں کی تو عجیب وغریب سرگذشت سنی ہے۔ اول ہی تو یہ بات ہے کہ ان کے گھروں میں اندرون نہیں ہوتا۔ مردوعورتیں سب ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ عورتیں اپنے منہ پر کبھی نقاب نہیں ڈالتیں ان کے چہرے بالکل کھلے ہوئے ہوتے ہیں جس کا جی چاہے وہ نظارہ بازی کرلے وہ بالکل ہماری خانہ بدوش عورات کی مثال ہیں۔ اے مرزا احمق تم مجھے بتاؤ کہ خدا کی اس میں کیا حکمت ہے کیونکہ تم ایک طبیب ہو اور ایک فلسفی بھی ہو یہ معاملہ ہی کیاہے۔ کیادنیا کے پردے پر صرف مسلمان ہی ہیں جو صوف اپنی بیویوں پر منحصر ہیں اور انھیں اپنا مطیع

رکھتے ہیں۔ پھر شاہ نے ذرا طنزیہ مسکرا کے کہا کہ تم ہی لوگ ہو کہ خداوند تعالیٰ نے تمھیں یہ نعمت غیر مترقبہ عنایت کی ہے کہ تمھاری بیویاں تمھاری فرمانبردار اور جان نثار ہوتی ہیں۔

مرزا احمق۔ حضور سے جان کی امان پا کر عرض کرتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے ہر چیز عنایت فرمائی ہے جس سے میری زندگی خوشی کی حالت میں گذرتی ہے۔ میں میری بیوی اور میرا تمام کنبہ سب حضور کے لونڈی غلام ہیں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب حضور ہی کا ہے۔ اگر آپ کے غلام میں کچھ جوہر قابلیت ہے وہ بھی آپ ہی کے صدقہ سے ہے۔ یہ پناہ عالم سے صادر ہوتا ہے اور جو کچھ کہ مجھ عاجز میں کمی اور قصور تھا وہ سب نیکیوں سے بدل گیا اور یہ امر صرف اس وجہ سے ہے کہ حضور کے سایہء عاطفت میں پرورش ہوتی ہے نا۔ لیکن بھلا "چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔" یا۔

ظرف نظارہء خورشید ندارد احمق

شبنم تشنہ کجا چشمہء خورشید کجا

اور کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مینار کوہ الوند کے آگے بڑا کہلایا جا سکے۔ حضور عالیجاہ شاہ شاہان نے عورتوں کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کمینہ اور غلام کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے۔

کہ یوروپین اور جانوروں میں کچھ اتحاد و محبت معلوم ہوتی ہے اور جن کا درجہ مسلمانوں سے بہت ہی کم ہے۔ جانوروں میں نر اور مادہ سب گڈبڈ ہو کے غول کے غول ساتھ ساتھ پھرتے ہیں یونہی یوروپین پھرتے ہیں۔ جانوروں میں مادہ اپنے چہروں کو نہیں چھپاتیں یونہی یورپ کی عورات بھی اپنے چہروں پر نقاب نہیں ڈالتیں۔ یہ جانور نہ تو غسل کرتے ہیں اور نہ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح یوروپین بھی انھیں کی مد میں ہیں۔ جانوروں کی مادیں اپنے نروں کے ساتھ مل جل کر رہتی ہیں۔ یہی یورپ کا حال ہے۔ بجائے اس کے کہ غیر مصفا جانوروں کا استیصال کیا جائے جیسا کہ ہم کرتے ہیں۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ یورپ کے ہر گھر میں کتا پلا ہوا ہوتا ہے۔ اگر یورپ کی عورتوں کو خیال کیا جائے تو وہ کتیوں کی مثال ہیں۔ جس کتے نے اپنی مادہ کو سڑکوں شاہراہوں پر پھرتے دیکھا اور اپنا کام کیا ہو۔ بیویاں ان غیر مصفا ملکوں میں اس لفظ کے مانند ہیں جو بے معنی ہو اس لیے ہر شخص کی جورو ہر شخص کی ملک ہے۔

شاہ۔ تم نے کیا خوب کہا ہے۔ بے شک ہمارے سوا سب جانور ہیں۔ ہمارے پاک اور مقدس پیغمبر ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں کباب ہوں گے اور اس وقت ہم مومن روز قیامت پر ایمان رکھنے والے جنت کی سیر کرتے ہوں گے۔ اور حوروں سے لطف اڑائیں گے۔ لیکن اے طبیب ہم نے یہ سنا ہے کہ تمھاری بہشت زمین ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور تمھارے پاس تمھاری حوریں اب بھی موجود ہیں۔ آہ یہ بات کیونکر ہے۔

مرزا احمق۔ فراشی سلام کر کے بہت کچھ حضور کے جاہ وجلال اور نوازش سے عنایت ہوا ہے وہ ایک بہت ہی خوش نصیب ساعت ہوگی اور میں اپنا سر آسمان پر پہنچا ہوا سمجھوں گا اگر اپنے قدوم میمنت لزوم سے میری حرم سرا میں چل کر مجھے شرف بخشیں گے۔

شاہ۔ ہاں ہم اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں گے کیونکہ شاہ کا ایک نظارہ بھی بہت بڑی خوش قسمتی کا باعث ہے۔ جاؤ اور اپنی حرم میں اس امر کی اطلاع کرو کہ شاہ تشریف لاتے ہیں اور دیکھو اگر تمھاری حرم سرا میں کوئی عورت مریض ہو۔ یا کوئی عورت ایسی ہو جس کی خواہشات نفسانی پوری نہ ہوئی ہوں یا کوئی دوشیزہ لڑکی ہو جس کو عاشق کی تلاش ہو۔ یا کوئی ایسی عورت ہو جو اپنے خاوند سے آزاد ہونا چاہتی ہو وہ ہمارے آگے آئے اور ہم پر نظر ڈالے کیونکہ ہم کو دیکھنا بس نصیبہ کا کھلنا ہے۔

اس پر شاعر نے جو اب تک چپکا کھڑا ہوا تھا شاہ کی شان میں یہ فی البدیہہ اشعار کہے۔

"جو کچھ شاہ نے حکم دیا ہے یہ ایک زاید ثبوت شاہ کی فیاضی اور التفات خسروانہ کا ہے۔" اس کے بعد نہایت عمدہ اور نفیس اشعار میں کہا۔

"جیسا کہ آسمان کو ایک ہی آفتاب حاصل ہوا ہے اسی طرح سے زمین عراق بھی ایک ہی شاہ سے مشرف ہوئی ہے۔

زندگی۔ روشنی۔ شادمانی۔ اور خوشحالی ہر وقت حاضر خدمت رہتی ہیں۔ طبیب کو گو اپنی دوائیوں پر فخر ہے لیکن بھلا کونسی دوائی شاہ کی نظروں کی ایک گردش اور نظارے کے قریب قریب ہے۔

بھلا مومیائی۔ سنبل الطیب کی کیا اصل ہے جو ہمارے شاہ کی ایک گردش نگاہ کی برابری کر سکے۔

اور مرزا احمق سب سے زیادہ خوش اور نیک نصیب طبیب اس وقت واقعی تمھاری ان محدود دیواروں میں ہر مرض کا تریاق موجود ہے اور ہر بیماری کی ایک حکمی دوا جلوہ فزا ہے۔

گیلن کو لپیٹ رکھیے۔ بقراط کو جلادو۔ ابو علی ابن سینا کو بالائے طاق رکھو۔ سب کا قبلہ عالم تو یہیں موجود ہے۔

بھلا جب صرف ایک نگاہ سے ازالہ ء مرض ہوتا ہے تو پھر کوئی دوا اور من کو لے کے کیا کرے گا۔ اے مرزا احمق سب سے زیادہ خوش اور سب سے زیادہ اور بہتر طبیب۔

جس وقت کہ شاعر یہ پڑھ رہا تھا ہر شخص ایک عالم سکوت میں بہت توجہ سے گوش بر آواز تھا۔ جب شاعر صاحب اپنی راگنی گا چکے تو شاہ نے یہ فرمایا۔

آفرین تم بے شک ایک شاعر ہو اور اپنے زمانے کے بہت ہی لائق ہو۔ بھلا جب تمھارے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھا جاتا ہے تو فردوسی بھی کوئی چیز نہیں تھا۔ محمود غزنوی کیا خاک کیا خاک بُدیعنی خاک تھا (امرائے عظام سے مخاطب ہو کے) جاؤ اور اس کے منہ پر بوسے دو اور اس کے منہ کو بنات وقند سے بھر دو۔ ایسے منہ میں تو ہر شے خوشی کی زیادہ ہونی چاہیے بھلا وہ منہ جس میں سے یہ اشعار نکلے ہیں۔

یہ سنتے ہی امرا لمبی لمبی اور گھنی داڑھیاں لے کے شاعر پر پل پڑے اور لطف یہ ہے کہ شاعر صاحب کیا ریشائیلیوں سے کم تھے اس کے پاس پہنچتے ہی بوسے بازیاں شروع کیں اور بڑی دیر تک داڑھیاں لڑتی رہیں پھر اس کا منہ سب نے مصری کی ڈلیوں سے بھرا۔ دونوں کلے پھول گئے تھے۔ اب بیچارے کا دم بھی رک گیا۔ یہ اظہار خوشی اور شادمانی کیا ہوا کہ شاعر کے لیے موت کا سامنا ہو گیا۔

جب چاروں طرف سے بندر کی طرح سے کلے بھر گئے تو اب اس نے جلدی جلدی اور زور سے چبانا شروع کیا۔ جلدی میں کہیں کچر سے دانتوں میں اس کا ہونٹ بھی آگیا اس صدمہ سے بیچارے کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر شاہ نے حضار مجلس اور امرا کو رخصت کیا اور اب شاہی کھانے کی تیاری ہونے لگی۔

تیسرا باب

بیان ضیافت

جس شہ نشین یا دالان میں شاہ نے بیٹھ کے کھانا تناول کیا تھا وہاں صرف وہی متعدد شخص تھے جو ایسے موقع پر حاضر ہو سکتے ہیں۔ تین شہزادے یعنی شاہ کے صاحبزادے جو ان کے ہمراہ تھے اور جو کونے پر اپنی پیٹھیں دیواروں کی طرف پھیرے ہوئے کھڑے تھے ان کے لباس تقریبی تھے ایک پہلو میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک کشمیری شال جس پر سنہری کام ہو رہا تھا خدمتگاروں نے غالیچہ پر بچھا دیا تھا یہ گویا دستر خوان تھا۔ پھر سونے کی سلفچیاں اور آفتابے شاہ کے ہاتھ دھلانے کے لیے آئے اس کے بعد خوانچوں میں کھانا شروع ہوا۔ مگر اس امر کا بہت خیال تھا کہ کہیں زہر وغیرہ نہ ملا ہو۔ کھانے پر شاہی بکاول کی مہر لگی ہوئی تھی جو اس نے باورچی خانہ سے لگا کر بھیجی تھی اور پھر شاہ ہی کے آگے وہ مہر کھولی گئی۔ اب یہاں تمام قسموں کے کھانوں کے عقدے کھلے۔ کئی قسموں کے چانول پکے ہوئے تھے۔ اول تو پلاؤ جس کی صورت بالکل سفید برف کی سی تھی۔ دوم پلاؤ جس میں بھیڑ بھی بریاں تھی ایک اور دوسری قسم کا پلاؤ تھا جو ایک پرند کا پکا ہوا تھا چوتھی قسم کے پلاؤ میں زعفرانی رنگ دیا ہوا تھا اور جس میں خشک مٹر کے دانے بھی ملے ہوئے تھے۔ پانچویں قسم کا نارنجی پلاؤ تھا جو شاہ فارسی رکابیوں میں رکھا ہوا تھا اور جس کا رنگ بالکل نارنگی کے رنگ سے مشابہ تھا۔ جس میں بادام۔ کشمش۔ پستہ۔ شکر۔ غرض اسی طرح کے قسم قسم کے میوے پڑے ہوئے تھے۔ سلمن۔ (ایک قسم کی مچھلی)۔ ہیرنگ (مچھلی) جو کاسپین میں ہوتی ہیں رکابیوں میں رکھی ہوئی تھیں اور ٹراؤٹ (مچھلی کی قسم) دریائے زنگی کے بھی کباب شدہ مزے دے رہی تھی چینی کے پیالوں اور رکابیوں میں یہ یہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ قورما۔ کوفتے جو ایک پرند کے پکے ہوئے تھے۔ نیم پخت گوشت۔ میٹھے چاول۔ دوپیازہ۔ دم پخت پلاؤ جس میں بھیڑ کی ہڈیوں کا گودا دیا گیا تھا۔ اور اس میں کچھ کچھ گوشت بھی پڑا ہوا تھا اور یہ چانول اسی کے عرق میں ابلے تھے۔

پیٹھا جس میں گوشت بھر کر مکھن میں پکایا گیا تھا۔ ایک پرند ابلا ہوا تھا۔ خشک بیر کی چٹنی سرکہ کے ساتھ۔ خاگینہ جس کی مٹھائی دوانچہ کی ہو گی۔ گوشت کا شوربا جس میں گوشت بادام وغیرہ ملے ہوئے تھے اور اس کو پلاؤ کے اوپر ڈال کے کھاتے ہیں ایک رکابی میں نیم جوش انڈے جن میں مکھن اور قند ملا ہوا تھا۔ ایک رکابی میں بادنجان۔ شکاری جانور کے گوشت کا قورما اور اسی قسم کے بے تعداد کھانے جن کا بیان نہیں ہو سکتا برابر قابوں میں چنے ہوئے تھے۔

ان کھانوں کے بعد کباب آئے۔ ایک بھیڑ پوری بھنی ہوئی آئی جس کی دم اس کی پشت کے اوپر تک مڑی ہوئی تھی۔ تیتر اور کبک دری جس کو فارس والے معشوق سے تشبیہ دیتے ہیں مثلاً کبک خرام۔ ان کے کباب موجود تھے۔ ماژندرانی تدرو بھی رکھے ہوئے تھے۔ اور چند قابوں میں جنگلی گدھے اور ہرن کے بھی بھنے ہوئے پارچے موجود تھے کھانوں میں اس قسم کا تکلف اور ان کی کثرت ہر شخص کو متعجب کرتی تھی۔ یہ سب کھانے بادشاہ کے گرد اس طرح سے چنے ہوئے تھے گویا خود شاہ بھی ایک ڈھیر معلوم ہوتے تھے۔ میں چھوٹی بے تعداد چیزوں کو بیان نہیں کرتا کہ جن کا شمار بھی دشوار تھا۔ مثلاً اچار۔ مربے۔ مکھن۔ پیاز۔ پنیر۔ نمک۔ مرچ۔ مٹھائی۔ جو مختلف خوانوں پر چنی ہوئی تھیں۔ کیونکہ ان کا پورا پورا بیان دشوار ہو گا۔ ہاں بے شک شربت لکھنے کے قابل تھے۔ یہ شربت قیمتی قیمتی چینی کے پیالوں میں بھرے ہوئے تھے اور خوب مزے لے لے کر ان کو چمچوں سے پیا جاتا تھا یہ شربت بڑی کاریگری اور استادی سے عرق لیموں سے بنائے گئے تھے۔
سکنجبین اپنی کیفیت اور چٹاخے جدا دے رہی تھی۔ شربتوں میں عرق گلاب مہک رہا تھا یہ تمام شربت کھتے کی برف سے خنک کیے گئے تھے۔

شاہ ذرا سر جھکا کے کھانوں کی طرف مائل ہوئے۔ پلاؤ پر ہاتھ ڈالا اور اس کو چٹ کیا اسی طرح جتنی رکابیاں آگے رکھی ہوئی تھیں سب میں سے شاہ نے لے کر کھایا۔ کھانے میں بالکل چپ چاپ تھے۔ اور شہزادے اور تمام ملازمین بے حس وحرکت ادب سے کھڑے ہوئے راستہ دیکھ رہے تھے۔ جب شاہ تناول کر چکے تو اٹھ بیٹھے اور شمول کے کمرے میں چلے گئے ہاں ہاتھ منہ دھویا کافی پی اور اپنا قلیان پینے بیٹھ گئے۔

کھاتے وقت جن پلاؤں میں سے کہ شاہ نے کھایا تھا ایک خادم کو جو وہاں حاضر تھا حکم دیا کہ یہ پلاؤ مرزا احمق کے لیے لے جاؤ۔ یہ گویا ایک بہت بڑی خاص عزت سمجھی گئی ہے کہ شاہ اپنا الش اپنے کسی خاص خادم کو بھیجے۔ مرزا

احمق نے اس لانے والے کو انعام عطا کیا اسی طرح شاعر کو بھی شاہ نے ارسال کیا اس نے بھی لے جانے والے کو دائیں ہاتھ سے بھینٹ چڑھایا ہز میجسٹی نے کچھ کھانا طبیب کی جورو کو بھی بھیجا جس نے لے جانے والے کو سب سے زیادہ انعام عنایت کیا۔

پادشاہ کے اٹھنے کے بعد شہزادے بیٹھ گئے جب وہ تناول کر چکے تو کھانے کی کل رکابیاں دوسرے کمرے میں بھیجی گئیں۔ جہاں تمام امراوزرا شاعر وغیرہ جو شاہ کے ہمرکاب تھے بیٹھے ہوئے راستہ دیکھ رہے تھے انھوں نے بھی وہ کھانا کھایا جس میں سے شاہ اور شہزادوں نے نوش کیا تھا اس کے بعد کھانے کی رکابیاں ملازمین کے ہتھے چڑھیں جنھوں نے ان کو آئینہ کی طرح سے صاف کر دیا۔ بھلا جب فراش اور ڈیڑھ کھڑا کرنے والے گریں اور پھر کہیں کھانے کا پتہ رہ جائے لاحول ولا قوۃ۔

اسی عرصہ میں شاہ صرف طبیب کی ہمراہی میں اس کی حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ اگر کوئی شخص ایسے موقع پر تاک جھانک کرے اور پھر کہیں کسی کی نگاہ اس پر پڑ جائے تو وہ لقمہء اجل ہوتا ہے اس لیے میں سٹ پٹا رہا تھا کہ کیا کروں اور کیونکر دیکھوں میں اسی پس وپیش میں تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ طبیب نے کردستان کی لونڈی یعنی زینب کو بطور نذر کے شاہ کے آگے گذرانا۔ یہ سنتے ہی میری تمام رگ وپے میں ایک سناٹا آگیا اور میں مریض ہو گیا۔ گو اگر خیال کیا جائے تو یہ بڑی خوشی کا مقام تھا کہ خدا نے اسے اس حالت ظلم سے رہائی دی لیکن اور اور بہت سی باتیں تھیں جن سے میں غمگین ہوا تھا اور ایک الم کا بھالا میرے جگر میں آکے بھکا تھا۔ ان کا خیال کرتے ہی میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ یہاں تو عشق میں یہ حال تھا کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ کسی طرح سے کوئی صورت ایسی نکلے کہ پورا پورا پتہ معلوم ہو کہ وہاں کیا کاروائی ہو رہی ہے۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں کوشش تو ضرور کروں گا تاکہ مجھے صحیح صحیح خبر مل جائے اور شاید اس میں مجھے ایسا موقع بھی ملے کہ میں لمحہ کے لمحہ زینب سے بھی مل سکوں میں آخر اپنے بالاخانہ کے صحن کی چھت پر پہنچا اور وہاں سے نظارہ کرنا شروع کیا۔ عورتوں میں غل غپاڑہ سنائی دیتا تھا۔ بہت سی عورتیں یہ جلسہ ملاحظہ کرنے آئی تھیں۔ ان سب عورتوں میں جو اس وقت جمع تھیں خانم کے بھی متعلق عورتیں تھیں۔ لیکن ان سب عورتوں میں میں نے ایک عورت بھی ایسی نہیں دیکھی جس کی میری پیاری کی سی صورت ہو۔ ہر چند نگاہ دوڑاتا تھا لیکن زینب کا

پتہ بھی نہ تھا۔ بے شک شب کی سیاہی نے سب کو چھپالیا تھا اب مجھے ناامیدی ہو گئی کہ اس کا نظارہ تو نہ سکے گا۔ کیونکہ میں کوئی ایسانشان نہیں پاتا تھا جس سے کہ اس کی شناخت ہو جائے۔

صرف اپنی دلی الفت اور جذبہ محبت پر بھروسہ کر کے میں نے اپنی طبیعت کو اس سے اطمینان دیا کہ زینب ضرور وہ نشان جو میں نے اسے بتادیا تھا عمل میں لائے گی جس سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ آج میرے پاس آئے گی اور مجھ اپنے شربت دیدار سے سیر اب کرے گی۔ بالاخانہ کی چھت کا وہ حصہ کہ جہاں اول دن میں ہماری ملاقات ہوتی تھی شاہراہ کی طرف واقع تھا۔ اور جب کبھی کوئی تقریب یا کچھ مجمع وغیرہ کہیں ہوتا تھا تو عورتیں سیر دیکھنے کے لیے وہاں بیٹھ جایا کرتی تھیں۔ تو میں نے امید کی تھی کہ زینب بھی ضرور ہی تماشہ دیکھنے کے لیے آئے گی۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز۔ لوگوں کا غل وشور۔ لالٹینوں کے آگے پیچھے گذرنے نے میری مشکل کا آسان کیا۔ اب میں نے کچھ عورتوں کی جوتیوں کی شپر شپر کی آواز سنی جو اسی مقام پر دیکھنے کے لیے آرہی تھیں مجھے بہت شادمانی حاصل ہوئی۔ میں نے اپنے کو دیوار کے پیچھے چھپایا۔ ان عورتوں میں جب میں نے نظارہ کیا تو زینب کو بھی جلوہ فزا دیکھا قدرتی جذبہ ءدل نے اس کی آنکھوں کو میری طرف پھیرا۔ میں بھلا کیوں ایسے موقع پر خطا کھاتا۔ واقعی وہ ان عورات میں جو بالاخانہ پر تماشہ دیکھنے چڑھی تھیں موجود تھی۔ ہائے کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

محبت جادہ ءدارد نہان در خلوت دلہا

چو تار سجہ گم گردید این رہ زیر منزلہا

زینب نے بھی مجھے پہچان لیا۔ بس یہی میری آرزو تھی۔ اب میں نے اسی کی چترائی پر ایک طریقہ باہم گفتگو کرنے کا چھوڑا۔ یعنی اب اسی پر تکیہ کرنا چاہیے جب اسی کے ہاتھ میں موقع لگے گا وہ آپ آئے گی۔

جب بادشاہ روانہ ہونے کے لیے اٹھے تو "دور ہو چلا جا" کی تیز تیز آوازیں میرے کان میں آنے لگیں۔ اور ہر شخص نے جلوس میں اپنے کو تیار کیا۔ سوائے چند مستثنیٰ لالٹینوں کے جن سے ان لوگوں کے درجے اور عہدے معلوم ہوتے تھے کہ جن کے قدموں کو یہ روشن کر رہی تھی۔ سارا شاہی جلوس جس طرح سے آیا تھا اسی طور سے محل کی طرف چلا گیا۔

عورتوں کو اس امر کا اطمینان ہوا کہ یہاں سے بہت کچھ نہیں دکھائی دے گا وہ تو نیچے جانے لگیں جب تک کہ وہ بالاخانہ کی چھت پر ٹھہری رہیں یہی گفتگو ہوتی رہی کہ شاہ نے کس کی تعریف کی اور کس کو پسند کیا اور جب وہ

وہاں سے اترنے لگیں تو میں نے بہت سی باتیں ایسی سنیں جن سے حسد اور کینہ ٹپکتا تھا وہ صرف پیاری زینب کی خوش قسمتی پر جلے پھپھولے پھوڑتی تھیں۔
ایک بولی۔ میں نہیں خیال کر سکتی کہ شاہ کو اس کی کون سی ادا بھا گئی اور اس کی کون سی بات نے اس کا دل اپنے اوپر لبھ لیا۔ زینب میں کچھ بھی حسن نہیں ہے۔ کیا تم نے کہیں اتنا لمبا دہن دیکھا ہے۔ نہ اس میں نمک ہے نہ اس کی صورت میں کچھ تراوٹ ہے۔
دوسری بولی۔ زینب خمدار بھی تو ہے۔
تیسری بولی۔ اس کی کمر کو دیکھو وہ ہاتھی کے موافق ہے اور اس کے پیروں سے اونٹ کے پیر بھی تو چھوٹے ہوں گے۔
چوتھی بولی۔ یہ یزیدی بھی تو ہے اور شیطان سے اس کو ایک الفت ہے اور صرف اسی سے یہ پہچانی جاتی ہے۔
یہ سن کر سب یک زبان ہو کے بولیں۔ یہ سب درست ہے۔ ہاں یوں ہی ہے یہ اور شیطان دونوں شریک ہو کے شاہ کو نجاست کھانے پر آمادہ کریں گے۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئیں اور پھر میں نے ان کی کوئی آواز نہیں سنی۔
لیکن ایک عورت کہ جو بالاخانہ کی چھت پر ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی رہ گئی تھی ظاہراً اس ہنگامہ کو ملاحظہ کر رہی تھی کہ جو سڑک پر ہو رہا تھا جب وہ سب عورتیں چلی گئیں تو وہ اٹھی اور میری طرف آئی۔
یہ مہ جبین زینب تھی۔

چوتھا باب

حاجی بابا کا زینب سے ملنا اور خود شاہ کا رقیب بننا

وہ دیوار جس کے پیچھے میں چھپا ہوا تھا کوئی بڑی حد فاصل ہم میں نہ تھی۔ اور میں نے بہت مشکل سے اپنے دل کی ناخوش حالت کو اس پر ظاہر کیا تھا۔ پہلے اس سے کہ اس نے مجھے اس خطرے سے مطلع کیا کہ جو ہماری اس ملاقات سے پیدا ہوتا ہے۔ نازنین زینب نے مجھے یہ بھی سمجھا دیا کہ بس یہ ہماری آخری ملاقات ہے اس لیے کہ جب میرا تعلق شاہی سے حرم ہو گیا تو پھر ایسے وقت میں اگر اس طرح سے ہمیں کوئی باہم باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے تو پھر سوائے موت کے اور کوئی چارہ نہ ہو۔ میں اس بات کے سننے کے لیے متردد تھا کہ شاہ نے اس کو کیونکر اور کس طریقہ سے اپنا حرم بنایا۔ اور آئندہ اس کی قسمت کیا ہو گی لیکن میں اس سے یہ ہر ایک بات سانس روک روک اور گلا دبا دبا کر اور سسکی لے کر کہتا تھا۔ مگر اس کے خلاف جب میں زینب پر نظر ڈالتا تھا تو جس قدر مفارقت کا مجھے صدمہ تھا اس کے دل پر اس کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا اس کا کیا تو یہ سبب ہو گا کہ آئندہ قسمتوں کی عزت کا چمکارا اس کی آنکھوں میں چکا چوند کر رہا تھا اور یا یہ بات تھی کہ اس نے ان مصیبتوں اور شدید تکالیف سے رہائی پائی تھی کہ جو صرف زیادہ تر میرے باعث اسے سہنی پڑی تھیں۔ جس سرگرمی اور پر جوشی سے میں نے اپنی دلی الفت و محبت کو دکھایا تھا اور پیشقدمی کی تھی مجھے تو اس کا واپسی کا جواب اسی قدر نہیں ملا۔

زینب نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب شاہ اندرون میں آئے تو ان کا استقبال گانے والی لڑکیوں نے کیا جو پہلے ہی سے ان کی تعریف کا گانا گانے لگی تھیں َاور یہ سب گانا طنبوروں پر گایا جاتا تھا۔ جب شاہ کھلی ہوئی شہ نشین میں آ کے بیٹھے تو بانو یعنی خانم کو اجازت ہوئی کہ وہ شاہ کے قدموں کے بوسے دینے کا شرف حاصل کرے۔ ایک پانداز جو ایک نہایت ہی قیمتی ریشمی کپڑے کا تھا شاہ کے نیچے بچھایا گیا تھا جونہی شاہ نے اس پر قدم رکھ کے اٹھائے وہ سب خواجہ سراؤں نے جو خاص شاہی تھے سمیٹ لیا کیونکہ خوجے یہ حق اپنے باپ دادا کا سمجھتے ہیں۔ شاہ کے خواجہ سراؤں کا افسر حاضر خدمت تھا اس نے دست بستہ ہو کر خانم کے نذرانہ کی درخواست کی۔ یہ نذرانہ ایک

چاندی کی کشتی میں پھیلا ہوا تھا۔ جس کے ساتھ چھ عرق گیر بھی رکھے ہوئے تھے جن پر خانم نے اپنے ہاتھ سے بیل بوٹے اور گلکاری کا کام کیا تھا۔ چھ سینہ گیر تھے کہ جو شال کے بنے ہوئے تھے۔ جاڑے میں کرتے پر اسے پہنتے ہیں (سینہ گیر کو ہند میں سینہ بند کہتے ہیں) دو جوڑے شال کے پائجاموں کے۔ تین ریشم کی قمیص اور چھ جوڑے جرابوں کے ان سب چیزوں کو طبیب کے گھر کے خادموں نے بنایا تھا۔ ہز مجسٹی یعنی شاہ عالیجاہ نے خانم کے ہنر کی بہت ہی کچھ مدح سرائی کر کے اسے قبول کر لیا۔ عورتیں شاہ کے کجکلاہ کے دونوں طرف قطاریں باندھے ہوئے دست بستہ حاضر تھیں اس کے بعد زینب نے یہ کہا کہ مجھ نگوڑی مصیبت کی ماری افسردہ طبیعت کی بابت پوچھو تو عجیب صورت پیش آئی۔ ایک تو ظاہر تھا کہ افسردگی اور پژمردہ دلی یہ اس وقت میرا حصہ ہو رہی تھی۔ اس پر بھی خانم نے مجھے سب سے اخیر کھڑا کیا تھا یعنی نور جہاں حبشن لونڈی کے بھی پیچھے۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت ہو رہی تھی اور تو اور بوڑھی لیلیٰ بھی تو اس تگ و دو میں تھی اور یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح سے شاہ کا دل مجھ پر ریجھے اور شاہ مجھے پسند کر لیں۔ بعض شرمگین نگاہوں سے بھنچی ہوئی کھڑی تھیں۔ بعض نے نظریں چرالی تھیں۔ بعض ایسی دلیر تھیں کہ انھوں نے جو شاہ کے چہرے پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کیا تو آنکھ نیچی نہیں کی۔ شاہ نے سب کو باری باری سے ملاحظہ کیا کوئی بھی اس کی دل میں نہ جنچی پھر اس نے میری طرف نگاہ بھر کر دیکھا اور پھر طبیب سے یہ کہا۔

یہ کتنی اچھی چیز ہے۔ اس میں کسی طرح کی خرابی نہیں ہے۔ شاہ کے جیفہ کی قسم چیز اچھی ہے۔ طبیب ماشاء اللہ۔ تمھیں بھی بہت ہی اچھا مذاق ہے۔ چاند کا سا چہرہ۔ آہو چشم شمشاد قد۔ غرض ہر صفت اس میں موجود ہے۔

اس پر طبیب نے ایک فراشی سلام بجالا کے یہ عرض کی۔ خدا کرے میں ہمیشہ حضور پر قربان ہوتا رہوں۔ باوجودیکہ یہ لونڈی اس قابل نہیں ہے کہ اس کو میں حضور کے پیش کر سکوں تاہم اس لیے میں خود اور ہر چیز پر کہ مجھ سے علاقہ رکھتی ہے وہ سب بندگان عالی کی ہے تو میں حضور کے قدموں میں اسے نثار کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف۔

شاہ۔ قبول۔ (اپنے خواجہ سراؤں کے افسر کو بلا کے) دیکھو اس لڑکی کو ناچنے گانے کی پوری پوری تعلیم دی جائے اور اس کے تمام کپڑے وغیرہ اسی شان و شوکت سے ابھی تیار ہو جائیں کہ جیسے اور حرموں کے ہیں۔ تو اب بس میں آراستہ اور پیراستہ ہو کر اس کی حضور میں پیش ہوں گی۔

لیکن اے حاجی یہ موقع میں کبھی نہ بھولوں گی۔ جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت طبیب کی جورو کی آنکھیں کس غضب کی ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں مگر شاہ چہرے کی طرف جب اس کی نظریں اٹھتی تھیں تو بہت ہی حلیمی سے۔

سب باتیں جو شاہ نے میری نسبت کہی تھیں ان کو کس عالم سکوت میں اور چپ چاپی سے یہ گوش گزار کر رہی تھی۔ اس کی دیکھن کہے دیتی تھی کہ اس وقت اس کے سینہ میں غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے اور یہ مارے طیش کے پھکی جاتی ہے۔ پھر جارجیا والی کو دیکھو تو وہ خون کے سے گھونٹ پی رہی تھی اور اس کی طبیعت میں برابر کٹار اور بھالے بھک رہے تھے۔ مگر نور جہاں ہاں یہ بیچاری بہت ہی خوش تھی اور میری تقدیر کھلنے پر پھولی نہ سماتی تھی۔ کھلی چلی جاتی تھی اس کی صورت سے بشاشی ہویدا تھی۔

میں اس وقت شاہ کے آگے زمین پر بچھی چلی جاتی تھی اس کی اب بھی شفقت و محبت آمیز نظریں برابر مجھ پر پڑ رہی تھیں۔

جونہی شاہ تشریف لے گئے تو خانم کی طبیعت یکایک میری طرف سے بدل گئی ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ مجھے ہی شیطان کی بچی بنایا تھا صدہا گالیاں دی تھیں۔ لیکن اب یہ ہو گیا۔ میری پیاری۔ میری روح۔ میری آنکھوں کی روشنی میری بچہ۔ میں نے آج تک ادباً کبھی اس کے آگے حقہ نہیں پیا تھا اب اس نے مجھے اپنا قلیان خود پینے کو دیا۔ چاہے میں کھاؤں یا نہ کھاؤں خانم میرے منہ میں مٹھائی کے ٹکڑے برابر دیے جاتی تھی۔ جارجیا کی لونڈی اس قدر حسد میں پھکی ہوئی تھی کہ اس وقت سامنے کھڑے ہو کر یہ نہ دیکھ سکی۔ آخر ایک طرف الگ چلی گئی تاکہ پوری انگاروں پر لوٹے۔ دوسری اور عورات نے بھی مجھے بہت دھوم دھام سے مبارکباد دی اور انھوں نے خوب خوب خوشی کے اظہار کیے اور اس خوشی کی فہرست کو مجھ کو پڑھ کر سنایا جو انھوں نے پہلے ہی تیار کر لی تھی۔ وہ یہ تھی کہ محبت مئے خوش رنگ۔ موسیقی۔ جواہرات۔ نفیس اور عمدہ عمدہ کپڑے۔ حمام کرنا۔ شاہ کے آگے کھڑا ہونا۔ یہ تمھاری آئندہ تقدیر ہو گی۔ چند عورتوں نے مجھے یہ نصیحت کی کہ ہمیشہ الفت و محبت کو حاصل کرنا اور ہر ایک کا دل اپنے قابو میں کر لینا تاکہ تمھاری جس قدر کہ سوکنیں ہیں سب کی طبیعت میں تمھاری طرف سے محبت پڑ جائے اور کوئی تم سے بیر نہ کرے۔ چند عورتوں نے مجھے بننے سنورنے پر نصیحت کی اور چند عورتوں نے مجھ سے

یہ کہا کہ جس وقت شاہ کچھ تعریف کرے تو اس کا جواب ان لفظوں میں دینا چاہیے اور شاہ کے اس طرح سے ادب آداب کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ نشست اور برخاست کا ہے۔

غرض چشم زدن میں زینب جو ایک مصیبت و آفت میں مبتلا تھی اور جس پر کوئی نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھتا تھا آخر کار مرجع تعریف و توصیف ہو گئی اور سب اسے آنکھوں پر بٹھانے لگے۔

یہاں سے زینب نے اپنی رام کہانی ختم کی ل زینب قدرتی اپنی اس حالت بدل جانے پر اس قدر خوش تھی کہ میں اس خوشی کو اس آئندہ مصیبت و آفت کی خبر دے کر بھی تو دور نہ کر سکا جو شاہی حرموں پر آکے واقع ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان مصیبتوں اور سختیوں سے یہ بہت ہی کم واقف تھی۔ اگر یہ شاہ کی خدمت میں حاضر ہو اور اس کی پسند خاطر نہ ہووے اور وہ قابل صحت نہ خیال کرے تو پھر سوائے موت۔ جانکنی۔ بے رحمی کی مرگ۔ سخت مصیبت و تکلیف کے اور کیا ہوتا ہے اور پھر اپنی اس حالت کی کسی کے آگے اپیل بھی نہیں ہو سکتی۔ جب میں دیکھا کہ یہ خوش ہے اور تم اس وقت ماتمیوں کی سی صورت بناؤ گے تو یہ درست نہ ہو گا میں بھی بہت خوش ہوا اور گو اس وقت ہم دونوں کی مفارقت ہوتی تھی لیکن پھر بھی اس امید سے اپنی طبیعت کو آپ ڈھارس دیتے تھے کہ شاید ایسے مواقع پڑ جائیں کہ ایک دوسرے کا دیدار پھر نصیب ہو جائے۔

زینت نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ کل شاہی محل کا خواجہ سرا آئے گا کہ مجھے حرم سرا میں داخل کرے اور جب میں حمام کر لوں گی اور نفیس پوشاکیں پہن لوں گی تو مجھے اور گانے والیوں کی جماعت میں بھرتی کیا جائے گا۔ اور یہ تعلیم میری بہت ہی جلد شروع ہو جائے گی۔

جب اس نے اپنا نام بار بار سنا جیسے کوئی بلاتا ہے تو وہ ڈری اور کھڑی ہو گئی اور ہم دونوں نے بعد ہزاروں اور لاکھوں اقرار الفت و محبت دلی کے ایک دوسرے سے مفارقت اختیار کی۔ اس وقت ہماری یہ مایوسانہ طبیعت تھی کہ گویا اب کبھی ملاقات نصیب نہ ہو گی۔

پانچواں باب

حاجی بابا کی زینب کی مفارقت کا صدمہ اور اس کا یکا یک طبیب بننا

جب میری مہ جبین میرے سے پاس سے چلی گئی اور میں اسی جگہ پر بیٹھا رہ گیا جہاں وہ کھڑی ہوئی تھی اور اپنے دل میں یہ باتیں کرنے لگا کہ یہ گویا ایک بادام میں دو گری کا مضمون ہوا۔ اگر دنیا کا طریقہ یونہی ہے تو میں نے دو مہینے خواب و خیال میں صرف کر دیے میں نے اسی خیال میں اپنے کو مجنوں اور زینب کو لیلیٰ بنایا اور میں نے دل میں کہا کہ جب تک آسمان پر چاند و سورج قائم ہیں ہماری محبت کے اٹھتے ہوئے ولولے کبھی ٹھنڈے نہیں پڑ سکتے ہم یوں ہی باہم جلتے رہیں گے۔ دبلے ہوں گے اور مفارقت میں اپنے دلوں کو کباب کریں گے۔ لیکن یہ صاف ہے کہ میری داڑھی جائے مضحکہ بنے گی۔ بھلا کیا خدا کی شان ہے شاہ آیا نظارہ بازی کی اور دو لفظ کہے اور اڑا کر لے گیا۔ حاجی کو اس وقت نہ یاد کیا زینب ایسی شاہی ہوا پر چڑھی۔ چند شبیں میں نے یونہی گزاریں سویرے اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر کے منصوبے گانٹھا کرتا۔ اسی دھن میں میں فصیل شہر سے بھی باہر چلا جاتا اور ہر وقت صدہا قسم کے توہمات میرے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ جونہی میں گھر سے اترا میں نے زینب کو ایک گھوڑے پر سوار دیکھا کہ خواجہ سرا ساتھ ہیں اور خادم چلو بچو کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ میں نے یہ امید کی شاید مجھے دیکھنے کے لیے زینب ضرور نقاب سرکائے گی مگر نہیں اس نے زین پر سے کچھ جنبش نہیں کی۔ میں اور بھی دور تک ساتھ ساتھ گیا کہ شاید میرا دھیان اسے آجائے لیکن سب خیال خامیاں تھیں۔ خیر کچھ ہو بجائے اس کے کہ میں شہر کے دروازے تک جاتا میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کو شاہی محلات تک پہنچا دیا۔

جب وہ ایک بڑے چوکور مقام میں داخل ہوئی جو خاص دروازہء محل کے قریب ہی واقع تھا۔ میں نے دیکھا کہ جائزے کے لیے فوج جمع ہے۔ شاہ خود بھی اوپر کی صحنچی میں رونق افروز تھے۔

اب پیاری زینب میری انکھوں کے آگے سے غائب ہو گئی۔ جب اس کا گھوڑا پہنچا تو اس کو جگہ دے دی گئی۔ میں جو اندر جانے لگا تو گارڈ نے مجھے روکا۔

اب میں یکایک اس فوج کی طرف رجوع ہوا جو میرے سامنے قواعد دکھا رہی تھی یہ لشکر اس وقت قواعد کر رہا تھا اور اس فوج کی کمان نامر دخان افسر جلاداں کر رہا تھا۔ یہ نامر دخان سنہرے کپڑے پہنے ہوئے۔ اس کی ٹوپی پر کثرت سے زر و جواہر ٹکے ہوئے تھے۔ جو آفتاب کی کرنوں سے جھم جھم کر رہے تھے ایک نایاب اور فاخرہ جنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔

ریویو میرے قریب ہی ہو رہا تھا۔ جب میں نے ان کے گھوڑوں۔ سواروں۔ ان نیزوں کو جو آفتاب کی روشنی میں جھلک مار رہے تھے دیکھا تو مجھے بھی اپنے وہ دن یاد آ گئے جو میں نے ترکمانوں کے ساتھ گذارے تھے اور میں مدت تک اس فوجی کام میں مشغول رہا تھا۔

مربع میدانوں کے ایک طرف قواعد کرنے والا ترپ جما ہوا تھا اور سکریٹری جنگ مع اپنے چھ کاتبوں کے بیچ میں کھڑا ہوا تھا۔ اور ان کے پاس مختلف رجسٹر بھی بغل میں تھے۔ دو پکارنے والے بھی وہاں حاضر تھے۔ ان میں سے ایک شخص زور کی آواز میں سپاہی کا نام لے کر علیٰحدہ جا کھڑا ہوتا بس اس طریقے سے شاہ تمام فوج کا نظارہ کر لیتے سواروں کی مختلف شکلیں تھیں اور سب نئے نئے کنیڈے کے تھے۔ بعض تو نہایت ہی خوبصورت سجے سجائے گرانڈیل جوان تھے کہ بالکل رستم معلوم ہوتے تھے لیکن شہسوار اس قماش کے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے صرف اس موقع کے لیے کسی سے گھوڑے مستعار لے لیے ہیں اور وہ اس طرح سے اٹک اٹک کر اور کچھ تامل سے قدم آگے بڑھاتے تھے گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ میدان جنگ ہو رہا ہے اور انھیں دشمن قوی کا مقابلہ کرنا ہے۔ جب وہ گھوڑا کداتے ہوئے آگے سے نکلے تو میں نے اپنے بہت سے شناساؤں کو پہچانا۔ اور میں نے ایک نوجوان کی زندہ دلی اور دلاورانہ صورت اور شہسواری کی تعریف کی۔ یہ نوجوان اس وقت گرا جب وہ اس لکڑی سے جو راہ کے وسط میں کھڑی تھی گذرنا چاہتا تھا۔ جونہی یہ جانور گرا اس کا سوار بھی بہت ہی زور سے گھوڑے کے پیروں پر آ پڑا۔ یہ ہاتھوں ہاتھ فوراً اسی مجمع میں پہنچایا گیا۔ بعض اشخاص نے مجھے پہچانا کہ یہ طبیب سے متعلق ہے مجھے انھوں نے بلایا کہ اس کا معالجہ کروں۔ گو میں محض جاہل اور کندۂ ناتراش تھا لیکن میں نے ڈاکٹر بننے کے لیے ایک لمحہ کا بھی تامل نہیں کیا۔ اور طبیب ہونے کی ہوا مجھ میں سما گئی۔ میں نے اس بدقسمت شخص کو زمین پر بے جان لیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگ جو اس کو گھیرے ہوئے بیٹھے تھے ہنوز معالجہ سے بند نہیں ہوئے تھے ایک شخص اس کے حلق میں امام حسینؑ شہید کربلا کا نام لے کر پانی ٹپکا رہا تھا۔ ایک شخص اس کی ناک پر رکھ کے حقہ پی رہا تھا

کہ کسی طرح سے یہ ہوشیار ہو جائے۔ ایک شخص اس کے ہاتھ پیر دبا رہا تھا کہ کسی طرح سے اس کے ہاتھ پیر گرم ہو جائیں۔ جونہی میں وہاں پہنچا میں نے ان مختلف علاجوں کو جو اس کے ہو رہے تھے اچھا نہ کہا۔ فوراً لوگوں کو ہٹا کر میں نے ایک خلاصہ مقام کیا بہت غور سے نبض دیکھی۔ جس قدر لوگ وہاں کھڑے ہوئے تھے انھوں نے التجا کی کچھ جلدی تجویز کیجیے۔ میں نے ذرا خوب زور دے کر کہا کہ اس کو یہ ضرب صرف تقدیر کی وجہ سے آئی ہے اور زندگی موت دونوں کشتیاں لڑ رہی ہیں جو غالب آگئی بس اسی کا پاسا پڑ گیا۔ کچھ اس پر مقرر نہیں جو لوگ موجود ہیں سب کی موت و زندگی پکڑ لڑا کرتی ہے۔ غرض اسی طرح سے اپنے آقائے نامدار مرزا احمق کی طرح میں نے بھی ہر شخص کو زبونی اور بڑے سانحہ کے لیے تیار کیا۔ میں نے یہ رائے زنی کی اور یہ میرا تمہیدی علاج تھا کہ اگر اس کی تقدیر میں اچھا ہونا ہے تو یہ ابھی اچھا ہو جائے گا اور نہیں جو روز ازل میں اس کی سر نوشت میں لکھا جا چکا ہے تو کچھ علاج ہی نہیں ہے۔ کوئی نسخہ کارگر نہ ہوا اور نہ کسی نے اثر کیا۔ میں دوسرا نسخہ لکھنے کو تھا کہ اتنے میں یہ غل سنائی دیا کہ۔ راہ بدہ۔ فرانسیسی ڈاکٹر جس کے علم و ہنر کا حال میں نے پہلے بیان کیا ہے معلوم ہوا۔ اس ڈاکٹر کو فرانسیسی ایلچی نے بھیجا تھا کیونکہ اس نے یہ آفت خود ملاحظہ کی تھی۔ مریض کو دیکھتے ہی وہ پکارا کہ فوراً اس کا خون لو خبردار ایک لمحے کا بھی تامل اور عرصہ نہ کرو۔

میں اس وقت جو گویا ایک بڑا قابل اور لائق گنا گیا تھا میں نے دل میں کہا کہ تم بھی اپنی کچھ علمیت بگھارو۔ پھر میں ذرا للکار کر بولا۔ خون لو۔ یہ بھی کیا اچھی طبابت ہے کیا تم نہیں جانتے کہ موت ٹھنڈی ہے اور خون گرم ہے۔ اول اصول حکمت یہ ہے کہ ٹھنڈے امراض میں گرم دوائی کی جائے اور برابر گرم گرم علاج ہوں۔ بقراط جو کہ تمام اطبا کا قبلہء عالم ہے یونہی اپنی حکمت میں لکھتا ہے۔ اور یقیناً تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اپنی روح آپ کھاتا ہے۔ اگر اس کے جسم سے تم نے خون لیا تو یہ فوراً جان دے دے گا جو کچھ میں کہتا ہوں تمام عالم سے کہہ دو۔

اس پر فرانسیسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس کا امتحان کس نے کیا ہے اور اس کی نبض کس نے دیکھی ہے چلو خیر ہماری دردسری تو بچی یہ تو مر گیا اب گرم و خنک اس کے لیے کیا حکم رکھتے ہیں۔ یہ کہہ کے وہ رخصت ہوا اور مجھے اور میرے بقراط کو ہماری ناکیں ہوا کی طرف کیے ہوئے چھوڑا۔

میں بولا کہ موت اس کے لیے بہتر ہوئی۔ خدا کے حکم اور فرمان کے آگے آدمی کی عقل کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہم طبیب قضا کے آگے کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ جیسا کہ پٹی ہوئی مہری کا پانی دریاؤں کے پانی کو مغلوب نہیں کر سکتا۔

ایک ملا جو اس وقت موجود تھا اس نے حکم دیا کہ اس کے دونوں پیروں کو قبلہ کی طرف پھیر دو دونوں پیر کے انگوٹھے باہم مضبوط باندھے گئے۔ ایک رومال اس کی ٹھوڑی کے نیچے لپیٹ دیا گیا۔ اور پھر اس کے دونوں پیروں کو لے کر سر کے اوپر جکڑ دیا اور جس قدر پاس کھڑے ہوئے تھے سب درود و دعا جو ان کے مذہب میں ہوتی ہے پڑھ رہے تھے۔

اسی وقت اس مظلوم اور متوفی کے رشتہ دار بھی آ گئے۔ وہ نالہ و بکا ہوا کہ الحفیظ والامان۔ پھر تابوت آیا اور اس کے رشتہ دار نعش کو اس میں رکھ کر لے گئے۔

جب میں نے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ جلادوں کا نائب افسر تھا اور اس کے ماتحت ایک سو پچاس جلاد تھے۔ اس کے یہ فرض تھے کہ جس وقت شاہ روانہ ہوں تو ان کے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا بھیڑ کو صاف کرتا ہوا چلے۔ احکام کی سربراہی کرنا۔ دیسی قیدیوں کا چارج لینا۔ غرضکہ پولیس افسر کی طرح سے شہر میں کام کرنا۔ یہ سنتے ہی فوراً یہ اسامی میرے دل میں کھٹکی میں نے یہ خیال کیا کہ یہ ملازمت میرے لیے دوائیاں حل کرنے اور نسخہ بنانے سے کس قدر موزوں ہو گی اور میں اس کو کس خوبی سے انجام دوں گا۔ دھیان آتے ہی میں نے خیال کیا کہ یہ کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اور اس کا امکان کیونکر ظہور پذیر ہو گا۔ مجھے خیال آیا کہ مرزا احمق کا دوست افسر جلاداں ہے کیونکہ اس نے افسر پر بہت ہی احسان رکھا تھا۔ چند روز کا عرصہ ہوا کہ افسر نے مرزا احمق سے شاہ کی خدمت میں یہ سفارش کرائی تھی کہ شراب اس کی صحت کے لیے بہت ہی مفید ہے اور دربار میں سخت ممانعت ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اسے اجازت مل جائے اور اس افسر نے اپنے ہاں کے قبلہ و کعبہ سے اس کے لیے فتویٰ بھی لے لیا تھا کہ تمھیں شراب پینا جائز ہے۔ تو مرزا احمق نے شاہ کے آگے اس کی یہ سفارش کر دی تھی کہ افسر جلاداں کو شراب پینے کا حکم عام دے دیا جائے اور وہ منظور بھی ہو گیا تھا۔ تو اب گویا مرزا احمق کا اس پر بہت بڑا احسان تھا مجھے اس سے امید بندھی تھی کہ مرزا احمق اگر چاہے گا تو اس کا سرانجام ہو سکتا ہے۔

چھٹا باب

حاجی بابا کا گورنمنٹ کی ملازمت میں بھرتی ہونا اور جلاد بننا

پیشتر اس کے ڈاکٹر دیر کہنہ (محل کا وہ دروازہ جہاں رعایا کے متعلق امورات انجام پاتے ہیں) کو روانہ ہوا میں اپنا موقع دیکھنے لگا کہ میں اس سے اپنی آئندہ تقدیر کی بابت ذکر کروں اور اس کو اس بات پر آمادہ کروں کہ وہ افسر جلاداں سے سفارش کر کے مجھے متوفی کی جگہ دلوانے میں ایک لمحہ کا توقف نہ کرے۔ اور مجھے اس کی جلدی یوں ہوئی کہ شاہ دارالخلافہ سے سلطانہ روانہ ہونے کو تھے اور پھر طبیب ان کے ساتھ جاتا تو پھر یہ ایک بدیہی امر تھا کہ جب طبیب بھی چلا جاتا تو ضرور میں اس کی جگہ پر رہتا۔

طبیب جو کہ اس خرچ سے جو شاہ کی مہمانداری سے اٹھا تھا متفکر تھا اور اس کا یہ ارادہ ہو رہا تھا کہ گھر میں اس سختی سے کفایت شعاری کا برتاؤ کیا جائے کہ سب خرچ برابر ہو جائے باوجودیکہ اس غم سے بیٹھا جاتا تھا لیکن اس نے میری خواہش سنتے ہی مجھ سے اقرار کیا کہ جہاں تک ہو سکے گا میں تمھاری مدد کروں گا۔

طبیب نے مجھ سے کہا کہ جب صبح کا دربار ہو چکے گا تو میں تمھیں عین دربار ہی میں افسر جلاداں سے ملوا دوں گا تم مستعد رہنا۔ جونہی میں نے ظہر کی اذان سنی فوراً شاہی محلات کی طرف روانہ ہوا۔ اور میں افسر جلاداں کے کمرے میں جس کے بڑے بڑے دروازے خاص پھاٹک کی طرف کھلے ہوئے تھے جا دھمکا۔ چند اشخاص وہاں مجتمع تھے ایک کونے میں یہ افسر خود نماز پڑھ رہا تھا۔ میرے دوست شاعر اور نائب افسر تقریبات سے کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔

موخر الذکر متوفی کے متعلق عجیب و غریب روایات بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں افسر جلاداں نے نماز پڑھتے میں کہا کہ "این دروغ است۔" آپ ذرا صبر کریں۔ میں نماز پڑھ لوں پھر آپ سے مفصل کیفیت بیان کروں گا کہ یہ امر کیونکر ہوا یہ کہہ کر وہ پھر نماز پڑھنے لگا جب یہ نماز پڑھ چکا تو اس نے اپنی اصلی کیفیت بیان کرنی شروع کیا۔ اور افسر کی یہ ساری باتیں اور کیفیت کا دہرانا نائب افسر تقریبات کے بالکل خلاف تھا۔ کہنے لگا کہ فرانسیسی ڈاکٹر

نے تو اس مظلوم کا خون لے کے اس کو مار اتارا۔ اور پھر ایک فارس کے طبیب نے اسے صرف ہلا کے پھر زندہ کر دیا۔

افسر جلاداں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں مرزا احمق دروازے میں داخل ہوئے افسر یہ ذکر کر رہا تھا کہ دو طبیبوں میں یہ ہوا اور یہ ہوا۔ اس نے اس امر کو ثابت کر دیا کہ بڑے بڑے عجیب معاملے پیش آئے۔ اس کے بعد اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہی وہ شخص ہے اگر روکا نہ جاتا تو ضرور ہی اس کی زندگی بچ جاتی۔ یہ اشارہ ہوتے ہی سب کی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور سب نے مجھے بلایا کہ تم آکر مفصل کیفیت بیان کرو کہ یہ کاروائی کیونکر انجام پذیر ہوئی۔ یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنی وضع کو اور ہیئت مجموعی کو بالکل اسی موقع کا بنالیا اور میں نے تمام علمی اصول کو بیان کر دیا جو اس وقت برتے گئے تھے اور جو میں نے طبیب اعظم کی تعلیم میں دیکھے تھے۔ یہ سن کے مرزا احمق میری تعریف کرنے لگا اور بہت جوش میں اس نے مجھے افسر جلاداں سے ملوایا اور کہا کہ میں اس متوفی کے عہدے کے لیے اس شخص کی سفارش کرتا ہوں۔

افسر جلاداں۔ اوہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ طبیب جلادی کا عہدہ لے۔

شاعر۔ یہ کچھ نقصان کی بات نہیں ہے (ایک آنکھ کے کونے سے مرزا احمق کی طرف دیکھ کے) دونوں ایک ہی قطار میں ہیں۔ ایک دوسرے کی نسبت زیادہ تحقیق سے اپنا کام انجام دیتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ان تمام باتوں کے بعد یہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے کہ آیا ایک شخص رفتہ رفتہ ایک گولی سے مر جاتا ہے یا شمشیر کے لگتے ہی اس کی گردن اڑ جاتی ہے۔ یعنی گولی اور تلوار کے اثر میں کتنا فرق ہے۔

مرزا احمق۔ (تردید کر کے) اگر نظر انصاف سے ملاحظہ کیا جائے تو شعر بھی اسی قطار میں ہیں کہ جس میں طبیب اور جلاد ہیں۔ اس لیے کہ وہ آدمیوں کی ناموری کا خون کر دیتے ہیں اور اس امر میں ہر شخص میرا متفق ہے کہ بہ نسبت طبیب کے قتل کے یہ خون سخت ہے اور اس طرح سے قتل کرنا جس طرح شاعر قتل کرتے ہیں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

افسر جلاداں۔ یہ سب صحیح ہے۔ تم جس طریقے سے چاہو قتل کرو۔ بشرطیکہ مجھے بھی سپاہیانہ روش پر چلنے دو۔ میرے مقابل میں ایک بہت اچھا جنگ آور چھوڑ دو۔ میرا نیزہ مجھے پھر بھونکنے دو۔ اور مجھے تیغ براں کے کاٹ کرنے دو۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا اے مسٹر شاعر صرف میں تو بارود کی بو سونگھوں اور گلاب کے پھول کی خوشنما

پتی تمھارے لیے رکھوں آپ توپ کے گولے کی گڑگڑاہٹ دیں میں ہرگز بلبل ہزار داستان کی طرح تمھارے گانے پر حاسد نہ ہوں گا۔

نائب افسر تقریبات۔ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کے۔ ہاں ہر شخص آپ کے جوہروں اور قابلیتوں سے آگاہ ہے۔ اور خاص کر کے شاہ جو ہم سے زیادہ تمھارے اس قتل کرنے کے ہنر سے آگاہ ہے کیونکہ اس نے اکثر اپنی مسرت ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ اب تک جس قدر فارس میں حکمران ہوئے ہیں سب میں میں ممتاز ہوں۔ اور صرف ان ہی خیالات اور تصورات سے وہ جارجیا کے جگر میں اپنے ہتھیاروں سے گھس جانے کی گفتگو کرتا ہے (افسر جلاداں کی طرف مخاطب ہو کے) اگر روسیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ان میں ہیں تو اس وقت وہ تمام اپنے معاملات کو اس دنیا میں صاف سمجھنے لگیں اور پھر آئندہ کے لیے تیار ہوں۔

افسر جلاداں۔ روسی چیز ہی کیا ہیں۔ کیا خاک ہیں۔ جارجیا پر قبضہ کر لینا اور روسیوں کو وہاں سے نکال دینا ایران کے لیے ایسا ہے کہ جیسے میں اس پسو کے لیے ہوں جو میرے کرتے میں گھس کر مجھے کاٹتا ہے اور اس سے ذرا کی ذرا مجھے تکلیف ہوتی ہے اور پھر دم بھر میں میں اسے راہ فنا دکھا دیتا ہوں۔ روسی اصل ہی کیا رکھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں تمھیں اس نوکری میں لینا پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ تم میری طرح سے بارود کی بو سونگھنے سے متعلق معلوم ہوتے ہو۔ کیونکہ جس عہدے پر تم معین ہو گے ایسے شخص کے لیے رستم کی طاقت۔ شیر کا دل اور بگھیرے کی سی چستی ضرور ہونی چاہیے۔ مجھے سر سے پیر تک دیکھ کے وہ بہت خوش ہوا اور مجھے حکم دیا کہ تم میرے نائب کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمھیں ساز و سامان آفس سے درست کرے اور تمھیں تمھارے عہدے کے لیے سب ہدایات کر دے کہ کس طرح سے کام کرنا ہو گا۔

میں نے دیکھا کہ نائب صاحب شاہ کے سفر کی تیاری میں پھنسے ہیں اور ہر شے کے انتظام کے لیے احکام جاری کر رہے ہیں۔

جونہی اسے معلوم ہوا کہ میں متوفی جلاد کے عہدے پر متعین ہوا اس نے فوراً متوفی کا گھوڑا اور سب جنگی وردی مجھے دے دی اور مجھے سخت تاکید کی کہ ان کی بہت ہوشیاری سے نگہبانی رکھنا اور یہ بھی اطلاع دے دی کہ اگر ان میں سے کوئی شے زائل ہو جائے گی تو پھر دوسری تمھیں نہیں ملنے کی۔ تیس تمن ماہانہ میری تنخواہ مقرر ہوئی اور پیٹیا اور میرے گھوڑے کی خوراک جدا معین ہوئی۔ اب میں نے اپنے کو پوشاک اور ہتھیاروں سے مزین پایا۔

پہلے اس سے کہ میں آگے کچھ بیان کروں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے نئے آقا نامرد خان کے چال چلن اور اس کے طریقہ سے ناظر اور میری سرگذشت پڑھنے والے کو آگاہ کروں۔ یہ شخص لمبا تھا چوکور کاندھے تھے اور بہت ڈبل اور جسیم بھی تھا اور اس کی عمر کوئی پینتالیس برس کی ہوگی پورا جوان تھا اور اب بھی اس کو خوب جوان کہتے تھے اس کی ہیئت اس مادہ کی تھی۔ لمبی لمبی سیاہ گھندار بھویں۔ بڑے بڑے ڈبل بالوں کی داڑھی اور ایسی ہی مونچھیں۔ اس کے ہاتھ خصوصاً بڑے اور زور آور تھے۔ اور سیاہ بالوں سے جو اس کی قمیض کے شگاف سے باہر نکلے ہوئے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی اون ڈبل اور موٹی کو الٹی کی ہے۔ اس کی مجموعی صورت سے سرداری برستی تھی لیکن ساتھ ہی اس کے اس کی صورت سے بد دماغی اور ناتراشیدگی بھی ٹپکتی تھی طہران میں یہ بہت خوش گذران مشہور تھا وہ بغیر کسی جھجک کے خوب خوب مئے گلرنگ اڑاتا تھا اور ملاؤں کو خوب ہی برا بھلا کہتا تھا۔ اس کا گھر گویا مخزن عیش و عشرت بن رہا تھا۔ گانے اور طنبور بجانے کا شور شام سے صبح تک اس کے مکان سے سنائی دیتا تھا۔ اس کے ہاں مرد اور عورتیں ناچنے والیاں تھیں۔ اور یہ گویا بذات خود ہر ایک ٹولی کا محافظ تھا۔ لیکن باایں ہمہ وہ اپنے محکمہ کے سخت اور شدید کاموں میں سست نہیں تھا۔ کیونکہ گانے اور بجانے کی آوازوں میں ہر شخص ان کمبخت اور بدبخت لوگوں کی واویلا اور بکا کی آوازیں بھی سنتا تھا کہ جن پر کوڑے بازی ہوتی تھی اور جو سخت اس کے آگے زجر و توبیخ کیے جاتے تھے۔ یہ نہایت ہی عمدہ سوار تھا۔ اور بھالا لگانے میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور گو اس کے چہرے مہرے سے یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ سپاہی ہے اور اس کی ہر شے یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ ضرور مرد میدان ہے اور بڑا قوی ہے لیکن اصل میں یہ حد سے زیادہ ہیز اور نامرد تھا۔ یہ ہمیشہ بڑے بڑے فخریہ اور شیخی کے الفاظ کہہ کہہ کے اپنی اس نامردی کی اصلی حالت کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ اور ان لوگوں میں جو اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے کامیاب ہو جاتا تھا۔ اور یہ صرف اپنی شیخی سے حال کے فارسیوں میں ایسا ہی سمجھا جاتا تھا کہ جیسے پرانے فارسیوں میں سام اور افراسیاب خیال کیے جاتے تھے۔

اس کا نائب یعنی لفٹنٹ اپنی کرخت اور درشت صورت سے ایک چالاک اور عقلمند شخص تھا وہ اپنے افسر کے انتظام کو کامل طور سے سمجھتا تھا جس کی وہ ایسی تعریف کرتا تھا کہ سوا شاہ کے اور اس کے کوئی شخص فارس میں اس قابل نہیں ہے کہ اس کو آدمی کہا جائے۔

مجھے جلدی سے اس بات کا علم ہو گیا کہ میری طمع کے جوش نے میرا ایک حاسد پیدا کر دیا جب اس نے دیکھا کہ میں نے اس عہدے کے حاصل کرنے پر اسے کچھ نذرانہ نہیں بھڑایا تو اس نے اس جلن سے میرے اوپر سخت سخت مشکلات ڈالنی شروع کر دیں اور میری راہ میں کانٹے بونے لگا لیکن میں نے اپنی زبان کی چوٹ سے جو میری فطرت میں پڑی ہوئی تھی اس کو سیدھا کیا یعنی آپ لفٹنٹوں کے لب لباب ہیں اور آپ ایسے لائق اور کار گزار ہیں کہ آئندہ اپنے افسر کا عہدہ سوا آپ کے کوئی پا ہی نہیں سکتا۔ جب اس نے یہ مدح سرائی کی باتیں اپنی نسبت گوش گزار کیں تو بہت ہی خوش ہوا اور میری ایسی تعریف کرنے لگا جو حد سے باہر ہے۔ اللہ کریم کی عنایت سے اس وقت تم گویا یہاں اس محکمہ میں ایک جواہر ہو اور تمھارے ہی دم کی زیب وزینت ہے۔

اب تک میں طبیب ہی کے ہاں رہتا تھا یہاں تک کہ شاہ کی روانگی کا زمانہ قریب آیا اور میں نے سامان سفر کی تیاری کرنی شروع کی۔ چونکہ میں عہدہ دار بن گیا تھا اور عہدہ دار بھی جلادوں کا افسر تو مجھے جس چیز کی حاجت ہوتی تھی صرف اپنے بھرم پر بازار سے بلا تکلف لیتا تھا۔ جس زمانہ میں کہ میں طبیب کے ہاں رہتا تھا میں نے مریضوں سے لے کر کچھ ضروریات کا سامان جمع کر لیا تھا اور یہ مجھے انھوں نے بطور نذرانہ دیا تھا۔ مثلاً ایک بستر۔ ایک رضائی۔ ایک پلنگ مجھے ہاتھ لگا تھا۔ اور وہ یوں لگا کہ ایک غریب شخص اتفاقیہ ہمارے چارج میں مر گیا۔ میں نے اس کے رشتہ داروں کو یقین دلایا جن کو میں جانتا تھا کہ یہ بڑے وسواسی مسلمان ہیں کہ صاحب ہمارا اصلاً قصور نہیں ہے ہم نے تو جہاں تک ہم سے ہو سکا کوئی بات اس کی نگہداشت میں نہیں اٹھا رکھی اور جو میں نے اس کے ساتھ کیا تھا اور جس طرح سے پیش آیا تھا اس میں کسی طرح کا شبہہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا علاج کیا ہو کہ جس بستر پر یہ لیٹا ہوا تھا وہ بستر یہی کمبخت ہے۔ اور اصل بات یہ تھی کہ رضائی ریشمی تھی۔ اور دوسری بات یہ ہوئی کہ بستر کے پائنتی قبلہ کی طرف نہیں پھری ہوئی تھی۔ جب اس کے رشتہ داروں نے بستر کے یہ گن سنے تو انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور وہ بستر چھوڑ چھاڑ کر چلتے بنے تو پھر یہ بستر میرے ہاتھ لگ گیا۔

ایک آئینہ کی کبھی مجھے ضرورت ہوئی تو وہ مجھے یوں ہاتھ لگا کہ ایک دن ایک مرزا اپنا آئینہ دیکھ رہے تھے کہ منہ دیکھتے دیکھتے انھیں اپنا چہرہ کچھ اترا ہوا اور پژمردہ معلوم ہوا۔ انھیں یہ صورت کھٹکی میں نے انھیں یقین دلایا کہ مرزا صاحب خدا کے لیے آپ پھر یہ آئینہ ملاحظہ نہ کیجیے گا۔ آپ کا چہرہ تو سرخ سفید ہو رہا تھا ابھی گلاب کی پتی کے موافق تھا یہ سنتے ہی انھوں نے آئینہ کو پھینک دیا اور میں اسے اٹھائے لیے گھر چلا آیا۔

مرزا احمق سے زیادہ ظاہراً مذہب میں کوئی سخت تھا۔ اور جو چیزیں کہ غیر مصفا ہوتی تھیں ان کے لیے حد سے زیادہ شکی تھا۔ مجھے ایک تو بخدان کے جوڑے کی ضرورت تھی اور ایک اس جوڑے کی ضرورت تھی جو خود طبیب کا تھا جو ایک کمرے میں یونہی بیکار پڑا ہوا تھا۔ وہاں یہ چیزیں اکثر میرے ملاحظہ میں گزرتیں۔ اب میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ چیزیں میرے قبضہ میں کیونکر آجائیں۔ مجھے یکایک یہ خیال آیا کہ چند کتیا کے بچے جو تمام طہران میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور جو ہماری دیوار کے نیچے ہی ایک کتیا نے دیے تھے مع ان کی ماں کے اٹھالاؤں اور ایک بخدان میں ان کو بھر دوں چنانچہ میں نے یہی کیا ایک بخدان میں تو وہ بچے اور کتیا بٹھائی اور دوسرے میں خشک ہڈیاں ادھر ادھر سے لا کے رکھ دیں اور پھر کچھ خبر نہ ہوا جب کتیا اور بچے باہر چلنے پھرنے لگے اور انھوں نے غل ول مچایا تو طبیب کے آدمیوں کو خبر ہوئی انھوں نے طبیب کو اس واقعہ سے مطلع کیا وہ مع اپنے داروغہ مکان اور اور آدمیوں کے جن میں بھی شریک تھا موقع واردات پر آیا۔ جب سب نے یہ ملاحظہ کیا تو انھیں بہت ہی خدشہ معلوم ہوا اور انھوں نے گویا گھر کے لیے خاص بد شگون سمجھا۔

ایک شخص بولا۔ کہ یہ صرف خانم سے شادی کرنے کا نتیجہ ہے اور اسی سے ہوا ہے۔

دوسرا بولا۔ کتیا کے بچے اب تک اندھے ہیں اللہ کرے ہم اور طبیب کہیں اندھے نہ ہو جائیں۔

طبیب کو تو اصل میں بخدان کھونے کا بہت رنج تھا اس نے انھیں نجس کہا اور بولا کتیا اس کے بچے اور سب چیزیں ابھی یہاں سے علیحدہ کر دی جائیں۔ میں نے فوراً ہی قبضہ کر لیا اور بہت جلدی ان سب کو ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس شخص کے لیے ہوں گے جو ان اشیاء پر قبضہ کرے گا۔ غرض رفتہ رفتہ میں نے خوب سامان جمع کر لیا اور جب ہماری سفر کے لیے تیاری ہو گئی تو میں نے اس بخدان کو شاہی خچر ہانکنے والے کو ذرا خصوصیت اور حق جتا کر دے دیا کہ وہ اسے لے چلے۔

ساتواں باب

حاجی بابا کا شاہ کے ہمراہ جانا

آخر کار سلطنہ کو روانہ ہونے کا دن نجومیوں نے قرار دیا۔ آفتاب نکلنے سے نصف گھنٹہ کے بعد شاہ محل سے روانہ ہوئے۔ بارہ ربیع الاول تھی۔ منہ اٹھا کر جو چلے تو کہیں ذرا بھی لجام کو سہارا دے کر نہ ٹھٹکے جب تک سلطنہ کے محل میں نہ پہنچ گئے۔ یہ شہر کنارہ کرج پر واقع ہے اور طہران سے نو فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ مختلف حصص فوج مع ان پلٹنوں کے جو سلطنہ میں جمع ہوئی تھیں ان کو حکم ہوا تھا کہ وقت مقررہ پر سب وہاں تیار ملیں۔ شاہ کے ساتھ باڈی گارڈ۔ اونٹوں کا توپ خانہ۔ اور ایک بڑا مضبوط دستہ سواروں کا تھا۔ دربار کے اعلیٰ اعلیٰ عہدہ دار مع وزراء سلطنت اور وہ افسر جو پبلک دفاتر میں ملازم تھے شاہ ہی کے ساتھ سب نے سفر اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح سے شہر بالکل سنسان ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایک ہی دم میں دو چوتھائی آبادی کم ہو گئی۔ ہر چیز اور ہر ایک شخص چلتا ہی معلوم ہوتا تھا۔ پردیسی اگر کوئی ایسے وقت میں دیکھے گا تو اسے یہی خیال آئے گا کہ باشندے شہر چھوڑ کر سب چل دیے جیسے کہ شہد کی مکھیاں ایک جگہ سے چھتا اٹھا کر دوسری جگہ چلی جاتی ہیں اور وہاں اپنا قیام کرتی ہیں اسی طرح سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ طہرانیوں نے شہر کو ایڈیو کہا اور اب وہ کہیں اور جا کے بس گئے ہیں۔ خچروں اور اونٹوں کا تانتا جن پر بسترے۔ غالیچے۔ باورچی خانے کے برتن۔ ڈیرے۔ کوڑوں کا سامان اور ہر قسم کی چیز بسط لدی ہوئی تھیں۔ اور جو لدے پھندے راستہ پر چلتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ خاک کثرت سے اڑ رہی تھی۔ اور اس وقت ان کے رہنما برابر اپنی آوازوں کو اپنے جانوروں کی گھنٹیوں کی آوازوں سے ملاتے جاتے تھے جو ان کی گردنوں میں پڑی ہوئی بجتی جاتی تھیں۔

روانگی کی فجر کو میں بسین پھاٹک میں مقیم تھا تا کہ اس کا انتظام کروں کہ کوئی چیز شہ کی راہ میں مانع نہ آئے۔ تمام شہر کے سقوں نے سڑکوں پر چھڑکاؤ کر دیا اور جہاں تک ممکن ہوا تھا وہ تدابیر اور دور اندیشانہ کام عمل میں آئے تھے جن سے شاہ کی رحم مزاجی اور شفقت رعیت کے حال پر ٹپکتی تھی۔ خصوصاً بڑھیا عورت کو بھی اجازت نہیں

تھی کہ وہ شاہ کے آگے سڑک پر دکھائی دے شاہ کی اس پر نظر پڑ جائے اور پھر وہ نظر بری ہو۔ یعنی شاہ کے دل کو بھا جائے پھر دقت آکے واقع ہو۔

اس وقت مجھے میں دلیری اور جرات ایسی ہو گئی تھی کہ میں آدمیوں کو ادھر ادھر ہٹاتا تھا اور اپنی عادت اور مزاج کا ذرا خیال نہ رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے اپنی حالت یاد تھی کہ جب میں عوام الناس میں سے تھا اور سخت نفرت کی نگاہ سے دفتر کے ہر ایک شخص کو دیکھتا تھا۔ لیکن اب میں نے اپنی لکڑی اس آزادی اور دلچلے پن سے استعمال کرنی شروع کی کہ نہ لوگوں کا سر دیکھتا تھا اور نہ پیٹھ دیکھتا تھا۔ سڑاسڑ جو اڑانی شروع کی تو ایک تہلکہ مچ گیا اور میرے بھائی جلاد بھی چمکے اور متعجب ہوئے کہ حاجی ان میں ایک عفریت مست کے مانند ہے مجھے یہ تردد تھا کہ کسی طرح سے میری جرات اور دلیری کی دھاک بندھ جائے گی اور اس سے مجھے یہ امید تھی کہ جب میری دھاک بندھ جائے گی تو میں اس سے اور اعلیٰ عہدے پر ترقی کر جاؤں گا۔

غرض جلوس اب آگے بڑھنا شروع ہو گیا۔ توپخانہ شہر پہلے سے آگے چلا گیا تھا کہ شاہ کے پہنچنے سے پہلے وہ سلطنہ پہنچ جائے اور جب شاہ سلطنہ پہنچیں تو وہ دنا دن سلامی اتارے۔ اب معلوم ہوا کہ شاہ طہران سے روانہ ہوئے کیونکہ توپوں کی گڑگڑاہٹ نے تمام شہر میں یہ روشن کر دیا تھا۔ جلادوں کا سوار ایک جنگی رخش صورت گھوڑے پر سوار ہوا اور شاہراہوں میں اس نے گھوڑے کو ڈپٹایا۔ اور بہت سے سوار آگے پیچھے دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے تھے یہ سارا جھگڑا اس لیے تھا کہ سڑکوں کو شاہی جلوس کے لیے صاف کریں۔ اول لفٹنٹ آئے ان کے بعد سوار جو جواہرات اور شال اور سونے وغیرہ سے لدے پھندے تھے ان کے بعد دوڑتے ہوئے پیادے۔ پھر شاہ۔ شاہ عالیجاہ کے شہزادے۔ ان کے پیچھے وزراء اور ان سب کے بعد کثرت سے سواروں کا رسالہ جاتا تھا۔

جب یہ بیان کیا گیا کہ اس وقت شاہ کے ہمرکاب تمام مدارج کے لوگ تھے اور جب ان کا ٹوٹل دیکھو کہ جن میں مرزا۔ ملازمین۔ قلیان بردار۔ باورچی۔ ان کے خدمتگار جو ظروف وغیرہ کو صاف کرتے ہیں۔ فراش۔ دوڑتے ہوئے پیدل۔ چرویدار۔ سوار۔ اونٹ اور خچر ہکانے والے اور دس ہزار اور لوگ جو کیمپ کی ہمراہی میں قدمزن تھے۔ جس وقت کہ میں کبین دروازے پر کھڑا ہوا تھا اور یہ غل وشور کرتا ہوا مجمع میرے آگے سے نکلتا تھا تو ہر شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنا ہو گا۔ جب شاہ عالیجاہ قریب آئے جن کی لمبی داڑھی چھاتی پر قلابازیاں کھاتی ہوئی ادھر ادھر اڑتی تھی اور ان کی صورت سے دہشت اور خودسری اور جلال شاہی جلوہ دے رہا تھا میں

نے بھی نہایت ہی ادب سے اور جھک کے سلام کیا اور اپنی گردن کو بغیر جھکائے نہ رہ سکا اگر میں ذرا بھی گردن جھکانے اور قاعدے کے موافق آداب بجالانے میں کوتاہی کرتا تو کاندھوں کے بیچ میں سے میرا سر ندارد ہو جاتا۔ اس تمام جلوس نے شہر کے دروازے کو صاف کر دیا۔ میں نے گارڈ کے ساتھ جو وہیں قیام کیے ہوئے تھا حقہ پینے میں دیر لگا دی اس وقت وزیروں کی عورات جن کو کیمپ کے ساتھ چلنے کی اجازت ملی ہوئی تھی نمودار ہوئیں انھوں نے پھر زینب کی یاد کو تازہ کر دیا۔ میں نے بہت دلسوزی اور افسوس سے اس کی مصیبت ناک حالت پر رنج کیا اور اس کی آئندہ قسمت پر خون کے آنسو بہائے کہ دیکھیے اب اس کی کیا حالت ہو گی۔ پیاری زینب (جیسا کہ مجھے اپنے روانہ ہونے سے ایک دن پہلے نور جہاں سے معلوم ہوا تھا) اس گھر میں بھیجی گئی جو ایک چھوٹا موسم گرما کا مکان ہے اور جس کا تعلق شاہ کجکلاہ سے ہے اور یہ چھوٹا مکان ان پہاڑوں پر ہے جو طہران کے ارد گرد آکے واقع ہوئے ہیں جہاں یہ مظلوم لڑکی گانے اور ناچنے کی تعلیم پائے گی۔ شاہ نے حکم دے دیا تھا کہ جب ہم فصل خریف میں واپس آئیں اس وقت تک زینب فن موسیقی میں کمال پیدا کرلے اس وقت گویا زینب کے شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بھاگ کھلیں گے۔ جب میں سوار ہوا چاہتا تھا تو اس مقام کو ن نہیں دیکھ سکا جہاں پیاری مقید کی گئی تھی اور میں نے چاہا تھا کہ اس کا کچھ کچھ نشان میں دامن پہاڑ میں سے امتیاز کر سکوں شاید کوئی موقع ایسا آکے واقع ہو کہ میں اپنا فرض اور کام چھوڑ چھڑا کر اس کے ہاں جاکے صرف جھلک ہی دیکھ سکوں۔ مگر مجھ کو پھر حکم ہوا کہ شاہ کے سلطنہ اترنے سے پہلے میں وہاں کا انتظام جاکے کروں۔

دن کا سفر اور میرا ملازمت کا وقت ختم ہو گیا۔ میں جلادوں کے بڑے سردار کی قیامگاہ کی طرف گیا جہاں میں نے اپنے لیے ایک چھوٹا سا ڈیرہ استادہ دیکھا۔ ان میں پانچ اور میرے ہی محکمہ کے لوگ تھے جو زمانہء سفر میں میرے ہی ہمراہ رہیں گے میں ان سے شہر ہی میں واقف ہو گیا تھا اور وہیں میرے ان کے بخوبی شناسائی ہو گئی تھی۔ اب ہم باہم ایسے تنگ مقام میں جمع ہوئے جو چھ گز طول سے ہر گز زائد نہ ہو گا۔ اور چار گز عرض سے بڑھتی نہ ہو گا۔ غرض اس طرح سے ہم ایک دوسرے پر پڑے۔

چونکہ میں نوجوان اور بچہ تھا تو اس تنگی اور ایسی سختی پر کچھ بھڑکنا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے کو سنبھالا اور دل میں خیال کیا کہ اس وقت چاہے جیسی بے آرامی ہو جب بھی ہنس مکھ ہونا چاہیے۔ اگر اس وقت تکلیف ہوتی ہے تو آئندہ بڑے بڑے منافع حاصل ہوں گے اور میں بہت کچھ ترقی حاصل کر جاؤں گا۔

افسر جلاداں کے نائب کے ضمن میں یہاں نائب لفٹنٹ بھی موجود تھا۔ یہ ایک شخص میرا دلی رفیق تھا اور آخر الامر صرف اس کے ذریعہ سے میں نے بڑی بڑی قوموں میں شہرت پائی اس کا نام شیر علی تھا۔ اور اس کو درجہء بیگ عطا ہوا تھا۔ خاص باشندہء شیراز تھا وہیں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ اگرچہ فارس کے دو رقیب شہروں کے باشندوں میں کسی طرح بھی بنائے دوستی قائم نہیں ہوتی لیکن میرا تو وہ گاڑھا دوست بن گیا اور ہم دونوں شیر و شکر ہو گئے ایک دن گرمی میں جب میں بہت پیاسا تھا اس نے مجھے تربوز کا شربت پلایا۔ میں نے دوسرے موقع پر اس کا حقہ اس کے لیے بھر دیا۔

ایک دن میں چاول زیادہ کھا گیا اس نے اپنے قلمتراش سے میری فصد کھولی۔ اور میں نے اس کے عوض میں اس کے گھوڑے کا درد قولنج تماکو کا پانی پلا کے کھو دیا۔ غرض یونہی رد و بدل ہوتی رہی میں اس کا ایک کام کر دوں تو وہ یہ چاہتا تھا کہ میرے دو کام کر دے۔ اسی طرح سے ہم دونوں میں خوب ہی گاڑھی دوستی ہو گئی۔ یہ مجھ سے عمر میں تین برس بڑا تھا لانبا قد۔ خوبصورت۔ چوڑے بازو۔ تنگ کمر۔ مناسب داڑھی جو صرف اس کی ٹھوڑی کو چھپائے ہوئے تھی۔ نہایت ہی خوبصورتی سے بل کھائی ہوئی زلفیں اس کے دونوں کاندھوں پر پڑی ہوئیں۔ جیسے کہ انگور کی بیلیں باغ کی دیواروں پر پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ غرض یہ بہمہ صفت موصوف تھا کوئی بات اعتدال سے زیادہ تجاوز نہ کیے ہوئے تھی۔

چونکہ اسے اس عہدے پر ایک زمانہ مدید گذر گیا تھا اس لیے یہ اس عہد کے تمام فن فریب وغیرہ سے بخوبی آشنا تھا۔ کیونکہ جب ہمارے اس معاملے میں گفتگو ہونے لگی یہ ایک بہت ہی تعجب انگیز امر تھا کہ اس نے کس قدر تجربہ اور کتنی وسیع اپنی مشق میرے ذہن میں تہہ نشین کی اور مجھ کو کتنی دور از خیال باتوں سے آگاہ کیا۔

وہ کہنے لگا۔ تم اس کو ہرگز خیال نہ کرنا جو تنخواہ شاہ اپنے ملازمین کو دیتا ہے اسی کو اس کے خدام دیکھیں اور ان پر قناعت رکھیں۔ نہیں کبھی نہیں۔ صرف ان کے عہدوں کی حیثیت ہی پر بالجبر اور تعدی سے دست اندازی کرنا منحصر ہے یعنی جس قدر و منزلت کا عہدہ ہو اسی قدر وہ بالجبر رعایا سے لے سکتے ہیں اس کے علاوہ اور زیادہ منافع اٹھانا یہ ان کی دانائی اور عقل پر منحصر ہے۔ اچھا امتحاناً آپ ہمارے سردار ہی کو لیجیے۔ اسکو شاہ کے ہاں سے ایک ہزار تمن ماہانہ ملتے ہیں اور جو باقاعدہ یا بے قاعدگی سے اس کو ادا ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ ان سے پانچ اور چھ درجہ زیادہ خرچ کر ڈالتا ہے اچھا وہ اسے کیونکر حاصل ہوتا ہے اور اس قدر زر نقد اسے کیونکر ہاتھ

لگتاہے۔ بس انھیں لوگوں سے اینٹھتا ہے جو اس کے ہتھے پر چڑھ جاتے ہیں۔ ایک خان معتوب ہوا۔ اور قہر شاہی اس پر نازل ہوا اس پر مار بھی پڑتی ہے اور اس پر جرمانہ بھی ہوتا ہے۔ تو یہی ہمارا سر دار اس پر ڈنڈا اور تاوان ڈالتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ بس جہاں دائیں ہاتھ سے کچھ بھینٹ چڑھا دیا اور سب تکلیفیں اس پر کم ہو گئیں۔ فرض کیجیے کہ ایک سرکش کی آنکھیں نکلوانی ہیں اب یہ صرف اس کی سزا کی زیادتی کمی اس رقم پر ہے جو مجرم سے ملتی ہے۔ کہ آیا یہ سزا یعنی اس کی آنکھیں کٹار اور چھری سے وحشیانہ طریقے پر نکالی جائیں یا قلمتراش سے بہت آسانی سے نکال لی جائیں جب یہ شخص فوج کا افسر بن کے کسی مہم پر بھیج دیا جاتا ہے تو جہاں جہاں یہ جاتا ہے شہروں اور گانوں سے اسے نذرانے بھیجے جاتے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ تم اپنی فوج کو روکنا کہ ہمیں نہ ستائے اور ہمارے مال و متاع پر دست درازی نہ کرے جس قدر اس کے پاس روپیہ پہنچتا ہے یہ اسی قدر رعایت کرتا ہے۔ اور علاوہ ان نذرانوں کے جو غربا سے لیتا ہے سالانہ وزرا بھی اسے بخشش دیا کرتے ہیں کہ شاہ کبھی نامہربان ہو تو اس وقت ہمارے ساتھ رعایت ہو گی اور ہم پر ویسا جور و تعدی روانہ رکھا جائے گا۔ غرض جہاں لکڑی کو جنبش دی جاتی ہے اور جہاں سزا دینے کا موقع آتا ہے تو یہ ہمارا سر دار خوب خوب دولت سمیٹتا ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہماری باری آتی ہے۔ اور پھر ہم اینٹھتے ہیں جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے۔

جس زمانہ میں کہ میں نائب تھا اور مجھے ایک مجرم کے مارنے کے لیے بلایا جاتا تھا اور میری پہلے ہی سے ہتھیلی گرم ہو جاتی تھی تو میں بجائے اس کے کہ اس کے پیروں پر لکڑیاں ماروں اس کے اس لکڑی کے تختہ پر مارتا تھا کہ جس پر وہ لٹایا جاتا تھا۔ یہ سال گزشتہ کا ذکر ہے کہ اسٹیٹ کے پرنسپل سکریٹری کے اوپر شاہ کا عتاب نازل ہوا۔ اور حکم دیا گیا کہ اس پر لکڑی کی مار پڑے بغیر کسی فرق درجہ کے اس کے لیے ایک چھوٹی سی دری بچھائی گئی اور اس کو اس پر لٹایا گیا۔ میں اور ایک دوسرا شخص مارنے والا قرار دیا گیا دو آدمیوں نے فیلک کو پکڑا۔ جب ہم نے اس کا شال اور اس کے سر کی ٹوپی اتاری اور اس کی پیٹی اور اُور کوٹ کو علیٰحدہ کیا جو قانوناً ہمارا ہو چکا تھا۔ تو اس نے ہمارے کان میں کہا جو شاہ نہ سن سکیں اس لیے کہ یہ تمام باتیں شاہ ہی کے حضور میں ہوتی ہیں۔ ان ماؤں کی قسم جنھوں نے تمھیں جنا ہے۔ مجھ کو زیادہ نہ مارنا۔ اس کے پیر باندھے گئے تھے۔ اور اس کو چادر پر چت لٹا دیا گیا تھا۔ جب یہ سامان ہو چکا تو ہم نے کام شروع کیا ہم نے صرف اپنی جانوں کے خطروں سے اس کو بھرپور مارا یہاں تک کہ وہ واویلا مچانے لگا اور اب اس نے ہم سے کچھ دینے کی درخواست کی کہ اگر مار تھما دو گے تو یہ پیش کروں گا۔ جب ہم

نے رفتہ رفتہ مار تھمائی اور ہم بجائے اس کے پیروں کے فیلک پر مارنے لگے۔ دونوں جانب سے عقلمندانہ برتاؤ کیا جاتا تھا کیونکہ یہ بھی تو خوف تھا کہ کہیں شاہ ہماری اس گٹ پٹ کو نہ تاڑ جائے اس طریقے سے یہ زور زور سے رو رہا تھا۔ آہ امان آہ امان۔ خدا کے لیے مار کم کرو۔ پیغمبرؑ کی روح کی قسم بارہ تمن دوں گا۔
تمھیں تمھارے باپ اور ماؤں کا واسطہ پندرہ تمن دوں گا۔ مجھے شاہ کے سر کی قسم بیس تمن دوں گا۔ بھئی تمام اماموں کی سوگند اور تمام پیغمبروں کی قسم چالیس پچاس ساٹھ سو ہزار تک دوں گا۔ میری مار تھماؤ۔ جب مار تمام ہو چکتی ہے یہ علم ہمیں فوراً ہی ہو جاتا ہے کہ جس قدر پہلے مار کھانے کی حالت میں اس کی فیاضی اور دریادلی کو ترقی ہوئی تھی اسی قدر اب گھٹنے لگی ہے لیکن پھر بھی جو کچھ اس نے ہمیں دینے کے لیے کہا تھا اس قدر تو ضرور ہی دیتا ہے اور اگر نہ دے تو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب کے اگر باری آئے گی تو یہ ادھیڑ ہی ڈالیں گے اور سخت مار دیں گے۔ اس ڈر کے مارے دیتا ہے۔
شیر علی نے مجھ سے اس قسم کی باتیں کر کے تمام اونچ نیچ سے آگاہ کیا اب مجھے یہ سن کے دھن لگی کہ کسی طرح سے کوڑے بازی کروں اور مال اینٹھوں۔ اب تو مجھے خواب بھی اسی کا دکھائی دینے لگا۔
میں نے اپنا یہ معمول باندھ لیا کہ ہاتھ میں لکڑی لی اور اس چیز پر جو پاؤں کی شکل ہوتی مشق کرنے لگا۔ اور اس میں ایسا مشاق ہو گیا کہ اگر مجھے کبھی حکم ہو اور کسی کے مارنے کا موقع پڑے تو وہ پاؤں کی انگلی کو علیٰحدہ علیٰحدہ لکڑی سے مار سکوں میری سرشت میں بے رحمی ہرگز نہ تھی جس کو میں بخوبی جانتا تھا نہ میں ایسا تند اور دلیر تھا جس کا بھی مجھے بخوبی علم تھا اس لیے میں خود متعجب تھا کہ میں یکا یک ایسا شیر بے پیر کیونکر ہو گیا۔ اصل یہ ہے یہ امر صحبت سے بہت تعلق رکھتا ہے دوسروں کے بے رحمانہ کاموں اور سختیوں نے مجھے بھی سخت دل بنا دیا۔ اور اب جو میری بود و باش تھی وہ ایسی سخت اور بے رحمی کی جگہ تھی کہ العظمۃ اللہ۔ سوا اس کے اور کچھ سننے میں نہیں آتا تھا۔ ناکوں کا کٹنا۔ کانوں کا کترنا۔ آنکھوں کا نکلنا۔ اوکھلی میں سر کا کچلا کرنا۔ دو آدمیوں کو اوپر نیچے لٹا کے قیمہ کرنا۔ تنور میں جلانا۔ غرض اسی قسم کی باتوں میں میں ایسا مشاق ہو گیا کہ اگر موقع ہو تو اپنے باپ کو سولی دے دوں اور اف نہ کروں۔

آٹھواں باب

حاجی بابا کا اپنے کام میں مشغول ہو کے ایرانیوں کی بے آئین سلطنت کا نمونہ بتلانا

شاہ آہستہ آہستہ سلطانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آخر چودہ دن کے بعد جب ایک نیک ساعت آپ کے وہاں پہنچنے کی قرار دی گئی تھی تو وہ اپنی ٹھیک اسی ساعت کے موسم گرما کے محلات میں پہنچے جو کچھ دن پہلے سے ان کے لیے آراستہ ہو گئے تھے۔ یہ محل پہاڑیوں پر قائم ہیں اور ان کی دوری پرانے شہر سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ یہاں سے پورا پورا نظارہ میدانوں کا دکھائی دیتا ہے۔ جو میدان اس وقت سفید سفید ڈیرے خیموں سے پٹے پڑے ہوئے تھے۔ جس وقت کہ اپنے عہدے کے خیال کا دھواں میری چھاتی میں اٹھتا تھا تو یہ ایک نمایاں نظارہ تھا کہ میں اپنے اس حال کی حالت کو اور اس کمبخت اور مصیبت ناک حالت کو جب میں ترکمانوں کی قید میں تھا مقابلہ کرتا تھا تو صرف مجھے یہ فرق معلوم ہوتا تھا کہ جب میں خود پٹنے والا تھا اور اب میں مارنے والا ہوں۔ صرف اس تعلیم سے جو کچھ تھوڑی بہت اصفہان میں میرے پرانے استاد ملاجی نے کی تھی مجھے یاد تھی اور اس سے اللہ کی عنایت سے اب تک شہریوں کی یعنی اپنے ہم وطنوں کی رعایت بہت کرتا تھا اور ان سے مجھے ہمدردی تھی۔

جب شیر علی میرے پاس آیا اور اس نے مفصلہء ذیل کیفیت مجھ سے کہی تو بہت دشواری سے میں نے یہ فکر وخوض کیا۔ وہ مجھ سے بولا۔ ہماری قسمت اس وقت بلندی پر ہے لو آؤ۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ انشاء اللہ ہم دیکھو کیا کارگزاری کرتے ہیں۔ تمھیں اس بات کا دھیان چاہیے کہ شاہ کے کیمپ کے لیے ارد گرد گانوؤں سے پوری پوری خوراک مہیا ہو گئی ہے مگر یہ معلوم ہوا ہے کہ کدح سوار کے گانوؤں نے اپنا حصہ نہیں ادا کیا ہے۔ اور اس کا گانوؤں اس جگہ اور ہمدان کے بیچ میں واقع ہے اور اس نے بہانہ یہ کیا ہے کہ ایک شہزادہ مع اپنی جلو کے شکار کے بہانہ سے چند روز سے یہاں ٹھہرا ہوا ہے اور وہ لوگوں کو اندر باہر سے صاف کیے دیتا ہے۔ تو اب مجھے حکم ہوا ہے کہ میں وہاں جاؤں اور اس کا بخوبی سرانجام کروں۔ اور میں مع اور گانوؤں کے بزرگواروں کے کدخدا (سردار گانوؤں) کو اپنے سردار کے آگے لے آؤں۔ چونکہ تم میرے دوست ہو اس لیے میں نے اجازت لے لی ہے کہ میں تمھیں

اپنے ساتھ وہاں لے جاؤں گو اور ہمارے محکمہ کے عہدہ دار شکایت کرتے ہیں کہ ہماری باری ٹوٹ گئی اور ہمیں ساتھ نہ لیا۔ اب تم مغرب کی نماز پڑھتے ہی جلدی تیار ہو جاؤ تا کہ ہم بہت جلدی روانہ ہو جائیں اور وہاں فجر ہوتے ہوتے جا پہنچیں۔

میں یہ سن کے پھولا نہ سمایا کہ اتنی جلدی میں ایک کام کے سر ہوا۔ گو میں شیر علی کی طرح سے کام کرنا اور موقع سے عمل کرنا نہیں جانتا تھا لیکن پھر عقل آزمائی کے لیے اور خنگ تیز گام فراست کے دوڑانے کے لیے بہت بڑا کھلا میدان پڑا ہوا تھا میں نے کہا کہ ہمارا استارہ برا ہو گا اگر اس مہلک شہزادے نے ہمارے لیے خوشہ چینی کرنے کو کچھ نہ چھوڑا۔ میرے دل میں ایک شاعر کا یہ شعر آیا۔ کہ۔

"اگر ظالم نے داڑھی جڑ سے پکڑ کر اکھیڑ لی ہے تو کچھ خوف کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ ٹھوڑی سلامت ہے جہاں سے وہ اکھیڑی ہے پھر بھی اگ سکتی ہے۔ مگر وائے اس خر پزے پر جو جڑ سے اکھیڑ لیا گیا۔"

یہ خیال کرتا ہوا میں اپنے گھوڑے کو کسنے کے لیے گیا جو اور افسروں کے گھوڑوں کے ساتھ ڈیرے کے پاس چر رہا تھا۔ اور میں نے اسے سفر کے لیے تیار کیا۔ اس کے گلے اور پیروں کی رسی کھولی۔ اور اس کی طرف مخاطب ہو کے یہ کہا۔ جانور۔ تم شوق سے چاہے لات مارو اور چاہے مجھے اٹھا کر پھینک دو اس لیے کہ تم ان کاموں کے کرنے کے لیے آزاد ہو۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ تم سے نقصان پہنچایا جائے پہنچاؤ۔

شیر علی اور میں نے آفتاب کے غروب ہونے پر اپنا کیمپ چھوڑا۔ ہمارے ساتھ ایک لونڈا ہوا جو لدے ہوئے خچر کی چوٹی پر بیٹھا ہوا اس کو ہنکا رہا تھا۔ اس خچر پر ہمارے بسترے چادرے گھوڑوں کی اگاڑی پچھاڑی لدی ہوئی تھیں۔ جب سے کہ میں سپاہی ہو گیا تھا میں نے اپنے نام کے ساتھ بیگ کا خطاب اور بھی ملا لیا تھا۔ تا کہ میری اس نام کے ساتھ پوری پوری شہرت ہو جائے میں نے اپنے گھوڑے کے واسطے ایک چاندی کی زنجیر اس کی پیشانی پر لٹکانے کے لیے اپنے کسی دوست سے مستعار لے لی۔ اور ایک خوبصورت چاندی کے دستہ کا پستول اپنی کمر میں رکھنے کے لیے اسی سے اینٹھا جس رفیق سے میں نے یہ دونوں چیزیں لیں اس سے میں نے اقرار کر لیا کہ اس کے لیے کچھ سوغات گرمی کی فصل کی وہاں سے ضرور لاؤں گا۔

ساری رات ہم نے سفر کیا۔ کل دو گھنٹے ایک گانؤں میں جو سڑک ہی پر واقع تھا آرام کیا اور ٹھیک صبح ہوتے ہی ہم کدرج سوار میں اس وقت پہنچے کہ جب عورتیں اپنے اپنے مویشی اصطبل سے نکال رہی تھیں۔ اور آدمی اپنے حقے

بیٹھے ہوئے پی رہے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب کھیت پر کام کرنے کے لیے جائیں گے۔ جونہی ہم گائوں میں گھسنے لگے تو یہ ایک بدیہی امر تھا کہ وہاں غل غپاڑہ مچے۔ ایک دند مچ گیا۔ عورتیں تو خاموش ہوئیں اور انھوں نے فوراً اپنے چہرے آنچلوں سے ڈھانک لیے۔ اور آدمی اپنی جگہوں سے بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میری سرگذشت کا ناظر اس ہیئت اور شکل کو دیکھے جو شیر علی نے وہاں پہنچ کے بنائی۔ اور اپنی کیسی ہوا باندھی ہے۔ اس نے اپنے کو محکمہء جلاداں کا سب سے اعلیٰ افسر قرار دیا اور ذرا ایک حکومت اور درشتی کی آواز میں لوگوں سے گائوں کے سردار کا پتہ پوچھا کہ وہ کون بشر ہے اور کہاں رہتا ہے۔ ایک سیدھا سادہ آدمی جس کی بھوری داڑھی۔ عاجزانہ صورت تھی۔ اور بہت ہی زدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا آگے آگے ہوا اور کہا آغا سلام علیکم۔ میں ہوں تمھارا نوکر جس کو تم تلاش کرتے ہو۔ خدا کرے تمھارے قدم یہاں آنے مبارک ہوں اور تمھارا سایہء عاطفت کبھی کم نہ ہو۔ اور پھر بسم اللہ کہہ کے اس نے ہمارے گھوڑوں کو تھام لیا ہم نیچے اتر آئے اور ہمارا اترنا بھی نوابی اور امیرانہ ہوا ایک شخص نے گھوڑے کے سر پر ہاتھ رکھا ایک نے رکاب پکڑی ایک نے بغلوں میں سہارا دیا یوں ہم گھوڑوں کی پیٹھوں پر سے اترے۔ ایک چھوٹی سی چادر کدخدا کے دروازے پر بچھی۔ اس پر گائوں کے تمام مرد بیٹھے اور ہم نے اندر کے رخ ایک کمرے میں نشست کی۔ کدخدا نے خود اپنے ہاتھوں سے ہمارے بوٹ اتارے اور اسی طرح کی ہماری اس نے خدمت کی جو وہ ہر مہمان کی جو ان کے ہاں جاتا ہے کرتے ہیں۔ جب شیر علی کی یہ عزت ہوئی اور ان کی نگاہ میں اس کی سردارانہ توقیر جمی تو شیر علی نے دو چار بقے اپنے حقہ میں سے اڑا کر بڑی ہی تاکید لفظی سے زور دے دے کر یہ کہا۔ تم جو کہ کدخدا کدرج سوار کے ہو جانتے ہو کہ میں یہاں شاہ کی طرف سے آیا ہوں۔ پھر کہا شاہ کی طرف سے اور میں صرف یہ سبب دریافت کرنے آیا ہوں تاکہ مجھے معلوم ہو کہ کدرج سوار سے شاہ کے کیمپ کے لیے کیوں نہیں سامان رسد پہنچا۔ اور یہ رسد تمھیں اس کے حکم کے مطابق بھیجنی تھی کہ جس کو دو مہینے کا عرصہ ہوا گورنر ہمدان کے ہاں سے تمھارے نام جاری ہوا تھا۔ اس کا مجھے جواب دو۔ اگر تم سے ہو سکے تو اپنا چہرہ سفید رکھو۔

کدخدا۔ ہاں اپنی آنکھوں کی قسم جو کچھ میں نے پہلے کہا ہے وہی اب کہوں گا۔ جس قدر لوگ کہ یہاں موجود ہیں (اپنے گائوں والوں کی طرف اشارہ کرکے) جانتے ہیں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں سب سچ ہے۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو میری آنکھیں نکلوا لیں۔ حضور والا آپ اللہ کی عنایت سے انسان ہیں۔ عقلمند ہیں روشن دماغ اور نظر باز ہیں۔

آپ مسلمان بھی ہیں۔ اور آپ خدا سے ڈرتے بھی ہیں میں سوائے سچ کے اور کچھ بھی نہیں کہوں گا جو کچھ واقع ہوا وہی ظاہر کروں گا۔ نہ اس سے کم ہو گا نہ زیادہ۔ اور پھر آپ ہی پر اس کا فیصلہ کرنے کے لیے چھوڑ دوں گا۔

شیر علی۔ بہت اچھا بہت اچھا کہو۔ میں شاہی ملازم ہوں جو کچھ شاہ فیصلہ کرے گا وہی ہو گا میں کیا کر سکتا ہوں۔

کدخدا۔ آپ ہی حضور مالک ہیں۔ لیکن بصد لجاجت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ میری التماس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

تین مہینے کا عرصہ گذرا کہ جب قریب ایک گز کے گیہوں اگ آئے تھے اور بھیڑوں کے بچے تمام ملک میں ممیاتے پھرتے تھے کہ اتنے میں شہزادہ خراب قلی مرزا کے ملازم نے مجھے آ کے یہ اطلاع دی کہ کل میرا آقا اس گانؤں میں آ کے مقیم ہو گا تاکہ محیط اضلاع میں شکار کھیلے۔ اور وہ ہرنوں۔ جنگلی گدھوں۔ تیتروں۔ بھیڑوں۔ جنگلی مرغوں کا شکار کھیلے گا۔ تو اس نے حکم دیا ہے کہ میرے اور میرے جلو کے لوگوں کے لیے عمدہ اور نفیس قیامگاہیں تیار رہیں اور ہر قسم کا رسد کا سامان بھی مہیا ہو۔ جونہی یہ خبر لگی تمام گانؤں میں ایک خوف چھا گیا ہم نے یہ دیکھ کے کہ ہم شہزادے کے ملازمین کے ساتھ کچھ نہ کر سکیں گے یہ ارادہ کیا کہ اپنے گھر بار چھوڑ چھوڑ کر ہم پہاڑوں پر مقیم ہوں اور جب یہ روز بلا خیر منقضی ہو جائے تو پھر اپنی اپنی جگہوں پر چلے آئیں کیونکہ جب وہ آئے گا اور کچھ سامان نہ دیکھے گا تو ہمیں تباہ کر دے گا۔ کاش اگر اس وقت آپ ان غریب زمینداروں کی حالت دیکھتے کہ جس وقت یہ اپنی سب چیزیں مجبوراً چھوڑ چھوڑ کر بھاگے تھے تو آپ کا پتا پانی ہو کر بہ جاتا اور آپ کا دل رحم سے پگھل جاتا۔

شیر علی۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ شاہ کا تو تمام گانؤں ویران کر ڈالا۔ اگر شاہ یہ سنے تو سب کو کولھو میں ڈلوا کر پلوا دے گا۔ اور مجھ سے رحم کے خواہاں ہو۔

بوڑھا گانؤں والا بولا۔ برائے خدا رحم بھی کوئی چیز ہے آپ میری رام کہانی کی آخر کیفیت سنیے اور مجھ پر ترس کھایئے۔ رات ہوتے ہی ہم نے اپنے مویشیوں کو نکالا اور جتنی چیزیں ہم سے لے جائی گئیں ہم نے ان سے جانوروں کو بھر دیا۔ اور ہم انھیں پہاڑوں کی طرف ہکا کر لے گئے جہاں ہم ایک گڑھے اور نشیبی گھاٹی میں ٹھہرے اس کے پاس ندی بھی بھری تھی گانؤں میں صرف چھ بڑھیا عورتیں اور بلیاں رہ گئیں۔

یہ سن کے شیر علی نے میری طرف خطاب کر کے کہا۔ سنتے ہو حاجی یہ ہر قیمتی چیز اپنے ساتھ لے گئے اور برہنہ دیواروں کو اور بڑھیا مریض عورتوں کو شہزادے کے لیے چھوڑ دیا۔ اچھا(کد خدا کی طرف خطاب کر کے) چلو اور آگے چلو کیا ہوا پھر۔

ہم وقتاً فوقتاً عورتوں کے پاس جاسوس خبر لینے کے لیے بھیجتے رہے تا کہ ہمیں کیفیت معلوم ہوتی رہے کہ شہزادے کے آنے پر کیا بپتا پڑی۔ اور ہم اپنا کل سامان چٹانوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں لے گئے دوپہر کو یہ لوگ گانوں میں پہنچے جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم بھاگ گئے تو ان کے غصہ کی آگ بھڑکی۔ شہزادے کے نوکر گھر گھر پھرے اور ہر مکان کے دروازے کو زور زور سے کھڑکھڑایا۔ جب انھوں نے کھڑکھڑایا تو ایک بڑھیا عورت نے بڑی مشکل سے اپنے بسترے سے اٹھ کر ان سپاہیوں کو ایسا سختی سے دھتکارا کہ کوئی شخص اس سے مقابل نہ ہوا۔ شہزادے نے اپنی خوراک اور رسد کا سامان پاس کے گانوں سے منگالیا اور میرے مکان میں اس نے آکے قیام کیا۔ جہاں وہ غلہ دیکھتے تو فوراً اسے لے لیتے۔ انھوں نے پہلے تو میرا سارا گھرداری کا سامان لکڑیوں کی جگہ چولھے میں جلا دیا ور جب وہ بھی کافی نہ ہو سکا تو انھوں نے کواڑ اور کھڑکیاں غرض سب پھونک دیں کواڑ تو کواڑ تمام شہتیر اور مکان کی کڑیاں بھی جلا دیں۔

نئے لہلہاتے ہوئے گیہوں میں انھوں نے اپنے گھوڑوں کو چرنے چھوڑ دیا۔ اور وہ خود بھی کاٹ کوٹ کر بہت کچھ اپنے ہمراہ لے گئے۔ غرض ہم بالکل تباہ اور برباد ہو گئے نہ تو ہمارے پاس روپیہ ہے نہ مویشی ہیں نہ کپڑے ہیں نہ رہنے کو گھر۔ "اور نہ سونے کو بستر۔"

نہ کھانے کو کچھ خوراک رہی۔ اور سوائے اللہ کے اور آپ دونوں صاحبوں کے ہمارا اب کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔

ترحمے بکن آخر کہ عاجزم عاجز

نگاہ کن کہ چہ خون میچکانم از گفتار

یہ سنتے ہی شیر علی بیگ نے اپنی جگہ سے اچھل کر سخت وحشیانہ اور سختی کے طور پر اس بوڑھے آفت رسیدہ کی داڑھی کو پکڑ کے کہا۔ کیا اے بوڑھے شخص تجھے ان سفید بالوں پر بھی شرم نہیں آتی کہ تو یوں جھوٹ بول رہا ہے ابھی تو نے ایک لمحہ گذرا یہ کہا تھا کہ جو کچھ قیمتی اسباب تھا وہ سب ہم اپنے ساتھ لے گئے تھے اور اب تو یہ کہتا ہے

کہ ہم برباد ہو گئے یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اتنا بڑا سفر کوئی تمھارے نجس کھانے کو نہیں کیا ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم مارکیٹ میں اپنی داڑھیوں پر ہنسوانے کے لیے آئے ہیں تو یہ تمھاری غلطی ہے تم نے شیر علی بیگ کو اب تک نہیں جانا ہے ہم وہ لوگ ہیں کہ جب سوتے ہیں تو ایک آنکھ ہماری کھلی رہتی ہے۔ اور ایک بند۔ کوئی لومڑی اپنے بل سے بغیر ہمارے علم کے نہیں سٹک جاسکتی اگر تم اپنے کو گربہ سمجھے ہو تو ہم بلیوں کے باپ ہیں تمھاری داڑھی بہت ہی بڑی ہونی چاہیے تم اپنے بڑے بڑے ملک دیکھو بہت کچھ تجربہ حاصل کرو اس کے بعد ہمیں فریب دو۔

کدخدا۔ نہیں نہیں اللہ گواہ ہے پناہ بخدا کہ اگر میں نے ذرا بھی آپ کو دھوکا دینے کا خیال بھی دل میں کیا ہو۔ میں چیز ہی کیا ہوں جو آپ کو دھوکا دہی کی دلیری کروں۔ ہم تو شاہ کی رعیت ہیں جو کچھ ہمارے پاس ہے سب اسی کا ہے۔ لیکن ہم بالکل عریاں کیے گئے۔ ہماری کھال تک اتار لی گئی۔ آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں۔ ہمارے کھیتوں کی طرف نگاہ اٹھا کے دیکھیے۔ ہمارے گداموں کا معائنہ فرمایئے نہ تو غلہ باہر ہی ہے۔ اور نہ ہمارے کوٹھڑیوں میں ہے۔

شیر علی۔ بہت اچھا اس سے ہمیں مطلب نہیں کہ غلہ ہے یا نہیں تمھاری کھال تک اتار لی گئی یا نہیں اتار لی گئی اس سے تو کچھ غرض ہی نہیں ہم ایک بات کہتے ہیں اسی کو تم سن لو زیادہ جھک جھک سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ شاہ کا حکم تو بجالانا پڑے گا خواہ رسد کا سامان کرو اور خواہ زر نقد عطا کرو اور جو تم یہ نہیں کرو گے تو تم اور سب یہاں کے منڈ ہمارے ہمراہ سلطانیہ چلو وہاں تم حکام کے سامنے خود جوابدہی کرلینا۔

اس کے بعد کدخدا اور بڑے بڑے گانوں والوں میں کانا پھوسی اور مشورہ ہونے لگا یہ سب لوگ ایک کونہ میں چلے گئے اور ہمیں ہمارے حقے پیتے ہوئے تنہا چھوڑ گئے اور ان بیچاروں میں ایک اضطرابی پھیل گئی۔

ان کی کانفرنس اور مشورے کا یہ نتیجہ کھلا کہ انھوں نے اپنی وہ رام کہانی گانی تو چھوڑ دی اور ایک بوڑھا شخص آیا اور مجھے ایک طرف اٹھا کے لے گیا۔ اور دوسرا ضعیف شخص آیا وہ شیر علی کو ایک کونہ میں لے گیا۔ سابق الذکر بوڑھے نے مجھ سے ملائمیت اور دوستی کی باتیں کرنی شروع کیں اور وہی معمولی طریقے سے میری مدح سرائی کرنے لگا اس نے مجھے کہا کہ آپ خدائی مخلوق میں مکمل ہیں پھر اس نے قسمیہ کہا کہ میں نے بہت کچھ اپنی چھاتی اور تمام گانوں والوں کے دل میں آپ کی طرف سے محبت و الفت کے شعلے بھڑکائے ہیں۔ اور میں ہی ایک وہ شخص

ہوں کہ ان کی تکالیف ان سے رفع کرنا چاہتا ہوں۔ جب تک وہ یہ باتیں کرتا رہا میں مردمردانہ اور ذرا بے پروائی کی صورت بنا کر کھڑا رہا اور اپنا پائپ پیتا رہا۔ لیکن جب وہ کچھ معاملے کی گفتگو میں آیا اور اس نے یہ گفتگو کی ہم سب کی یہ صلاح ہوئی ہے کہ اس قدر آپ کو نذرانہ دیں۔ میری پوچھیے تو میں تو راضی ہو گیا اور مجھے اس لینے سے دلچسپی بھی ہوئی۔ اس نے کہا کہ جو کچھ ہیں کرنا ہے اس کا ہم نے مشورہ کر لیا اور سب اس پر متفق رائے بھی ہیں کہ شاہ کی خدمت میں رسد وغیرہ سامان بھیجنا یہ تو محض ناممکن ہے اور ہم کبھی اس کو مہیا نہیں کر سکتے لیکن ہاں کچھ آپ سے درخواست کرتے ہیں اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے ہماری جان بچے۔

یہ سن کے میں نے جواب دیا کہ یہ سب صحیح ہے لیکن میں ہی تو صرف ایک شخص نہیں ہوں جس کا آپ لوگوں نے خیال کیا۔ ہم یہاں صرف دو ہی ہیں لیکن یہ بھی تو یاد کرنا چاہیے کہ ہم اپنے سردار کو بھی تو کچھ منہ بھرائی دیں گے جب وہ راضی ہو گا۔ اور جو وہ راضی نہ ہوا تو تمھاری اتنی محنت و مشقت سب محض بیکار ہو جائے گی۔ اور میں تم سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم اس کی تھیلی چکنی کرتے ہو یعنی اس کی منہ بھرائی کرتے ہو تو روغن کو من سے تولو نہ کہ مثقال سے وزن کرو۔

کدخدا نے جواب دیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب حاضر کر دیں گے لیکن جو آپ نے اپنے افسر کے لیے فرمایا ہے تو یہ ایسا بھاری ہے کہ ہم سوائے اپنے بال بچوں کے اور کچھ بھی پیش نہیں کر سکتے یہی ہماری ملک اور رہ گئے ہیں۔

میں۔ دیکھو اے میرے دوست میں تم سے کہتا ہوں۔ اگر تمھارے پاس روپیہ نقد ہے تو پھر اور شے پیش کرنی محض بے فائدہ ہے۔ روپیہ ہاتھ میں لے کے تو تم شاہ کا اس کے سر پر سے تاج خرید کر سکتے ہو۔ لیکن اس کے بغیر میں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں فصل زدو کوب دیکھنی ہی پڑے گی۔

کدخدا۔ افسوس۔ روپیہ۔ روپیہ حضور ہم کہاں سے لائیں۔ ہماری عورتوں کو جب ایک ٹکڑا چاندی کا مل جاتا ہے تو وہ اس میں چھید کر لیتی ہیں اور اس کو اپنے گلے میں ڈال لیتی ہیں اور یہی ان کا زیور ہے۔ اور اگر ہم بڑی شدید اور سخت محنت کے بعد اپنا خون پسینا ایک کر کے پچاس تمن بھی جمع کر لیتے ہیں تو ہم انھیں زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ اور پھر ہمیں وہ اس قدر خوشی اور شادمانی دیتے ہیں گویا ہمارے پاس کوہ نور ہے۔ اس کے بعد وہ بوڑھا میرے قریب آیا اور میرے کان میں اس نے یہ کہا۔

آپ بہت اچھے اور خوبصورت مسلمان ہیں کوئی گدھے نہیں ہیں۔ آپ نہیں خیال کر سکتے کہ ہم شیر کے منہ میں چلے جائیں گے۔ آخر رحم بھی کوئی چیز ہے۔

(میرے دوست شیر علی کی طرف اشارہ کر کے) یہ کتنے پر راضی ہو جائیں گے۔ کیا میں ان سے پانچ تمن کی درخواست کروں اور ایک جوڑا شلواروں کا دوں۔

میں۔ میں اس کو کیا جانوں کہ اس کا اطمینان کتنی رقم سے ہو گا۔ جو کچھ ہے وہ یہ ہے۔ تم خوب سمجھ لو کہ رحم اور شفقت تو اس میں ذرا برابر بھی نہیں ہے۔ اچھا پانچ کے دس تمن کر دو۔ اور ایک جوڑے شلوار کے ساتھ ایک کوٹ بھی دو تو اس حالت میں میں اسے راضی کر لوں گا۔

بوڑھا۔ اوہو یہ تو بہت ہی زیادہ ہے اگر ہم اپنے تمام گائوں کو دیکھیں تو وہ بھی اتنی قیمت نہیں رکھتا۔ آپ ان کو پانچ تمن اور ایک جوڑے شلوار ہی پر راضی کریں اور آپ کی خدمت میں جو نذرانہ پیش کروں گا وہ بھی کافی ہو گا۔ اور وہ آپ کو متحیر کرے گا۔

اس پر ہمارا مشورہ ٹوٹ گیا اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ میں اپنے دوست کی باتوں کو سنوں کہ اس سے بوڑھے نے کیا کہا اور میرا دوست بھی بے صبر تھا کہ وہ میری گفتگو کا علم حاصل کرے۔ جب ہم نے ایک دوسرے سے ساری باتیں کہیں تو معلوم ہوا کہ دونوں بوڑھوں نے ایک ہی رقم دینے کا مشورہ کر لیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ شیر علی نے بار بار ایسا انکار کیا کہ بغیر دس تمن لیے ہوئے مانا ہی نہیں۔

شیر علی۔ بہت اچھا اب تو تم یہ کر رہے ہو جب تم پر مار پڑے گی اس وقت تمھیں کیفیت آئے گی اور پھر تم پورا پورا ادا کر دو گے اور بہت دل کھول کے دو گے۔ اب تو تم چپ چاپ سے بیٹھے ہوئے ادھر ادھر دیکھ لو۔

قصہ مختصر یہ کہ پھر وہ لوگ مع کدخدا کے کچھ سیب۔ آرو۔ ایک ظرف شہد۔ کچھ تازہ پنیر لے کر آئے اور بہت ہی لجاجت سے کہا کہ آپ اسے قبول کر لیجیے۔ یہ ایک معمولی اور مدامی دعوت ہے جو مسلمانوں کو دی جاتی ہے۔ جب ہمارے آگے سب چیزیں پھیلائی گئیں تو کدخدا نے نرم اور آہستہ آواز میں بصد منت پھر وہی درخواست پانچ تمن اور ایک جوڑے شلوار کی کی اور اس نے اپنی مصیبت اور سختی اور اپنے گائوں کی ویرانی کو ان لفظوں میں بیان کیا کہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی سنتا اور نرم دل نہ ہو جاتا۔ مگر شیر علی ہی کا دل ملائم نہ ہوا۔ اور وہی بر سر رحم نہ آیا۔

ہم نے تمام میوہ جات اور کھانوں کے قبول کرنے سے انکار کیا اور ہم نے متفق ہو کے کہا کہ ابھی ہمارے آگے سے سب اٹھا لیے جائیں۔

اس سے مظلوم اور آفت رسیدہ آدمیوں کی شکستہ دلی ہوئی آخر وہ اپنے خوانوں کو اپنے سروں پر اٹھا کے نہایت ہی سست اور غمگین قدموں سے واپس لے گئے۔ "وائے بر ماؤ بر مظالم ما۔

نصف گھنٹہ کے بعد ہو پھر وہی خوان لے کے آئے اور کدخدا نے عرض کیا کہ دس تمن اور کوٹ دیتا ہوں۔ اب تو حضور اسے قبول کر لیں اس پر ہم دونوں نے اسے خوب کھایا جب کھا چکے تو دس تمن شیر علی نے اپنی گرہ میں گھڑے اور اپنا کوٹ اٹھا کے باندھ لیا۔ اب میں منہ تکنے لگا کہ یہ میرے لیے کیا لاتے ہیں جس سے میں متعجب ہوں گا۔ کچھ بھی نہیں باوجودیکہ اس قدر شور و شغب دکھایا گیا تھا لیکن پھر بھی کدخدا نے مجھے یونہی ہاتھوں پر کھلایا۔

میں۔ ذرا بے صبر اپن دکھلا کے۔ کہاں ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کتنا ہے۔

بوڑھا۔ آ رہا ہے۔ ذرا صبر کیجیے۔ ابھی وہ تیار نہیں ہوا۔

آخر ش کچھ انتظاری کرنے کے بعد بڑے طمطراق سے وہ شلوار کا جوڑا جس کو شیر علی نے لینے سے انکار کیا تھا میرے لیے آیا۔ اور وہ ایک خوان میں رکھ کے میرے آگے پیش کیا گیا۔ اور اس بوڑھے نے اچھے اچھے اور چکنے چپڑے الفاظ میں مجھ سے اس کے قبول کرنے کی درخواست کی۔

میں۔ یہ کیا بلا ہے۔ (سب آدمیوں کو مخاطب بنا کے) کیا اے لوگو تمھیں ذرا بھی شرم نہیں ہے کیا تمھیں اس کا علم نہیں ہے کہ میں جلاد ہوں۔ وہ شخص ہوں کہ جو تمھارے باپ کو جلا دوں گا اور تمھیں وہ وہ غم اور الم دوں گا اور تمھارے سروں پر وہ وہ آفتیں لاؤں گا جو تم نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی۔ تمھارا اس سے مطلب کیا ہے یہ تو تم مجھے بتاؤ کہ تم میرے پاس یہ شلوار کا جوڑا لائے ہو جو تمھاری کئی نسلوں کا برتا ہوا ہے اور تمھارے باپ دادا کی اترن ہے۔ نالائق بے وقوف اچھا اب تمھیں کیفیت معلوم ہو گی جاتے کہاں ہو "چچا ہی بنا کے نچھوڑیں تو کہنا۔"

تمھیں اب پورا پورا کھل جائے گا کہ جلاد کیا ہوتا ہے اور کیا کر سکتا ہے۔ لے جاؤ اسے اٹھا کے میں ہرگز اسے نہیں چھونے کا۔

یہ سن کے وہ میرے احکام کی تعمیل کرنے کو تھے کہ شیر علی نے انھیں ٹھہرایا اور کہا اچھا مجھے شلوار کو دیکھ تو لینے دو۔ شیر علی نے اس شلوار کو اٹھا کے اور اپنی آنکھوں سے لگا کے اور آفتاب کی طرف کر کے کہا افسوس یہ تو بہت ہی پرانا اور زدہ ہے۔ خیر کیسا ہی کیوں نہ ہو یہ بھی میری ملک ہو گیا۔ اس کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا کرے تمھارا کنبہ پھلے پھولے۔ یہ دیکھ کے ہر شخص تحیر اور تعجب کی نظر سے اس کو دیکھنے لگا کہ اس نے یہ بھی ہتھیایا اور میں جس نے اتنے بڑے فائدوں کی یہ پیش دستی کی تھی شلوار کا جوڑا بھی آخر کار کھو بیٹھا اور یہاں سے سوائے کافی تجربہ کے اور کچھ نہ ہاتھ لگا کہ دوسرے وقت میں اپنے ملکی دوست کی دوستی کو پورے طور سے پرکھ سکوں۔ اور جو شخص کہ اپنے کو دوست کہے اس پر کتنا بھروسہ کروں۔

نواں باب

حاجی بابا کا افسر جلاداں کا نائب لفٹنٹ ہونا

دو ڈبل اور موٹی تازی بھیڑیں جو ہمارے اسباب کے خچروں سے بندھی ہوئی تھیں یہی گویا ہمارے افسر کے نذرانہ کے لیے بھیجی گئی تھیں۔

جونہی ہم کیمپ میں پہنچے ہم سیدھے نائب کے پاس گئے وہ فوراً ہمیں دیکھتے ہی افسر کے پاس لے گیا۔ افسر اپنے ڈیرے میں بیٹھا ہوا اپنے دو تین دوستوں سے باتیں کر رہا تھا۔

افسر۔ اچھا تم کیا کر آئے۔ کیا تم غلہ یا کدخدا کو اپنے ہمراہ لائے۔

شیر علی۔ حضور کچھ بھی نہیں۔ صرف یہ دو بھیڑیں آپ کے قدموں پر نثار کرنے کے لیے انھوں نے بھیجی ہیں۔ اور انھوں نے ہمیں اس امر کا اپنی آنکھوں سے ثبوت کرا دیا کہ ہم نے اس گانوں میں سوا ان کے کسی چیز کو نہیں چھوڑا ان کو اس طرح سے تباہ کیا ہے اور لوٹا ہے کہ بر خلاف ان سے اور لینے کے اگر ان کو خوراک نہ بھیجی گئی تو وہ ایک دوسرے کو کھالیں گے۔

افسر۔ تم اس طرح سے کہتے ہو۔ بے شک۔ اگر ان کے پاس بھیڑ کے بچے ہیں تو پھر ضرور بھیڑیں بھی ہونی چاہیں تھیں تم نے کس طرح وہاں جا کے شمار کیا۔

شیر علی۔ یہ درست ہے جس طرح آپ فرماتے ہیں اس میں ذرہ برابر فرق نہیں لیکن حضور والا ہم تو غلہ اور اناج کی بابت گفتگو کرتے ہیں بھیڑوں کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

افسر۔ تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کیوں نہیں کی اور کدخدا اور گانوں کے بڑے بوڑھوں کو کیوں نہیں لائے۔ اگر میں وہاں ہوتا تو میں قطعی ان کے کباب کر ڈالتا اور ان سب کو زندہ جلا دیتا میں اسے اونٹوں کی باندھنے کی رسی سے باندھ دیتا اور جب تک وہ اقرار نہ کرتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے میں ہرگز نہ چھوڑتا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ انھیں کیوں تم لے کر نہ آئے۔

شیر علی۔ ہم نے انھیں لانا بہتیرا چاہا (میری طرف دیکھ کے کہ یہ بھی میری تائید کرے) بے شک ہم نے اکٹھا باندھ دیا اور ہم نے انھیں بہت کچھ چاہا کہ ان سے وصول کریں یا انھیں یہاں لائیں ہم نے انھیں بہت کچھ برا بھلا کہا اور مارا بھی بہت۔

حاجی بابا بخوبی جانتا ہے اور حاجی بابا نے تو ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کچھ نہ دیں گے تو ہم ان پر رحم ہر گز نہیں کریں گے۔ یہ رحم ایک وہ چیز ہے جس کا ہم سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے اگر انھیں معلوم ہو گا کہ ہمارا خان ہمارا آغا ہمارا افسر کیسا مزاج رکھتا ہے تو وہ دیکھیں گے کہ مارتا ہے اور فریاد نہیں سنتا۔ کبھی کسی حالت میں اس کا دل بر سر رحم نہیں آتا۔ ہم نے یہ ساری باتیں کہہ دیں کہ اگر تم نہیں دو گے تو تمھیں دفن کر دیا جائے گا۔

خان۔ حاجی یہ کیا کہتا ہے۔ میں اب تک اس امر کو بالکل نہیں سمجھا کہ یہ کیوں نہیں انھیں میرے پاس لے آیا۔

میں۔ مگر بہت ہی عاجزی سے۔ بے شک اے خان اس کو تو میں بھی نہیں سمجھا۔ شیر علی بیگ جو آپ کا ڈپٹی لفٹنٹ ہے اور اس کا کل کام اسی کے اختیار میں ہے میں تو اس کی خدمت میں گیا تھا میں کوئی بھی چیز نہیں۔

یہ سنتے ہی خان کے آگ لگ گئی اور غضب ناکی کی حالت میں جو کچھ اس سے کہا گیا بطور دھمکانے کے ہم سے کہا۔ (اپنے دوستوں کی طرف مخاطب ہو کے) یہ صاف ہے کہ یہ شرارت پیشہ مجھ سے فن فریب کرنا چاہتے ہیں۔ اے شیر علی تو مجھ سے کہہ تجھے میری روح کی قسم شاہ کے نمک کی قسم جو کچھ تو ان سے لیا ہے سب صاف صاف کہہ دے۔ اور تم اے آغا حاجی تمھیں شاید اس ملازمت میں ایک مہینے سے زیادہ نہیں ہوا تم نے کتنا اڑایا۔

ہم نے اپنے کو بے گناہ بھی ثابت کیا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ ہم نے یہ بھی کہا کہ ہم کچھ بھی نہیں لائے مگر غیر مفید کسی نے بھی تو یقین نہیں کیا۔ غرض یہ کہ ہم دونوں ڈیرے کے باہر نکال دیے گئے اور اس نے اپنے نائب کی حراست میں ہمیں دے دیا کہ وہ ہمیں مقید رکھے جب تک کہ وہ کدخدا یہاں نہ آجائے ہمیں نہ چھوڑے جب شیر علی اور میں تنہا ہوئے تو شیر علی نے کوشش کی مجھے بھی اپنی غنیمت کا حصہ دار بنائے۔ مجھ سے نصف کی درخواست کی کہ نصف آپ بھی لے لیں۔

میں۔ اے میرے دوست اب یہ نہیں ہو گا۔ اس کو عرصہ گذر گیا۔ اگر تم نے ممنوع شراب کو پی لیا اور اس سے تم نے سرور حاصل کیا اور اب اس سے تمھارے درد سر ہو گیا۔ تو اب کوئی سبب نہیں ہے کہ آپ کوشش کریں

کہ مجھے بھی اپنے ساتھ مریض بنائیں۔ اس وقت مجھ کو ایک سبق حاصل ہوا ہے۔ آپ نے بحیثیت مالک ہونے کے کام کیا اور یہی امر اس وقت مجھے مطمئن بنائے گا۔

پھر شیر علی نے یہ کوشش کی کہ مجھ کو اپنے ساتھ کرے اور جب کدخدا کا مقابلہ ہو اس وقت یہ بھی قسمیں کھائے اور یہی کہے کہ ہم دونوں بے گناہ ہیں اور ہم نے ان سے کچھ بھی نہیں لیا ہے لیکن میں ان نتائج کو دیکھ دیکھ کے ایسا ہوشیار ہو گیا تھا کہ میں کچھ اقرار نہ کر سکا۔ شیر علی نے مجھ سے بیان کیا کہ اگر میں اسی طرح لٹا کے پیٹا گیا تو اب میرا بچنا مشکل ہے کیونکہ بالعموم جب میں نے دوسرے شخص کو مارا ہے تو اس سختی اور شدت سے پیٹا ہے کہ جس کی کوئی بھی انتہا نہیں۔ مجھے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ میرے اوپر بھی کوئی رحم نہ کھائے گا اور میری خبر بھی اسی سختی سے لی جائے گی۔ اور اس نے قرآن کی قسم کھا کے کہا کہ مجھ پر نہ صرف یہی مصیبت آ کے واقع ہو گی کہ میں لکڑی سے پیٹا جاؤں بلکہ میں اور آفتوں میں بھی پھنسوں گا۔

جب وہ وقت آیا کہ ہم پھر اپنے سردار کے آگے حاضر ہوں تو شیر علی کی تلاش ہوئی شیر علی پہلے ہی روپوش ہو گیا تھا۔ لیکن جب مجھ سے واقعہ کا استفسار ہوا تو میں نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کو پٹنے نے دہلا دیا اور اسی وجہ سے وہ بچ کر بھاگ گیا ہے۔ جونہی اپنے جج کے پاس گیا دیکھا کہ کدج سوار کے لوگ بھی وہیں کھڑے ہوئے تھے سب نے یک زبان ہو کر یہی کہا کہ اس نے ہم سے کوئی بھی چیز نہیں لی ہے لیکن برخلاف اس کے اس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا کہ ہمارے خان کو تمھیں بڑا بھاری نذرانہ بھیجنا چاہیے۔ جہاں تک ان سے ممکن ہوا انھوں نے شیر علی کی شکایت کرنی شروع کی اور کہا کہ اس نے ہم پر مصیبت نازل کی اور ہمارے کہنہ زخموں پر سے نئی کھال گھسیٹ لی۔

ان سب باتوں نے آہستہ آہستہ میری ترقی اور نفع کی طرف حرکت کی۔ اور میری ترقی کی سڑک کو صاف کر دیا۔ یہ بات سب میں مشہور ہو گئی اور ہر ایک کی زبان زد ہو گئی اور مجھ کو سب گویا ایک نمونہ پرہیز اور اعتدال کا دیکھنے لگے۔

ایک نے کہا۔ اجی حضرت طبیب ہے نا اور یہ فعل علم سے اس نے کیا۔ سب سے اس کی عقل بدرجہا بہتر ہے۔

دوسرے نے کہا۔ اجی جناب یہ نتائج کے اصول علمی سے بخوبی واقف ہے جہاں اس کا سر ہو گا وہاں اس کے پیر کبھی بھی نہ ہوں گے۔

میں ایک ذہین اور بیدار مغز عاقبت اندیش مشہور ہو گیا۔ صرف اس موقع سے جو قسمت سے میرے ہاتھ اتفاقیہ لگ گیا۔ اور میں ان اشخاص میں ہوا کہ جن کے طالع اچھے ہوتے ہیں اور جن کا ستارہ گردش میں نہیں ہوتا غرض اس کہانی کا نتیجہ ہوا کہ میں اپنے دوست شیر علی کی جگہ ہو گیا یعنی مجھ کو عہدہ لفٹنٹ مل گیا۔ ایک عادت اور چال چلن جو میرے ناظر یہاں خیال کر سکتے ہیں کچھ کم نتیجہ کا نہ ہو گا جس کو وہ بعد ازاں ملاحظہ کریں گے۔

دسواں باب

حاجی بابا کا جلاد پیشہ ہونے پر بھی ایک عورت و مرد کو مصیبت کی حالت میں دیکھ کے رحم کرنا

اس وقت شاہ مسکوڈس سے جنگ کر رہے تھے جنھوں نے جارجیا میں اپنے کو قائم کیا تھا اور حدود فارس کے ان صوبوں کو تہ وبالا کر دیا تھا کہ جو ارس اور کُر کے درمیان آکر واقع ہوئے ہیں۔ گورنر اپر اڈان جو سردار کے نام سے نامزد تھا اور شاہ کے پیارے افسروں میں سے تھا اس نے ان کی بڑھتی ہوئی لین ڈوری پر بے قاعدے حملے شروع کیے تھے اور ان کے تمام گائوں اور ملک کے قصبے برباد کر دیے تھے تو مجبور ہو کے وہ بھی فارس کی طرف بڑھے تھے اور اس کی حدود پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک فوج عظیم گورنر آذربائیجان اور وارث تاج و تخت کی کمان میں تبریز میں بھی جمع ہوئی تھی۔ اور یہ امید کی جاتی تھی کہ بہت جلد یہ متوقع جنگ پر روانہ ہو گی۔ اس لیے کہ اگر ممکن ہو تو دشمن کو پھر طفلس کی طرف ہٹا دے اور دربار کے احکام کے مطابق ماسکو کی طرف بھی بڑھے۔

سلطنہ میں شاہی چھاؤنی میں ہر روز اس کی خبر سننے کی امید کی جاتی تھی کہ سردار نے جو مشہور کیا ہے کہ میں نے روسی مقام گیومشلو پر حملہ کیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوا روز احکام جاری ہوتے تھے کہ افسران دشمن کا پوری پوری طرح سے استقبال کیا جائے۔

آخر الامر دیکھا کہ ایک ہرکارہ گھوڑے پر سوار بہت تیزی سے چلا آرہا ہے اور وہ سیدھا اندھا دھند شاہی ڈیرے کی طرف لپکا۔ یہ تو ایک بدیہی امر تھا کہ کچھ واقعہ آکر ہوا ہے اور یہ مدد لینے آیا ہے۔ دوسری صبح کو ہمارا سردار نامرد خان دس ہزار سواروں کا افسر کیا گیا۔ جن کو شاہ کا حکم ہوا کہ فوراً دریائے ارس کے کناروں کی طرف بڑھیں۔

من باشی تو ہزاروں کے افسر تھے۔ یوز باشی سیکڑوں کے افسر۔ اون باشی دہائیوں کے افسر۔ غرض تمام یہ افسر فوج کی کمان کرتے تھے۔ کیمپ میں یہ لوگ مختلف دوائر میں پریشان اور مضطرب معلوم ہوتے تھے۔ اپنے خان کے پاس حاضر ہو رہے تھے اور اجازت لے رہے تھے۔

نامر د خان کا ڈیرہ سرداران مہم سے پر ہو گیا تھا۔ یہ وہ سردار تھے جن کو اس نے اپنے دوائر تقسیم کیے تھے اور ان کو روانہ ہونے کے احکام دے دیے تھے۔

ہر ایک حصہ فوج کو یہ الگ الگ بتا دیا تھا کہ راہ میں فلاں فلاں گائوں میں مقیم ہونا میرا یہ فرض ہوا کہ میں اپنے اور محکمہ کے عہدہ داروں کے ہمراہ لشکر سے ایک دن پہلے روانہ ہوں تا کہ گائوں میں ان سے پہلے پہنچ کر سارا انتظام کروں۔ یہ میرا وہ فرض تھا کہ جس میں چستی اور چابکی درکار تھی۔ لیکن اسی وقت میرے ساتھ زیادہ تر نفع ہمراہ ہے کہ جس سے مجھے امید تھی کہ میری تھیلی وزنی ہو جائے گی۔ مگر اب تک شیر علی کی مثال میری آنکھوں کے آگے سے نہیں گئی تھی اور جو میرے لیے اور دست اندازی کی خواہش کے شعلے کو بجھا دیتی تھی۔ آخر میں نے یہ ارادہ کیا کہ ابھی تو میں کچھ نہ تلوں اور اپنے ہاتھوں کو بالکل اس سے صاف رکھوں اور اپنی حرض اور طمع کے شعلوں کو آب پرہیز گاری سے بجھاؤں۔

میں اپنے سٹاف کو ساتھ لے کر ایراوان فوج کے پہنچنے سے کئی دن پہلے پہنچ گیا۔ ہم نے وہاں سردار کو دیکھا یہ گیو مشلو پر حملہ کر کے بیٹھ رہا تھا اور طالب مدد تھا۔ لشکر جو شہزادے کی ماتحتی میں تھا حدود کے دوسرے حصہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور اس کا ارادہ تھا کہ گنجہ کے قلعہ پر حملہ آور ہو۔ جس پر ابھی دشمنوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ سردار اپنے لشکر کو بچا کر شاہ سے طالب امداد ہوا تھا۔

جونہی نامر د خان اور سردار باہم ملے تو دونوں نے مشورہ کر کے فوراً مخبر روانہ کیے تا کہ اس مقام اور حرکت روس کی خبر لائیں۔ اور میں بیس آدمیوں پر افسر مقرر کیا گیا۔ پھر سردار نے اسی قدر تعداد روانہ کی جو اس راہ میں ہماری رہنما تھی کہ جن ملک کے حصص سے ہم محض نابلد تھے۔

ہم شام تک سب جمع ہو گئے اور جھٹپٹا ہوتے ہی جب مؤذنوں نے اذان کہی روانہ ہو گئے۔ ہم ایک ہی دفعہ اشتراک گائوں میں بڑھے۔ ہم نے اتمیزن کو عبور کیا۔ یہ شہر آرمینیا کے یہودیوں کے مجتہد کا مقام ہماری بائیں طرف واقع تھا۔ مشکل سے تڑکا ہوا تھا کہ ہم اشتراک کے کناروں پر پہنچ گئے۔ اب تک ان چٹانوں کا گہرا اندھیرا سایہ دریا پر پڑا ہوا تھا جو کنارے پر ہی بلند تھیں اور جن سے ناہموار دیواریں معلوم ہوتی تھیں۔

یہ گائوں خود ان چٹانوں کے بیچ میں آ کر واقع ہوا تھا اور جہاں یہ بنا ہوا تھا۔ ان اٹھی ہوئی چٹانوں سے الگ ممتاز معلوم ہوتا تھا۔ جبکہ پرانی پرانی عمارتوں کی بربادی کے نشان اور بھاری بھاری عمارتی صنعتیں۔ اس اندھیاری اور

گھٹاٹوپ چادر میں صاف نمایاں تھیں اور جو برابر اس منظر کی سنجید گی اور شوکت بتلارہی تھیں۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ جو کچھ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں بہت سے ان آرمنین گرجوں کا بچا کھچا ہے جو اکثر فارس کے حصص میں دیکھے جاتے ہیں۔ دریا اس زور وشور سے برابر تہ میں جاتا تھا اور پھر اٹھتا تھا۔ جب ہم نے اس کا عبور کیا ہے تو اس کے کفوں کو پورا ملاحظہ کیا۔ جو پانی پر صاف نظر آتے تھے۔ ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازوں نے اس گانوں کے کتوں کو ڈرادیا جنھوں نے بھونکنا شروع کیا جو ہمیں صاف معلوم ہوتے تھے۔ کوے کی کریہہ اور ناموزوں قائیں قائیں۔ مرغ کی اذان بھی صاف سنائی دینے لگی۔ ہماری آنکھیں زیادہ تر گھروں کی طرف پھری ہوئی تھیں۔ ہم میں سے ایک شخص نے اپنے گھوڑے کو ٹھہرا کر کہا۔ (گرجا کی طرف اشارہ کرکے) یا علی یہ کیا چیز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ سفید چیز کیا معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا بولا۔ ہاں ہاں۔ میں دیکھتا ہوں یہ غول ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قطعی غول ہے۔ یہ ایک سچی ساعت ہے اور کسی نعش کی فکر میں ہے۔ اور میں اس وقت صاف کہتا ہوں اور کچھ لگی لپٹی نہیں رکھتا کہ ہم میں سے یہ ایک نہ ایک کو کھالے گی۔

یہ میں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہاں واقعی کچھ چیز تھی لیکن اس امر کا فیصلہ کرنا کہ وہ کیا چیز تھی یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ہم سب پل پر ٹھہر گئے اور اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس طرف دیکھنے لگے اور سب نے یہ رائے قائم کی اور اس سے اپنا اطمینان کیا کہ یہ کوئی اوپری چیز ہے۔ اب کوئی حضرت علیؑ کو پکارتا ہے۔ کوئی حضرت امام حسینؑ شہید کربلا کو آواز دیتا ہے۔ کوئی پیغمبرؐ کو مدد کے لیے بلاتا ہے کوئی بارہ اماموں کے نام لے کے کہتا ہے کہ مدد کرو۔ کسی شخص کا یہ جبہ نہ پڑا کہ اس کے پاس جاتا۔

بس اب جھاڑا پھونکی شروع ہو گئی اور سپاہی کچھ پڑھ پڑھ کے اپنے اوپر دم کرنے لگے ایک عراقی بولا اپنی شلواروں کی ڈوریاں مضبوط کر لو یہ غول بیابانی ہے جو اصفہان کے جنگل کے قریب رہتا ہے اور ہمیشہ یہ مسافروں کی خبر لیتا ہے۔

دوسرا بولا۔ دیکھیے یہ کیا کرے گا میں تو اپنا جانور اس سے علیحدہ ہی رکھتا ہوں۔

غرض اسی کشمکش میں صبح ہو گئی۔ یہ صرف ہمارے خیالات تھے اور کچھ بھی نہ تھا ہم پر جو ڈر بیٹھ گیا تھا وہ ہماری آنکھوں کے آگے جلوہ فزا تھا۔ لیکن جب صبح نے گریبان اندھیاری کا پھاڑا تو کچھ بھی نہ تھا۔ مگر دوسرے شخص نے جو بہت ہی خوف زدہ ہوا تھا پل اتر کر اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا اور برباد شدہ گرجہ کی طرف اپنے گھوڑے کو لپکایا اور یہ کہا کہ میں ضرور جا کر دیکھوں گا کہ یہ چیز کیا تھی جو شب کو ہمیں معلوم ہوئی تھی۔ ہم نے اسے دیکھا کہ وہ جاتے ہی بہت تیزی سے واپس پھر آیا اور یہ خبر لایا کہ ہمیں جو سفید چیز پر دھوکا ہوا تھا وہ ایک عورت تھی جو اپنے چہرے پر سفید نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اور وہ عورت ایک مرد کے ساتھ ٹوٹی ہوئی دیواروں کے بڑے سایہ میں چھپی ہوئی تھی۔

میں اس امر سے بہت خوش ہوا کہ یہ موقع خاص اچھا ہاتھ لگا ہے جس سے اور بھی میرے فرائض میں جان پڑے گی۔ میں دیکھوں کہ اس عورت نے اس ویرانہ میں اس طرح سے کیوں پناہ لی ہے۔ پانچ آدمی میں اپنے ہمراہ لے کے اس طرف بڑھا اور باقیماندہ کو پل کے قریب چھوڑا۔

جب تک کہ ہم دیوار کے زاویہ سے نہ پھرے ہم نے کچھ بھی نہ دیکھا جونہی اس کو پھر کے ہم نے دیکھا تو ہماری متلاشی شے ایک محراب میں بیٹھی ہوئی تھی ملی ایک عورت ظاہراً زمین پر مریض پڑی ہوئی تھی اور ایک شخص اس کا سر زانو پر لیے ہوئے دبا رہا تھا۔ آفتاب کی روشنی پوری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا روشن تاج جھم جھمانے لگا تھا اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں نوجوان ہیں۔ عورت کا چہرہ نقاب سے چھپا ہوا تھا۔ باوجودیکہ اس پر مردنی کی زردی چھا رہی تھی لیکن پھر بھی وہ بد نمانہ معلوم ہوتی تھی اور کچھ نہ کچھ اپنا حسن دیتی تھی اور اس نوجوان کی صورت سے قوت۔ چالاکی۔ جودت طبعی ٹپکتی تھی ایسا نوخیز اور پر بہار بچپن اب تک میری نگاہوں میں کم گذرا تھا۔ یہ نوجوان بچہ جارجیاوالوں کی سی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ پیش قبض اس کی کمر میں گھڑ سا ہوا تھا۔ اور بندوق دیوار سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ اس عورت کی نقاب جو سفید اور شفاف تھی ادھر ادھر خون سے لتھڑی ہوئی اور پھٹی ہوئی تھی۔ گو اب تک میں ایسے لوگوں میں رہا تھا جہاں سوائے دوسروں کی تکلیف دہی اور ان کے سر پر مصیبت لانے کے کچھ بھی نہیں تھا۔ رحم اور شفقت ہم جانتے ہی نہیں تھے کہ کس کھیت کی مولی ہے تاہم میں اور میرے ساتھیوں نے جو کچھ اس موقع پر دیکھا اس سے ایک گونہ دلچسپی لی اور ان ناآشنا پردیسیوں کے غم پر دل ہی دل میں خون کے آنسو بہائے اور زیادہ بے چین ہوئے۔ میں سب کے آگے بڑھا اور یہ دریافت کیا۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو اگر تم پردیسی اور مسافر تو پھر تم گائوں اور بستی میں جا کے کیوں نہیں قیام کرتے۔

نوجوان بچہ۔ اگر تم میں حمیت انسانی ہے۔ اگر کچھ بھی ہمدردی ہے خدا کے لیے تم مجھے مدد دو اگر تم کو سردار نے بھی ہمیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا ہے جب بھی تم اس مظلومہ کے بچانے کے لیے مجھے مدد دو۔ میرے وقت اس وقت کچھ چیز تو ہے نہیں کہ تمھاری نذر کروں۔ لیکن خدا کے واسطے اس کی زندگی بچانے کے لیے تم سے مدد چاہتا ہوں۔

میں۔ تم کون ہو۔ سردار نے ہمیں حکم نہیں دیا ہے نہ تمھارے معاملے میں کچھ کہا ہے۔ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاتے ہو۔

نوجوان۔ ہماری کہانی بہت طول طویل اور مصیبت انگیز ہے۔ اگر تم میری مدد کروگے اور ہم کو ایسے مقام پر لے جاؤگے جہاں اس مظلومہ لڑکی کی کچھ نگہداشت ہو سکے تو میں تم کو جو کچھ ہم پر آج تک بیتی ہے سب حرف بحرف سنادوں گا۔ یہ ستم رسیدہ مجروح ہے اگر ذرا اس پر غور ہوئی اور شفقت سے اس کی نگہداشت ہوئی تو یہ اچھی ہو سکتی ہے اب تک اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ خیال ہو کہ یہ جانبر نہ ہو سکے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سردار کے افسروں میں نہیں ہو۔ میں آپ سے گھگھیا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت والفت سے پیش آئیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ میری آفتناک اور مصیبت خیز اور ماتمی کہانی سنیں گے تو ضرور اپنی حفاظت میں مجھے لے لیں گے۔

اس نوجوان کا ایک ایک لفظ میرے دل میں اثر کرتا چلا گیا اور اس کی مظلومانہ اور پژمردہ افسردہ صورت نے میری چھاتی میں رحم کے شعلوں کو خوب بھڑکایا میں اس کی خواہشوں کے پورا کرنے پر مستعد ہوا اور میں نے کہا ہم ابھی گائوں میں اس مظلومہ مریض کو لیے چلتے ہیں اور بعد ازاں کہانی سن کے جو کچھ ہم مناسب سمجھیں گے تمھارے ساتھ کریں گے۔

اس وقت اس مجروحہ نے کچھ بھی نہ کہا۔ لیکن ہاں اس نے بہت ہوشیاری سے اپنی نقاب کو چاروں طرف سے سمیٹ کر اپنے چہرے پر کیا۔ اس درد کی آواز سے روتی تھی جس سے کلیجہ شق ہوا جاتا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ اس کی آواز کوہ سندان میں مثل تیر سام ونریمان کے شگاف نہ کرتی ہو۔ اس کی دردناک آہ وبکا سے صاف ٹپکتا تھا کہ زخم کاری لگے ہیں۔ میں نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا کو تو گھوڑے سے اتر پڑ۔ خالی گھوڑے پر تو اس عورت کو بٹھایا

اور ہم جلدی گانوں کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کے ہم نے کئی مکان بنے ہوئے دیکھے میں نے ایک مکان ایسا تجویز کیا جس میں ہر طرح کی آسائش مل سکے۔ اس مکان کا مالک بامروت اور خلیق تھا۔ ہم نے اس مکان میں اس عورت کو ٹھہرایا اور میں نے حکم دیا کہ اس کی ہوشیاری اور نگہبانی سے خبر گیری ہوئے ایک بڑھیا جو اس گانوں میں زخموں کے اچھا کرنے میں نامی تھی اس مجروحہ کی خدمت کے لیے بھیجی گئی۔ اور اس نے اس کا علاج کرنا شروع کیا مجھے اس نوجوان بچہ سے معلوم ہوا کہ میں اور یہ لڑکی آرمینیا کے رہنے والے ہیں۔

گیارہواں باب

یوسف آرمئین اور اس کی بی بی مریم کی رام کہانی

میرا خیال تھا کہ ابیرین کی بلندی کی طرف بڑھوں جہاں خنک موسم۔ سرسبز چراگاہ ہم اپنے گھوڑوں کے لیے پائیں گے۔ لیکن جب میں نے یہ سنا کہ اس مقام خاص میں خانہ بدوش اقوام کا زیادہ تر مسکن رہتا ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ڈیرے اس جنگ کی دہشت سے جو ہو رہی ہے ان پہاڑوں میں چلے گئے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ ہم اشتراک اپنا قائم کریں اور جب تک کہ دن کی گرمی نہ کم ہو جائے وہیں پڑے رہیں۔ اس کے مطابق میرے آدمی گائوں کے مختلف حصص میں چلے گئے بعض نے پل کی محرابوں میں قیام کیا۔ بڑی بڑی اگی ہوئی گھانس میں چرنے کے لیے اپنے گھوڑے چھوڑ دیے۔ ایک دوچکی کے پاس جاکے بیٹھ گئے جو دریا کی ریت پر واقع ہے جس کا پہیہ صرف پانی کے زور سے چکر کھاتا ہے۔ میں نے اپنا غالیچہ ایک کھلے ہوئے کمرے میں جو چٹانوں کے چپٹے طبقے پر بنا ہوا تھا جہاں سے مجھے دور دور کا نظارہ صاف معلوم ہوتا تھا اور جہاں سے میں ہر چیز کو جو روسی سرحدات سے برآمد ہو بخوبی دیکھ سکتا تھا بچھایا اور اس پر بیٹھ گیا۔

دو گھنٹے کامل نیند لے کے میں جاگا اور میں نے آرمینیا کے بچہ کو بلایا۔ جو کچھ ہمارے مہمان نواز میزبانوں نے ہمارے لیے کھانے تیار کیے تھے ہم دونوں نے بیٹھ کے خوب کھائے اور پھر میں نے اس سے کہا کہ اب تم اپنی بیتی سناؤ اور مجھ سے بیان کرو کہ تمھیں کون سی شے یہاں لائی۔ جب ہم کھانے اور نیند سے خوب تازہ دم ہو گئے تو روشن آفتاب نے اپنی روشنی سارے میں پھیلا دی۔ جو کچھ اس نوجوان بچہ نے مجھ سے کہا میرے دل پر ایسا اثر کرتا چلا گیا کہ مجھے اس کی کوئی بات خلاف نہیں معلوم ہوئی۔ اور اس کی بھولی بھالی اور پیاری صورت صاف کہہ رہی تھی کہ اس پر یہ واقعہ ضرور گذرا۔ وہ اس طرح سے بیان کرنے لگا۔

میں پیدائشی آرمینین ہوں مذہباً مسیحی ہوں۔ اور میرا نام یوسف ہے میرا باپ گائوں گیومشلو کا سردار ہے جس میں بالکل آرمینین رہتے ہیں۔ یہ خوبصورت دریا پیمبا کی سے بہت دور فاصلے پر واقع نہیں ہے اور یہاں سے چھ فرسنگ

دور ہے۔ ایک شاداب ملک کے بیچ میں ہونے کے سبب سے جو سرسبز چراگاہوں اور خنک و دل آویز و صحت بخش موسم سے پر فزا ہے ہم صحیح اور سخت قوم ہیں مرض کبھی ہمارے پاس آ کر پھٹکتا ہی نہیں۔ باوجودیکہ بیشمار گورنروں کی زیادہ ستانی اور محصول نے ہمیں بالکل مفلس بنا دیا ہے۔ ہم پہاڑوں میں اتنی دور کے فاصلے پر رہتے ہیں کہ ہم ان مظالم سے جو ان باشندوں پر ہوتے ہیں جو شہروں کے قریب ہیں یا ان کے مسکن گورنروں کی قیامگاہوں کے قریب ہیں بہت بچے ہوئے ہیں اور یہ صرف ہماری دوری ہونے کا باعث ہے کہ ہم پر دست ظلم ان کا اس قدر دراز نہیں ہوتا۔

دنیا سے علیٰحدگی جو ہمیں حاصل ہے اس باعث ہماری عادتیں سادی ہیں اور ہمارے طریقہء زندگانی مجتہدانہ ہیں۔ میرا ایک چچا تھا جس کو ڈیکن (پادریوں سے نیچے کا درجہ) حاصل تھا۔ اور الچمیزین میں وہ بڑے گرجہ میں بطور مجتہد کے کام کرتا تھا۔ دوسرا چچا ہمارے گانوں کا پادری تھا اس لیے میرا سارا کنبہ کا کنبہ گرجہ میں اعلیٰ عہدوں پر ہے۔ تو ان کا یہ ارادہ تھا کہ مجھے بھی وہ اس مبارک عہدے کی تعلیم کریں۔ میرا باپ خود جو زمین کھودنے میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا اس نے صرف اپنی محنت اور جانفشانی سے ہمارے گانوں کے قریب ایک بہت بڑا قطعہ زمین کا صاف کر دیا علاوہ میرے اس نے اپنے دو بیٹے اور بھی اپنے ساتھ اس کھیت میں کام میں لگا لیے اور چونکہ ان سے اپنے کام میں مدد لینے کی کافی امید تھی اس لیے اس نے صرف مجھے گرجہ میں تنہا چھوڑا۔ میری جب عمر دس برس کی تھی میں ایچمیزین میں تعلیم پانے چلا گیا۔ جہاں میں نے لکھنا پڑھنا اور گرجہ کی خدمت کرنا سیکھا۔ میں نے تعلیم سے بہت خوشی حاصل کی اور جو کتابیں کہ مجھے پڑھنی پڑتی تھیں ان کو میں نے بہت شوق سے پڑھ لیا۔ ایک پورا کتب خانہ آرمینین کتابوں کا میرے پاس جمع ہو گیا جن کو میں نے ادھر ادھر سے جمع کیا تھا گو بہت سی کتابیں مذہبی تھیں لیکن تاہم مجھے آرمینیا کی ایک تاریخ ہاتھ لگی جس نے میرے تمام ارادے کو توڑ دیا کیونکہ میں نے اس میں یہ پڑھا کہ ایک زمانہ میں ہم بھی بادشاہت رکھتے تھے ہم وہ ہیں جنھوں نے عالم میں اپنے کو معزز بنایا تھا اور اپنے اس حال کی مصیبت ناک حالت پر افسوس کر کے اور یہ خیال دل میں جما کے کہ ہمارے گورنر کون تھے مجھ میں یکایک اس خیال سے کچھ جرات سی آ گئی اور میرے سارے خیالات اس مقدس پیشہ کی طرف سے پھر گئے جس کے لیے میں مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت روس و ایران جنگ چھڑ گئی اور ہماری یہ بستی گویا لشکروں کا گذر گاہ بنی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس وقت میرے کنبے کو ہر طرح سے اپنی حفاظت کرنے کی ضرورت ہو گی بہتر ہے

کہ میں اس گوشہ نشینی سے ان ہی کی جا کے مدد کروں اور جس طرح سے مجھ سے ہو سکے اپنے ہنر سے ان کا معاون بنوں۔ کچھ ہی دیر کے بعد میں نے پادری سے حکم لیا اور اپنے دوستوں کو تو ایچمیزین میں چھوڑا اور آپ اپنے باپ کے گھر کی طرف واپس پھرا یہاں مجھے دیکھتے ہی سب نے مبارکباد دی جنگ کے باعث سے ان پر خوف طاری تھا۔ کیونکہ روس اور ایران کے غارت کن اور لوٹنے والے گروہ آتے تھے اور بے گناہ اور پرامن آس پاس کے گانؤں کے باشندوں کو دق کرتے تھے اور انھیں ایذا پہنچاتے تھے۔ یہ سرحدی جنگ اگر خیال کیا جائے تو دونوں سلطنتوں میں سے ایک کو بھی فائدہ بخش نہیں ہے۔ ہاں ان لوگوں کے لیے زیادہ خوفناک ہے جو ادھر ادھر آباد ہیں اور اس جنگی سرحد پر ان کے مسکن بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے بالکل دم فنا ہوئے چلے جاتے تھے ایک تو ہمیں حملہ کنان فوج کا خوف دوسرے خود اپنی گورنمنٹ کے لشکر کا ڈر جو ہمیں تباہ کیے ڈالتا تھا۔ اور ہم پر ظلم شدید کر رہا تھا۔ ہماری تمام فصلیں برباد ہو گئی تھیں۔ ہمارے مویشی برباد کر دیے گئے تھے اور اب ہمیں یہ خوف ہو رہا تھا کہ ہم کو قیدی بنا کے کہیں نہ لے جائیں۔

اب ہمیں یہ فکر ہوئی کہ ہم اپنا مال و اسباب محفوظ کریں اور اپنے کو لوٹ اور غارت سے بچائیں۔ ناچار ہم نے یہ کیا کہ تلواریں اپنے پہلوؤں میں لٹکا لیں اور بندوقیں بھر بھر کے اپنے کاندھوں پر رکھیں اور جب کبھی ہمیں کوئی پردیسی معلوم ہوتا چاہے یہ کوئی کیوں نہ ہو ہم سب جمع ہو کے اس پر حملہ کرتے۔ اس صورت سے کئی سال تک ہم نے انتظام کیا اور بڑی دقت اور ہوشیاری سے ہم نے اپنی فصلوں کو محفوظ رکھا۔ اور خدا کی عنایت سے ہم نے بخوبی امن سے گذر کیا۔ لیکن یہاں میں چند وہ خاص خاص مواقع بیان کرتا ہوں جو میری خاص تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔

دو سال کا عرصہ گذرا جب ہم اپنی فصلوں کی نگہداشت کر رہے تھے اور ہم نے انھیں محفوظ کر رکھا تھا میں اپنے دور کے گانؤں میں سے ایک گانؤں میں اناج جمع کرنے کے لیے چلا گیا تھا اس وقت میں اپنے ہمیشہ کے طریقے پر ہتھیار بند اور ہر طرح سے تیار تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک فارسی سوار ایک عورت کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے بہت تیزی سے اس راستہ سے جو پہاڑوں میں ہو کر گذرا تھا اور جہاں میں کھڑا ہوا تھا نکلا چلا جاتا تھا ظاہر ہے کہ عورت خلاف اپنی مرضی کے اس کے پیچھے جبراً بٹھائی گئی تھی۔ اس عورت نے مجھے دیکھتے ہی ایک چیخ ماری اور اپنے دونوں ہاتھ میرے طرف پھیلائے۔ میں یہ دیکھتے ہی لپکا اور اس تنگ راستہ میں ہو کے اس سوار کا سدراہ ہوا۔ میں

نے اسے آواز دی کہ کھڑا رہ۔ اور پھر میں نے اپنی تلوار کو نیام سے سڑ سے گھسیٹ لیا اور اب میں لپکا کہ کسی طرح جلدی اس کے گھوڑے کے زین کے پاس پہنچ جاؤں۔ چونکہ اس کے پیچھے عورت کا بوجھ بہت تھا تو وہ اس قابل نہ ہوا کہ اپنی تلوار کو استعمال میں لاتا۔ اور یا اپنی بندوق سے کچھ کام لیتا جو اس پشت پر پڑی ہوئی تھی اس نے اپنے گھوڑے کو اور بھی تیز ہانکا کہ مجھ سے بچ کے نکل جائے جونہی میں نے ایک جگہ ٹھہر کر اپنی تلوار کو جنبش دی اس کا گھوڑا کچھ ایسا بھڑکا اور اس نے ایک ایسا طرارہ بھرا کہ وہ عورت جو پیچھے بیٹھی ہوئی تھی زمین پر گر پڑی۔ جب فارسی سوار اس کے بوجھ سے آزاد ہوا اب اس نے اپنی بندوق سے کام لینا چاہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہ بھی نشانہ باندھ کر مارنے کو ہے تو اسے خوف معلوم ہوا اور وہ سمجھا کہ یہاں سے بچ کے نکلنا مشکل ہے پھر جو وہ بھاگا میں نے اس کا نشان نہیں دیکھا کہ وہ کہاں چلا گیا۔

میں اس گری ہوئی عورت کی مدد کے لیے دوڑا جس کی پوشاک سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ آرمینین ہے۔ یہ عورت سر کی چوٹ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ اور اسے گھوڑے پر سے گر کے بہت صدمہ پہنچا تھا۔ اس کی اوپر والی نقاب بیکار ہو گئی تھی۔ اور صرف اس کو ہوا دینے کے لیے میں نے اس کی اندرونی نقاب کو گھسیٹ لیا جو چہرے کے نیچے کے حصے کو ڈھانکے ہوئے تھی۔ (جیسا عموماً آرمینیا کی عورتیں استعمال کرتی ہیں) مجھے اس کی صورت دیکھ کے بہت ہی حیرت ہوئی کیونکہ اس کو خداداد حسن فطرت نے اسی قدر بخشا تھا جو خیال میں آسکتا ہے۔

یہ پیاری مخلوق جس کو میں نے اپنے زانو پر رکھ لیا تھا تقریباً پندرہ برس کی تھی۔ آہ میں ہرگز اس سرور اور خوشی کو کبھی نہیں بھولوں گا جو اس کے روشن چہرے کے ایک نظارے سے مجھے حاصل ہوئی تھی۔ اس کے حسن کا کلبہء قلب کو منور کرنے والا چمکارا میرے دل پر اثر کر گیا اور میرے دل میں اس کی طرف سے وہ جوش الفت پیدا ہوا جو آج تک نہیں ہوا تھا۔ سوا اس کے میں ہر شے کو بھول گیا۔ پہلا لفظ جو اس کی زبان سے نکلا وہ میری روح میں بیٹھتا چلا گیا۔ لیکن جب اس نے یہ ظاہر کیا کہ میں کہاں تھی۔ اور پھر اس نے اپنے کو بالکل ایک پردیسی کے ہاتھوں میں پایا تو وہ رونے اور پکارنے لگی اور اس طرح سے چیخیں مار مار کے روئی گویا وہ خود مجھ سے خوف زدہ ہو۔ مگر رفتہ رفتہ اس کو تسکین ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ میں اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہوں تو میری طرف مختلف فیلنگ سے دیکھنے لگی۔ مجھے میری خود نمائی اور خود فروشی نے یہ یقین دلایا کہ یہ نازنین تجھ سے ناراض نہیں ہے کیونکہ تیری رعنائی اور نوجوانی سے اسے ضرور دلچسپی حاصل ہوئی ہے۔ وہ احتظاظ جو ایک خاوند مشکل سے

اپنی بی بی سے پاتا ہے وہ ممتاز شبیہ عصمت و پاکدامنی اور عزت کی ایک آرمینین عورت کی نظروں میں اس قدر واجب التعظیم ہے۔ مجھ سے اس پر بھی ہر طرح سے اس کے ساتھ ایسی بے احتیاطی ہوئی تھی اور میں نے کسی قسم کا اس کا قاعدے کے موافق لحاظ و پاس نہ کیا تھا تو میں اس کے آگے اس صورت میں کھڑا تھا جیسے ایک مجرم جس نے اس کے باعصمت چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھا ہو۔ آخر کار میں نے اس سے کہا کہ یہ میرا قصور نہیں ہے کہ میں نے آپ کی اوپر کی نقاب یا جسم کے کسی حصہ کو بے پردہ کیا ہو۔ اور یہ صرف تمھارے گھوڑے پر سے گرنے کے باعث سے ہو گیا واقعی یہ نیچے کا حصہ چہرے کا میں نے کھولا تھا کیونکہ اگر وہ نہ کھولا جاتا اور تازی ہوا اسے نہ لگتی تو تم قطعی مر جاتیں۔ میری ان باتوں کا اسے اصلاً یقین نہیں آیا۔ مگر مفصلہ ذیل باتوں نے اور باتوں سے اس کے دل پر کچھ اثر کیا میں نے اس سے یہ کہا کہ اگر تمھارا یہی خیال ہے کہ سوا میرے تمھاری کسی نے بے عزتی نہیں کی تو میں پاک صلیب اور سینٹ جریگوریا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تمھاری بے نقابی کا باعث نہیں ہوا۔ جب میں نے یہ کہا تو اب اسے اطمینان ہوا۔ اور میری طرف سے جو کچھ گمان تھا وہ جاتا رہا۔ اب میں نے اس سے یہ درخواست کی کہ تم اپنی سرگذشت بیان کرو اور مجھ سے کہو کہ میری قسمت کیونکر جاگ گئی کہ تم جیسی باحیا اور مرجع عصمت کی زیارت مجھے نصیب ہوئی۔

یہ سن کے وہ مہ جبین بولی۔ اگر تم اس شخص کی نسبت پوچھتے ہو جو مجھے گھوڑے پر لیے چلا جاتا تھا تو اس کی نسبت میں اس قدر جانتی ہوں کہ وہ ایرانی تھا۔ میں نے پیشتر کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اور مجھے سوائے اس کے اور کوئی سبب اس کے لے جانے کا نہیں تھا کہ وہ مجھے لونڈی بنا کے فروخت کرتا۔ چند روز کا عرصہ ہوا کہ جارجین اور فارس کے ایک دستہ سواروں میں باہم مٹ بھیڑ ہو کے سینہ بسینہ جنگ ہوئی۔ ماقبل الذکر کو شکست ہو گئی اور وہ ہٹا دیے گئے اور فارسیوں نے ان میں سے کچھ آدمی بھی قید کر لیے جن کو وہ ایران شادیانے بجاتے ہوئے اور فخر کرتے ہوئے لے گئے۔ ہمارے گانوں پر اس دارو گیر اور ہنگامہ سے کچھ دن پہلے فارسیوں نے حملہ کیا تھا مجھے خیال ہے کہ مجھے ایک شخص نے چاہا کہ جارجین کا قیدی بنا کے یہاں سے لے اڑے میں صبح ہی اٹھ کر گانوں کے کنوئیں سے اپنی ٹھلیا پانی کی لے کے بھرنے گئی تھی کہ وہ شخص ایک ٹوٹی ہوئی دیوار میں سے نکلا اور مجھے چھرا دکھا کے کہا کہ اگر تو نے ذرا بھی غل مچایا تو میں تجھے مار ڈالوں گا اور جھٹ اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور مجھے لے کے بھاگا۔ جونہی وہ مجھے لے کے بھاگا تو میری بستی کی چند لڑکیاں کنوئیں کی طرف آ رہی تھیں اس سے مجھے

کچھ بچنے کی امید ہوئی تھی کہ یہ لڑکیاں تمام گانوں میں اس خطرے کو پھیلا دیں گی اور میرے باپ بھائی میرے بچانے کی کوشش کریں گے۔ چند منٹ میں ہم نگاہ سے غائب ہو گئے ایرانی اپنے گھوڑے کو بہت تیزی سے پہاڑوں اور کھڈوں پر چلا رہا تھا اور ملک کے ان حصص کو طے کر رہا تھا جن سے مسافر ناواقف ہوتے ہیں۔ آخر الامر میں نے تمھیں اس پہاڑی کے نکڑ پر دیکھ کے باوجودیکہ مجھے اس کا خوف تھا لیکن میں نے غل ہی مچایا اور تم سے طالب امداد ہوئی پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے تم بخوبی واقف ہو۔

اس حسینہ لڑکی نے مشکل سے اپنی گفتگو پوری کی ہو گی کہ اتنے میں اس نے چند آدمیوں کو دیکھا کہ سامنے سے آ رہے ہیں ایک گھوڑے پر سوار ہے اور چند اس کے ساتھ پا پیادہ ہیں۔ اور ہماری طرف بہت جلدی میں بڑھے آتے ہیں۔ جب وہ قریب آئے اور اس نازنین نے انھیں پہچانا تو وہ مارے خوشی کے کھل گئی۔ اور یہ کہنے لگی۔

اوہو یہ میرا باپ ہے۔ میرے بھائی بھی ہیں۔ اودنس بھی ہے۔ ایگوپ بھی آیا ہے۔ ایرالئین بھی ساتھ ساتھ ہے اور میرا چچا بھی ہے۔

جونہی وہ آ کر پہنچے پر یرو کی خوشی کا عالم کیا پوچھتے ہو باچھیں کان تک جاتی تھیں پہلے ان کو دیکھ کو میں بہت چکرایا تھا اور کچھ دیر میری جانکنی کی سی حالت رہی تھی کہ شاید چند نوجوان اس کے حسن خداداد کے شیفتہ و فریفتہ آئے ہیں کہ اس کو مجھے سے چھڑا کے اپنے قبضہ میں کر لیں۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ نہیں یہ غیر نہیں ہیں بلکہ اس کے رشتہ دار ہیں۔

انھوں نے اس سے بیان کیا کہ تیرے گرفتار ہونے کا خوف تیری نوجوان ساتھیوں نے تمام گانوں میں آ کے پھیلا دیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے ہم گانوں میں نہ چلے گئے تھے اور ہمارا گھوڑا مکان پر موجود تھا جس پر میں سوار ہو کے لپکا ہوں۔ جہاں تک کہ وہ سڑک سڑک چلا تھا اس کے گھوڑے کے پیروں کے نشان پر روانہ ہوئے۔ اور جہاں سے کہ وہ مڑا تھا وہ نشان بھی ہم نے دیکھا۔ اور پھر ہم اسی کے قدموں کے کھوج پر کھیت میں چلے گئے آخر کار اودنیس نے بلند چوٹی پر چڑھ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس راستہ سے اتر رہے ہیں جس کے دونوں طرف پہاڑ ہیں جو اس مقام سے بہت ہی قریب ہے جہاں ہم نے تجھے اب پایا ہے یہ سن کے لڑکی نے کہا کہ یہ سب صحیح ہے اور پھر اس نے خدا کا اور سینٹ جریگوری کا اپنے بچنے پر شکریہ ادا کیا۔ اور پھر کچھ دیر تک تامل کر کے بہت ہی دلسوزی اور جوش سے اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا بچانے والا ہے۔ اور صرف اسی کے صدقے میں میری

اس سے جان بچی ہے۔ یہ سنتے ہی سب میری طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بوڑھے باپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس کے بیٹے ہو۔

میں۔ میں کو جاپیٹروز کا بیٹا ہوں جو گیو مسلو کا سردار ہے۔

بوڑھا شخص۔ آہ وہ تو میرا دوست اور ہمسایہ ہے۔ لیکن میں تمھیں نہیں جانتا۔ شاید تم وہ بیٹے ہو جو تین گرجاؤں میں پادری بننے کے لیے تعلیم پارہے ہو۔ اور جو وہاں سے اس شور و شغب کے زمانہ میں اپنے کنبہ کی مدد کے لیے آیا تھا۔

میں۔ جی ہاں آپ درست فرماتے ہیں۔

بوڑھا شخص۔ "اے آمدنت باعث آبادی ما"۔ خدا تیرے گھر کو سر سبز کرے تم نے ہماری لڑکی کو بچایا ہے۔ ہم تمھارے ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ تم ہمارے ساتھ ضرور چلو اور ہمارے مہمان بنو۔ وہ وقت اب ہمیں حاصل ہے کہ اب ہم ایک بھیڑ کو ذبح کریں اور خوشی منائیں۔ اور تمام میرا کنبہ تمھیں اپنے سروں پر بٹھا کے لے چلے گا۔ ہم تمھارے قدموں کو بوسہ دیں گے۔ اور تمھارے ابروؤں کو صاف کریں گے کیونکہ تم نے ہماری مریم کو بچایا ہے اور تم نے اس کو مسلمان کی لونڈی بننے سے محفوظ رکھا۔

اس کے بھائیوں اور چچا نے بھی مجھے مبارکباد دی اور مشکوری ظاہر کی اور انھوں نے مجھ سے بصد لجاجت کہا کہ آپ ضرور اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمارے غریب خانہ کو شرف بخشیں ہم آپ کے ہمیشہ کے لیے خادم ہو چکے جب انھوں نے بہت زور دیا اور مجھے چلنے کے پر مجبور کیا تو میں نے بھی ان کی مہمانی قبول کر لی۔ اور دوسرے میرا دل گوارہ نہیں کرتا تھا کہ پیاری مریم سے جلدی علیٰحدہ ہو جاؤں سب ان کے گانؤں کی طرف روانہ ہوئے۔

جب ہم ایک پہاڑ پر سے اتر رہے تھے اور مریم کے گانؤں کے طرف گرم رفتار تھے تو مجھے وہیں سے بتایا گیا کہ وہ جو دکھائی دیتا ہے ہمارا گانؤں ہے۔ یہ گانؤں گو گرم گوشہ میں واقع تھا لیکن پھر بھی یہ سب جانب کی ہواؤں سے محفوظ تھا۔ صرف مشرقی ہوائیں دریائے قلزم سے اس میں آتی تھیں جو تمام گاؤں کو خنک کر دیتی تھیں۔ اس کے پرے دریائے پیمبا تھا۔ جو ایک خوبصورت پہاڑی میں چکر کھاتا ہوا بہتا تھا اور جس کے باعث سے بہت کچھ سر سبزی ہوتی تھی۔ بہت دور کے فاصلے پر ہمیں کاراکسے گرجا نظر آتا تھا یہ گویا روسی حدود کا پہلا ہی مقام تھا۔ یہ ایک اندھیاری اور بیڈول پہاڑی پر واقع تھا اور اس کے تمام ارد گرد سبزہ ہی دکھائی دیتا تھا۔

جب ہم گانوں کے قریب پہنچے تو گانوں کے لوگ اور خصوصاً خواتین وغیرہ کھڑی ہوئی یہ راستہ دیکھ رہی تھیں کہ دیکھیے مریم مل گئی یا نہیں اور جب انھوں نے دیکھا کہ بی مریم صحیح و سالم چلی آتی ہیں بس پھر ان کی خوشی کی کوئی بھی انتہا نہ تھی۔

اس کے فرار ہونے اور بچنے کی تاریخ سب سے حرف بحرف کہہ دی گئی۔ سننا تھا کہ ایک کان میں پڑی اور دس کانوں میں پڑی۔ اور اس تیزی سے وہ حاشیہ چڑھا کے پھیلائی گئی کہ توبہ۔ حاشیے چڑھتے چڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ یہ مشہور ہوا کہ مریم کو ایک ایسا دیو اڑا کے لے گیا تھا جس کا سر لوہے کا تھا اور کمر کے نیچے اور پیر فولاد کے بنے ہوئے تھے۔ اور اس کی پشت پر ماہی صورت چھلکے اور اس کے گھوڑے کی ٹاپ قدم قدم پر زمین کو شق کرتی ہوئی چلی جاتی تھی اور پہاڑوں پر وہ ایسا شور و غوغا مچاتا تھا جو توپ کے گرجنے کو بھی پرے بٹھاتا تھا۔ یہ اس صورت میں مریم کو لیے جاتا تھا کہ اتنے میں آسمان سے ایک فرشتہ بصورت طفل کسان اترا اس کے ہاتھ میں ایک برہنہ تلوار تھی جس سے آتشین شعلہ ہائے جوالہ نکلتے تھے۔ اس نے گھوڑے کو چمکا کے مریم کو زمین پر گرا دیا۔ اور اس عفریت مست کو مغلوب کر کے وہیں اس کو جلا کر خاک بنا دیا۔ جب مریم کو اپنی دہشت اور خوف سے ہوش آیا تو کسی کو بھی وہاں نہ دیکھا۔ مجھ کو سب نے طفل کسان کہہ کے ایک دوسرے کو آگاہ کیا اور تمام گانوں والوں کا خیال میری طرف رجوع ہوا۔ جب عنقریب میری عارف باللہ اور مرشد کامل کی سی عزت ہونے کو تھی تو بدقسمتی سے مجھے ایک لڑکے نے جو اکثر مجھ سے ملا کرتا تھا پہچان لیا اور کہا کہ یہ فرشتہ نہیں ہے یہ یوسف ہے اور کوجا پیٹروں کا بابا ہے جو گیو مشلو کا سردار ہے۔ غرض پھر اس وقت میں نے جامہ بشریت پہنا اور لوگ مجھے بشر سمجھنے لگے۔ مگر ہر شخص نے میری خاطر داری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور خصوصاً مریم کے رشتہ داروں نے تو اس قدر خاطر اور مدارات کی جس کا کوئی بھی بیان نہیں۔ میرے آگے پیچھے چلے جاتے تھے اور پھر یہی کہتے تھے کہ آپ نے ہم پر جو کچھ احسان کیا ہے اس کے شمہ برابر بھی ہم سے خاطر داری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس وقت مریم کے عشق جہان سوز کے شعلے جان و تن کو جھلسائے دیتے تھے اور عشق مریم برابر رگ اور پٹھے میں بیٹھا چلا جاتا تھا پھر میں نے مریم کو بے نقاب کبھی نہیں دیکھا گویا میری خوش قسمتی پر اب مہر لگ گئی تھی۔ میں نے اپنے دل میں یہ کہا کوئی چیز بھی اس مہ جبین سے مجھے علیٰحدہ نہیں کر سکتی۔ فی الحال جو کچھ ہمارا مرکز خاطر ہے اور مدعا ہے وہ ایک ہے خداوند تعالیٰ نے اپنی رحمت رحیمانہ اور کریمانہ سے ہمیں ایک ہی جگہ جمع کیا ہے سوائے مشیت ایزدی کے ہمیں

کوئی چیز علیٰحدہ نہیں کر سکتی اور نہ میرے اس کے مفارقت ممکن ہے اگر اس وقت ایرانی کی طرح سے میں بھی اسے بالجبر لے بھاگوں اور یہاں سے چلتا بنوں جب بھی تو کوئی شے فارق بیچ میں نہیں آسکتی۔
ہم یہاں اور وہاں دونوں باہم مل چکے ہیں اور گو اس نے زبان سے بہت ہی کم کہا ہے۔ لیکن آنکھیں تو برابر محبت و الفت کی شاہد تھیں۔ آہ اس کا بھلا میں کیونکر منتظر رہوں کہ اب ایک بار پھر ایک نہیں بلکہ بیس ایرانیوں سے میرا مقابلہ ہو تو پھر میں اپنی الفت و محبت کی بانگی دکھاؤں لیکن میں نے پھر یہ دل میں خیال کیا کہ میں ہوں کیا چیز صرف ایک غریب آرمینین بچہ ہوں اور میرا ایسی خستہ اور ذلیل مظلوم قوم سے تعلق ہے جس سے بدتر اور ذلیل تر اس وقت چشم فلک نے بھی نہ دیکھی۔ بہت بڑی میری کارگزاری اور دلاوری یہی ہے کہ میں اپنے باپ کے گلے سے بھیڑیوں کو ہنکاؤں اور کھیتوں سے غارت گر پنڈاروں کو نکالوں اور ان سے نگہداشت کروں۔ گیکلو میں میں تمام دن رہا۔ ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور ایک بڑی دیگ میں اس کا پلاؤ پکایا گیا دوسرے دن میں وہاں سے اپنے والدین کے پاس آیا جو میرے منتظر تھے اور انھیں بہت خوف تھا کہ یہ کہاں چلا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اپنی پوری سرگذشت ان سے بیان کی۔
میں مریم کی چشم میگوں کے نشہ میں کچھ ایسا چور تھا کہ مجھ کو سوا اس کے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیا کہ میں اپنے باپ کو بھی اس راز سربستہ سے آگاہ کروں۔ اور اپنی الفت اور محبت کے موقع سے خبر دوں۔ میں نے ان سے یہ کہا کہ میں اس وقت بفضل رب العزت ہر طرح سے مطمئن ہوں اور میں خود اپنی خبر گیری آپ کر سکتا ہوں خدا کی اور آپ کی عنایت سے اس وقت میرے بازو پر زور ہیں اور ان سے میں اپنی روزی آپ پیدا کر سکتا ہوں۔ مجھے شادی کرنے کی آرزو ہے اور اللہ نے پہلے ہی میرے لیے راستہ بھی نکال دیا ہے۔
پھر میں نے ان سے مریم کی درخواست کی اس سے میری شادی کر دو۔
انھوں نے جواب دیا کہ ان اہم واقعات میں شادی کا ہونا مشکل ہے کیونکہ آج کل ہم ایسے غریب ہیں کہ ہرگز شادی کے اخراجات کو نہیں اٹھا سکتے۔ جب شادی ہو تو کپڑے بھی خریدنے ہوں گے ایک انگوٹھی بھی لینی ہو گی۔ موم بتیوں کی بھی ضرورت ہو گی۔ مٹھائی کی بھی حاجت پڑے گی۔ ایک قرمزی نقاب بھی ہونا چاہیے بستر اور بستر پوش کا بھی ہونا لابد ہے گانے والوں اور نچویوں کو بھی دیا جائے گا۔ ایک دعوت بھی برادری کو دینی ہو گی۔ تو پھر ان سب باتوں کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا۔

میں نے جواب دیا۔ یہ سچ ہے کہ روپے کی ضرورت ہو گی اور بغیر روپے کے شادی کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس سے ہمارے کنبے کی بھی عزت ہو گی اور میری الفت و محبت کی بھی توقیر ہو گی لیکن میں اس کے لیے قرض لے سکتا ہوں۔ ایراوان اور تین گر جاؤں میں میرے کئی دوست ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میں ان سے خواہش ظاہر کروں گا تو مجھے شادی کے اخراجات بخوبی مل سکتے ہیں۔ اور پھر ان قرضوں کی ادائی کی یہ صورت ہو گی کہ میں اس سختی سے محنت کروں گا کہ رفتہ رفتہ سب قرضہ اتاروں گا۔ علاوہ اس کے میں ایک تاجر کا نوکر بھی ہو سکتا ہوں جو ایک حصہ اپنے منافع میں سے مجھے دے گا۔ اور صرف قسطنطنیہ کا استر اچان کا ایک ہی سفر کافی ہے اس وقت میں اپنا قرضہ مع سود چکا دوں گا۔

آخر الامر میں نے اس قدر کہا کہ میرے والدین راضی ہو گئے اور انھوں نے مریم کے والدین سے درخواست کرنے کی دل میں ٹھان لی۔ یہ امر طے پا گیا کہ چند دن کا بیچ میں زمانہ دے کر میرا باپ میرا چچا پادری اور گانوں کے بزرگ لوگ گیکلو جائیں اور مریم کے باپ سے شادی کا پیغام دیں۔ اس عرصہ میں میں کسی بہانے سے وہاں پہنچتا اور میں موقعوں سے مریم کو اس امر کی اطلاع کرتا کہ میرا یہ ارادہ ہے اور اب یہ معاملہ ہونے والا ہے کہ کہیں وہ یا اس کا کنبہ وقت پر انکار نہ کر جائے جب میرے والدین اور ہمارے گانوں کے بزرگ مریم کے ہاں پہنچے تو سب نے عزت سے ان کا استقبال کیا۔ خوب خوب عرق پیا گیا اور یہ ذکر چھڑا تو انھوں نے کہا کہ ہم راضی ہیں ہاں اول تو یہ مقرر ہو جانا چاہیے کہ یہ یہ دلھن کو دیا جائے گا اور نامزد ہونے کی تقریبات اس طرح سے انجام پذیر ہوں گی۔

اس کے تین دن کے بعد میری ماں دو گانوں کی بڑھیا عورتوں اور میرے چچا پادری اور مجھے لے کے نامزد ہونے کی رسم ادا کرنے کو وہاں گئی۔ تا کہ وہاں شادی کی بھی رسموں کا قرار کرے کہ ہم یہ یہ دیں گے۔

میری طرف سے میری ماں نے یہ کہا کہ دولھا اپنی پیاری دلھن کو یہ یہ کپڑے دے گا۔ دو زنانہ کرتے۔ جس میں سے ایک تو قرمزی ریشم کا ہو گا اور دوسرا نیلی روئی کا۔ دو جوڑے شلواروں کے ہوں گے۔ ان میں ایک جوڑا ریشمی اور ایک سوتی۔ دو جبہ جو تن زیب کی پٹیوں سے باندھے جائیں دو نقابیں ایک سفید سوتی اور دوسری نیلی۔ دو جوڑے جوتیوں کے ایک جوڑا تو کیمخت کا سبز دوسرا ابھورے چمڑے کا اس میں نعل بھی لگے ہوئے ہوں گے۔ ایک کڑھا اور نقش و نگار کیا ہوا رومال اور سر پر باندھنے کے لیے ایک پٹی یہ بھی دی جائے گی۔ اس کے علاوہ میری

ماں نے میری طرف سے یہ کہا۔ پچاس اطالیہ کے چاندی کے سکے چھوٹے چھوٹے خرچ کے واسطے۔ گردن کے لیے ایک زنجیر۔ جس سے فارس کی ایک اشرفی جو زنجیر میں لٹکائی جاتی ہے ملتوی رکھی گئی تھی۔
دلھن کے رفقا کے تھوڑی دیر کے مشورے کے بعد یہ امر طے پا گیا۔ لیکن اتنے میں ایک بڑھیا عورت جو مدتوں ایرانی خاندان میں ملازم رہی تھی یہ بول اٹھی اور اس نے یہ تجویز پیش کی کہ دولھا سے شیر بہا (دودھ کی قیمت) بھی تو لینی چاہیے۔ کیونکہ ایران میں یہ رسم ہے کہ شیر بہا دولھا سے لیا کرتے ہیں۔ ہماری طرف کی عورتوں نے جواب دیا کہ آرمینیا والوں میں یہ رسم نہیں ہوتی۔
بڑھیا نے کہا۔ نہیں شیر بہا تو دینا ہی پڑے گا۔
غرض یہ بات بہت بڑھ گئی میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ ناحق ہوئی ہوائی بات کو طول دے کے الجھیڑے میں ڈالتی ہیں۔ دس روپے شیر بہا کے لیے بھی منظور کر لیجیے غرض جب یہ درخواست ہوئی تو انھوں نے منظور کر لیا۔ اب ہر طرح سے طرفین مطمئن خاطر ہو گئے اور بات قرار پا گئی۔
یہ بات تو عورتوں میں طے پا گئی۔ پھر میں مع اپنے چچا کے اندر بلایا گیا مجھ سے خوب تاکید گئی کہ خبر دار جو ہنسا یا مسکرایا اور کوئی بیجا حرکت کی کیونکہ اگر شادی میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں تو ہمیشہ پھر بدقسمتی جدا نہیں ہوتی۔
میں نے دیکھا کہ میری ماں زمین پر دو بڑھیا عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سامنے دلھن کی ماں بھی موجود ہے۔ پھر اسی وقت مریم بھی آئی میری ماں نے میری طرف سے ایک انگوٹھی لے کے اس کی انگلی میں پہنائی پھر پادری کو جو بطور قاضی کے ہوتا ہے شراب پلائی گئی۔ اس نے ایک آدھ پیالہ چڑھا کر کہا کہ دونوں جورو خاوند بن گئے۔ اب چاروں طرف سے مبارکباد ہم پر برسنے لگی۔ گو مجھے حد سے زیادہ منع کر دیا تھا کہ میں دلھن سے اس وقت کوئی بات نہ کروں لیکن پھر بھی جب ہر شخص ایک دوسرے کی پیشانی پر بوسہ دے رہا تھا ہم نے کچھ نہ کچھ باتیں کر لیں۔ چاروں طرف سے سب ہاتھ پھیلا پھیلا کے اس قدر دعائیں دے رہے تھے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آج تک کسی جوڑے کو یہ نصیب نہ ہوا ہوگا کہ اس کو نیک خواہشات سے یوں دعائیں دی جاتیں۔
میری ماں پھر اپنے گانؤں میں واپس چلی آئی۔ اب میں اپنے گانؤں میں آ کے تیاری کرنے لگا کہ شادی کا سارا سامان جلدی سے ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بات ایسی نکل آئے کہ کی کرائی خاک میں مل جائے۔

جب ہم باہم یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس قدر خرچ ہو گا اور یہ بھی اس وقت بحث ہوئی کہ یہ آئے گا کہاں سے۔ یہ مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ میرا باپ کوٹھڑی میں سے ایک بیگ نکالے لیے چلا آتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کے سخت تعجب ہوا۔ اے لو یہ روپیہ موجود ہے گیومشلو کا سردار اپنے بیٹے کے لیے گانوں میں سب چیزیں اسی طرح سے مہیا کرے گا کہ جیسے شہر میں لوگ کرتے ہیں۔ پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کے کہنے لگا۔ اے لو پیارے یوسف دس تمن لو اور اپنی بیوی کے کپڑے جا کر خرید لاؤ۔

اس پر میں نے دوزانو ہو کے اس کے ہاتھ چومے اور بہت کچھ اس کے احسانات کا شکریہ ادا کر کے اسے دعائیں دیں۔

میرا چچا میرے باپ کی یہ فیاضی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سرگرمی سے اس نے یہ کہا۔ آؤ میرے پیارے بھتیجے آؤ اور دیکھو میں غریب ہوں۔ گرجا بھی مفلس ہے اور جس قدر اس کے خدام ہیں وہ بھی مفلس ہیں لو یہ بیس روپے ہیں۔ لو اور جا کر اپنی شادی کی چیز بسط خرید لاؤ۔ یہ دیکھ کے اور لوگوں نے بھی مجھے اپنی حیثیت کے موافق کچھ کچھ دیا۔ اب میرے پاس اس قدر ہو گیا کہ مجھے قرض لینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی اور میں نے اپنی تھیلی کو ایسا پر پایا کہ میں اس روپیہ سے اپنی شادی کا پورا پورا سامان کر سکوں۔ اب میں متردد ہوا کہ میں ایراوان جاؤں اور وہاں سے جا کر کپڑے خرید لاؤں کیونکہ سوائے ایراوان کے اور کوئی شہر ہمارے گانوں کے قریب ایسا نہیں تھا کہ جہاں مطلوبہ اشیا دستیاب ہو سکتیں۔ چونکہ میں خرید و فروخت اشیا سے محض نابلد تھا اور خصوصاً عورتوں کے کپڑے خریدنے اور ان کے اچھے برے کی پہچان کرنی تو مجھے آتی ہی نہیں تھی تو پھر یہ امر طے پایا کہ میری ماں میرے ہمراہ خچر پر سوار ہو کر چلے اور میں اس کے ہمراہ پیدل جاؤں۔

ایراوان میں میری ماں کا ایک دوست بھی تھا جس کا ہمیں خیال تھا کہ وہ ہم دونوں کو دو ایک شب اپنے ہاں مہمان رکھے گا۔ اور راہ میں سونے وغیرہ کا یہ بندوست ہو گیا تھا کہ ہم خانہ بدوش لوگوں کے ڈیروں میں چلے جائیں گے جن کے یہ فرائض میں داخل ہے کہ مسافر نوازی کریں۔ غرض خچر پر میری ماں سوار ہوئی اور میں پیدل ہوا تلوار آبدار میرے پہلو میں لٹکی ہوئی۔ بھری ہوئی بندوق میرے کاندھے پر رکھی ہوئی۔ غرض ہم گانوں سے روانہ ہوئے۔

جب ہم ایر ان کی بلندی پر پہنچے تو ہم نے ایک کیمپ لگا ہوا دیکھا کہ سفید ڈیرے صدہا لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈیرہ سردار کا الگ معلوم ہوتا تھا اور یہ ڈیرہ نہایت ہی خوبصورت بنا ہوا تھا۔ ایک سوار جس سے راستہ میں ہماری ملاقات ہوئی اس نے ہمیں اطلاع دی کہ یہاں سردار نے قیام کیا ہے اس کے ساتھ بہت کثرت سے سواروں کا لشکر ہے۔ اور اب یہاں روسی اور جارجیا والوں کی نقل و حرکت کا بہت خیال پھیلا ہوا ہے۔ امید ہے کہ یہ دونوں عنقریب فارس پر حملہ آور ہوں گے۔

اس خبر سے میرے ہوش اڑ گئے اور مجھ پر بہت بڑا ڈر طاری ہوا۔ میری ماں کا ارادہ ہوا کہ گھر واپس پھر جائے اور شادی کو بالائے طاق رکھے۔ یہاں بھلا عشق کی آگ طبیعت میں لگی ہوئی تھی اور چھاتی میں شعلے بلند تھے میں نے اس سے کہا کہ آپ اس قدر گھبرائی کیوں جاتی ہیں ذرا تیزی میں چلیے کچھ بھی نہ ہو گا ابھی واپس پھر کے چلے آئیں گے۔ غرض پہلے ہی دن ہم نے اس قدر راستہ طے کر لیا کہ دور سے ہمیں ایر اوان کا دھوان اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ ہم نے شب تو ایک چٹان کے نیچے طے کی یہاں سے ہمیں عظیم الشان پہاڑ ارارٹ پورا پورا دکھائی دیتا تھا ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ہم بہت جلد اس کا راستہ طے کر لیں گے۔ خانہ بدوش لوگ بہت ہی آگے بڑھ گئے اور ہم ان کی حفاظت میں رہنے اور ان کے ڈیروں میں پناہ گزیں ہونے سے محروم رہے۔

چونکہ ہم رات کے آرام لینے سے تازہ دم ہو گئے تھے ہم نے علی الصباح اپنا سفر شروع کیا اور بحفاظت تمام ایر اوان پہنچ گئے۔

میری ماں کی بہنیلی نے ہماری بہت آؤ بھگت کی اور نہایت ہی مہربانی سے پیش آئی وہ دونوں مل کر بازار میں شادی کے کپڑے خریدنے کے لیے گئیں میں اس وقت ادھر ادھر گشت لگاتا پھرا اور ہر شے کو بغور دیکھتا رہا اور جو لوگ کہ بازاروں میں ایک جگہ جمع ہو کر ادھر ادھر گپیں شپیں ہانکتے اڑاتے تھے ان کو بھی خوب سنا۔

بہت سے لوگ تو سردار کے معاملے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے دشمن کے مقابل میں یہ یہ تیاریاں کی ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ بہت جلد کچھ نقل و حرکت ظہور پذیر ہو گی۔ اور عجیب و غریب فطرت کا حملہ ہو گا۔ اس لیے کہ اب کے بارود گولے کا سامان بہت ہے اور اب کے وہ آلہء حرب تیار ہوئے ہیں کہ پہلے فارس میں کبھی دکھائی بھی نہ دیے تھے۔ میں تو خود اپنی شادی کی خوشی اور اس کے کاموں میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ ان خبروں سے مجھے دلچسپی ہی نہ ہوتی تھی۔ یہ تھا کہ اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ گر جاؤں کے

سردار کے ذریعہ سے ہم سردار کو اپنی پناہ بنائیں اس لیے کہ معرکہ ءجنگ میں ہمارے گاؤں اور اس کی حدود کو تکلیف نہ پہنچے۔ مگر اس کو ایک زمانہ چاہیے تھا یہاں ایک ایک لمحہ بھی دشواری سے کٹتا تھا میں نے یہ ارادہ کیا کہ اب تو اس خیال کو موقوف رکھو پھر کبھی دیکھا جائے گا صرف میں نے اپنی شمشیر آبدار اور بندوق پر بھروسہ کیا جو تمام حملہ آوروں سے مجھے پناہ دے گی۔

جس سڑک سے ہم آئے تھے میں اور میری ماں اسی راستہ سے واپس پھرے۔ مگر زیادہ تیز خچر کو اب نہیں ہنکایا کیونکہ کپڑوں اور اسباب وغیرہ کا اس پر وزن بہت ہو گیا تھا دوسرے میرے ہتھیار بھی اس پر لدے ہوئے تھے۔ میرے پاس اسباب جدا تھا۔ سردار کا کمپ ابھی تک اسی مقام پر خیمہ زن تھا۔ ہم بغیر کسی روک ٹوک اور مزاحمت کے بے خرخشہ چلے آئے کوئی واقعہ یا سانحہ ہم پر نہیں گذرا یہاں تک کہ ہم اس بلند زمین پر پہنچے جہاں سے ہمارا پیارا وطن گیومشلو معلوم ہونے لگا۔

پہلے ایک ڈیرے کا نظارہ میری ماں کو کھٹکا۔

میری ماں۔یوسف دیکھو یہ کیا معاملہ ہے۔

میں۔(میرے دماغ میں سوا اس کے اور کیا خیال تھا کہ میری شادی کا سامان ہو رہا ہے)ہاں ہاں میں دیکھ رہا ہوں شاید وہ لوگ ہماری ضیافت کا سامان کر رہے ہیں۔

میری ماں۔ میرا خاوند اور تیری مہمانداری و ضیافت کا سامان کرے یہ تیری تیز فہمی اور زیرکی کا تقاضا ہے۔ آیا روسی یا ایرانی وہاں آدھمکے ہیں۔ چونکہ ہم عیسائی ہیں اس لیے ہمیں بہت ہی خوف ہے اور ہمارے لیے یہ بہت ہی برا ہے۔

ہم اپنے رہنے کی جگہ کی طرف بہت ہی تردد اور تشویش میں روانہ ہوئے۔ اور جب نزدیک پہنچے تو معلوم ہوا کہ میری ماں ہی سچ کہتی تھی اور اس نے ٹھیک پہچانا تھا روسی چھوٹے سے دستہ نے گانؤں کا تصرف کر لیا تھا۔ اس دستہ کی کمان جس میں پچاس آدمی تھے پنجاہ باشی (یا افسر پچاس سپاہیان) کے ہاتھ میں تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ فوج نے اس گانؤں کو گویا اپنے حملہ کرنے کا مقام بنایا تھا تاکہ یہ یہاں سے ایک دن کی دوری پر حملہ آور ہوں۔ ہمارے گانؤں کا ہر ایک مکان مجبوراً سپاہیوں کے رہنے کو دے دیا گیا تھا اور ہر ایک میں کئی کئی آدمی بھرے ہوئے تھے۔ اور خاص ہمارے مکان میں کپتان فوج کا ڈنڈا ڈیرہ موجود تھا۔

اب آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ اس وقت ہماری گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا عالم ہو گا جب ہم نے یہ نیا شگوفہ یہاں کھلا ہوا دیکھا اور خصوصاً میں کیسا کمبخت تھا کہ میری شادی بھی ایسے موقع پر قرار پائی جب ہم پر بربادی چھارہی تھی اور امن کی ناؤ ادھر ادھر گردش میں ڈانو اڈول تھی۔ اس خیال نے مجھے کچھ ایسا مغلوب کیا اور اس طرح سے دہلا دیا کہ میں نے اس امر میں جلدی کی کہ میں شتابی سے اپنے دوستوں کو گیگلو میں لے کر چل کر اس امر کی خبر کروں شاید وہ میری کچھ ڈھارس بندھا سکیں۔ کیونکہ ان کا گانؤں حملہ آوروں کے نقش پا اور پگڈنڈی سے اس قدر دور تھا کہ اب تک فوج نے ان کو اپنا نحس چہرہ نہ دکھایا تھا۔ لیکن جب انھوں نے یہ سنا کہ ہم پر کیا گذری انھوں نے فوراً آکر ہمارے درد کا حصہ کیا۔

میں نے مریم فطرت کے پیارے بچہ کو دیکھا۔ ہمارے ملک کی رسمیں ہمیں اجازت نہیں دیتی تھیں کہ ہم کچھ کھلم کھلا بیان کریں۔ لیکن محبت ہمیشہ ہر موقع پر بارآور ہوتی ہے۔ ہم نے باہم دینی عہد و پیمان کیا اور یہ سخت قسم کھائی کہ چاہے جو کچھ ہو ہم کبھی جدا نہ ہوں گے اور ہمیشہ ہم میں اتحادی اور وصالی سلسلہ جاری رہے گا۔

میری اس کی باہم اکثر ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اب میں اپنے جوش میں صرف اس ناامیدی پر کہ اب شادی نہیں ہو سکے گی مجنون بن گیا۔ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ ابھی بہت کچھ بلا نازل ہونے والی ہے۔ لشکر دن بدن چلے آتے تھے پھر بھلا اس صورت میں ہم کیا خاک اور کس دن اپنی شادی کی خوشی منا سکتے ہیں یہ سب کچھ تھا لیکن میری طبیعت میں وصل کی آگ بھڑک رہی تھی جس سے صبر و شکیبائی پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی۔ ناچار میں نے پھر بھی صبر کیا لیکن اس کو میں پوری طرح سے نہ روک سکا۔

ہمارے ایراوان کے پاس ہونے کے بعد پندرہ روز بھی گذر گئے لیکن کچھ نہ ہوا۔ ہم نے اپنے مہمان روسیوں کی بہت خاطر داری کی تھی کیونکہ روسی ایرانیوں کی نسبت بہت ہی بے شر تھے اور ہر گز کسی کو مضرت نہ پہنچاتے تھے اس لیے ہم میں اور ان میں باہم بہت ہی گاڑھی دوستی ہو گئی۔ ہماری طرح سے وہ بھی عیسائی تھے۔ ان کے ہاں بھی صلیب کا نشان تھا۔ ہمارے گرجا میں وہ عبادت کرتے تھے۔ سور کھاتے تھے اور شراب پیتے تھے۔ ان سب مساوی اور یکساں حالتوں نے باہم ہم میں اور روسیوں میں بہت ہی اتحاد پیدا کر دیا اور وہ ہم سے ہمدردی کرنے لگے۔ ان کا کپتان بہت ہی زبردست اور نوجوان شخص تھا۔ اس نے ہمارا ہر طرح سے اطمینان کیا۔ وہ اپنی فوج کی پورے طور سے نگہبانی کرتا تھا ممکن ہے کہ بغیر اس کی مرضی کے وہ کچھ کر سکتی اور وہ خود بھی خدا کی مخلوق

میں بہت ہی متقی اور پرہیز گار تھا۔ اس نے جب سنا کہ یہاں شادی ہونے کو تھی اور صرف ہمارے سبب سے رک گئی تو اسے بہت ہی فکر ہوئی اور اس نے جہاں تک اس سے ہو سکا ہر طرح انھیں اطمینان دلایا کہ جس چیز کی آپ کی خواہش ہو وہ آپ شوق سے ہمیں کہیں ہم اس کا بخوبی سر انجام کریں گے۔ اس سے بہت ہی اطمینان اور فرحت ہمارے ہاں پھیل گئی اور خصوصاً میری شادی کے بارے میں لوگوں کا اور بھی خیال رجوع ہوا گویا اس ارادے میں جان پڑ گئی کہ کپتان کو جب اس کا پورا پورا علم ہو گیا کہ میری شادی ہو گی تو مجھ سے اس نے کہا کہ میں تیرا ہمیشہ کا دوست بنتا ہوں اور اس نے کہا کہ اس وقت یہ تقریب کیوں نہیں ظہور پذیر ہو۔ کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے اس کو معطل رکھا جائے ہم یہاں تمھاری محافظت کے لیے موجود ہیں اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا اس کو ہم یہیں مہیا کر دیں گے۔ ایرانی کبھی نہیں بڑھ سکتے کیونکہ طفلس سے ہماری فوج کی مدد آ جائے گی اور جب تک وہ بڑھیں یہاں مدد موجود ہو جائے گی۔ اس لیے تمھاری تقریب کے انجام ہونے کے لیے کافی وقت موجود ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہمارے ہونے سے اور بھی زیادہ شان و شوکت اور جلوس بڑھ جائے گا۔

اس کے علاوہ اس نے یہ بھی اقرار کیا کہ میں دلھن کو چار جیئن سنہری لیس بھی چڑھاوے میں چڑھاؤں گا۔ اور اس موقع کے لیے دولھا کو سواری کے لیے اپنا گھوڑا بھی دے دوں گا۔ اس کپتان نے اس قدر کہا کہ آخر مجھے دلھن کے رشتہ داروں کو شادی کا دن ٹھہرانے کے لیے راضی کرنا پڑا۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بھلا کوئی شخص دوسرے کے معاملے میں اس قدر زور دیتا ہے۔ اور بھلا کسی کو بھی پرائی شادی سے اس قدر دلچسپی ہوتی ہے جو اس کپتان نے ظاہر کی ہے بس اس سے میری طبیعت صاف کھٹک گئی کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ اور صرف اس کو یہ رشک پیدا ہوا ہے۔ مگر کپتان اس قدر بدصورت۔ اتنا بھونڈے اپنے سے بدصورت تھا کہ گویا ہمارا خوبصورتی میں بالکل ضد تھا تو اس لیے مجھے یہ خیال مطلق نہیں رہا تھا کہ مریم اس پر ریجھ جائے گی۔ کیونکہ اگر مریم اسے دیکھے گی تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ آدمی کیا ہے بندر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا چہرہ تو بالکل چربی کی طرح سے سفید چمڑے کا تھا۔ اس کے سر پر بال تھے اور وہ ایسے تھے کہ جیسے خارپشت کی پیٹھ پر کانٹے ہوتے ہیں۔ ان بالوں میں نا ملائم اور کرخت پیچ پیچ میں لکیریں ہو رہی تھیں۔ اور ان کی ہیئت بالکل پھوس کی سی تھی۔ اس کی گول گول آنکھیں جن میں گڑھے پڑے ہوئے تھے اور ڈھیلے اندر کو گھسے

ہوئے کیا ہی کریہہ معلوم ہوتے تھے۔ یہ آنکھیں رخساروں کی چھوٹی چھوٹی اٹھی ہوئی بیڈول ہڈیوں کے پیچھے واقع تھیں۔ اس کی ناک کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے ایک گوشت کا لوتھڑا رکھ دیا ہو۔ اس کے نیچے دو سوراخ تھے جو موریاں معلوم ہوتی تھیں اس کی ٹھوڑی شیشہ کی طرح صاف اور شفاف تھی جس نے بالوں کی بہت ہی چھوٹی صورت نہیں ظاہر کی تھی۔ دو ہونٹ تھے یا خدا کا قہر تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمالیہ کے دو ٹکڑے کر کے کسی نے اوپر نیچے چپکا دیے ہیں۔ کل ہیئت ایسی چکنی اور چمکتی تھی کہ جیسے اس کے پیر کے بونٹ وارنش سے چمک رہے تھے۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر مریم عاشق ہوتی تو اس سے اس ایرانی پر ہو جاتی اور جب اس پر نہیں ہوئی تو اس بد ہیئت اور کریہہ منظر پر کیا ہو گی۔ اور جب وہ میرے حسن اور میری جوانی اور رعنائی کا اس سے مقابلہ کرے گی تو بس ظاہر ہے کہ میں نے اپنے رقیب پر فتح حاصل کرلی۔ اور اس کو ایک طرف بٹھا دیا۔

اب یہ ٹھہر گیا کہ میرا نکاح ہوئے۔ نکاح ہونے کے دن سے ایک شام پہلے سب کپڑے اور دوسری اشیا خوانوں میں لگائی گئیں اور ان خوانوں کو آدمیوں کے سروں پر رکھ کے گانے بجانے والوں کی ہمراہی میں دلھن کے مکان پر بھیجا۔ وہی باجا گاجا تھا جو گانوں میں مل سکتا تھا۔ ہمارے بینڈ میں ایک تو شہنائی بجاتا تھا۔ اور ایک طنبور پر تھاپ مارتا تھا اور دو آدمی گانے والے تھے یہ گویا ایک شان و شوکت کا نشان قرار دیا گیا ہے کہ برات کے ساتھ گاجا باجا بھی ہو۔ ہمارے روسی دوستوں نے ہمیں اپنا ڈھول بھی دے دیا تھا۔ اس کے بجنے سے جس کو ہمارا ایک گوالیے کا لونڈا بجاتا تھا تمام ملک میں اس کی آواز سے بہت ہی اثر پڑتا تھا۔ چونکہ یہ رسم ہوتی ہے کہ پہلے دلھن کے ہاں سے دولھا کو جو کچھ ملنا ہو مل لے اس لیے دولھا کو کچھ دیر کے بعد چڑھاوا چڑھانا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ مجھے دلھن کے ہاں سے ایک جوڑا پستول کا ملا جو کوہ قاف کی ساخت کا تھا۔ اور یہ جوڑا پستول کا دلھن کے چچا کا تھا جو اس نے اپنی پیاری بھتیجی کی طرف سے مجھے دیا تھا۔ دلھن کا چچا پہلے جارجیا کی فورج میں ملازم تھا اس وقت روسیوں نے جارجیا فتح نہیں کیا تھا۔

دوسرے دن یعنی وہ دن جو میری دلی آرزوؤں کے بر آنے کا تھا میں اور میرے سب کنبے والے صبح ہی سے اٹھے۔ موسم گو ساکت تھا لیکن گرم تھا۔ پہلے کئی دن آگے یہاں سخت طوفان برپا تھا اور ہر وقت آسمان پر بادلوں کا ہجوم ہی رہتا تھا۔ لیکن فطرت موسم شب کو ترشح ہونے سے بہت ہی تر و تازہ اور سرسبز ہو گئی تھی۔ میرے دوست

کپتان نے مجھے سواری کے لیے اپنا گھوڑا عنایت کیا۔ جس کو میں نے جہاں تک ہو سکا خوب گہنا پاتا پہنایا جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوتا ہے۔ میں نے خود بھی سر سے پاؤں تک نئے کپڑے پہنے اور پھر رپہلی کام کیے ہوئے کمر بند باندھے ان میں سینگڑے اور توسدان ڈالے۔ پیش قبض کمر میں گھڑ سا۔ اسی طرح سے اور بہت سی چیزیں مناسب موقع کی زیب تن کیں اور یہ سب چیزیں جن سے میری پوری زیب و زینت ہو گئی تھی میرے ایک دوست جارجین نے مجھے عاریتاً دی تھیں جو ملازم روس تھا۔ مجھ سے لوگوں نے بھی کہا اور مجھے خود بھی یقین تھا کہ میں نہایت ہی حسین جوان رعنا خوبصورت معلوم ہوتا ہوں اب میں مع اپنے رشتہ داروں کپتان اور اس کے بہت سے سپاہیوں سے جن سے خوب بھیڑ ہو گئی تھی گیکلو روانہ ہوا۔

جب ہم اس کے قریب پہنچے تو ہم نے اپنے جلوس کو یوں ترتیب دیا کہ آگے گانے والوں قرنا پھوکنے والوں اور ڈھول بجانے والوں کو کیا۔ اور ہم سب ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے میں اپنی دلھن کے مکان پر اترا۔ جہاں ہر قسم کی آسائشیں ہمارے لیے موجود تھیں۔ اور چاروں طرف سے سلامتی اور مبارکبادی کا مینہ برس رہا تھا۔ اور جب گیومشلو واپس ہونے کے لیے ہر شے وہاں تیار تھی اور جہاں میرے چچا نے ساری تیاری کر رکھی تھی ہم پھر سوار ہوئے میری دلھن کے سر سے پاؤں تک ایک قرمزی نقاب پڑی ہوئی تھی۔ سر پر ایک تاج نما ٹوپی رکھی ہوئی تھی جس پر یہ نقاب آویزاں تھی پیاری اپنے باپ کے گھوڑے پر سوار تھی اور اپنے بھائیوں کی جانب رواں تھی۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ ایک پٹکا یا پیٹی دولھا دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے اور اسی پٹکے کو دلھن دوسری جانب سے پکڑتی ہے اور پھر اس طرح سے دولھا دلھن گرجاگھر میں جاتے ہیں چنانچہ ہم نے بھی اس رسم کو ادا کیا۔ اس جلوس میں سب ہمارے دوست سب ہمارے رشتہ دار گانوں کے سارے نوجوان بچے بعض پاپیادہ بعض گدھوں پر اور بعض گھوڑوں پر سوار شریک تھے۔ یہ سب لوگ سارے راستہ واہ واہ کرتے ہوئے خوشی کی آوازیں بلند کرتے ہوئے۔ مسخراپن۔ مذاق۔ چھیڑ چھاڑ غرض ہر طرح سے خوشی ظاہر کرتے ہوئے چلے۔ جب ہم آخر کار کچھ اٹھے اور ذرا اونچی زمین پر پہنچے تو جلوس ٹھہر گیا۔ اب یہاں ایک شخص کو موم بتی دی گئی جو فی الحال روشن کر لی گئی تھی۔ سب سے آگے میرا چچا تھا جس کے ساتھ میرا دوسرا چچا تین گرجاؤں کا پادری بھی شریک تھا۔ یہ دونوں مل کر بھجن یا سرود عارفانہ بہت خوش آوازی سے اس تمام جلوس میں بہ آواز بلند الاپ رہے تھے۔ کپتان نے پہلے

ہی اپنی فوج کے آدمیوں کو خوب زرق برق بنا دیا تھا۔ جو اس جلوس میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ گرجا تک گئے تھے۔

ہم آخر گرجا کے دروازے کے پاس جاکے اترے۔ میں اور دلھن پٹکے کو پکڑے ہوئے قربان گاہ یا مذبح کے نیچے پہنچے۔ یہ مقام ہماری عاجزانہ حیثیت کے موافق بلکہ اس سے کہیں اور بھی زیادہ پھولوں۔ ریشمی فیتوں اور آئینوں سے سجا ہوا تھا۔ مجھے اور مریم کو آمنے سامنے بٹھایا۔ انجیل مقدس کھولی گئی اور ہم دونوں کے سر پر رکھی گئی اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے بیٹھے تھے۔ پھر پادری نے مجھ سے پوچھا۔ تم نے مریم کو اپنی زوجیت میں قبول کیا میں نے گردن ہلا دی کہ ہاں قبول ہے۔ پھر مریم سے دریافت کیا تم نے یوسف کو اپنا شوہر بنایا اس نے بھی گردن ہلا دی کہ ہاں۔ جب یہ بھی ختم ہو گیا تو پھر شیریں اور مقدس آیتیں انجیل پاک کی پڑھی گئیں۔ اس کے بعد یہ تقریب نکاح ختم ہو گئی۔ پھر جو گانا بجانا۔ بھنوروں پر دھپ پڑنی اور بانسری بجنی شروع ہوئی ہے بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سر پر اٹھالیا ہے۔ ہر شخص خوشی کے گیت گاتا تھا۔

در و دیوار سے ظاہر تھے خوشی کے سامان ذرہ ذرہ تھا وہ سرمست شراب عشرت

ویڈنگ روم بنا جس سے تھا گوشہ گوشہ دل لبھاتی تھی ہر ایک شوخ پا کی حرکت

سرسرائی تھی خوشی میں وہ نسیم شادی مسکرانے لگے غنچے بھی عجب ہے حیرت

بچے قلقاریاں پھرتے تھے لگاتے ہر سو

جس کو دیکھو لیے آتا تھا نوید بہجت

دن کی روشنی اس وقت بالکل ناپید ہو گئی تھی۔ آسمان پر ایک طوفان عظیم برپا تھا چرخ ناہموار پر اندھیارے کی گھٹا ٹوپ چادر چھا گئی تھی۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے مینہ صاحب بھی تشریف لے آئے تھے۔ اس نکاح کی تقریب اور گانے بجانے کے ختم ہونے کے بعد سب کی دعوت کی گئی اور بہت خاطر داری سے ساری مجلس کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد ہمارے مہمان چلے گئے۔ اب وہ نیک ساعت میرے لیے آئی جو مجھے بہت ہی خرم و شادمان کرے گی۔ اور میں گلہائے خرمی اپنے دامن مراد میں چنوں گا۔

کیا اے صاحب میں بس یہیں اپنی رام کہانی کو ختم کروں اور رات کو جو کچھ خوف اور مصیبت واقع ہوئی اس کو بیان نہ کروں۔ یا ان کو چھوڑ کر اور جو کچھ بیتی ہے وہ بیان کروں۔ ڈر ہے کہ زیادہ طول سے آپ کی سمع خراشی نہ ہو۔

آپ میری پیاری دلھن کو صبح کے ستارے کی طرح پیاری اور فرشتہ کے مانند بے گناہ اور ہر جرم سے پاک خیال کریں جس کا مجھے کس صدق دلی سے عشق تھا اور یہ تو امر آپ بخوبی خیال کر سکتے ہیں کہ اس وقت مجھے کیا خوشی ہو گی اور میرا غنچہ ءدل جس میں سوائے اس کی بو کے دوسرے کی محبت کی خوشبو نہیں سمائی تھی کس شادابی اور تروتازگی سے کھلا ہوا تھا جس کی وصل کی امید کے سب رشتے منقطع ہو چکے تھے اور یہ ہرگز امید نہ تھی کہ میں پھر اس کے روشن چہرے سے اپنا کاشانہ ءدل منور کروں گا۔ اور پھر مجھے وہ نصیب ہو گیا۔ تو اب اس سے زیادہ میری زندگی کا روشن زمانہ کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن چونکہ مجھے یہ منظور ہے کہ میں جو کچھ یہاں اب بیان کرنے کو ہوں اس کی پوست کندہ حالت سے آپ کو اطلاع دوں اس لیے آپ اس امر کو بخوبی سمجھ لیں کہ جارجیا اور آرمینیا کے گانوں زیادہ تر زمین کے نیچے بنے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی مسافر یہاں آئے تو گو وہ مکانوں کی چھت پر کھڑا ہو گا لیکن اسے یہ معلوم ہو گا کہ میں کف دست میدان میں کھڑا ہوا ہوں جس کے بہت سے حصے سوراخ اور درازوں سے روشن معلوم ہوں گے۔ جس میں کہ میرا کنبہ رہتا تھا یہ بھی اسی قسم کا مکان بنا ہوا تھا۔ اور جہاں میرا نکاح ہوا تھا وہ بھی اسی صفت سے موصوف تھا۔ میرے کمرے میں اس قسم کے سوراخ میں سے ایک سوراخ تھا جو اس موقع پر بند کر دیا گیا تھا اور ایک دروازہ ہوا کے رخ کی طرف کھول دیا گیا تھا۔

آرمینیا والوں میں یہ رسم ہے کہ پہلے دولھا جا کر گوشہ نشینی اختیار کرے اور اس کمرہ میں بیٹھے اس وقت اس کے جوتے اور جرابیں اس کی دلھن اٹھا کے لے جائے اور پیشتر اس کے کہ دلھن اپنی نقاب منور چہرے سے اٹھائے۔ پہلے وہ چراغ یا شمع کو گل کر دیتی ہے۔ اب طوفان عظیم برپا ہوا۔ گرج اور گڑگڑاہٹ ہمارے سروں پر قلابازیاں کھا رہی تھی۔ بجلی ماہی بے آب کی طرح کوندرہی تھی جس کی چمک لحہ بلمحہ معلوم ہوتی۔ اور نہایت ہی زور شور سے دہشتناک آوازوں کے ساتھ مینہ برس رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ عنصر میں بہت ہی کھلا بلی اور اضطرابی پھیل رہی تھی اس وقت میری پیاری مریم نے اپنے روشن چہرے سے نقاب اٹھا کے چراغ گل کر دیا۔ دلھن نیچے لیٹی ہی تھی کہ ہم نے ایک غضبناک آواز سوراخ کی طرف سنی جو بالکل غیر معمولی تھی گڑگڑاہٹ کے ساتھ آدمیوں کا شوروغل بھی شامل ہو گیا تھا گھوڑوں کا دہشتناکی سے ہنہنانا بھی برابر سنائی دیتا تھا۔ یکا یک اسی کشمکش میں ہم نے یہ

آواز سنی کہ کوئی وزنی شے ہمارے بستر کے قریب ہی گری ہے۔ اور جس میں سے چمک اور گندھک کی بو آتی ہے۔

میں گھبرا کے بولا کہ یہ گولا ہے۔ اے خداوند تعالیٰ تو ہمیں اس سے محفوظ رکھیو۔ میری روح یہ دیکھتے ہی پرواز کر گئی مگر شکراً اللہ کہ میری بیوی بچ گئی۔ مریم نقاب اٹھا کر چاہتی تھی کہ دروازے کے باہر نکلے۔ اتنے میں اسی کمرے میں ایک ایسی زور کی آواز آئی کہ جیسے کوئی چیز پھٹتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ میں اس رجیم اور درشت آفت کی نذر ہو چکا۔ میں ان گرے ہوئے پتھروں اور اسباب کے اوپر بے ہوش گر پڑا۔ "رہی اپنی سدھ بدھ نہ اصلاً کسی کی۔"

روشنی کی بھڑک اور چمکارے گندھک کی بو کے ساتھ آنے لگے۔

میں کچھ وقت تک یوں ہی بے خبر پڑا رہا مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا اور پھر کیا گذری جب مجھے ذرا ہوش آیا اور میں نے دیکھا کہ میں اب تک بالکل محفوظ ہوں اور میرے کسی عضور پر کچھ ضرب نہیں آئی اور میں چل بھی سکتا ہوں اب میں خیال کرنے لگا کہ میں کیونکر اس بلائے بے درماں سے نجات پاؤں۔ شادی اور نکاح تو اس وقت خواب و خیال ہو گیا یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں نے خواب دیکھا ہے۔ جو کچھ اس وقت مجھے سنائی دیتا تھا سوائے بادلوں کی گڑگڑاہٹ بجلی کی کڑک اور لوگوں کے شوغل واویلا اور بکا کے کچھ نہ تھا۔ ہر طرف سے یہی صدائیں زور زور سے کانوں میں آرہی تھیں۔ اور یہ نالہ و بکا کی آوازیں ان لوگوں کی تھیں جو اس آفت ناگہانی۔ قہر الٰہی بلائے بے درمان سے مجروح ہو گئے تھے۔ اپنے زخموں کی تکلیف میں شور مچاتے تھے۔ یا وہ لوگ تھے جو دوسروں کی تیغ بر اں کے شکار ہو گئے تھے گھوڑوں کا زور زور سے ہنہنانا اور ہتھیاروں کی کھچاکھچ کی آوازوں نے کان کر دیے تھے میں کہتا تھا کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ میں ابھی وہیں پڑا ہوا تھا کہ اتنے میں میرے کان میں ایک عورت کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں نے آواز سنتے ہی یہ کہا کہ کیا یہ مریم ہے کہاں ہے۔ کہاں ہے۔ میں اسے تو دیکھوں گا۔ میں اٹھا۔ جس قدر وزن پتھروں وغیرہ کا پڑا ہوا تھا ان کو بہت آہستگی میں میں نے اوپر سے سرکایا اور ایک ٹانگ سے لنگڑاتا ہوا میں آگے کی طرف پیاری دلھن کو تلاش کرنے کے لیے بڑھا۔ اس وقت مجھے جو کچھ خوفناک نظارہ معلوم ہوا وہ ایسا نہیں ہے کہ معرض بیان میں آسکے یا زبان اسکے مطلب کو صاف صاف ادا کر سکے میں نے اپنے پاس ایک

ایرانی کو دیکھا کہ تلوار سوتے ہوئے ہے اور ایک سر کٹا ہوا اس کے ہاتھ میں ہے اور اس سر میں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔

رات کی اندھیاری اور سیاہی میں جب کبھی یکایک چمکارا ہو جاتا تھا تو کچھ دکھائی دینے لگتا تھا۔ جونہی ایک دفعہ چمکارا ہوا تو میں نے دیکھا کہ بہت ہی ہیبتناک غم کا واقعہ ہوا ہے بس اچھی طرح سے نہ دیکھنے پایا تھا کہ پھر وہی گھپ گھاپ اندھیرا ہو گیا دوسرا چمکارا جو پھر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایرانیوں نے جن کے ہاتھوں میں شمشیر ہائے برہنہ آویزاں تھیں بے بس روسیوں پر شبخون مارا ہے۔ ان کو بستروں پر سے گھسیٹ گھسیٹ لیا ہے اور ان کو قتل کر ڈالا۔ گانوں والے بیچارے بے انتہا گھبراہٹ اور اضطرابی میں اپنے مکانوں میں سے بھاگ بھاگ گئے تھے۔ اس کے بعد بہت زور کی گڑگڑاہٹ ہوئی جس نے ہر شے کو پراگندہ کر دیا۔ حسین خان سردار نے آرمینیوں کے گانوں پر حملہ کیا تھا اور سوراخوں اور موکھوں میں سے بم کے گولے برسائے تھے۔ گانوں کے مویشی اپنی پناہ کی جگہ میں سے گھبرا گھبرا کے باہر جنگل میں نکل گئے تھے اور انھیں بھی اس ہیبت اور خوف کا حصہ ملا تھا۔ غرض اب میں کہاں تک بیان کروں کہ کیا نوبت تھی اور کیا آفت برپا تھی۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میرا بال تک بیکا نہ ہوا اور مجھ پر خداوند تعالیٰ کا ہاتھ پھیلا رہا جس نے مجھے اس قہر آلود موقع سے بچایا۔

اب میں سٹ پٹایا کہ اپنی بیوی کو کہاں جاؤں اور کہاں ڈھونڈھوں۔ اس کے چیخنے کی آوازیں تو میرے کان میں آتی تھیں اور وہ دردناک چلانا اور الم آلود واویلا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مریم کو کوئی ضرب ایسی پہنچی ہے جس سے وہ جان بلب ہے اور عنقریب مر جائے گی۔

اب میں نے اپنا راستہ نعشوں میں ہو کر کیا۔ دیوانہ وار مجنونانہ شدت غضب میں میں نے قدم اٹھایا۔ یہاں سے میں گانوں کے دامن میں پہنچا کہ اپنی دلربا کی آواز سنوں کہ کہاں سے چیختی ہے۔ جب میں وہاں پہنچا اور ایک دفعہ پھر بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ دو ایرانی سوار جا رہے ہیں ایک کے پیچھے گھوڑے پر ایک عورت سفید نقاب پوش بیٹھی ہے۔ میں نے جان لیا کہ ہو نہ ہو یہ میری بیوی ہے میں نے بہت تیزی میں جیسے پہاڑی بکرا پہاڑ پر چڑھتا ہے ان کا تعاقب کیا۔ جب طوفان ٹھہر جاتا تو پھر بجلی نہ چمکتی اور پھر اس گھپ گھاپ اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ سجھائی دیتا تھا ٹپے ٹوئیاں مارنے لگتا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا ہوں مگر یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کس طرف جاؤں اور کس رخ قدم اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں قریب قریب میں برہنہ سر ہی تھا جو ضرب آئی تھی وہ جدا تھی۔ چونکہ

میرے پیر پہاڑں پر برہنہ چلنے کے بالکل عادی نہ تھے تو وہ تمام پارہ پارہ ہو گئے تھے بھلا ایسی حالت میں مجھ سے تعاقب کیا خاک ہو سکتا تھا۔ اب میری طبیعت کا وہ حال ہوا کہ توبہ ہے۔ مایوسی نے چاروں طرف سے آ کے گھیر لیا تھا غم والم بہت دیر سے میرے جلیس وانیس بن گئے تھے شکستہ خاطری میری ہمرکاب تھی۔ ناامیدی نے جان و دل پر اپنا قبضہ پہلے ہی سے کر لیا تھا۔ غرض یہ چیزیں اس طرح سے محیط ہو گئی تھیں جس سے میرے اوسان اصلاً بجا نہیں رہے تھے۔ آخر میں نے اپنے کو جب تک کہ آفتاب اپنا جگمگاتا ہو تاج بن کر نہ نکلا اور اس کے روشن تاج کی کرنیں میری آنکھوں میں چکا چوند کرتی ہوئی ادھر ادھر نہ پڑنے لگیں میں وہاں سے نہ اٹھا۔ اور جب تک مجھ میں یہ ہوش نہیں آیا کہ میں کہاں پڑا ہوں۔ ”کہاں تھا کہاں آ گیا اب کدھر ہوں۔“ اصلاً خبر نہ ہوا۔

میں نے اپنے کو مخاطب بنا کر آپ کہا کہ کیا واقعہ ہوا میں کہاں پڑا ہوا ہوں اور یہاں کیونکر آ گیا۔ آیا شب کو دوسرے عالم کے دیو وعفریت مست یا شری جنوں نے آ کے ستم برپا کیا تھا یہ معاملہ ہی کیا ہو۔

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے

میں نے دیکھا کہ مبارک اور پر شوکت گروہ صفا اور بے بادل پر بلند ہو رہا ہے جس نے فطرت کے مزاج کو ساکن اور معتدل بنا دیا۔ جس سے صبح کی تازگی نمودار ہوئی۔ پرندوں کا گیت سنائی دیا۔ مویشیوں کے باڑہ سے ان کا ممیانا نکلنے لگا۔ میرے سامنے کے مربیانہ گانؤں میں بلکل سناٹا معلوم ہوا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس وقت سے مہیب اور دہشتناک صورتیں جو میرے دماغ میں سرگرداں ہیں شاید یہ اس مردہ خیال کا اثر ہے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس علیٰحدہ جگہ میں اس پیارے اور بہت پیارے آسمان کے نیچے۔ نیچر کی ان فیاضانہ بخششوں کے سایہ ءعاطفت میں میں آدمیوں کو اپنے بھائی مخلوق کو قتل کرتا ہوا گانؤں میں آگ لگاتا ہوا۔ نعشوں کو کچلتا ہوا اور پارہ پارہ کرتا ہوا۔ سروں کو اتارتا ہوا دیکھ سکتا اور بے رحم قتل کرنے کے تصور میں کیا میں اپنی پیاری بیوی اپنی بے گناہ دلھن سے محروم کیا جاؤں گا اب ایک واقعہ پھر جو کچھ واقعہ ہوا تھا اس کی تصویر میری آنکھوں کے آگے پھر گئی گو پہلے میری چشمان سیاہ سے آنسو نہیں گرے تھے لیکن اس لمحہ ٹپ ٹپ ٹپکنے لگے۔ ان سے میرے بھڑکتے ہوئے دل اور مشتعل چھاتی کی کچھ بھڑاس نکل گئی۔ میں اٹھا اور آہستہ آہستہ گانوں کی طرف چلا۔ سب سکوت میں چپ چاپ تھے کچھ دھواں ادھر ادھر اٹھتا ہوا معلوم ہوتا تھا کنارے پر آوارہ اور اپنے باڑے سے

گمشدہ مویشی چر رہے تھے۔ پردیسی بیچارے گھوڑوں پر جارہے تھے۔ اور کمبخت گائوں والے جن پر یہ قہر خدا نازل ہوا تھا حد سے زیادہ پراگندہ خاطر تھے اور جو کچھ ان پر اور ان کے خانماں پر اچانک آفت اور مصیبت آپڑی تھی اس سے بہت ہی مشکل سے ہوشیار ہوئے تھے۔ اور وہ اب تک ناواقف تھے کہ آخر اس بلائے جانستان کا نتیجہ کیا ہوا۔ میری آپ پوچھیں تو میں نے اپنی آنکھوں سے اس وبال کو ملاحظہ کیا تھا مجھے تو ہر ایک شخص بدقسمتی کا رفیق معلوم ہوتا تھا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ تو اپنے رشتہ داروں کو جو سب راہ فنا میں گامزن ہو گئے ہوں گے چل کے دیکھ اور ان مکانوں کا ٹوٹل ملاحظہ کر جو شب کو منہدم ہو گئے ہیں اور تو اس امر کا بھی معائنہ کر کہ تو اس دنیا میں تن تنہا رہ گیا۔ نہ تیری غمگسار بیوی رہی۔ نہ آرام کرنے کو گھر بچا۔ نہ شفقت کرنے والدین رہے نہ ڈھارس بندھوانے والے دوست زندہ بچے۔ لیکن نہیں یہ بات تو نہیں ہوئی گو خیال نے دماغ میں ایسی بلند پروازی کرنی شروع کی تھی اور اپنے قدم ایسے جمائے تھے کہ توبہ مگر اول جس کو میں نے گائوں میں داخل ہوتے دیکھا وہ میری پیاری مظلوم ماں تھی مجھے دیکھتے ہی جس قدر تکالیف اور مصائب اس پر پڑے تھے اسے پھر از سر نو یاد آ گئے۔ اس نے دوڑ کر مجھے گلے سے لگالیا اور زار و نزار رونے لگی۔ جب وہ بہت کچھ رو چکی اور اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ تیرے باپ کو بہت ہی ضرب آئی ہے۔ اور اس کے سر پر ایک آفت ناگہانی ٹوٹ پڑی تھی مگر شکر ہے کہ زندگی تھی بچ گئے۔ اور باقیماندہ کنبہ سب اچھا ہے کسی کی جان کا بال بیکا بھی نہ ہوا ہمارا گھر سارا منہدم ہو گیا تھا۔ ہماری ساری خانہ داری کی اشیا غنیم لوٹ کر لے گیا تھا۔ اور خصوصاً وہ کمرا جہاں میں اور پیاری مریم بیٹھی تھی بالکل برباد ہو گیا تھا۔ اس کی تو اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ میری ماں نے مجھ سے کہا کہ نیک روسی کپتان وہ پہلا ہی تھا جس نے اپنی پیاری جان اس بلوے کی بھینٹ چڑھائی تھی جب یہ غل غپاڑا ہوا ہے اور توپ کی گرج کی آواز آئی ہے تو وہ میرے کمرے میں سوتا تھا یکایک گھبرایا ہوا باہر نکلا کہ یہ قہر خدا کیا نازل ہوا نکلتے ہی دو ایرانیوں نے اس کو پکڑ لیا۔ ان میں سے ایک نے فوراً اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ یہ اسی کا سر تھا جب اول ہی میں چونکا تھا اور پہلے ہی چمکارے میں مجھے ایک ایرانی کے ہاتھ میں معلوم ہوا تھا جو تازہ تازہ تھا اور جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

میری ماں پھر مجھے پناہ کی جگہ میں لے گئی اور مجھے کپڑے پہنائے جیسے کپڑے کہ وہاں دستیاب ہو سکے۔

ایرانی جب اپنا کام دہشتناکی سے کر چکے تو پھر اپنی قیامگاہوں کو واپس چلے گئے تھے۔ اور ہمارے کمبخت گانوٗں والوں کو ان تیس روسیوں کو گاڑنے دفن کرنے کے لیے چھوڑ گئے جو بے خبری میں ان کی تیغ ہائے بر ان کا شکار ہوئے تھے۔ ان تیس کمبخت سپاہیوں کے سر ایرانی بطور نشان فتح کے اپنے ہمراہ خرجیوں میں لٹکا کے لے کر چلے گئے تھے۔

والد بزرگوار کی زیارت کے بعد اب میرا یہ ارادہ ہوا کہ میں اپنی پیاری بیوی مریم کا تعاقب کروں۔ یہ تو ایک بدیہی امر تھا کہ مریم کو وہی لوگ لے گئے ہیں جو گانوٗں پر حملہ آور ہوئے تھے اور بھی ضرور تھا کہ وہ ایراوان پہنچی ہو گی کیونکہ یہ غلام اور لونڈی بیچنے کے لیے بہت ہی نزدیکی کا بازار ہے اور اس میں بھی اصلاً شک نہیں تھا کہ خاص لونڈی بنا کے فروخت کرنے کی غرض سے اس کو ایرانی پکڑ کر لے گئے ہوں گے۔

میرا پستول۔ تلوار۔ بندوق۔ جو گویا میری عروسی کمرے کا زیور اور سجانے والا سامان تھا تمام پتھروں اور خاک کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ان کو میں نے نکالا کیونکہ میری حفاظت سوا ان کے اور کون کر سکتا تھا۔ کچھ زر نقد گرہ میں تھا ہی یہ لے کر میں نے گیومشلو کو ایڈیو کہا اور اپنے دل میں یہ قطعی ارادہ کر لیا کہ چاہے جو کچھ ہو بغیر پتہ لگائے مریم کے ہرگز نہیں واپس پھرنے کا۔

میں بہت تیز قدم روانہ ہوا اور پہاڑوں پہاڑوں سیدھا ایراوان کا راستہ لیا جب میں نے دو بلند سڑکوں کی ایک شاخ کو طے کیا تو مجھے دو سوار ملے۔ یہ سوار بہت ہی خوبصورت اور سازوسامان سے درست تھے انھوں نے مجھے ٹھہرایا اور یہ پوچھا کہ تم کہاں جاتے ہو اور کس لیے جاتے ہو۔

میں نے اپنی کمبخت اور بدقسمت رام کہانی کہنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا کیونکہ مجھے خیال تھا کہ شاید سوار میری بیوی کا کچھ پتہ نشان بتا سکیں اور اس کی سیاہ بختی میں روشنی کا چمکارہ ملا دیں۔ یہ تو انھوں نے کیا کہ اس کا پتہ بتایا لیکن ان بے رحم الفاظ میں کہ ان کے ہر ہر حرف سے مہیب شبہات ٹپکتے تھے انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ تیری بے گناہ بی بی گم گشتہ پیاری۔ تیری منکوحہ ایسے ظالم اور اوباش عیاش کے قبضہ میں آئی ہے کہ اس سے بدتر چشم فلک نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔

میں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں اور وہ میری یہ افسوس ناک حالت سنے اس کے دل میں رحم آ جائے اور جو برائی کہ اس وقت اس کے دل میں سمائی جاتی ہے وہ جاتی رہے یہ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں

عورتیں صرف عیش کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی تمام عورتیں ایک ہی کے عیش کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں کہ صرف سردار ہی سب کا مالک بن بیٹھے۔ تو مجھے کیا یہ امر خیال میں آسکتا ہے کہ میری امید۔ میری جان کی تسلی اور میرا عمری ساتھی وہ دے دے گا۔

یہ سن کر وہ سردار جو سردار کے باڈی گارڈ میں سے تھے خندہ زن ہوئے اور کہنے لگے کہ بھائی یہ ایک ناممکن امر ہے کہ جو عورت حرم میں داخل ہو چکے اس کے لیے تو کوشش کرے تیری یہ ساری محنت محض بیکار ہے۔ بہت ہے کہ تو خواہ مخواہ کی تکلیف راہ نہ اٹھا اور جہاں سے آیا ہے پھر کر واپس چلا جا۔

میں نے ان کے ہنسنے اور کہنے پر کچھ زیادہ خیال نہیں کیا اور جلدی میں قدم آگے بڑھا دیا اور دل میں خیال کیا کہ جس خدا نے مجھ ایسے گناہگار پر یہ قہر نازل کیا۔ اور جس نے مجھ کمبخت پر یہ یہ آفتیں برپا کیں۔ کیا عجب ہے کہ وہ پھر مجھ پر مہربان ہو اور میری اس مصیبت کو ٹالے۔

اب میں ایران کیمپ کے پاس پہنچا جہاں مجھے معلوم ہوا کہ سردار بذات خود یہاں مقیم ہے اور اس امید میں ہے کہ کچھ عمدہ خبریں گوش گذار کرے۔ ایرانی دستہ کے پہنچنے سے جنھوں نے کہ ہم پر حملہ کیا تھا وہاں بہت ہی حیرت چھا رہی تھی۔ وہ اپنے کارہائے عظیم کی کامیابی کے بہت بہت ثبوت دے رہے تھے۔ جو سر روسیوں کے کاٹ کر لے گئے تھے یہی ان کی فتحمندی کا بہت بڑا ثبوت تھا جن کے کئی ڈھیر سردار کے ڈیرے کے آگے لگے ہوئے تھے۔ جو کچھ ان لوگوں کو فتحمندی حاصل ہوئی تھی اس سے یہ بہت ہی نازاں تھے اور بڑی بڑی خوشیاں منا رہے تھے۔

شاہ فارس کو بڑے طمطراق۔ شان و شوکت اور جاہ و جلال سے نمک مرچ لگا کے اس فتح کی خبر کی اور وہ سر ان کو بھیجے گئے کیونکہ شاہ جب تک ایسے ایسے بدیہی ثبوت نہ پاتے ہرگز یقین نہ کرتے کہ ہماری فتح ہوئی ہے۔ لیکن خوشی میں ایک طرہ اور یہ نیا کھلا کہ ایک قاصد یا مخبر روسی حدود سے دوڑا دوڑا آیا اور ایک ایسی خبر لایا جس سے ایک انتشار سا پھیل گیا اور سارا معاملہ صورت دگرگوں میں جلوہ دینے لگا۔ اس نے بیان کیا کہ روسی لشکر نے اپنے اس دستہ کی خبر سنی ہے جس پر گیومشلو پر شب گزشتہ حملہ ہوا ہے تو وہ بہت ہی غضبناکی اور جوش میں سردار پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے کیا عجب ہے جو شام ہونے سے پہلے پہلے وہ یہاں آکے پہنچ جائے۔

اس خبر نے بالکل صورت خوشی کو بدل دیا اور اب لینے کے دینے پڑ گئے۔ سردار نے تمام کیمپ کو حکم دیا کہ ابھی تیار ہو جائے اور بہت پھرتی سے صف آرائی کر کے پیچھے ہٹے ڈیرے گرا دیے گئے۔ خچروں پر اسباب لدنے لگا۔ آدمیوں نے غل مچانا شروع کیا۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ آدمی۔ توپیں ایک ہی دفعہ سب متحرک ہوئیں۔ دو گھنٹے گذرنے نہ پائے تھے کہ وہاں کسی کا پتہ بھی نہ رہا اور اچانک سب غائب ہو گئے اور سیدھے ایر اوان کی طرف باگیں اٹھائے ہوئے روانہ ہوئے۔

مجھے اس وقت اپنی گم شدہ مریم کی کوئی خبر نہ ملی۔ یہ ظاہر تھا کہ اگر وہ سردار کے قبضہ میں ہے تو ضرور ایر اوان کی حرم سرا کی دیواروں جا کر مقید ہو گی۔ میں نے اور بھی زیادہ تیز قدم اٹھائے کہ شاید اس گھبراہٹ میں میرے فائدے کی کوئی عمدہ صورت نکل آئے۔

جب میں وہاں پہنچا تو زنگوئی کے اس پل پر میں نے اپنا قیام کیا جہاں سے میں اچھی طرح سے سردار کے ان محلات کو دیکھ سکتا تھا جہاں عورتیں رہتی تھیں۔ اس وقت اس پل پر سے سردار کی فوج اتر رہی تھی لیکن مجھے اپنا فوجی ہمراہی سمجھ کے کسی نے کچھ نہ کہا انھوں نے سمجھا کہ ہمارے لشکر کا یہ بھی کوئی شخص ہو گا۔

یہ عمارت اندھیاری چٹان کے کنارے پر واقع ہے جس کے دامن میں صاف اور شفاف ندی زنگوئی بہتی ہے اور اس زور سے بہتی ہے کہ اس کی چٹانی سطح سے کف اٹھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اس کا پتھریلا ابھار جس سے ایک سفید چکر دار شکل بنتی ہے اور اسی کے باعث سے پانی بھی بہت ہی دھائیں دھائیں ہو کے گرتا ہے سہ محرابی پل اس پر بنایا گیا ہے جس میں وہ بلند سڑک بھی شامل ہے جو جارجیا اور ترکی میں جاتی ہے۔

اس محل کے خاص دالان کے اس گوشے کا دروازہ جہاں خصوصاً سردار بیٹھا کرتا تھا دریا کی طرف کھلا ہوا تھا اور وہاں سے دور دور کا نظارہ ہوتا تھا۔

اس عمارت سے کچھ ہی دور فاصلے پر عورتوں کے کمروں کی کھڑکیاں ہیں جن میں جالیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں اور اسی سے وہ مردانہ دروازوں یا کھڑکیوں سے ممتاز ہوتی ہیں۔ دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ زنانے کمرے ہیں۔ میں نے ان کی طرف جو نظارہ کیا تو وہ یہاں سے بخوبی نہ معلوم ہوتی تھیں مگر ہاں ان کھڑکیوں میں سے ہر شخص بخوبی پل پر سے گذرتے ہوئے اور آتے ہوئے شخص یا جانور کو دیکھ سکتا ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر مریم یہاں مقید ہوئی ہے تو ضرور میں نیچے کھڑا ہوا ہوں میری طرف دیکھے ہی گی اور اگر یہ بھی مانا کہ اس نے دیکھ لیا تو

پھر اس کا علاج کیا ہو گا۔ میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں مایوسانہ بات کہی۔ اس کا میری طرف نظارہ بازی کرنا اس کو وہاں سخت اذیت دے گا اور مجھے تو بالکل ناپید ہی کر دے گا۔ ایسی بلندی سے بچ کر نکلنا یہ محض ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اتنی بلندی سے ایسے گرنا فوراً ہلاک کر ڈالے گا۔ یہ دیکھ دل میں یہ کہتا تھا۔

ملنا ترا نہیں اگر آسان تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

مگر میں نے خیال کیا کہ یہاں ایک جگہ کھڑا رہنا تو کچھ بات نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی دیکھ لے اور اسے شبہہ ہو تو کہیں دقت آکر نہ واقع ہو تو اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت تو یہاں سے چلتے بنو شام کے بعد یہاں آکر پھر کھڑے ہونا کہ جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو گا تاکہ مجھ پر کسی کو شبہہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

میں اسی طرح سے جھٹپٹے وقت آتا اور حرم سرا کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتا۔ یونہی مجھے پورے پندرہ دن گذر گئے۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوا کہ تین تین بار پل پر چڑھا اترا نہ ہوں۔

آخر ایک دن جھٹپٹے کے وقت میں ٹکٹکی باندھے ہوئے کھڑکیوں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک کھڑکی کی درخت کی طرف جالی اٹھی ہے اور اس میں سے ایک عورت ادھر ادھر نیچے کی طرف نگران ہے میں اسے نہایت ہی سکتہ کے عالم میں دیکھتا رہا۔ اس عورت نے مجھے پہچان لیا میں نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ اس عورت نے بھی یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ ہاں یہ عورت ہے۔ ہاں ہاں یہ ضرور میری بیوی ہے۔ بیشک یہ مریم ہی ہے اس پر نہ تو میں نے ایک لمحے کا توقف کیا نہ میں نے کچھ سوچا۔ "ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم۔"

آنکھیں بند کر کے میں تو دریا میں دھڑام سے کود پڑا۔ نہ یہ سوچا کہ آخر اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ اور میں دریا میں دو تین ہاتھ مار کر ڈھلوان زمین کی طرف اپنی پیاری بیوی کے محل کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ کئی بار مریم نے اپنے بازو میری طرف پھیلائے گویا وہ اپنے کو وہاں سے پھینکنا چاہتی ہے۔ میں نے خوف سے غل بھی مچایا مگر جب ذرا اس کو تامل ہوا تو میں نے یہ خیال کیا کہ شاید وہ ایسا نہ کرے گی کہ نیچے آپڑے۔ ہم بہت توجہ سے کچھ وقت ایک دوسرے کی طرف نگران رہے مگر دہشت کے مارے ایک نے دوسرے سے کچھ باتیں نہ کیں کہ ایسا نہ ہو کسی کو خبر ہو جائے اور پھر دونوں کو مختلف نامعلوم آفتوں کا سامنا کرنا پڑے آخر کار یکایک مریم نے جالی کو ڈال دیا اور مجھ

کو مہیب اور دہشتناک شبہات کرنے کے لیے چھوڑ گئی۔ میں وہاں کچھ دیر تک کھڑا رہا لیکن میری برابر ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ پھر یکایک وہ جالی کا پردا اٹھا۔ اور پھر مریم نمودار ہوئی لیکن اس کی صورت حال سے گھبراہٹ ہویدا تھی اور سخت تحیر برس رہا تھا۔ میں اس سے بہت ہی مشکل سے یہ کہہ سکا کہ کہو پیاری کیا گذری لیکن لحہ بلحہ روح فنا ہوئی چلی جاتی تھی کہ کہیں کوئی آفت نہ آکر واقع ہو یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ آگے جھکتی ہے اور پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ جھکتی ہے اور پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ دل مضبوط کرکے دھڑسے نیچے آہی رہی۔

میری ٹانگیں جواب دے چکی تھیں۔ میری آنکھیں تیرہ و تاریک ہو چکی تھیں اور میں خود سرتاپا مختلف خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کیونکہ یہ کل حالتیں اس وقت طاری ہوئی تھیں جب میں نے شبہہ کیا تھا کہ دیکھیے اتنی بلندی سے وہ گرتی بھی ہے یا نہیں۔ بھلا کس کو یقین آسکتا ہے کہ ایک لڑکی اتنی جرات کر جائے گی۔ میں فوراً ہی درخت پر چڑھ گیا جو بہت ہی قریب کھڑکی سے بھڑا ہوا تھا اس کو آتے آتے میں نے اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا۔ اب مجھ میں یہ معلوم ہوا کہ زمین پر لے چلنے کی کسی نے گویا ایک نئی روح پھونک دی۔ اب وہ طاقت آگئی کہ میں دریا سے بخوبی پار ہو جاؤں۔ اور بہت جلد اپنے قیمتی وزن کو لے کر بستی کے کنارے سے پار ہو کر جنگل کی طرف نکل جاؤں۔ یہ تو سب کچھ تھا لیکن اس میں پھر بھی دوسرے شخص کی مددگار کی ضرورت تھی۔ طرح طرح کے وساوس اور شبہات اب مجھ کو آنے لگے اور میں سخت متحیر ہوا کہ بالخیر انجام کیونکر ہونا چاہیے۔ فطرت نے میری اس موقع پر رہنمائی کی۔ غرض اللہ کی عنایت سے خدا نے میری اور پیاری مریم کی جان کو بچا دیا اور ہمارا یہ بچنا ایسی بلائے بے درماں سے بہت ہی قیمتی خیال کرنا چاہیے۔

جب میں نے اول ہی کوشش زور آزمائی کی کی اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ میرے اس بے ست وزن میں کچھ رمق زندگی کی باقی ہے میں ذرا ٹھہر گیا اور اسے چپ چاپ سے ٹوٹی ہوئی دیواروں کے پیچھے باطمینان بٹھا دیا۔ گو مریم کو اتنی بلندی پر سے گرنے کا صدمہ تو بہت ہی پہنچا تھا مگر کوئی ہڈی نہ ٹوٹی تھی۔ جس درخت پر کہ پیاری مگر مظلوم مریم اتری تھی اور اپنے کو آنکھیں بند کر کے پھینک دیا تھا اس کی شاخوں نے جابجا سے اس کے نازک جسم کو زخمی کر دیا تھا۔ خون خوب زور شور سے جاری تھا۔ مگر الحمد للہ کہ زندہ تھی سانس لیتی تھی۔ آنکھیں بھی کھولیں اور میرا نام بھی لے کر پکارا۔ میں اس وقت اس قدر خوش تھا کہ توبہ میں نے اس سر گرمی اور گرمجوشی سے اسے گلے لگایا

کہ جس سے مجنونیت برستی تھی۔ جب ذرا مریم ستائی میں نے اس کو اٹھالیا اور دل میں خیال کیا کہ جہاں تک جلدی ہو سکے یہاں سے پار چلے چلو اور پہاڑوں میں اپنا راستہ لو۔ مبادا کوئی آفت نہ نازل ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ دریائے اشتراک کو بھی عبور کرنا پڑے گا۔ اور جب یہ میرے بازوؤں پر بیٹھی ہوئی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بغیر پل کے میں اس کو لے کر پار ہو جاؤں گا۔ خیر چلے چلو تو سہی جو کچھ کرے میرا مولے کرے۔ میں نے اپنے قدم تیز تیز اٹھائے۔

ہم اس پل کے دامن میں آرام کر رہے تھے۔ اس وقت میں نے آپ کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تھی۔ چونکہ مجھ میں اب بھی یہ قوت تھی کہ یہاں سے اٹھ کر میں چلا جاؤں اور برباد شدہ گرجوں میں جہاں آپ پہلے نمودار ہوئے تھے پناہ گزیں ہوں اس لیے میں یہاں بیٹھا ہوا یہ دیکھ رہا تھا کہ شاید سردار نے آپ لوگوں کو ہماری گرفتاری کے لیے بھیجا ہے۔ اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ ہمیں بچاویں اور ہم کو اپنے مکان کی جستجو کرنے کے لیے اجازت دیں تو آپ کو دو مشکور دلوں سے دعائیں نکلیں گی اور ہم جیسے بدبخت اور مصیبت ماروں کے ساتھ مدد کرنے اور ان سے شفقت سے پیش آنے کا خدا آپ کو بہت بڑا اجر دے گا۔ آپ لوگ کوئی کیوں نہ ہوں اور کسی غرض سے کیوں نہ بھیجے گئے ہوں مگر آپ میں ہمدردی کی بو آتی ہے اور جس قدر انسان میں انسانیت کی صفات ہونی چاہیں وہ سب آپ میں موجود ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کی مہربانی اور شفقت کو ہزار درجہ ہم پر زیادہ کرے گا گو ہم آپ کے نہ مذہب کے ہیں اور نہ قوم کے ہیں۔ لیکن پھر بھی ملتجی ہیں کہ آپ ہم پر رحم کھائیں اور جس خدا کی آپ مخلوق ہیں اس کا آپ کو واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ ہماری فریاد سنیں۔

رحم کردن بر ضعیفان رحم بر خود کردن است

وائے بر شیرے کہ آتش در نیستان افگند

بارہواں باب

حاجی باباکا اس نوجوان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا

یہاں آرمینین نوجوان نے اپنی رام کہانی کو ختم کیا میں بہت متعجب ہو کر اس کی مدح سرائی کرنے لگا۔ میری اجازت سے وہ اپنی بیوی کو دیکھنے چلا گیا اور کہہ گیا کہ میں ابھی واپس پھر کے آتا ہوں۔ اور اس کے حال کی حالت و کیفیت کا اظہار کرتا ہوں کہ یہاں آرام لے کر اسے کس قدر فائدہ ہوا۔

جب وہ چلا گیا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس وقت لہولہان اور زخمی لڑکی یہاں پڑی ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اس شخص نے کہا ہے وہ سب سچ ہے کیونکہ اس کا خونم خون ہونا ہی کافی ثبوت ہے اچھا اگر میں اس نوجوان کو اجازت دے دوں کہ تو یہاں سے چلا جا اور پھر سردار کو یہ علم ہو جائے تو وہ میرا کیا درجہ کرے گا۔ اور مجھ سے کس طرح پیش آئے گا۔ بس یہ ہو گا کہ ایک تو اپنے عہدے سے دست بردار ہونا پڑے گا اور دوسرے کان کاٹے جائیں گے وہ جدا اب میں اس پس و پیش میں ہوا کہ کیا کرنا چاہیے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ لقمان کے قول پر جو خاص اس موقع کے مناسب حال ہے چلنا چاہیے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ۔

"اگر تم شیر ہو اور واقعی شیر ہو تو پھر ہمیشہ شیر ہی رہو اس لیے کہ دوسرے جانور تم سے آگاہ ہو جائیں گے کہ تم پر کس قدر اور کس امر میں بھروسہ کریں۔ اور جو تم شیر نہیں ہو اور شیر کی جھول پہن کر اور جانوروں میں چلو گے اور قدم تمھارے بے کم و کاست گدھے کی طرح سے اٹھیں گے تو سوا اس کے کہ وہ تمھارے ساتھ بہت ہی برائی سے پیش آئیں اور کیا کر سکتے ہیں۔"

اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ میں اسے چھوڑ دوں یا نہیں۔ اور گدھے اور شیر کی مثال پر میں بہت ہی پریشانی سے بیتاب ہوا۔ کہ اتنے میں یوسف واپس پھر کر آیا اور اس نے بیان کیا کہ یہاں آرام ملنے سے اتنا ہوا ہے کہ مریم بہت تروتازہ ہے۔ لیکن خون جو اس کا بہت نکل گیا ہے اس سے ضعیف بہت ہو گئی ہے اور اس کو اتنے اونچے سے گرنے سے جو کچھ صدمہ پہنچا ہے اس کا بند بند ٹوٹ رہا ہے۔

خصوصاً ایک ٹانگ پر اس کی بہت ہی صدمہ پہنچا ہے۔ کتنے دن تک تو وہ پلنگ سے ہل بھی نہ سکے گی۔ بھلا اگر ہمارا سردار کے آدمی تعاقب کرتے تو پھر ہمارا کہاں پتہ لگتا اور سوائے بڑھنے اور آگے چلنے کے اور کیا چارہ ہوتا۔ گو ابھی اس میں قوت نہیں آئی ہے کہ جو کچھ اس پر اتنے دنوں میں بیتی ہے وہ بیان کرے۔ گیومشلو کو چھوڑ کر اس کو کن کن آفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی اس نے یہ کہا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب میں کمرہء عروسی سے گھبرا کر باہر نکلی تو صرف سفید نقاب میرے چہرے پر پڑی تھی ایرانی بھی وہیں موجود تھا۔ جونہی بجلی کا چمکارہ ہوا اس نے مجھے دیکھا کہ یہ نوجوان بھی ہے اور خوبصورت بھی ہے بس اس نے فوراً پکڑ لیا پہلے پکڑنے کے لیے تھوڑی دور دوڑا یہاں تک کہ دوسرے کی مدد سے میں پکڑی گئی اور جبراً گھوڑے پر بٹھا کر بھگا کر لے گئے۔ لیکن یہ دو شخص براہ راست سیدھا مجھے کمپ ابرین میں لے گئے اور انھوں نے سردار سے بیچنے کی درخواست کی جس نے مجھے پسند کر کے لے لیا اور حکم دیا کہ ایراوان کی حرم سرا میں اس کو لے جا کر رکھیں اور اس سے خدمت لی جائے جس مصیبت ناک اور خوفناک حالت میں میں تھی اس نے مجھے ایسا بنا دیا تھا کہ جب سردار کے روبرو میں لے جائی جاؤں گی تو امید ہے وہ میری مردنی اور مرجھائی ہوئی صورت پر نظر ڈالتے ہی میری طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھنے کا۔ اور پھر مجھ سے کچھ خبر نہ ہو گا۔ خصوصاً جب میں نے اس کے مظالم کا حال سنا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ کس قدر اپنی خود غرضی اور خود مطلبی سے ان ان مظلوم صورتوں پر ظلم کرتا ہے جو اس کے قبضہ میں آچکی ہیں تو مجھے اور بھی اندیشہ ہوا۔

میں اس امید سے اپنے کو ہمیشہ ایک بیاہی اور منکوحہ عورت کہتی تھی کہ شاید ایک مسلمان کے گھر میں میری کچھ عزت ہو میں نے کبھی اپنے خاوند کا نام لینے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا۔ اور اس سے مجھے یہ کامیابی ہوئی کہ مجھ سے وہ اتنا خبر نہ ہوا۔ میں دوسری لونڈی غلاموں کے ساتھ بہت ہی پریشان تھی جو مجھے سکھایا کرتی تھیں کہ اس طرح بجا آوری احکام کرنی چاہیے۔ یوں اطاعت زیبا ہے خدمت اس طرح کروں۔ ان باتوں نے میرا اور بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے میں اپنا منصوبہ بہت عرصہ تک اپنے دل میں نہ رکھ سکی میں نے اپنی ایک ایرانی عورت سے اپنی ساری رام کہانی کہہ دی اور جو کچھ اپنا خیال تھا سب اظہار کر دیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ چڑیل مار آستین بن جائے گی اس نے تو دوستی کا اظہار کر کے مجھ سے کہا تھا کہ میں تیری دوست ہوں اور اس ظالمہ مجھے امید دلائی تھی کہ جہاں تک ہو گا میں تیری رہائی اور آزادی کی تدبیر کروں گی اور تجھے بہت جلد اس شدید قید خانہ

سے رہائی دے دوں گی اس کمبخت نے مجھ سے تو دھوکا دے کر سب پوچھ لیا اور جا کر سردار سے لگا دیا کہ وہ یہ کہتی ہے۔ یہ سن کر سردار کو بہت غصہ آیا اور اس نے مجھے مجبور کیا کہ جو کچھ یہ ایرانی عورت کہتی ہے اس کی تو آپ تصدیق کر گویا یہ صحیح ہے یا نہیں میری بے احتیاطی کا اندازہ اسی سے ظاہر ہے۔

سردار نے حکم دیا کہ اسے بنا سنوار کر ہماری خدمت میں پیش کرو۔ اب تم خود خیال کر لو کہ اس وقت میری حالت کیا ہو گی اور میں کس پر خطر مقام میں ہوں گی۔ میں نے اپنے بچنے کے صدہا خیالات کیے لیکن اس سے سب راستے بند ہو گئے تھے۔

میں نے اس سے پہلے اپنے قید خانہ کی کھڑکیوں کی جالی کی طرف دیکھنے کا کبھی دل میں خیال ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن اب میں نے دل میں سوچ لیا کہ چاہے جو کچھ بنے اپنے کو یہاں سے نیچے ڈال ہی دوں۔

لیکن چند گھنٹے پہلے جب میں نے تمھیں پل پر دیکھا تو اب میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جس طرح سے ہو میں اپنے کو تمھارے پاس پہنچاؤں۔ اور یہ میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہاں سے پوشیدہ میں اپنے کو تمھارے پاس ڈال دوں گی اگر بچ گئی بچ گئی۔ اور جو مر گئی مر گئی۔ جب میں نے جلدی میں دروازہ بند کیا تھا تو چند عورتیں میرے پاس آئی تھیں تا کہ مجھے گرم حمام میں لے جا کر نہلائیں دھلائیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنائیں۔ پھر میں نے ان سے کچھ دیر تامل کرنے کے لیے معافی چاہی اور ان کو وہ الفاظ کہے کہ وہ کمرے کے باہر چلی گئیں۔ اس کے بعد میں نے پھر کھڑکی کو کھولا اور جالی اٹھا کے دھڑام سے اللہ کا نام لے کر کود پڑی۔

جب یوسف اپنی اور اپنی بیوی کی سرگذشت ختم کر چکا تو اب بڑا متردد ہوا کہ دیکھیے یہ (حاجی بابا) میرے ساتھ کیا کرتا ہے اور اس نے مجھ سے (خواہان امداد ہو کے) چاہا کہ یہ کچھ تدبیر بتائے۔

وقت صبح گذر چکا تھا میرے سب آدمی اپنی مہم پر روانہ ہونے کو تیار ہو گئے تھے میرا گھوڑا کس کسایا میری انتظاری کر رہا تھا۔

میں نے اس کو اپنے پاس بلایا اور یہ کہا۔ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اور جس معاملے کا تم سے تعلق ہے یہ محض ناممکن ہے کہ میں تمھیں آزاد چھوڑ دوں۔ تم نے خود بیان کیا کہ سردار کی حرم سرا سے میں عورت کو لے کر بھاگ آیا ہوں۔ شاید تم اس سے واقف نہیں ہو کہ ایران میں اس جرم میں سزائے موت ملتی ہے۔ اگر میں حق کی پیروی کروں اور انصافاً تم سے پیش آؤں تو مجھے تم دونوں کے ایراوان واپس بھیجنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں

کرنا چاہیے مگر یہ نہیں کرنے کا صرف تم اس مہم میں ہمارا ساتھ دو اور ملک کے ان حصوں میں ہماری رہنمائی کرو جن سے ہم محض نابلد ہیں اور ان کو تم بخوبی جانتے ہو۔ پھر میں نے اس سے اپنے عہدے کا اور جس کام پر میں جاتا تھا سب حال بیان کیا۔

میں نے اس کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ اگر تم نے ہمارے اس کام میں بہت سرگرمی اور جوش سے مدد کی تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کا معقول صلہ میں تم کو دلواؤں گا اور اس وقت مجھے تمھارے حق میں سفارش کرنے کا بھی انشاء اللہ بہت خوب موقع ملے گا۔ اس درمیان میں تمھاری بیوی یہیں رہے گی۔ اور اس کی یہ مہمان دوست اور خلیق گانوں والے خبر گیری کریں گے۔ اور جب ہم واپس پھر کے آئیں گے تو مجھے امید ہے کہ یہ بالکل تندرست اور توانا ہو جائے گی۔

یہ سن کر اس نوجوان آرمینین نے میرے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور ہمارے ساتھ چلنے اور رہنمائی کرنے کے لیے بہت خوشی سے روانہ ہوا۔ میں نے اسے اجازت دی کہ تو اپنی بیوی کے پاس جا اور جو کچھ انتظام ہوا ہے وہ سب اس سے بیان کر دے اور اسے تو یقین دلا دے کہ ہم بہت جلد باہم ایک دوسرے کے دیدار سے خوشی حاصل کریں گے۔ اس نے پھر میرا شکریہ ادا کیا اور ہمارے آگے ہرن کی تیزی کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا ہم سے پہلے ہی اول ہی پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا۔ اور ہم ہنوز چڑھتے ہی رہے۔

تیرہواں باب

آرمینین نوجوان کا حاجی بابا کی آنکھوں میں لائق بننا

ہم جارجین حدود کی طرف بڑھے۔ ان پہاڑوں پر ہم قدمزن تھے جن کا راستہ ہم بالکل نہیں جانتے تھے اور یوسف ہماری بہت مستعدی سے رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں ہر زمین کے نشان کو دکھایا۔ اور کچھ مقام کے راستہ اور پھیر دار راہوں سے ایسا واقف تھا جس سے ہمیں سخت تعجب آتا تھا۔ اور جب یہ اپنے گانوں کے قریب پہنچا تو کسی قسم کا اسے تردد نہ ہوا اور اس نے مجھے اس امر کا یقین دلایا کہ گو میں اپنے گانوں میں جا سکتا ہوں لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ گانوں میں ہرگز قدم نہیں رکھنے کا جب تک کہ میری بیوی میرے ساتھ نہ ہو گی۔

وہ خبر جو سردار کو لگی تھی اور جس سے وہ ایراوان ڈنڈا ڈیرہ سنبھال کر چلتا بنا تھا کہ روسی بڑھتے چلے آتے ہیں وہ محض غلط ثابت ہوئی کیونکہ ہم نے انھیں دریائے پیمبا کی کے کنارے پر خیمہ زن دیکھا۔ انھوں نے ہملو گانوں پر قبضہ کر لیا تھا اور کراکلس پر مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ سابق جگہ سے ہم دور نہیں تھے جب ہم نزدیک پہنچے تو مجھے اس امر کا تردد ہوا کہ دشمن کے لشکر کی کچھ خبر سنوں اور ان کی تعداد معلوم کروں کہ کتنی ہے اور کیا عزم رکھتا ہے مجھے یکایک یہ خیال آیا کہ اس نوجوان مسیحی سے میں یہ کام لے سکتا ہوں پھر میں نے سوچا کہ کہیں یہ ہاتھ سے تو نہیں نکل جائے گا کہ میں خبر لینے کو بھیجوں اور یہ غائب ہو جائے اس سے بہتر موقع اور کوئی تھا ہی نہیں جس سے دشمن کا پورا پورا حال مل سکتا۔ اگر یہ ہملو جائے اور مجھے جو کچھ میں چاہتا ہوں خبر لا کے دے دے تو پھر مجھے کوئی چیز بھی اس کا اور اس کی بیوی کا قصور معاف کرانے میں نہیں مانع آئے گی اور سردار سے معقول سفارش اس کے لیے کروں گا اور جو اس نے دغا کی اور دھوکا دیا تو پھر سردار سے معاوضہ طلب کر کے اس کی لونڈی کو وہاں واپس پھیر لاؤں گا۔

میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنا مطلب اظہار کیا۔ اس نے بہت جلدی سوال کی کل مشکلات کو سمجھ لیا۔ اور بغیر سوچے مجھ سے اقرار کر لیا کہ میں اس فرض کو انجام دوں گا۔ اس نے اپنے کو تیار کیا۔ اور اپنے کوٹ کے پٹکے کو کمر

سے باندھ لیا۔ ایک طرف سر پر ٹوپی رکھی اور اپنی لمبی بندوق پیٹھ پر لٹکائی اور پہاڑ کی طرف اترا اور پھر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

ایک نوجوان سوار۔ رفت کہ رفت۔ اب بھلا کہیں آتا ہے۔ توبہ توبہ۔

میں۔ کیوں نہیں آئے گا بھلا ایسی بھی کوئی بات ہے گو وہ آرمینین سہی لیکن جب بھی اپنی بیوی کو تو نہیں چھوڑ سکتا۔

نوجوان سوار۔ ہاں ہاں وہ آرمینین ہے۔ لیکن جناب وہ مسیحی بھی تو ہے روسی بھی مسیحی ہیں ہمیں تو یہ خیال ہے کہ جب یہ دونوں کافر کافر مل جائیں گے تو ایسا نہ ہو پلٹ کر اسلام کے بچوں کو قتل کر ڈالیں۔ نہیں چاہے وہ پاکدامن اور مقدس یوسف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی بیوی زلیخا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ پھر کر واپس آجائے تو میں اپنا گھوڑا ہارتا ہوں۔

ایک بوڑھا سوار۔ (جس کے آفتاب سے جلتے ہوئے چہرے پر زمانے کی گرم و سرد ہواؤں سے جھریاں پڑ گئی تھیں اور اس کی گھندار داڑھی نے تمام چہرے کو گھیر رکھا تھا اور نیز بھویں بھی بہت ہی جھک آئی تھیں) اے میرے چھوٹے جنٹلمین تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ یہ گھوڑا شاہ کا ہے تمھارا نہیں ہے۔ اور پھر تم اس پر شرط لگاتے ہو۔

نوجوان سوار۔ شاہ کی جو ملک ہے وہ میری ہے۔ اور جو میری ہے وہ خواہ مخواہ میری ہوئی۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس قسم کی بے فائدہ گفتگو کو تو ملتوی رکھا اور ہم سب مل کر ایک جگہ بڑی بڑی گھانس میں جا کے گھوڑوں پر سے اترے۔ ہم نے ادھر ادھر گھوڑے کی جھول اور دری وغیرہ بچھالی اور اپنے گھوڑوں کو چرنے کے لیے گھانس میں چھوڑ دیا۔ میں نے یہ اپنا خیال ظاہر کیا کہ اگر یوسف شام تک بھی واپس پھر کر نہ آیا تو رات بھر یہیں قیام کرنا ہو گا۔ ہم میں سے دو سوار کسی پھرتی ہوئی جنگلی بھیڑ اور پرند وغیرہ کے شکار کے لیے گئے کہ اگر ہاتھ لگ جائے تو ہمارے شب کے کھانے کے لیے ہو۔

ایک گھنٹہ کے بعد یہ ایک بھیڑ پکڑ کر لائے جو قریب ہی اپنے گلہ میں دریا کے کنارے پر چر رہی تھی۔ فوراً اس کو ذبح کر ڈالا اور اس کے کباب کرنے کے لیے تیار کر لیا۔ بڑی بڑی لکڑیاں جنگل میں سے کاٹ لی گئیں اور ایک لکڑی کو سیخ بنا کر اس پر بھیڑ چڑھا کر جلتی ہوئی آگ پر رکھ دیا۔ آگ جو شعلہ ہائے جوالہ دے رہی تھی اور اس پر پوری بھیڑ چڑھی ہوئی تھی۔ ہم میں سے ایک شخص اس کے پاس بیٹھ گیا تھا تاکہ اس کو برابر الٹتا پلٹتا رہے۔ جب وہ

بھن بھنا گئی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے گئے اور پھر جو شخص بلا فرق مدارج کے اس پر گرا ہے اور اشتہا میں کھانا شروع کیا تو مزا ہی آ گیا۔

اس وقت دن بالکل چھپ گیا تھا اور یوسف کا کہیں پتہ بھی نہیں تھا۔ ہم نے پھر سونے کی ٹھانی اور ایک دو شخص کو گھوڑوں کی نگہبانی اور پہرے کے لیے چھوڑا۔ آدھی رات پر جب ٹن سے ایک بجا اور چاند اپنے مقام سے نیچے کی طرف اترنے لگا تو بہت دور سے کچھ آواز سنائی دی پھر اور قریب سے وہ آواز آئی قدم بقدم پاس ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ ہمارے لگ بھگ ہو گئی۔ ہم اس آواز سے سب چونکے اور ہم میں ایک اضطراب پھیل گیا کہ کون شخص آتا ہے ہمیں شبہہ میں زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ ہم نے آرمینین کو اپنے پاس بولتا ہوا دیکھا۔ ہم نے اس کے جواب میں آوازیں لگائیں اور خوب اس کی آواز پر آوازیں لگاتے رہے جب وہ دکھائی دیا۔ گو یہ نوجوان بہت ہی تھک گیا لیکن اب بھی اپنی سرگذشت بیان کرنے کی اس میں کافی قوت باقی تھی۔ وہ بیان کرنے لگا کہ جب میں ہملو پہنچا ہوں تو مجھ کو چند ان سپاہیوں نے پہچانا جو اس حملہ سے بچ گئے تھے جو ایرانیوں نے ہمارے گانوں پر کیا تھا۔ وہ سپاہی مجھے دیکھتے ہی قلعہ میں لے گئے اور میرے ساتھ بہت ہی عنایت و شفقت سے پیش آئے۔ وہ سپاہی پھر مجھے اپنے اعلیٰ افسر کے پاس لے گئے اس نے میری صورت دیکھتے ہی میرے یہاں آنے کا سبب دریافت کیا میں نے چھوٹتے ہی بس یہ جواب دیا کہ میں اپنی بیوی کو تلاش کرتا ہوا پھرتا ہوں۔ یہ جواب ایسا تھا جو تمام مشکل اور لاینحل باتوں کو حل کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نوجوان آرمینین نے یہ بھی کہا کہ میرا گانوں تباہ ہو گیا میرے مکانات منہدم کر دیے گئے اور میرا کل اسباب لٹ گیا اس سے میں اور بھی بے خانماں ہو گیا۔

پھر قلعہ کی سیر کرنے کے لیے اس کو اجازت دے دی گئی۔ بھلا یہ بھی ایک تقدیر الٰہی تھی کہ مجھے اچانک اس آرمینین کا ملنا اور پھر اس طرح سے دشمن کی پوری پوری کیفیت ان کے عزم ان کے مقام محاربہ سے اطلاع ہونا۔ غرض جب قلعہ کے دروازے تو بند ہونے لگے تو اس سے پہلے ہی میں نے کھسکنے کا ارادہ کر لیا تھا اور وہاں سے سیدھا پہاڑوں کو ہو لیا۔

یوسف کو میں نے تازہ دم ہونے اور کھانا کھانے کے لیے کہا۔ جو کچھ یوسف نے کہا تھا وہ سب سچ سمجھ کر اور اس کی تمام باتوں پر پورا پورا بھروسہ کر کے میں نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ ایران چلنے کے لیے مستعد ہو جاؤ۔ چونکہ وہ بہت تھک گیا تھا اس لیے میں نے اجازت دی کہ تو ایک سوار کے گھوڑے کے پیچھے بیٹھ لے ہم یہاں سے

روانہ ہو کر اور تھوڑا سا پہاڑی راستہ طے کر کے اشتراک گانؤں میں پہنچے۔ ہم یہاں خود بھی اور اپنے گھوڑوں کے تازہ دم ہونے کے لیے ٹھہرے۔ اس عرصے میں میں نے نوجوان آرمینین کو اجازت دے دی کہ تو اپنی پیاری بیوی سے جا کر مل آ۔ وہ اپنی بیوی سے مل کر بہت ہی شاداں اور فرحاں واپس آیا اور مہمان نوازوں کا شکریہ ادا کیا کہ واقعی انھوں نے اس قدر اس کے ساتھ محبت برتی جس کا کوئی شمار نہیں اور اس کی خبر گیری اور نگہداشت میں ایک دقیقہ بھی باقی نہ چھوڑا اب اسے بہت ہی آرام ہے۔

سردار اور ہمارا افسر جلاداں ایراوان سے روانہ ہو چکے تھے اور انھوں نے اس وقت آرمینیوں کے مجتہد کے رہنے کے مقام کے نزدیک خیمے ایستادہ کیے تھے۔ یہاں سے ہم بھی مع یوسف کے ادھر کی طرف روانہ ہوئے۔

چودھواں باب

حاجی بابا کا اپنی کاروائی بیان کرنا اور شکستہ و پریشان حال کو اپنا دوست ظاہر کرنا

اتیمیزان کی خانقاہ جس کو آرمینی اپنی زبان میں اتچاکسبھ کہتے ہیں بڑے اور بارآور میدان میں واقع ہے۔ یہ خوش و سرسبز مقام ایریکس اور چند ندیوں سے تروتازہ رہتا ہے خانقاہ پہاڑ اگری داغ کے دامن میں واقع ہے۔(یوسف نے مجھ سے جیسا کہ بیان کیا) اس خانقاہ کی کل مسیحی اور خصوصاً آرمینین بہت ہی پرستش کرتے ہیں کیونکہ اس پہاڑ کی برفی چوٹیوں پر حضرت نوح علیہ السلام کا تابوت رکھا ہوا ہے۔

خانقاہ یا گرجا ایشیا میں زیادہ تر اپنی دولتمندی کے باعث بہت ہی مشہور ہے۔ چاروں طرف سے بلند بلند دیواروں سے گھرا ہوا ہے۔ اور اس میں بڑے بڑے وزنی مضبوط دروازے لگے ہوئے ہیں کہ گولے برسیں جب بھی خبر نہ ہو۔ یہیں آرمینیا کی گرجاؤں کا بڑا پادری رہتا ہے اس کے ساتھ بشپوں۔ نیچے درجے کے پادریوں اور اسی طرح سے ان لوگوں کا جن کا تعلق گرجاؤں سے ہے۔ بہت ہی جاہ حشم اور ہجوم رہتا ہے۔ فارس میں خلیفہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لقب ملکی افسر کو بھی اسی طرح سے دیا جاتا ہے جیسے مذہبی پیشوا کو۔ مثلاً فرمانروائے بغداد وغیرہ خلیفہ کے نام ولقب سے ملقب تھے۔ خلیفہ کو مسیحیوں میں پیٹری آرک کہتے ہیں۔ اور اس کا گرجا آرمینیوں کے لیے زیارت کا مقام ہے۔ جو خاص موسموں میں دنیا کے مختلف حصص سے وہاں آکے جمع ہوتے ہیں۔

اس طرف ہم نے اپنی باگیں پھیریں ہم نے دیکھا کہ سردار اور افسر جلاداں کے سفید خیمے بے قاعدگی سے خانقاہ کے اردگرد ایستادہ ہیں۔ خانقاہ کی دیواروں کے پاس پہنچنے سے پہلے ہم نے یہ سنا کہ دونوں افسروں نے خانقاہ میں اپنا ڈنڈا ڈیرہ ڈالا ہے اور پیٹری آرک یعنی مجتہد کے مہمان ہوئے ہیں۔

نوجوان سوار بڑی خوشی میں میرے پاس دوڑ کے آیا اور یہ خوشی کی خبر لایا بہت خوب ان کافروں کے باپ کو جلا دو۔ اور چل کے ان کی خوب خوب شرابیں پیو جس سے تکان تو اترے۔

میں۔ تم مسلمان ہو اور پھر شراب پینے کا لفظ زبان پر لاتے ہو۔ تم تو خود ایک کافر ہو۔

نوجوان سوار۔ یہ بھی آپ نے خوب کہی ہمارا سردار تو مسیحی شخص کی طرح خوب خوب شرابیں اڑاتا ہے پھر میں حیران ہوں کہ میں نے کیا قصور کیا ہے۔

جب ہم خانقاہ کے قریب پہنچے تو میں نے یوسف کو اپنے پاس بلا کے کہا کہ اب تم تیار ہو جاؤ اور جب میں تمھیں بلاؤں فوراً چلے آنا۔ اور تم اپنے کو ہر قسم کی قسم کھانے کے لیے جو تمھیں دلچسپی دے اور جو تمھارے ہاں کھاتے ہوں تیار رکھنا۔

اور میں نے خوب تاکید کر دی کہ جس وقت تم بیان کرنے لگو اس وقت جھوٹ سچ چاہے وہ خطرے تم پر آ کے واقع ہوئے ہوں یا نہ ہوں بہت ہی مخوف الفاظ میں بیان کرنا۔ اور یہ بھی ضرور کہنا کہ میرا روپیہ بھی اس قدر اس خطرے میں نذر ہو چکا ہے اور یہ مصیبت میں نے صرف ایران کے فائدے اور نفع کے لیے اپنے اوپر جھیلی ہے۔ اس سے مجھے امید ہے کہ تمھاری بیوی بخشی جائے گی۔ اور کیا عجب ہے جو تمھیں اس کے علاوہ کچھ صلہ بھی ملے باہم یہ سمجھوتہ کر کے ہم بھاری محرابدار راستہ کی طرف بڑھے جو سیدھا خانقاہ کے پہلے ہی کورٹ میں جاتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ یہاں سردار اور ہمارے افسر کا سامان فوج رکھا ہوا ہے اور نوکر چاکر لدے ہوئے ہیں۔ یہاں برابر برابر گھوڑے اپنی اگاڑیوں پچھاڑیوں سے بندھے ہوئے تھے اور ان کا کامل سامان ایک طرف ڈھیر تھا۔

ایک طرف خچر نظر آتے تھے جو اپنی گھنٹیوں کی جھنکار سے جو ہمیشہ ان کی گردنوں میں پڑی رہتی ہیں اور جانوروں سے ممتاز تھے۔

دوسرے احاطے میں خاص خاص ملازمین کے کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے تھانوں میں جو کورٹ کے دو طرف محیط ہیں ہنہنا رہے تھے۔

ہم پہلے ہی کورٹ میں اپنے گھوڑوں سے اترے۔ میں نے اترتے ہی اپنے افسر کے خیمہ کو دریافت کیا۔ یہ مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا میرا افسر سردار کے پاس موجود تھا جہاں میں اپنی اسی سفری صورت سے منہ پر خاک پڑی ہوئی بوٹ پہنے سب سامان سے آراستہ حاضر ہوا۔

معلوم ہوا کہ انھوں نے آرمینین کے معابد میں اپنا عملہ دخلہ کر لیا ہے اور مسیحیوں کا خلیفہ مع اپنے حکام کے وہاں سے علیٰحدہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ سردار وغیرہ نے اسی کے کمرے میں اپنا ڈنڈا ڈیرہ ڈالا تھا۔ اس وقت مظلوم پادری ادھر ادھر دبک رہے تھے اور مظلومانہ نظروں سے ان لوگوں کی طرف نگران تھے کہ جنھوں نے ان کے

مکانوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں ایرانی افسروں کے گھوڑے گرجا کی دیواروں کے بہت ہی قریب چر رہے تھے آرمینیوں کی نسبت ان گھوڑوں کی آرام اور آسائش کی بہت ہی خبر گیری کی جاتی تھی۔

میرے ناظرین افسر جلاداں کے چال چلن سے تو ہنوز واقف ہو چکے ہیں۔ لیکن جب میں قدم آگے بڑھاؤں گا تو سردار کے چال چلن اور مزاج سے بھی آگاہ کروں گا۔

ایسا بے ایمان دغاباز منحوس شخص آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی آنکھیں ڈھیلوں میں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی نے دو غیر مصفا اور غلیظ شیشوں کے ٹکڑے رکھ دیے ہیں۔ ان آنکھوں پر اور بھی غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور یہ جھریاں نمایاں ہوتی تھیں تو ہمیشہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا منہ اور تمام چہرہ مرجع مضحکہ بن گیا ہے جیسا کہ شاہ کے شاعر نے اس کے منہ کی تشبیہ دی ہے کہ یہ بالکل اگر مئ داغ ہے وہ ایک پہاڑ ہے جس کے پاس وہ رہتا ہے۔ جب اس کی چوٹی پر ابر محیط ہوتا ہے اور آفتاب میدان میں چمکتا ہے یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ ایک طوفان عظیم برپا ہو جائے گا۔ وقت نے خود اس کے رخساروں کے نیچے شکنیں ایسی زبردست اور گہری ڈالی تھیں جو قلیل داڑھی سے چھپ نہ سکتی تھیں۔ باجودیکہ اس نے اسے گھندار کرنے کے لیے بہت بہت تکالیف اٹھائی تھیں اور اسی دشمن یعنی وقت یا عمر نے اس کے سب دانتوں کو گرادیا تھا صرف سارے پوپلے منہ میں ایک ہی دانت معلوم ہوتا تھا۔ جس کے باعث سے گہرے گڑھے نمایاں تھے جن پر ناہموار پتلے بال چھائے ہوئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پہاڑی کی چوٹی پر جلے ہوئے ٹھنٹ کھڑے ہیں۔ جب اس کی مجموعی حالت پر غور کیا جائے تو یہ امر دریافت کرنا بہت ہی مشکل تھا کہ آیا بکرا اس سے فائق ہے یا بگھیرا۔ مگر ہاں یہ جانچنا بہت ہی سہل اور ایک بدیہی امر تھا کہ جو صفات حیوانی اور اعضا کی بناوٹ جانور کی طرح اس کی تھی اور کوئی ایسا انسانی نمونہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی صورت سے چال چلن تو ہویدا تھا نہ کوئی قانون انسانی نہ شریعت ربانی اس کی نفس پرستی کے پاس آکر بھی پھٹکا کھاتی تھی۔ اور جب اس کی طبیعت میں جوش کے شعلے بھڑکتے پھر تو اس کے جبر و تعدی کی کوئی حد بھی باقی نہ رہتی۔

لیکن بایں ہمہ چند باتیں اسمیں ایسی بھی تھیں جن سے لوگ اس کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ یعنی یہ بہت بڑا آزاد اور جفاکش تھا۔ رسائی اور جودت طبع کا اس نے فطرت سے ڈپلومہ حاصل کر لیا تھا۔ شاہ اور اس کی گورنمنٹ کی طرف سے اس طرح مدبرانہ بقاعدہء سیاست کام کرتا تھا کہ شاہ کا اس پر بہت بڑا بھروسہ اور خیال رجوع تھا۔ یہ

شاہزادانہ جاہ و جلال سے زندگی بسر کرتا تھا۔ مسافر پروری اور مہمان نوازی میں اس کی بہت ہی شہرت تھی اور یہ سب اپنی بے قاعدگیوں کو مسلمان شخص کی طرح چھپاتا نہیں تھا۔ یہ فرانسیسی نژاد تھا لیکن جو کچھ کرتا تھا وہ بہت کھلم کھلا۔ اپنے ماتحتوں سے بہت ہی ملنساری سے پیش آتا تھا۔ بس ان کا یہ بہت ہی بڑا رفیق تھا جو اس کی عیاشی میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔ ایران میں اس جیسا شراب پینے والا ایک بھی نظر نہ آتا تھا ہاں سوائے اس کے حال کے ساتھی افسر جلاداں کے۔ جس کی شراب خواری کا کوئی بھی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس شخصیت کے دو شخصوں کی خدمت میں میں پیش کیا گیا۔

دو میرے ساتھ میرے اور بھی خاص خاص آدمی تھے۔ میں کوٹھری کے آخر کونے کی طرف کھڑا رہا یہاں تک کہ میری طرف خطاب کیا گیا۔

افسر جلاداں۔ "اے آمدنت باعث خوشنودی ما۔" میرے پیارے حاجی آؤ۔ خوش باش۔ کہو تم نے میری روح کی قسم کتنے روسی قتل کر ڈالے۔ کیا تمھارے ساتھ کوئی سر آیا ہے تو مجھے دکھادو۔

سردار۔ تم کیا کر کے آئے پہلے تو یہ بتاؤ۔ کیا حدود پر روسی موجود ہیں ہم ان تک کب پہنچیں گے یا ہمارے ان کے مٹ بھیڑ کب تک ہو جائے گی۔

میں۔ (یہ سب باتیں سن کے) ہاں اے آغا صاحبو جو کچھ میری قوت میں تھا وہ میں نے کر لیا ہے۔ بڑے ہی خوش وقت اور ساعت نیک میں ہم روانہ ہوئے تھے اس لیے کہ جو چیز آپ چاہتے ہیں اس کو میں بخوبی بیان کر سکتا ہوں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ میرے آقا افسر جلاداں اور سردار کی تقدیریں بر اوج فلک گرم پرواز تھیں کہ مجھ جیسا باہنر شخص ان کا غلام بنے اور اس طرح سے سرنگوں ان کے آگے کھڑا ہو۔

سردار۔ خوش قسمتی کوئی بری چیز نہیں ہے۔ یہ سچ ہے اور اس کو ہم بھی مانتے ہیں مگر بھائی ہم تو اپنی شمشیر آبدار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ کہتا جاتا تھا اور اپنی دونوں آنکھیں سردار کی طرف پھرا پھرا کر ہنستا جاتا تھا۔

افسر جلاداں۔ ہاں ہاں یہ بہت ہی صحیح ہے۔ تلواریں۔ بارود۔ نیزے۔ پستول یہی ہمارے نجومی ہیں۔ وہ وقت ہمیشہ ہی خوش قسمت ہوگا جب ایک کافر کا سر آویزاں خون آلود کھائی دے گا اور میرے پاس آئے گا۔ اگر میری پوچھیں تو میں قزلباش ہوں اگر میری خواہش ہے تو یہ ہے کہ ایک بادرفتار گھوڑا جو اشاروں پر کام کرے۔

ایک شمشیر براں نیزہء سنداں شگاف ہاتھ میں ہو اور ایک وسیع میدان ہو جو روسیوں سے بھرا ہوا ہو اور پھر میں وہاں اپنے اسپ تیز رفتار کو جنبش دوں پھر دیکھیے کیا سیر ہوتی ہے۔

سردار۔(حاجی سے) کہو شراب کو کیسا سمجھتے ہو۔

میں۔ حضور یہ ایسی ہی اچھی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔

سردار۔ کوئی ہے۔ ذرا مسیحی خلیفہ سے جا کر ایک جام شراب حاجی کے لیے لاؤ۔(میری طرف مخاطب ہو کر) لیکن پہلے تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا اور کیا کیا۔ روسیوں نے کہاں اور کس جگہ قیام کیا ہے کتنے روسی وہاں ہیں۔ کیا ان کے پاس توپیں بھی ہیں۔ ان کی کمان کون کرتا ہے۔ وہاں کوہ قافی بھی ہیں۔ تم نے جارجیاوالوں کی بھی کوئی کیفیت سنی۔ روسیوں کا کمانڈر انچیف کہاں ہے اور منکر اسلام اسماعیل خان کا بھی کچھ پتہ ہے کہاں ہے۔ آؤ اور یہ باتیں مجھ سے کہو۔(اپنے کاتب کی طرف مخاطب ہو کے) مرزا تم جو کچھ حاجی کہے سب لکھ لو۔

یہ سن کے ذرا میں تنا اور گردن آگے کر کے یہ بیان کرنے لگا۔ قسم ہے سردار کی روح اور افسر جلاداں کی جان کی روسی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ اگر ایرانیوں سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ نرے گدھے ہیں۔ میں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایرانی ہاتھ میں بھالا لے کر دس کمبخت اور بزدل نامرد روسیوں کو میدان جنگ میں قتل کر سکتا ہے۔

یہ سن کے میرے افسر نے کہا(لیکن بہت خوش ہو کر)

آہ تم شیر نر ہو۔ یہ تو میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تم بھی کچھ چیز ہو۔ صرف ایک اصفہانی کافی ہے وہ ہے دیکھ لو کیا عقل و دانش سے کام کرتا ہے۔

میں۔ حضور حدود پر بہت ہی کم روسی ہیں۔ پانچ چھ سات یا آٹھ سو ہوں گے۔ شاید ایک ہزار یا دو ہزار ہو جائیں لیکن تین ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتے ان کے پاس دس بیس یا تیس توپیں ہیں اور کوہ قافیوں کو آپ دریافت کریں تو وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ ایک بہت ہی سخت بات ہے کہ جہاں ان کی ضرورت ہو وہیں موجود ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ڈبل ڈبل بھالے ہیں لیکن جب وہ یابوؤں پر سوار ہوتے ہیں جو ہمارے گھوڑوں سے کبھی سربر نہیں ہو سکتے جن کے یابوؤں کی قیمت تیس چالیس پچاس تمن ہوتے ہیں اور جن کی یہ پھرتی ہے کہ جہاں ان پر سوار ہوئے وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کہاں چل دیے۔

افسر جلاداں۔ تم کوہ قافیوں اور ان کے گھوڑوں کا کیوں ذکر کرتے ہو میاں حاجی ان بندروں کا ذکر کرو جو ریچھوں پر سوار ہیں۔ کافروں کی کمان کون کرتا ہے۔

حاجی۔ حضور جو ان کی کمان کرتا ہے اس کو وہ دیلی میجر یعنی متوالا میجر کہتے ہیں اور جب اس کا سبب دریافت ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جنگ سے کبھی نہیں بھاگتا۔ صدہا واقعات اور قصص اس کے متعلق بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پاس ایک جیبی قرآن ہے۔ یہ قرآن وہ ہر ایک کو دکھاتا ہے کہ دیکھو یہ میری فتح کا نشان ہے۔

سردار۔ ہاں یہ درست ہے۔ سال گزشتہ میں ان نامعقول کفار نے مجھے بہت ہی متعجب کیا۔ میں یہاں سے پانچ فرسنگ سے زیادہ فاصلے پر خیمہ زن نہ تھا۔ اس وقت مجھے صرف یہ وقت ملا کہ میں اپنے جامے اور شلواروں کو سنبھال کر بے کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگوں لیکن خیر اب دیکھا جائے گا۔

میں نے ان پر یہ تو ظاہر کر دیا کہ میں گیومشلو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اور ابھی دیکھیے اگر ان کے باپ دادا کی قبریں اکھیڑ کے نہ پھینک دی ہوں تو جب ہی کہنا۔ ہاں حاجی تم نے کتنی توپیں بتائی تھیں کہ روسیوں کے پاس ہیں۔

میں۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔

مرزا۔ (کاتب) میں نے ابھی تو بیس تیس لکھی ہیں۔ مرد آدمی اب چار پانچ چھ بتاتا ہے اب یہ بیان کر کہ دونوں میں کتنا صحیح ہے اور کون سی تعداد درست ہے۔

سردار۔ ذرا آنکھیں نکال کر۔ حاجی جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ اگر مجھے معلوم ہو گا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا کوئی حصہ بھی غلط ہوا تو یہ سمجھ لینا حضرت علیؓ کی قسم بس دقت ہی آ کے واقع ہو گی اور داڑھیوں پر خندہ زنی ہو گی وہ جدا۔

میں۔ حضور یہ درست ہے خلاف بیانی یوں آ کے واقع ہو گئی کہ یہ خبر میں نے خود جا کر نہیں لگائی ہے خدا کی قدرت ہے کہ حضور کی یاوری بخت سے ایسی صحیح صحیح اور پوری خبر ایک آرمینین کے ذریعہ سے لگی ہے کہ میں کیا بیان کروں یہ بھی اتفاقیہ ہوتا ہے کہ ایسے ایسے وسائل مل جاتے ہیں۔ اس نے آپ یہ خیال کریں کہ اپنی جان خطرے میں ڈال دی اور کن کن مصائب اور تکالیف سے وہ جان پر کھیل کر خبریں لایا۔ اور یہ جان جوکھوں کا کام اس نے صرف اس امید پر کیا ہے کہ سردار سے اسے کچھ معاوضہ ملے گا۔

سردار۔ مجھ سے معاوضہ کا خواہاں ہے۔ کہاں ہے آرمینین۔ کیا آرمینین اس قابل ہے کہ اسے معاوضہ دیا جائے۔

یہ سن کے میں نے آرمینین کی مفصل تاریخ کو سردار کے آگے بیان کیا اور عام طور پر حرف بحرف سنا دیا اور پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی طبیعت رحیمانہ اور اس کی حالت مظلومانہ دیکھ کے اس پر رحم کریں گے تاکہ میرا یہ نوجوان آرمینین اس دہشت سے رہا ہو جائے اور وہ خوف اس کی طبیعت سے نکل جائے جو آپ کی طرف سے بیٹھا ہوا ہے اور اسے یقین ہو جائے کہ میری بیوی پوری میرے قبضہ میں آچکی۔

جب میں یہ کہہ چکا تو سردار کی ادھر ادھر آنکھیں پھرنے لگیں اور یہ کہنے لگا۔ اللہ اللہ اللہ۔ (یہ بہت ہی استعجاب کے وقت مسلمان کہا کرتے ہیں) اپنے منہ کی نئی نئی صورتیں بنا کے کہ کہا کہ اس آرمینین کی ہے بہت ہی عجیب بات (زور سے اپنے خادم کو آواز دے کر) میرا قلیان لاؤ۔

جب دو چار گھونٹ پی چکا اور منہ سے بقے کے بقے دھوئیں اڑا چکا تو یہ کہا۔ یہ آرمینین کہاں ہے۔ خلیفہ مسیحی کو بھی حکم دو کہ وہ بھی آ کے حاضر ہو۔

یوسف اسی طرح سے جس طرح کہ ایک غریب آرمینین ایک ایرانی سردار کے آگے لایا جاتا ہے لایا گیا اور وہ تمام مجمع کے آگے اپنے خوبصورت چہرے۔ اور حسین صورت چوڑے چوڑے بازوؤں۔ اور فراخ سینے سے کھڑا ہوا۔ سب کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں اور نیز سردار نہایت ہی پسندیدگی کی نظر سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔

خلیفہ بھی سرخ و سفید چہرے کا سیاہ پوشاک پہنے ہوئے جو خاص آرمینین پادری زیب کرتے ہیں مع اپنے چند اور پادریوں کے حاضر خدمت ہوا۔ کچھ دیر تک تو وہ سردار کے آگے کھڑا رہا اس کے بعد بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔ وہ بیٹھ گیا اور جیسا ایسے مواقع پر معمول ہوتا ہے کہ کچھ تعظیمی اور کچھ تعریف کے الفاظ کہتے ہیں اس نے ادا کیے اور بہت ادب سے اپنے ہاتھ پیروں کو ڈھانک کر آگے آ کے نشست کی۔

سردار۔ (خلیفہ کی طرف مخاطب ہو کے) ہم مسلمان ایران میں تو نہایت ذلیل اور حقیر ہو گئے۔ آرمینین نے ہماری حرم سرا میں بھی دخل کیا اور وہاں بھی جا کے توڑ توڑ بٹھایا۔ ہمارے آگے ہماری بیویوں اور ہماری لونڈیوں کو بھگا کر لے گیا اور ہمارے بزرگوں کی قبروں پر نجس اور غلاظت پھینکی اور ان کو ناپاک کر دیا۔

یہ کیا معاملہ ہے اے خلیفہ یہ کس کا کام ہے۔
یہ سنتے ہی خلیفہ چکرا گیا اور بہت ہی خوف زدہ ہوا اور حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے مارے دہشت کے اس کی پیشانی پر شبنم کی طرح قطرے نمایاں ہونے لگے۔ تجارب نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ اس قسم کے حملوں کا نتیجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ بڑا بھاری جرمانہ ہو۔ اس نے اپنی ایک لرزتی ہوئی اور متعجبانہ صورت بنا کر یہ کہا۔
حضور یہ معاملہ کیا ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں جو حضور والا جاہ کی نسبت یہ خیال رکھیں ہماری کیا مجال ہے ہم تو شاہ کی رعیت ہیں۔ آپ ہمارے مامن و محافظ ہیں۔ آپ ہی کے سایہء عاطفت میں آرمینی صلح و امن سے بسر کرتے ہیں۔ وہ کون سا شخص ہے کہ جس نے ہمارے سروں پر یہ خاک ڈالی ہے۔
سردار۔ (یوسف کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو وہ شخص یہ ہے۔ اے شخص کہہ تو نے میری حرم سرا سے لونڈی چرائی ہے یا نہیں۔
نوجوان۔ اگر میں حرم سرا سے کسی شخص کے بھگا لے جانے کا قصوروار ہوں۔ اور یہ میں نے گناہ کیا ہے تو میں بذات خود موجود ہوں اور اس کا جو کچھ پاداش مجھے ملے گا وہ مجھ کو برداشت کرنا پڑے گا۔ جان تک حاضر ہے۔
جس عورت نے اپنے کو آپ کی حرم سرا کی کھڑکی سے میری گود میں ڈالا وہ آپ کی لونڈی بننے سے پہلے میری پیاری بیوی تھی۔ ہم دونوں شاہ کی رعیت ہیں۔ اور اس امر کو حضور بخوبی جانتے ہیں کہ آپ انھیں حلقہ بگوش کریں یا نہیں۔ یہ درست ہے کہ ہم آرمینین ہیں لیکن آخر لباس انسانی تو خداوند تعالیٰ نے ہمارے بھی زیب تن کیا ہے اور جو فیلنگ کہ انسان میں ہوتے ہیں وہی تو ہم بھی ہیں نا۔ یہ امر اظہر من الشمش ہے کہ ہمارے والا قدر ذی شان شاہ نے کبھی بھی اپنی کمینہ سی کمینہ رعیت کی طرف بھی تو نگاہ اٹھا کے نہیں دیکھا نہ اسے حرم بننے کے لیے مجبور کیا۔ اے والا جاہ سردار پھر ہم یہ کیونکر خیال کر سکتے ہیں کہ ویسی ہی حفاظت اور امان ہمیں تیرے سایہ عاطفت میں نہ ملے گی۔ واقعی آپ کو دھوکا ہوا اور آپ نے یہ سن کے کہ جارجین ہے اپنی حرم میں بھجوا دیا اور کاش اگر حضور کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ آپ کے ایک ادنی کسان کی جورو ہے تو آپ ہرگز اسے حرم بنانا قبول نہ کرتے نہ اسے اپنی ملک بناتے۔
یہ سنتے ہی نوجوان کی تیز بیانی سے خلیفہ بہت ہی خائف ہوا اور چونکا۔ ڈانٹ کر بہت زور کی آواز میں اسے ٹھہرا دیا۔ سردار بجائے اس کے کہ اس کی ان باتوں سے خفا ہوتا۔ نہیں کچھ اس کی آوازیں اس کے دل کو ایسی کھٹکیں

کہ چہرے پر بجائے غضب کے خوشی نمایاں ہو گئی۔ اور اس نوجوان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ جو کچھ اس سے قصور ہوا تھا سب فراموش کر کے یکایک اس کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا۔ بس بس کافی ہے۔ جاؤ اور اپنی بیوی کو لو اور زیادہ کچھ نہ کہو۔ چونکہ ہمملو میں تم نے ہماری خدمت کی ہے اس لیے تم خاص میرے ملازم ہوئے۔ جاؤ ہمارا افسر تمھیں تمھارے ان فرائض کی تعلیم کر دے گا جو تم کو کرنے پڑیں گے اور تمھیں تمھارے عہدے کی پوشاک بھی پہنا دے گا۔ پوشاک پہن پہنا کر ہمارے سامنے پھر حاضر ہو۔ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھیو کہ میرا التفات صرف تمھاری صورت دیکھ کر تم پر برپا ہوا ہے۔ اور میں نے تم پر یہ نوازشات کی ہیں۔

یہ سنتے ہی یوسف دوڑ کر سردار کے پیروں پر گر پڑا اور اس کی زرق برق پوشاک کا دامن چوم لیا اسے کب خبر تھی کہ مجھ پر یہ التفات خسروانہ ہوں گے اور میری تقدیر یوں یکایک پلٹ جائے گی۔

حاضرین دربار میں سے ہر شخص یہ دیکھ کے متعجب ہوا۔ افسر جلاداں نے ذرا اپنے کو سکیڑا اور انگڑائی لے کے بہت ہی زور سے جمائی لی۔ خلیفہ کی بھی عجیب نوبت تھی کہ دیکھیے اب کیا آفت آ کر نازل ہوتی ہے اور وہ عرق جو اس کی پیشانی پر نمایاں ہوا تھا جاتا رہا اور اب اس کا مرجھایا ہوا اور الم آلود چہرہ تر و تازہ ہوا۔ سب نے سردار پر اس کے رحم اور اس کی انسانیت کو دیکھ کے مرحبا کہا۔ اور اس کی فیاضانہ طبیعت پر آفرین کی اور سب یک زبان ہو کے بولے کہ آپ نوشیر وان ہیں ہر ایک زبان سے آوازیں آ رہی تھیں بارک اللہ۔ ماشاء اللہ۔ سردار کی بلند ہمتی کی یہ رام کہانی سب میں پھیل گئی اور تمام کمپ میں روشن ہو گئی کہ سردار ایسا فیاض ہے اور ایسا ہے۔

پندرہواں باب

ایرانیوں کا روسیوں سے مقابلہ ہونا اور حاجی بابا کے سردار کی نامردی ظاہر ہونی

سردار اور میرے افسر جلاداں نے مجھ سے اور یوسف سے سارا بھید روسیوں کا سن کے کہ وہ فلاں جگہ مقیم ہیں اور اس قدر ہیں یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان پر فوراً حملہ کیا جائے۔ لشکر کو حکم ہوا کہ ہمملو پر بڑھے۔
اس وقت ہر شے گویا متحرک تھی۔ قلعہ کی فوج مستعد ہو ہوا کے پہاڑوں میں اپنا دشوار گذار راستہ طے کرنے لگی جونسا راستہ صاف اور سیدھا تھا وہاں سے فوج پیدل روانہ ہوئی اور سواروں کی میدان میں ادھر ادھر ٹکڑیاں معلوم ہوتی تھیں کوئی ادھر جا رہا ہے تو کوئی وہاں جاتا ہے۔ اس امر کو تو میں ہرگز فروگذاشت نہ کروں گا کہ آرمینین کا ذکر نہ کروں کوچ سے ایک دن پہلے مجھ سے آرمینین کی ملاقات ہوئی۔ یکایک اس کی عجیب صورت بدل گئی سر پر بھیڑ کے چمڑے کی ٹوپی۔ اس کا چھوٹا سا جار جین کرتہ اس کے کھڑاؤں والے پیر اس کا چھرا جو گھٹنے تک لٹکتا رہتا تھا اور اس کی بندوق جو پیٹھ پر آویزاں رہتی تھی یکایک یہ چیزیں غائب ہو گئیں اور اب بجائے ان جنگلی کپڑوں کے ایک کام کیا ہوا مخملی جامہ جس میں ایک سنہری لیس اور سونے کے بٹن لگے ہوئے۔ ایک خوبصورت قیمتی کشمیری شال جو اس کی کمر سے لپٹا ہوا۔ بخارا کی بھیڑ کے بچے کے چمڑے کی چھوٹی ٹوپی۔ دو بل کھائی ہوئی زلفیں جو گنڈلی ہو کر اس کے کانوں پر پڑی ہوئی تھیں کیا ہی خوب اسے اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ بالکل ایک خوبصورت عورت کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایسے مناسب اعضا پائے تھے کہ بس کچھ کہا نہ جاتا تھا۔ اس کی قیمتی پوشاک اس کے اعضا کو چھپائے ہوئے تھی۔ اور جب یہ اس شان و شوکت سے میرے پاس آیا میں ہرگز اس کی اس تبدیل ہیئت اور تغیر شکل سے اسے نہ پہچان سکا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی دل سے میرا شکریہ ادا کیا اور بہت ہی میرا ممنون ہوا اور اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس وقت میں سردار کے آگے کھڑا ہوا تھا اور اس نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا میں نے سمجھ لیا تھا کہ میری اور بیوی کی جان جاتی رہے گی پھر کیا پرواہ ہے میں پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھا پس اسی خیال پر میں نے دلیری اور تیزی سے اس کے آگے یہ گفتگو کی۔ لیکن

اے میرے حقیقی دوست تو یہ خوب سمجھ لے کہ مجھے سردار کی یہ نوکری اور یہ اعزاز ہرگز نہیں بھاتا مجھے اپنی وہی عاجزانہ حالت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جب تک کہ میری بیوی میری حفاظت میں نہیں آجاتی۔ میں اس فرض کو پورا کروں گا اور جب وہ میرے ہاتھ بحفاظت تمام لگ جائے گی بس پھر سلام ہے۔

جارجین پہاڑوں میں ہمیں زندگی بسر کرنا اچھا لگتا ہے۔ ہمیں بے خانماں۔ برہنہ رہنا ان ریشمی اور مخملی زرق برق کپڑوں سے اچھا معلوم ہوتا ہے یہ عیش و عشرت خدا کرے ایرنیوں کو ہی نصیب ہو۔

میں اس کی اس تجویز میں اس کا شریک نہ ہوا اور نہ میں نے تائید کی میں تو اس بات سے خوش ہوا تھا کہ ایک تو بھروسہ کرنے والا شخص میرا ہو گیا اب مجھے بڑا خیال اس بات کا ہوا کہ وہ بھاگ جائے گا تو جوابدہ تو میں بنایا جاؤں گا۔

اس وقت فوج مواج بل بھرتی ہوئی روانہ ہوئی۔ جونہی ہم اشتراک پہنچے یوسف کو اجازت ملی کہ جاکے اپنی بیوی کو سنبھال لے۔ یہ وہی مریم ہے جو سردار کی حرم بن کے پھر یوسف کی بیوی بنی۔ اور ایک گھوڑے پر بڑی عزت اور توجہ کے ساتھ اس نے بیٹھ کے سفر کیا۔

ابیزن اور گیومشلو میں کمپ خیمہ زن ہوا یہاں جو چیز کہ مہم میں لے جانے کے لائق نہیں تھی اس کو یہیں چھوڑا گیا۔

جب ہم عین موقع واردات پر پہنچے تو سردار دیر و تامل ہونے پر متردد معلوم ہوا اور اپنی رائے ظاہر کی کہ جلدی سے سواروں کا دستہ آگے بڑھایا جائے۔ میں اپنے افسر کی اضطرابی حالت کا زیادہ بیان نہ کروں گا۔ اس نے اپنی شیخی کو بھی حد کے درجے تک پہنچا دیا۔ یہ ہر ایک کو اس امر کا یقین دلوا رہا تھا کہ جہاں میں پہنچا اور دشمن میں کھلا بلی مچی۔ آخر افسر جلاداں پیچھے کے گارد میں رہے اور سردار سواروں کا رسالہ لے کر روانہ ہوا میں اپنے افسر کے احکام کی بجا آوری کے لیے پیچھے رہ گیا۔ سردار کا یہ ارادہ ہوا کہ دن نکلنے سے پہلے ہمملو پہنچ جاؤں تا کہ دروازوں پر یک بیک جا پڑنے کا موقع ملے اور دریائے پیمبا کی پایابی کو اترنے کے لیے سڑک کا راستہ چھوڑ دیں ہم سیدھے اس مقام کو روانہ ہوئے۔

جب ہم دریا کے کناروں پر پہنچے ہیں تو دن نکل آیا تھا۔ افسر جلاداں کے گرد تقریباً پانسو تو سوار اور کثرت سے پیدل حلقہ کیے ہوئے تھے ہم دریا پایاب میں اترنے کو تھے کہ ہماری دوسری جانب سے زور زور سے دو آوازیں

آئیں اور وہ آوازیں ایسی زبان میں تھیں جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے انھوں نے اپنا مطلب بندوق کی آواز سے آشکار کیا اس آواز نے ہماری سبیل کو روک دیا اب ہمارے افسر کا خیال اس طرف رجوع ہوا جو بالکل ایسا زرد پڑ گیا تھا کہ جیسے مردے کی صورت۔

افسر جلا داں۔ بہت ہی دبی اور دھیمی آواز سے۔ کیا معاملہ ہے۔ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ حاجی بابا (میری طرف دیکھ کے) کیا یہ تمھاری بندوق تھی جو اس وقت چلی تھی۔

میں۔ نہیں میں نے کوئی فیر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ روسیوں میں بھی آرمینیوں کی طرح غول بیابانی ہیں اور یہ انھیں کا کام ہے۔

کچھ ہی دیر کے بعد ایک وحشیانہ غل غپاڑہ سنائی دیا۔ اور دوسری بندوق اور بھی چلی۔ اس وقت دن پورے طور سے نکل آیا تھا یہ معلوم ہوا کہ دوسرے کنارہ دریا پر دو روسی سپاہی کھڑے ہیں۔

جو نہی ہمارے سردار نے خطرے کے وزن کو پہچانا اور دیکھا کہ صرف مخالفین میں سے دو ہی تو کھڑے ہوئے ہیں تو ایک دفعہ آپ ذرا کھل گئے اور وہ جو پہلے خوف چھا گیا تھا جاتا رہا بہت زور اور ذرا غضبنا کی کی صورت بنا کے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان سامنے کے دو آدمیوں کے جا کر ذرا سر لے آنا۔

فوراً چند آدمی تلواریں سوتے ہوئے دریا میں گھس پڑے اور ان کے سر کاٹنے کے لیے لپکے۔ انھوں نے بھی پیچھے ہٹ کر ایک محفوظ مقام میں کھڑے ہو کر اپنے حملہ آوروں کا بہت مستعدی اور مردانگی سے مقابلہ کیا ہم کو ان کی یہ مستعدی دیکھ کے بہت ہی تعجب ہوا۔ انھوں نے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ باقیماندہ اپنے سردار کے پاس دوڑ آئے۔ اب ہم میں سے کوئی شخص قدم آگے نہیں بڑھاتا۔

آخر کار ہمارے افسر نے قسمیں کھائیں روپیہ کا بھی لالچ دیا کہ جو ان کا سر لے آئے گا اسے یہ یہ زر و جواہر دوں گا ہر چند چاہا کہ وہ کسی طرح سے آگے بڑھیں لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ سرکا۔ آخر ذرا بڑی شوکت دکھا اور للکار کے اس نے یہ کہا۔ تم میں سے کوئی بھی نہ جائے میں خود تن تنہا جاؤں گا۔ یہ کہہ کے ٹھہر گیا اور میری طرف مخاطب ہو کے یہ کہا۔ حاجی میری روح۔ میرے دوست تم بھی نہیں جاتے اور ان کفار کا سر کاٹ کے نہیں لے آتے۔ جو کچھ تم مانگو گے تمھیں ہر شے دوں گا۔ (اپنا ہاتھ میری گردن میں ڈال کے) جاؤ جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم ان کا سر ضرور ہی کاٹ لاؤ گے۔

ہم یہ باہم قیل و قال کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک روسی گولی ہمارے افسر کی رکاب کے پاس ہو کر نکل گئی بس صاحب پھر جو اس پر ڈر غالب ہوا اور اس کے خوف میں ترقی ہوئی ہے زور زور سے غل مچا مچا کے ہزار ہا قسمیں دینے لگا۔ اپنے لشکر کو بلایا اور بہت تیزی سے یہ کہا۔ لعنت ہے تمھاری داڑھیوں پر۔ لعنت ہے تمھارے باپوں پر۔ تف ہے تمھاری ماؤں پر۔ پھٹ ہے تمھارے بزرگوں پر۔ آخ ہے تمھاری نسل پر۔ کون اور کس نے آج تک اس طریقے سے جنگ کی ہے۔ مار ڈالو مار ڈالو ہم اتنے سور تو یہاں جمع ہیں دیکھو تو سہی وہ کیا جانور ہیں۔ وہ ہر گز تمھارے آگے سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ تم جو چاہو گے ان کے ساتھ کر لو گے تم بالکل جانور ہو جانور میں بھی فیلنگ ہوتے ہیں لیکن تم میں وہ تک تو ہے نہیں۔ ہائے اللہ ہائے اللہ جب انھیں لڑنا مرنا نہ تھا تو یہ اپنے گھروں سے نکل کر کیوں آئے تھے اس وقت ہم کچھ دور آگے بڑھ کے ٹھہر گئے۔ ہمارا افسر اس امید میں تھا کہ روسیوں کو پشت بہ پشت جھاڑیوں میں دیکھ کر کچھ کاروائی کرے لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اب کیا موقع آ کے واقع ہو گا۔ ہم نے دیکھا کہ سردار سواروں کا رسالہ لیے ہوئے بھاگا چلا آتا ہے اور اس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اپنے کار عظیم میں کامیاب نہیں ہوا اور اسے ضرور شکست حاصل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگا ہے یہ ایک بدیہی امر تھا کہ جب وہ شکست کھا چکا تھا تو لشکر کے لیے سوا اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس پھرے۔

سردار کی فوج پر جو کچھ مصیبت پڑی اور اس کی آفتناک حالت ہوئی اس کی تصویر کھینچنے کی میں کوشش نہ کروں گا۔ ان کی وہ بری نوبت ہوئی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے تنگ اور ماندہ ہو گئے ہیں کہ ایک سے لے کے سب کی بس یہ حالت تھی کہ منہ گھر کی سیدھ میں اٹھا ہوا تھا اور فراٹے بند بھاگے چلے جاتے تھے اس قدر بے تاب تھے کہ یہ پھر کر بھی کسی نے نہیں دیکھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے ان لوگوں کی روحیں بجھی ہوئی تھیں اور جس قدر مردانگی کے شعلے اٹھے تھے وہ سب اس وقت ٹھنڈے تھے لیکن ہمارا کمانڈر یعنی افسر بر خلاف اس کے اپنی بہادری اور مردانگی کی بہت ہی ہوا باندھ رہا تھا اور اس زخم کا بیان کر رہا تھا جو اسے روسیوں کی جنگ میں لگا تھا کہ میں اس زخم کا کچھ بھی خیال نہیں کرتا یہ کہہ کے نیزہ لے کے گھوڑے کو مہمیز کی اور کڑک کر بیچارے خاص اپنے باورچی پر جھپٹ پڑا اور اس کی کمر میں جو شال سے کسی ہوئی تھی نیزہ ڈال کے اٹھا لیا۔ اور کہا کہ دیکھو یہ مرد ہوتے ہیں۔

یہ مہم سردار نے اس طریقے سے ختم کی جس سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ یوں روسیوں کے سر کاٹ کے لائیں گے اور یہ ہوگا۔ اور جس بات کا فسر جلاداں فخر کرتا تھا یہ امر اسے تمام اس کی باقی ماندہ زندگی میں بشاشت اور تفاخر کا موقع دے گا۔ اور باوجودیکہ اس میں یہ نقص تھا کہ مردانگی کا نام و نشان تک کہیں نہیں پایا گیا لیکن تاہم اس کے لیے وہ موقع تھا جس سے وہ لوگوں سے اپنی شیخی پر مرحبا کہلوا سکتا تھا۔

تمام اس کے متعلقین ہمراہ تھے جن میں ایک میں بھی تھا اور اس وقت سب کے بیچ میں گرج رہا تھا کہ میں ایسا بہادر ہوں اور ایسا ہوں اتنے میں ایک قاصد سردار کے پاس سے آیا اور یہ آ کر اس نے اطلاع دی کہ حاجی بابا کو سردار نے یاد کیا ہے۔ میں اس قاصد کے ہمراہ فوراً سردار کے پاس پہنچا اس نے میری صورت دیکھتے ہی پہلے یہ الفاظ کہے۔ یوسف کہاں ہے اور اس کی بیوی کہاں گئی۔

مجھے یہ سنتے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ بچ کے نکل گئے ہیں۔ میں نے صاف انکار کیا کہ حضور مجھے تو معلوم نہیں۔ میں اصلاً آگاہ نہیں کہ وہ کہاں چلے گئے۔

یہ سن کے سردار نے اپنی بٹاسی آنکھوں کو چاروں طرف پھیرا اور گرگٹ کی طرح کئی کئی رنگ بدلے۔ اس کی چھاتی میں شعلے مشتعل ہونے لگے اور بہت زور سے اسے جوش آیا اور اس نے اس امر کے لیے دینی عہد کیا کہ میں اس سے اس کی قوم سے اس کی جگہ قیام یعنی گانوں سے۔ ہر ایک شے سے اور ہر ایک شخص سے جو اس سے تعلق رکھتا ہے ضرور بدلا لوں گا۔ اور سردار نے مجھے بے گناہ سمجھ کے یہ کہا کہ یاد رکھیو حاجی اگر مجھے ایک رمق برابر بھی یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے فرار ہو جانے میں تو بھی شریک تھا تو جس قدر میرے جوش اور غضب کے شعلے ہیں ان کا متحمل تجھے بننا پڑے گا اور اس طرح سے میں تجھ سے پیش آؤں گا جو دینا میں کم ہوا ہے۔ میں نے سنا بعد ازاں سردار نے کچھ آدمی اس کے گانوں میں اس کے والدین اور رشتہ داروں کے پکڑنے کے لیے بھیجے ہیں تاکہ وہ اس کے پاس اس کے والدین کو اور جو کچھ ان کا سامان تھا سب کو لے آئیں ان کے مال پر قبضہ کر لیں اور جو کچھ وہ اپنے ساتھ نہ لا سکیں اس کو برباد کر دیا اور پھوک ڈالا جائے۔ نوجوان دور اندیش اور عقلمند نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ آخر یہ ہونی ہے وہ ایسی حکمت سے کہیں جا کے روپوش ہوا کہ اس کو یہ سخت ظلم نہ سہنا پڑا۔ اور خدا نے اسے اس آفت سے بچایا۔ یہ نوجوان اس کی بیوی اور اس کے رشتہ دار اور اس کے والدین بیچارے بھاگ کے روسی حدود میں چلے گئے اور وہاں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ''فارغ البال ہوئے خوب فراغت پائی۔''

جو کچھ بعد ازاں ان کی بابت سنا گیا وہ یہ تھا کہ جب وہ وہاں پہنچے تو خود گورنمنٹ اور ان کے ہم مذہب بھائی ان سے بہت مہربانی سے پیش آئے۔ ان کو زمینیں دے دی گئیں تا کہ وہ اپنی کھیتی باڑی کریں اور جس قدر ان کا مال ضائع ہوا تھا اس کے لیے ہر طرح سے مدد کی گئی۔

سولھواں باب

حاجی بابا کا شاہ کے کمپ میں پہنچنا اور کار نمایاں کی بانگی دکھانا

میں اپنے افسر کے پاس اس دھمکی سے جو سردار نے دی تھی ڈرتا ہوا اور خوف کرتا ہوا واپس پھر کر آیا اور مجھے اس بات کا علم ہوا کہ ماتحتوں پر ان لوگوں کس قدر اختیارات ہیں کہ چاہے جو کچھ دم بھر میں کر دیں۔ میں نے اپنے افسر کو اس امر کے آگاہ کرنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا کہ مجھ سے یوسف کے فرار ہونے پر اس نے یہ یہ کہا ہے اور یوں دھمکی دی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا اور اب کیا تھا میں نے اس کی طرف سے اور بھی غصہ کے شعلے بھڑکانے شروع کیے اور جہاں تک مجھے سے ممکن ہوا کوئی بھی دقیقہ باہم لڑوانے کا نہیں چھوڑا۔ خوب ہی خوب بھڑکایا۔ لیکن اس بات سے خوف زدہ ہو کر کہ سردار میں اتنی قوت ہے کہ مجھے ایذا پہنچا سکے اور اس کے مقابل میں مجھے اپنے افسر پر بھی یہ کامل بھروسہ تھا کہ وہ مجھے بچالے گا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے مالک کی اجازت لے کر میں طہران چلا جاؤں۔ میں نے ایک دن موقع پاکے یہ کہا کہ بہتر ہے آپ مجھے طہران روانہ کر دیں کیونکہ اگر سردار نے مجھ پر زور ڈالا اور کچھ دوسری صورت پیش آئی تو آپ کی توہین ہو گی اس نے مجھے فوراً اجازت دی اور مجھے چند باتوں کی تعلیم کی کہ جس وقت وزیر اعظم سے ملو تو اس مہم کی بابت یہ یہ کہنا اور میری بہادری اور جرات کی یہ یہ تعریف کرنا۔ غرض جہاں تک ہو سکے سب میں میری دلاوری اور بہادری اور شجاعت ہی آشکار ہو۔

مجھ سے پھر افسر نے یہ کہا۔ اس مہم میں تو حاجی تم بھی شریک تھے تو جہاں تک تم سے ممکن ہو اتمام معاملات کو پورے پورے طور سے بیان کرنا۔ ہم قطعاً تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں فتح حاصل ہوئی حیف ہمارے پاس روسیوں کے سر تو ہیں نہیں لیکن یہ بات تو اب بھی ہے کہ شکست تو نہیں ہوئی۔ سردار جو کہ بالکل ایک گدھا ہے جس میں مطلق شعور نہیں نہ تو اس نے فوج قلعہ شکن کا راستہ دیکھا نہ اسے فوج پیادہ سے کچھ مدد ملی۔ صرف اپنے سواروں کو لے کر فصیل والے شہر پر حملہ آور ہوا۔ وہاں اس پر گولہ باری ہونے لگی لیجیے فیصلہ ہوا اب وہاں سے بصد ذلت و

خواری بھاگ کر آیا۔ اگر میں وہاں کمانڈر ہوتا تو حضرت صورت معاملہ ہی اور ہو جاتی۔ اور دیکھ لیجیے جہاں موقع ہوا میں دشمن سے سینہ بسینہ ہو کر لڑا۔ میں دیکھو کیسا بے جگری سے مجروح ہوا تھا کاش اگر ان کے بیچ میں دریا نہ ہوتا تو ایک متنفس بھی تو ایسا نہیں بچتا جو جا کر کیفیت جنگ تو بیان کرتا۔ یہ ساری باتیں تم کہنا اور جس قدر تمھارا جی چاہے گا اس سے بھی زیادہ بڑھا دینا۔ یہ تمھیں اختیار رہا۔ پھر مجھے ایک پیکٹ چٹھیوں کا وزیر اعظم کے نام دیا۔ اور کئی چٹھیاں دفتر کے مختلف اشخاص کے نام کی تھیں اور ایک عریضہ شاہ کو دیا اور پھر مجھے رخصت کیا اور حکم دیا کہ روانہ ہو جاؤ۔

اور مجھے معلوم ہوا کہ شاہ ابھی تک سلطانہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ گو فصل خریف گذر چکی تھی۔ اور طہران واپس پھرنے کا وقت پہنچ گیا تھا۔

میں وزیر اعظم کے صبح کے دربار میں پہنچا۔ میرے ساتھ مختلف ملک کے حصص سے جو قاصد آئے تھے وہ بھی وہیں کھڑے ہوئے تھے ہم سب داخل دربار ہوئے اس نے میری خبر سنی اور مجھ سے وہ خطوط لیے۔ جب اس نے میری طرف دیکھا تو مجھ کو آگے بلایا اور بہت زور سے کہا۔ خیر مقدم۔ "اے آمدنت باعث دلجوئی ما۔" تم بھی ہمملو میں تھے۔ کفار کو اتنی دلیری نہیں ہوئی کہ قزلباشوں کا مقابلہ کرتے۔ ایرانی سوار اور ایرانی تلوار کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا ممکن ہے کہ کوئی آنکھیں تو ملائے۔ اس چٹھی سے معلوم ہوا کہ تمھارا خان زخمی ہو گیا واقعی وہ شاہ کے عمدہ ترین ملازمین سے ہے۔ خیر اللہ کا شکر ہے کہ جان تو بچی۔ یہ تو کچھ بات نہیں ہے تم نے بھی دریا کے کناروں پر بہت ہی شدت اور سختی سے کام انجام دیا ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ میں نے اور بھی نمک مرچ لگا کے کہا اور جہاں جہاں ہاں ہاں۔ اور نہیں نہیں کا موقع ہوا برابر ہاں میں ہاں ملاتا چلا گیا۔ مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی اور اس خوشی کی لذت میں نے ہی اٹھائی کہ میں ان نظروں سے دیکھا جاتا تھا گویا میں عین میدان جنگ سے آیا ہوں۔

وزیر نے پھر اپنے سکرٹری مرزا کو طلب کیا۔ اور کہا دیکھو تم ابھی ایک فتحنامہ بناؤ جو ملک کے حصص میں ابھی روانہ ہو گا۔ خصوصاً وہ خراسان بھیجا جائے گا تا کہ سرکش اور باغی خان دبیں اور اس کی پوری پوری کیفیت ہمارے فاتح سلطان کو مفصل لکھی جائے ہم ابھی فتح کی آروز کر رہے تھے کہ ابھی ہمارے پاس فتح اور فتح بھی کیسی خونخوار فتح کی خوشخبری آئی۔

مرزا۔ دشمن کس قدر قوی تھا۔ (میری طرف دیکھ کے)

میں۔ (ذرا سوچ کر اور دل میں خیال کر کے کتنے کہوں کس قدر مناسب ہوں گے) بسیار بسیار

وزیر۔ (ذرا آہستگی میں) کیا پچاس ہزار سے نیچے نیچے تھے۔

مرزا۔ (پہلے وزیر کی طرف دیکھ کے اور پھر میری صورت پر نظر ڈال کے) تم نے کتنے قتل کیے۔

وزیر لکھ دو ہزاروں لاکھوں مارے گئے۔ ان چٹھیوں کو دیکھو جو کتنی دور سے یہاں آ کر پہنچی ہیں۔ یہ ہمارے شاہ کی توہین ہوتی ہے اور یہ اس کا درجہ نہیں ہے کہ کچھ کم تعداد بتائی جائے۔ بلکہ ہزاروں۔ لاکھوں لکھ دو۔ کیا تم ہمارے شاہ کو رستم اور افراسیاب سے کمزور سمجھتے ہو نہیں ہمارا شاہ ضرور خون پینے والا ہے۔ اور قاتل عدو ہے ہزاروں کو دم بھر میں فنا کر دیتا ہے۔ اچھا مرزا تم نے لکھ دیا۔

مرزا۔ ہاں حضور کی توجہ اور الطاف سے لکھ لیا۔ (اپنا کاغذ پڑھ کے) کہ کفار روس (خدا ان کو غارت کرے اور ان کو دوزخ کی آگ میں پھونکے) بڑی دلیری سے پچاس ہزار فوج لے کے ہم نبرد ہوئے تھے جو برابر گولیوں کی آگ برساتے ہوئے چلے آتے تھے۔ لیکن جونہی شاہ کا لشکر ظفر پیکر مقابلے کے لیے تیار ہوا ان میں سے دس سے پندرہ ہزار تک فی النار والسقر کر دیئے۔ اور اس کثرت سے زندہ قید کیے ہیں کہ غلاموں کی قیمت سو روپیہ فی صدی گھٹ گئی۔ (تمام ایشیا کے غلاموں کے بازار میں)

وزیر اعظم۔ بارک اللہ۔ تم نے بہت ہی خوب تحریر کیا ہے اگر یہ امر صحیح بھی نہ نکلا تو بھی شاہ کی خوش قسمتی سے ایسے موقع ہو جانے میں کیا دیر لگتی ہے۔ راستی بہت ہی اچھی چیز ہے کہ جب تک خاص مطلب کے لیے ہو لیکن بعض موقع پر یہ مضرت بھی دیتی ہے۔

مرزا۔ (اپنے گھٹنے کی جانب سے نگاہ اٹھا کے جو اس خط پر پڑی ہوئی تھی کہ جو شاہ کو لکھا جا رہا تھا) حضور آپ سعدی کا یہ مقولہ گوش گذرا فرمائیں۔ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔

وزیر نے اپنی جوتیاں منگائیں اپنی نشست کی جگہ سے اٹھا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا جو بڑی دیر سے ڈیرے کے دروازے پر اس کی انتظاری کر رہا تھا سیدھا شاہ کی بارگاہ فلک رفعت کی طرف روانہ ہوا تاکہ جو کچھ اسے خبریں ملی ہیں وہ سب جا کر شاہ سے عرض کرے میں بھی اس کے اور ملازمین کے جرگہ میں اس کے ہمرکاب روانہ ہوا اس نے چلتے میں میری طرف دیکھا۔ اور کہا۔ جاؤ تمھیں رخصت کیا۔ جاؤ اور ماندگیء سفر سے آرام کرو۔

سترہواں باب

حاجی بابا کا آفت ناگہانی میں پھنسنا

چندروز کے بعد وہاں سے کمپ اکھڑا اور شاہ اسی تزک وشان سے طہران اپنے موسم سرمائی گذارنے کے مقام پر روانہ ہوئے۔ میں نے اپنے عہدہء سب لفٹنٹی سے اپنے سردار کے فرائض بھی اس کی غیر موجودگی میں انجام دیے اور جو لوگ میرے ماتحتوں میں سے تھے ان کا میں خوب تندہی سے انتظام کرتا رہا۔ اور برابر شاہ کی سواری اور کل انتظام کو اچھی طرح سے نبھاہا۔ حکم ہوتے ہیں میں نے ایک قاصد طہران روانہ کر دیا تھا کہ گانے بجانے والیاں اپنے اپنے ساز و سر درست کر رکھیں کہ جس وقت سلیمانہ میں شاہ پہنچیں وہ ہر طرح سے تیار پائیں۔ سلیمانہ ایک محل ہے جو کارج کے کناروں پر واقع ہے اور دارالخلافہ سے اس کا فاصلہ نو فرسنگ ہے۔

جس وقت مجھے یہ حکم پہنچا تو میری بھولی ہوئی پیاری زینب پھر مجھے یاد آگئی میری وہ محبت اور الفت کے جوش جو دھیمے پڑ گئے تھے اور وجوہات پے درپے کے باعث میرے عشق کی جلتی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی اب پھر بھڑک اٹھی۔ اول ملاقات کو سات ماہ کامل گذر چکے تھے گو اس عرصے میں میری زندگی کا بہت سا حصہ بالکل وحشی ناخدا ترس آدمیوں میں گذرا تھا جس سے میرے فیلنگ برباد ہو جاتے۔ تاہم اب بھی وہی نرمی وہی ملائمیت وہی الفت میرے دماغ میں باقی تھی۔ اور اس وقت جو خیال میرے دل میں بسا ہوا تھا صرف وہ مقام تھا جہاں وہ رکھی گئی تھی دم بدم مجھ کو اس کا خیال آتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں تصور کیا کہ ہم بہت جلدی ایک دوسرے کے دیدار سے شاداں ہوں گے۔

گو کہ شب آخر ہوئی اے شمع توزاری نہ کر
پھر وہی محفل وہی تیرا شبستان غم نہ کھا

چند ہی روز میں ہم سلیمانہ پہنچتے ہیں پھر اس کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔

پہنچنے کے روز میں جلوس میں آگے آگے تھا تا کہ اس امر کو دیکھوں کہ آیا شاہ کے لیے تیاری مکمل ہو گئی ہے یا کچھ کسر باقی ہے جو نہی میں اس محل کی دیواروں کے پاس پہنچا جہاں یہ تمام مہ جبین اپنا ساز و سامان درست کیے جلوہ فزا تھیں۔ میں نے ان کی اور ان کے موسیقی کے آلوں کی آوازیں سنیں کیا میں زینب کی آواز نہ سن سکوں گا اور کیا اے خدا اس کی دور سے بھی صورت نہ دیکھ سکوں گا مجھے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ میں زیادہ اس کی نسبت کسی سے سوال نہ کروں گا۔ کیونکہ پھر کسی کو شبہہ ہو جائے گا۔ یہ دونوں کے لیے ایک خطرے کا مقام ہے اور عجب نہیں کہ اس سے وہ فتنہ اٹھے جو دونوں کو نیست و نابود کر دے۔ اس کی نسبت خیال کرنا اور دماغ پچی کرنے کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ بہت ہی کم دیر میں میں نے اونٹوں کے گردوں (چھوٹی توپ) سے سلامی کی آوازیں سنیں معلوم ہوا کہ شاہ گھوڑے پر سے محل کے دروازے پر اترے ہیں۔ عام دربار کے مقام پر شاہ نے کچھ دیر قیام کر کے حقہ پیا اور پھر تمام پادریوں کو رخصت کر کے آپ حرم سرا میں چلا گیا۔

جب شاہ محل میں داخل ہوئے تو میں نے تمام عورتوں کے گانے کی آوازیں سنیں۔ طنبور۔ دف۔ اور ستار بجتے جاتے تھے۔ اور خوب دھوم دھام ہو رہی تھی جس کی برابر آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے وہاں دب کر اپنے کانوں سے زینب کی خوش آواز کو سنا کہ کس لہک سے گا رہی ہے۔ ہر چند اس کے سننے کی کوشش لیکن محض فضول تھی۔ کہیں نام بھی نہیں تھا۔ اب میں ایک خوف اور ناامیدی و شکستہ دلی کی حالت میں رہ گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عاشق کو ماسوائے اس کے اور کچھ حصہ ہی نہیں ملتا۔

عادت عشاق چیست مجلس غم واشتن　　　ماتم شیون زدن نالہ ہم واشتن

بر سر عمان درد موج حلاوت زدن

بر در میدان دل فوج ستم اشتن

اسی وقت بہت جلدی کا شاہ کے پاس سے ایک حکم نازل ہوا کہ ابھی مرزا احمق پر انا مالک حاضر ہووے۔

جب میں نے سنا کہ حکیم بلایا گیا ایک سناٹا میرے سر سے اٹھا اور دل میں جا کے بجھا برابر سنسنیاں اٹھنی شروع ہو گئیں کہ ضرور اتنی جلدی حکیم کو بلانا کچھ دال میں کالا کالا ہے شاید پیاری مگر مظلوم زینب کی جان پر کوئی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔

مرزا احمق حاضر ہوتے ہی رخصت کر دیا گیا۔ حرم کے دروازے پر میں کھڑا ہی ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی مرزا احمق نے

ایک طرف بلایا اور کہا۔

حاجی۔ شاہ بہت ہی خفا ہو رہا ہے۔ تمھیں یاد ہو گا کہ جب نوروز کی تقریب میں شاہ میرے یہاں دعوت کھانے آیا تھا تو میں نے اپنی کردش لونڈی کو نذر دیا تھا اب اس وقت وہ ناچنے والی عورتوں میں نہیں آئی اور اس نے مرض کا عذر کیا ہے۔ شاہ اس پر مٹا ہوا ہے اور وہ اس بات پر اپنی جان قربان کیے دیتا ہے کہ کسی طرح سے اسے دیکھے۔ اس نے بتاکید مجھ سے کہا ہے کہ تم جا کر فوراً اس کا انتظام کرو اور ابھی اسے یہاں حاضر کرو اور یاد رکھنا کہ اگر اسے پوری صحت نہ ہوئی اور وہ حسن نہ ہوا کہ جب وہ محل میں داخل ہوتے اپنے چہرہء پر نور میں رکھتی تھی تو یاد رکھیو مرزا احمق تیری جڑ سے داڑھی اکھیڑ لی جائے گی۔

لعنت ہے اس کمبخت گھنٹے پر جس وقت وہ میری لونڈی بنی تھی اور نیز ہزار درجہ لعنت ہے اس ساعت پر بھی کہ جب شاہ میرے ہاں مہمان آیا تھا۔

یہ کہہ کے طبیب صاحب تو طہران روانہ ہوئے اور میں اپنے ڈیرے میں واپس چلا آیا اور اس کمبخت اور بدنصیب لڑکی کی قسمت پر خیال کرنے لگا کہ دیکھیے آئندہ اسے کن کن آفتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں اس امر سے گونہ خوش تھا اور یہ مجھے پوری امید بندھی تھی کہ جب قطعی وہ مریض ہے تو پھر ایسی حالت میں شاہ کے آگے حاضر کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر مجھے اس امر سے بھی خوف ہوتا تھا کہ جب شاہ نے مرزا احمق کو یوں یوں دھمکایا ہے تو وہ ضرور اسے جا کے چھینٹے دے گا اور کہے گا کہ تو ذرا بشاش چہرہ بنا کے شاہ کے آگے چلی چل۔

پھر بھی اگر واقعی میرے جذبات کچھ قوی اور بہادر ہیں تو پرواہی کیا ہے۔ ''تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔''

مجھے اس وقت ایک شاعر کے چند مصرعے یاد آئے۔

اگر عالم میں ایک ہی آہو چشم پیدا ہوا ہے۔ اگر ایک ہی سرو قد کا دنیا میں ظہور ہوا ہے یا ایک ہی ماہ کامل جلوہ فزا ہے تو ضرور مجھ کو ایسے کے جاتے رہنے پر رونا اور واویلا و بکا کرنا چاہیے۔

میں کیوں سوختہ ہوں۔ کیوں اپنے آپ کو قتل کروں۔ اور کیوں میں چشم پر نم سے خون کی ندیاں بہاؤں۔

نہیں جہاں عشق سستا ملے وہیں سے کیوں نہ خریدوں کیونکہ میں خود اپنی محبت و عشق کے جذبات کا بہت بڑا ممسک ہوں۔

اس طرح سے میں اپنی طبیعت کا اطمینان کیا اور اپنے دل میں یہ خیال کر کے کہ تو ایک راسخ الاعتقاد پکا مسلمان ہے

کیوں اپنی ایک عورت کے پیچھے جگ ہنسائی کی۔ لیکن پھر بھی جہاں میں جاتا اور جس خیال میں ہوتا زینب کی صورت یا ایک نعش خاک وخون میں لتھڑی ہوئی میری آنکھوں کے آگے رہتی اور ہر ساعت اور ہر وقت میرے خیالات کا شکار کھیلتی۔

آخر کار شاہ کے طہران کے داخلے کی خوش ساعت نجومیوں نے بتائی اور شاہ مع اپنے تمام جلوس کے اسی طرح سے طہران کی بھری آبادی میں دارالخلافہ میں داخل ہوئے یہاں بہت ہی شاہ کے پہنچنے پر مبارکبادی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اب میری دلی خواہش یہ ہوئی کہ کسی طرح سے حکیم سے ملاقات کروں کہ خبر نہیں زینب کے معاملے میں کیا کاروائی ہوئی مگر اس طرز سے یہ حال معلوم ہو کہ مجھ پر کوئی شبہہ آکر نہ واقع ہو۔ داخلے ہی کی شام کو میری آرزوئیں اور خواہشیں (وہ خواہشیں جو خونی تھیں) پوری ہو گئیں۔ میں اپنے ایک ماتحت کو کچھ احکام سنا رہا تھا کہ میں نے دیکھا حکیم صاحب بہت ہی متردد شاہ کے خاص کمرے میں سے نکلے۔ ایک ہاتھ تو ان کا اپنی کمر کی پیٹی پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ ہمیشہ سے زیادہ کمر جھکی ہوئی اور زمین کی طرف بہت مضطربانہ حالت میں پریشان نگاہیں نگران تھیں میں نے اپنے کو مرزا احمق کے راستہ میں کھڑا کیا اور ان سے سلام کیا جس سے مرزا احمق نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔

جب مجھے حکیم صاحب نے پہچانا تو میری طرف مخاطب ہو کے بولا۔ تم ہی کو تو میں تلاش کر رہا تھا آؤ ذرا یہاں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یہ کہہ کے مجھے ایک جانب لے گیا۔

حکیم۔ ایک عجیب معاملہ درپیش ہے۔ اس کردش لڑکی نے میری داڑھی کو بھی خاک آلود کر دیا۔ واللہ شاہ تو بالکل اس کے پیچھے مجنون بن گیا ہے۔ اب وہ یہ کہتا ہے کہ جس قدر میری حرم میں یا حرم کے باہر مرد ہیں سب کا قتل عام کرنے کا حکم دیتا ہوں نہ وزیر بچے گا اور نہ کوئی خواجہ سرا محفوظ رہے گا۔ اس نے اپنے سر کی قسم کھا کے کہا ہے اے حکیم پہلے تجھی کو قتل کروں گا۔ اگر مجھے وہ مجرم نہ ہاتھ لگا۔

میں۔ کون۔ کیا۔ کہیے تو سہی کیا واقعہ ہوا وہ مجرم کون ہے۔

حکیم۔ وہ مجرم اصل زینب ہے۔ اور کس کو بتاؤں۔

میں۔ اوہو زنیب تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس سے الفت رکھتے ہیں۔ اور میں نے یہ بات حکیم سے یوں کہی کہ کہیں اسے مجھ پر شبہہ نہ ہو۔

حکیم۔ استغفر اللہ حاجی یہ تمھارے کہنے کی بات ہے۔ خدا کے لیے یہ زبان سے ہر گز نہ نکالو۔ اگر شاہ کو اشارتاً بھی معلوم ہو گیا تو ابھی میری گردن اڑا دے گا۔ یہ تم نے کہاں سنا کہ زینب پر میں مرتا ہوں۔

میں۔ آپ کی نسبت جب یہ غلغلہ اڑا تھا کہ آپ اس پر جان و دل سے فریفتہ تو حضرت مجھے تو یہ یقین نہیں آیا تھا کہ آپ جیسا دانا شخص لقمان زمان فارس میں جالینوس ایسی بات کرے اور ایک کردش لونڈی کے ساتھ محبت کر کے اپنی جان کو خطرے میں ڈالے گا۔ اور وہ لڑکی جو شیطان کی بیٹی ہے اور جس کا وہ نحس قدم ہے کہ اس نے سب کو نچار کھا ہے جس نے تمام سلطنت کو کس طرح خدشہ میں ڈال دیا ہے۔ ''خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔''

حکیم۔ حاجی یہ تو تم سچ کہتے ہو۔ (اپنا سر ادھر ادھر ہلا کے اور اپنا بایاں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر) میں بڑا ہی جید بیوقوف تھا کہ اس کی سیاہ سریلی آنکھوں کا رام ہو چکا تھا بھائی حاجی وہ آنکھیں تھوڑی ہی تھیں وہ تو خود سحر تھیں۔ وہ لڑکی خود نہیں نظر ان تھی بلکہ شیطان انھیں ہو کے دیکھتا تھا۔ میں کمبخت تو قرمساق ہو گیا اور زندگی بھر یہ دھبہ میرے دامن عزت سے نہیں جا سکتا۔ خیر جو کچھ ہوا وہ تو ہوا اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔

میں۔ کیا کہہ سکتا ہوں شاہ دیکھیے اب اس کا کیا کرے گا۔

طبیب۔ شاہ کو تو جہنم واصل ہونے دو۔ شاہ کو اس کے باپ کے مقبرے میں دفن ہونے دو اب تو مجھے اپنی جان کے لالے پڑ رہے ہیں۔

یہ کہہ مرزا احمق نے محبتانہ نظروں سے میری طرف دیکھ کے کہا۔ آہ حاجی اس کا تو تمھیں بخوبی علم ہے کہ میں تم سے کیسی الفت کرتا ہوں۔ جب تم بے خانماں تھے میں نے خاص اپنا گھر تمھیں رہنے کو دیا۔ میں نے تمھیں عہدہ دلوایا۔ اب تم میرے ہی سبب سے یہاں تک پہنچ گئے۔ دیکھو حاجی دنیا میں احسان مندی اور حق شناسی سے بہتر کوئی چیز بھی خداوند تعالیٰ نے پیدا نہیں کی بس یہی ایک بیش بہا زیور ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم اس میں کاربند ہو۔

کچھ دیر توقف کر کے اور میری داڑھی کو ہاتھ لگا کے۔

جو کچھ میں نے کہا تم نے اس کا خیال کیا۔

میں۔ نہیں اب تک یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

طبیب۔ بھائی اصل یہ ہے کہ تم مجرم بن جاؤ۔ تم نوجوان ہو اور یہ عشق و محبت کی بات تم پر بخوبی صادق آ سکتی

ہے۔

میں۔(ہوش وحواس باختہ ہو کے) اس میں تو جان کی جوکھوں ہے۔ اے طبیب دیوانہ تو نہیں ہو گیا۔ آپ مجھے ایسا بھی خیال کرتے ہیں۔ میں کیوں مرنے لگا آپ میرا خون اپنی گردن پر کیوں لینا چاہتے ہیں۔ جو کچھ ہے وہ صاف صاف یہ ہے کہ اگر مجھ سے امر میں سوال ہوا تو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حکیم صاحب مجرم نہیں ہیں اور ان کا زینب سے کچھ تعلق ہے کیونکہ جس زمانے میں وہ ان کی حرم میں تھی ان کا تو خانم کے ڈر کے مارے دم نکلتا تھا۔ یہ نہیں ہو گا کہ میں اپنے کو کہہ دوں کہ ہاں میں اس پر مرتا ہوں۔ اور گناہگار ہوں۔

ہم باہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک خواجہ سرا آیا اور اس نے یہ کہا کہ ہمارے سردار نے حکم دیا ہے کہ افسر جلاداں کا سب لفٹنٹ آدھی رات کو پانچ آدمیوں کو لے کے اس بلند مینارے کے دامن میں انتظار کرے جس کا راستہ شاہی محل میں جاتا ہے کیونکہ انھیں تدفین کے لیے ایک تابوت لے جانا ہو گا۔

میں نے جواب میں یہی کہا کہ بچشم۔ میری یہ بہت خوش ساعت تھی کہ اس نے مجھے جلدی سے رہا کیا۔ مرزا احمق بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اب شام ہو گئی تھی کہ جو کچھ اس خبر جانکاہ کے سننے سے مجھ پر ایک آفت نازل ہوئی تھی اس کو میں ہی خوب جانتا ہوں ایک سناٹا چھاتی میں سے اٹھا اور کلیجے میں جا کے پار ہو گیا۔ آنکھیں ادھر ادھر ڈگر ڈگر کر رہی تھیں۔ میرے گھٹنوں نے جواب دے دیا تھا۔ خود بخود بیٹھے چلے جاتے تھے۔ اگر مجھے اپنی اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ کوئی شبہہ کرے گا تو میں واقعی لڑکھڑا کے بے ہوش گر پڑتا اور اسی محل کے مرکز سے میں ہرگز نہ رکتا۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ کیا یہی کافی نہیں ہے۔ میں اس کی موت کا باعث ہوا۔ کیا یہی سزاوار ہے کہ میں ہی اس کا قاتل بھی ہوں۔ میں ہی اپنے بچے کے لیے قبر کھودوں میں وہ بدقسمت ہوں کہ جس نے اپنے سرد اور بے جان اعضا قبر میں پھیلائے ہیں۔ اے بے رحم تقدیر اے بے رحم سرنوشت میں کیوں ایسا کروں۔ کیا میں اس ظلم کے راستے سے بچ نہیں سکتا۔ کیا اپنے کلیجے میں چھری نہیں بھوک سکتا۔ لیکن نہیں یہ صاف ہے کہ میری سرنوشت میں یہی لکھا ہوا تھا۔ روز ازل سے میرے لیے یہ قسمت ہو چکا تھا تو اب اس سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔ جو کام کہ میرے لیے مقرر ہوا ہے اس کو ضرور مجھے کرنا چاہیے۔ اے دنیا اے دنیا تو بھی عجیب ہے خبر نہیں تو نے کیا کیا کیا ہے اور کیا کرے گی۔ ایک شخص اپنی راز کی باتوں پر نقاب ڈالتا ہے اور تو اسے ظاہر کرتی ہے کہ

اصل یہ ہے۔

ان جذبات اور خیالات جانکاہ سے میرے دل پر ایک غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

نہ معلوم تھا الفت میں کہ غم کھانا بھی ہوتا ہے　　　جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے

سسکنا آہ کرنا اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے　　　کیے کو اپنے آخر پچھتانا بھی ہوتا ہے

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را

نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

فوراً اپنے کام کی انجام دہی کے لیے میں روانہ ہوا اور میں نے اپنے آدمیوں کو اس خونی کام کے لیے جمع کیا۔ یہ لوگ اس واقعہ سے محض نابلد تھے وہ سوچ رہے تھے کہ آیا ہم آلہء قتل لے کے چلیں یا ہمیں صرف نعش اٹھانی پڑے گی۔

رات کی اندھیاری چادر کافی طور پر زمانے میں پھیل گئی تھی اور کام کرنے کا وقت آ چلا تھا۔ آفتاب خون آلود شفق میں غروب ہو گیا تھا۔ جب بہت رات ہو گئی تو وہ بجلی اور مینہ کی طرح موقع واردات پر پہنچے۔

جونہی ہم پہنچے چاند اچانک غبار میں سے نکل آیا لیکن پھر فوراً ہی غروب ہو گیا رات کی اندھیاری اور سیاہی کی وہی کیفیت ہو گئی۔ میں محل کے گارڈ روم میں تن تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے پہرے والے مینار سے پاسبانوں کی آوازیں سنیں جو آدھی رات کے ہونے کی شاہد تھیں۔ اور مؤذنوں کی آوازیں جو دہشتناکی سے میرے کانوں میں ہو کے رگوں میں ایک سناٹا سا پید کرتی تھیں اور میری آنکھوں کے آگے خون آلود صورت گردش کر رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ وقت قتل آ پہنچا ہے۔ یہ سب باتیں گویا اس مظلومہ لڑکی کے قتل کی مقدمۃ الجیش تھیں۔ میں چونکا اور ان آوازوں کے زیادہ دیر سننے کی تاب نہ لایا ۔ میں نہایت ہی مایوسانہ حالت میں لپکا۔ جب میں جائے مقررہ پر پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پانچ ساتھی بھی وہاں موجود ہیں۔ اور تابوت کے ادھر ادھر بے پروائی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھ میں صرف اس لفظ کے کہنے کی تو طاقت تھی کہ شد۔ یعنی کیا یہ کام ہو گیا۔ انھوں جواب دیا نہ شد۔ یہ سن کے میں غمگین ساکت ہو گیا۔ میں سمجھا تھا کہ یہ خوفناک امر ہو چکا ہو گا۔ ہاں اتنا ہو گا کہ میں صرف اس کے مدفن تک چلا جاؤں گا تاکہ مجھے اور دوسرے خوفناک موقع کے دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ مگر نہیں یہ اب ہونے ہی کو تھا۔ تو اب میں بھلا یہاں سے بازگشت کیونکر کر سکتا تھا۔

جہاں شاہ کی عورات مقید رہتی ہیں یہ مقام ایک بلند ہشت پہلو گر گج ہے۔ تیس گز اس کی بلندی ہو گی۔ شہر کے تمام حصص سے یہ بخوبی دکھائی دیتا ہے۔ چوٹی پر ایک کمرہ بنا ہے جہاں شاہ اکثر آکے ہوا خوری کرتا ہے اور آرام لیا کرتا ہے۔ اس کے محیط ایک غیر مشخص زمین واقع ہے حرم کا خاص بڑا پھاٹک اس کے بہت ہی پاس ہے۔ اس گر گج کی چوٹی پر ایک بالاخانہ کا صحن ہے۔ (وہ صحن جو تمام عمر مجھے نہیں بھولے گا) یہی جگہ تھی جس پر ہمارا بالکلیہ خیال رجوع کیا گیا تھا۔ میں وہاں بہت مشکل سے پہنچا تین صورتیں میں نے دیکھیں۔ ان میں دو مرد تھے اور ایک عورت تھی جن کی صورت چاندنی سے چمک رہی تھی۔ اور ان کی ہیئت سے وحشت اور خونخواری ٹپک رہی تھی۔ وہ اپنے وکٹم (قربان) کو بہت زور سے گھسیٹ رہے تھے۔ وہاں زینب دکھائی دی جو اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے گھٹنوں کے بل کھڑی ہو کر اپنی وضع میں التجا اور منت کر رہی تھی۔ یہ گویا نہایت ہی جانکنی اور حد سے زیادہ اندوہ و الم کا موقع تھا۔ جس سے زیادہ خونخوار وقت چشم خون آلود فلک نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔ جب یہ دونوں قاتل گر گج کے کونے پر تھے تو مظلومہ زینب کی آواز وہاں سے تو سنائی دیتی تھی۔ لیکن وہ آوازیں ایسی پر وحشت اور خطرہ آمیز تھیں جب اس تیز ہوا میں جو گر گج کے گرد بہت زور شور سے چل رہی تھیں اس طرح سے آتی تھیں جیسے کوئی دیوانہ ہنس رہا ہے۔

ہم سب اس طرح سے بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہماری جانیں تنوں میں تھی ہی نہیں۔ میرے ساتھی قاتل پھر متحرک ہوئے۔ میں تو بالکل بے جان مٹی کے ڈھیلے کے موافق ہو گیا تھا اگر کوئی مجھ سے یہ دریافت کرتا کہ تیری اس وقت کیا حالت ہو گی تو میں صرف اتنا کہہ سکتا کہ جب میں اپنے آپے میں ہی نہیں تھا تو میری حالت کیا پوچھتے ہو۔ گو میں محض ایک تو وہ گل اور بیجان تھا۔ لیکن پھر بھی میں اس سے واقف تھا کہ اب کیا ہو رہا ہے آخرش ایک زور کی اور غمگین دکھ دینے والی صدا سنائی دی جو نکلتے ہی پھر ساکت ہو گئی جس وقت ہم سے یہ کہا ہے کہ معاملہ ختم ہو گیا بس مجھ پر تو غم کا کوہ ہمالیہ ٹوٹ پڑا۔ الم کا ایک بھالا تھا جو جگر کے پار ہو گیا۔ میں جلدی سے اٹھا اور چکراتا ہوا موقع واردات پر پہنچا جہاں میری زینب خاک وخون میں لتھڑی ہوئی سرنگوں پڑی ہوئی تھی۔ اب بھی کچھ کچھ زینب کی سانس چلتی تھی۔ مگر موت کی پوری حالت اس پر طاری تھی۔ اس کے ہونٹ پھڑ پھڑا رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ کہے گی۔ مگر اب بھی اس کے منہ سے برابر خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ میں اس کی کوئی بات نہ سمجھ سکا حالانکہ اس کی آواز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ الفاظ کہتی ہے۔ شاید وہ یہ کہتی ہو گی۔

"میرے بچے میرے بچے۔" مگر یہ صرف میرے دماغ کو دھوکا دہی تھی۔ میں ایک گہری اور جگری شکستہ دلی سے اس کے قریب گیا اور پھر مجھے اس کا کچھ خیال نہ رہا کہ ان باتوں سے میری زندگی بچے گی یا نہیں۔ اس وقت میری وہ بے چینی کی حالت تھی اور میں اپنی اس مایوسانہ اور شکستہ طبیعت پر کام کر رہا تھا۔ اگر ذرا بھی کسی کو شبہہ ہو جاتا ممکن تھا کہ میری جان بچتی۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنا رومال اس کے خون میں ڈبو لیا اور دل میں کہا کہ اسے کبھی جدا نہیں کرنے کا۔

جب میں نے اوپر کی چوٹی سے زینب کے قاتل کی ایک کریہہ اور بے رحم آواز سنی کہ کیا زینب کا دم نکل گیا یا ہنوز تڑپ رہی ہے تو میں اپنے آپے میں آ گیا۔

جلاد۔ ہاں وہ تو اب پتھر کے موافق ہو گئی ہے۔

دوسرا جلاد۔ تو پھر اسے گاڑنے کے لیے کیوں نہیں لے جاتے۔

یہ سن کے میرے آدمیوں نے اس کی خون آلود نعش کو تابوت میں رکھا اور اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قبرستان کی طرف لے گئے۔ یہاں اس مظلومہ کے لیے پہلے ہی گڑھا کھدا ہوا تھا میں بھی جنازے کے پیچھے خونی جگر بدحواس اوسان باختہ چلا۔ تمام جہاں کی مصیبتوں اور غموں میں میرے خیال ڈوبے ہوئے تھے۔ جب ہم اس کے مدفن میں پہنچے تو میں قبر کے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ مجھ پر وہ عالم طاری تھا کہ یہ بھی خبر نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے میں نے یہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ایک شخص نے نہایت ہی بے پروائی سے مردے کو قبر میں ڈال دیا۔ پھر اس پر مٹی چھڑک دی اس کے بعد ایک پتھر اس کے سرہانے رکھا اور ایک پیروں کی طرف رکھا۔ جب انھوں نے اپنا کام پورا کر لیا تو وہ میرے پاس آئے اور کہا کام تمام ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا تم گھر جاؤ میں بھی تمھارے پیچھے آتا ہوں۔ انھوں نے مجھے قبر ہی پر بیٹھا ہوا چھوڑا۔ اور وہ شہر واپس چلے گئے۔

رات کا بہت ہی گھپ گھاپ اندھیرا تھا۔ پہاڑوں میں سے کچھ گڑ گڑاہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سوائے گیدڑوں کے جو بچوں کی طرح شور مچاتے ہیں اور کسی کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ یہ گیدڑ مردے کی بو پا کر قبر کے ادھر ادھر چکر لگا رہے تھے۔

میں بڑی دیر تک قبر پر بیٹھا رہا۔ یہاں سے نہ گھر واپس پھرنے اور نہ اپنے خونخوار عہدہ جلادی کا اصلاً خیال آیا۔ ہزار ہا قسم کے توہمات اور خیالات میری طبیعت میں آنے لگے اور دنیا سے دل وہ بیزار ہوا اور اس کی بیوفائی کا نقشہ کھنچا ایسا قلب میں بیٹھ گیا کہ بس یہ جی میں ٹھان لی کہ اس تمام جھگڑے ٹنٹے کو چھوڑ چھاڑ کر الگ کروں اور پھر اچھا خاصہ درویش بن جاؤں تاکہ میری زندگی کا باقی ماندہ حصہ صبر و آرام سے کٹے جونہی مجھے اس امر کا خیال ہوا کہ اگر میرے کوئی فعل یا کسی بات سے افشائے راز ہو جائے تو پھر ظاہر ہے کہ مظلومہ کے پہلو بہ پہلو مجھے بھی آرام کرنا پڑے گا۔ پس میں نے تو یہ ارادہ کیا کہ اس منحوس شہر کو چھوڑ ہی دو۔

اس وقت دن نکل آیا تھا اور دو وجوہات سے میری طبیعت میں آئی کہ سب کو چھوڑ چھڑا کے چلتے بنو یہ وجوہات تھیں کہ اول تو مجھے اپنی جان کا ڈر تھا دوسرے طہران سے سخت نفرت ہو گئی تھی میں نے ارادہ کر لیا کہ پیدل ہی روانہ ہو۔ اور کنارہ گردپر چل پڑو۔ وہاں سے قافلا اصفہان روانہ ہو گا اسی کے ساتھ چلے چلنا۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ خبر نہیں میرے والدین کی کیا نوبت ہوئی ہو گی شاید میں اپنے باپ کو زندہ و سلامت پاؤں اور اس کے کلیجے کو جا کے تسکین دوں جو میری مفارقت سے چھلنی ہو گیا ہو گا۔ اور اس کے بڑھاپے میں اس کو مدت کے گم شدہ بیٹے کے ملنے کی خوشی دوں۔ بھلا میں کیونکر اس بدقسمتی سے جو میرے گلے کا ہو رہی ہے اپنے فرائض پورے کروں گا۔ میں نے بہت کچھ اپنی زندگی میں برائیاں کی ہیں۔ اور بڑے بڑے گناہ کیے ہیں اب مجھے ان سے توبہ کرنی چاہیے۔

اس خوفناک واقعہ نے میری طبیعت میں کچھ ایسا گھر کیا اور میرے دماغ کو ایسا پلٹایا کہ آخر میرا قطعی ارادہ ہو گیا کہ بالکل فقیر بن جاؤں اور ان تمام مکروہات کو چھوڑ دوں۔

اٹھارہواں باب

حاجی بابا کا اپنے پرانے دوست سے ملنا

میں نے اپنی چھاتی سے وہ خون آلود رومال نکالا جو پیاری زینب کے لہو سے اب بھی گیلا تھا۔ کس حسرت اور غمنا کی سے میں نے اس کی طرف نظر کی۔ پھر میں نے اس خون آلود رومال کو قبر پھیلا دیا اور میں نے جیسا کہ میں دیکھ دیکھ کے عادی ہو گیا تھا اس کی قبر پر فاتحہ پڑھی جب میں یہ کر چکا تو اب میرا ارادہ قوی ہو گیا کہ میں طہران چھوڑ دوں خوب مصمم قصد کر کے میں نے اپنا رخ اصفہان کی طرف کیا۔

جب میں کنارہ گرد پہنچا اور وہاں کاروان کا کوئی کھوج نہ دیکھا تو میں کاروانسرا میں چلا گیا اور شب بھر وہیں بسر کرنے کا ارادہ کیا۔

جنگل سے کچھ دور فاصلے پر جب میں ایک عمارت کے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص زمین پر بیٹھا ہوا ہے اور عجیب سانگ کر رہا ہے کوئی شے اس کے آگے پڑی ہے اس سے وہ کھیلتا بھی جاتا ہے اور کچھ اس سے کہتا بھی جاتا ہے جب میں اس کے قریب پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کچھ اپنی ٹوپی سے باتیں کر رہا ہے جو وہیں اس کے آگے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی ہے۔ میں نے وہ صورت دیکھی جو میری پہلے شناسائی تھی۔

میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ شاید میرے مشہدی درویشوں میں سے یہ ایک درویش ہے۔

غرض کہ معلوم ہوا کہ یہ قصہ گو درویش تھا جو اپنی ٹوپی سے مخاطب ہو کے قصہ کہہ رہا تھا تا کہ اس کی مشق بڑھے ۔ جونہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اس نے مجھے پہچان لیا اور دوڑ کے گلے سے لگا لیا اور بہت ہی محبت و الفت دلی ظاہر کی۔

درویش۔ اے حاجی بھائی السلام علیکم۔ اتنے سال گذشتہ کہاں رہے تمھاری جگہ مدت سے خالی پڑی ہے۔ اس وقت تمھیں دیکھ کے میری آنکھوں میں نور آ گیا۔

غرض یونہی اس نے کئی بار کہا کہ تیرے ملنے سے حاجی مجھ میں جان آ گئی اس قدر دل خوش ہوا ہے جیسے ہفت اقلیم کی سطنت مل گئی۔ پس یوں ہی کہتا رہا۔ اس کے بعد اصلی مطلب کا ذکر آیا اور اس نے ذکر چھیڑا۔

جب سے کہ ہم جدا ہوئے تھے اس کو ایک زمانہ مدید گذر گیا تھا۔ جب سے اس نے مختلف باتوں کا ذکر کیا۔ سفروں کی شدائد و تکالیف جو اس نے بھگتی تھیں کہنی شروع کیں اور جن جن وسائل اور طرق حیلہ و حوالہ سے اپنی روٹی پیدا کی تھی سب بیان کیے۔ یہ قصہ گو درویش قسطنطنیہ سے آیا تھا اور اب اس کا ارادہ تھا کہ موسم گرما کو اصفہان میں صرف کر کے دہلی چلا جائے۔

گو مجھ پر ایک غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا اور اپنی بے گناہ مظلومہ کو خون آلود دیکھ کے قلب خونم خون ہو رہا تھا اور اس کی باتوں کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی لیکن پھر بھی اس سے خیال سے کہ کہیں میرا ساتھی مکدر خاطر نہ ہو اور اس کو ملال نہ گذرے میں نے اپنی صورت جان کے کچھ بشاش سی بنالی اور اس کی طرف پوری اپنی توجہ مبذول کی اور جو کچھ مشہد چھوڑ مجھ پر بیتی تھی آج تک کی رام کہانی اسے کہہ سنائی۔

میں نے سارا اپنا مفصل حال اس سے بیان کیا اور قدم بقدم جس طرح سے کہ میں نے ترقی کی تھی اور اتنے بڑے عہدے پر پہنچا سب اس سے کہہ دیا۔ اور میں اس امر کا خیال کر کے بہت ہی مسرور تھا کہ میری ایسی کامیابی اور اعلیٰ درجے پر پہنچ جانے سے یہ میری بہت توقیر کرے گا اور اس کی نظروں میں میری عزت بڑھے گی۔ جب میں نے یہ بیان کیا کہ میں نے سب لفٹنٹی سے عہدہء چیف جلاد حاصل کیا تو مجھے اس امر کا یقین تھا کہ یہ ضرور میرے آگے ڈنڈوت کرے گا۔ تجارت نے اسے اس بات کی تعلیم کی تھی کہ وہ ایسے عہدے والے کے سامنے گردن عجز خم کرے۔ لیکن جب وہ میری پوری رام کہانی گوش گذار کر چکا کہ میں نے کس طرح سے صرف ایک عورت کے لیے اپنا ایسا اعلیٰ عہدہ چھوڑ دیا۔ یہاں خیال اور تھا اور اس نے کچھ اور ہی کہا۔ وہ بولا۔ حاجی تو اس عزت کے خلعت کے قابل نہیں تھا جو خوش قسمتی نے تجھے چھانٹ تراش کر پہنائی تھی۔

کیونکہ اگر شاہ نے ایک بے ایمان لڑکی کو قتل کر ڈالا جس کے قصور میں نصف تم بھی حصہ دار ہو تو تم نے اس عمدہ اور اعلیٰ عہدے کو جو اتنی مصیبت میں تمھیں حاصل ہوا تھا چھوڑ دیا اور پھر تمھارا یہی جی چاہے کہ اسی مصیبت اور فلاکت میں گرفتار ہو اور فاقہ مستی میں پاپڑ بیلو جس میں کہ میں پھنسا ہوا ہوں۔

اچھا دیکھو جو شخص زندگی میں صرف خوشی حاصل کرنے کے لیے جو راستے اختیار کرتا ہے ان کا کوئی شمار نہیں ہے۔ کوئی تو بلند سڑک پر چلتا ہے کوئی کم درجہ اور کمینہ وسائل سے خواہان خرمی ہوتا ہے بعض لوگ اپنے لیے اور بھی نئے راستے نکالتے ہیں اور بعض کوئی راہ بھی اختیار نہیں کرتے اور ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتے ہیں۔ لیکن میں نے آج تک تم جیسا شخص نہیں سنا جو ہر راستے پر چلا ہو۔ اور جب بعد محنت و مشقت کے کچھ حاصل کر لیا تو اسے صاف کھو بیٹھے۔

بعد ازاں اس نے پھر میرے آنسو پونچھے اور فردوسی کا یہ شعر پڑھ کے اپنی مشفقانہ نصیحت کو ختم کیا۔

چنین است رسم سرائے درشت

گہے پشت بر زین گہے زین بہ پشت

ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک کاروان اصفہان کی سڑک سے آتا معلوم ہوا جو سیدھا کاروانسرا میں چلا گیا اور وہاں اس نے اپنا ڈنڈا ڈیرہ ڈلا۔

درویش۔ (ایک خوش اور عمدہ جلیس) آؤ حاجی اور اس وقت اپنا سارا غم بھلا دو باوجودیکہ ہم خشک اور ویران جنگل میں ہیں لیکن پھر بھی اپنی شام غریبی پسندیدہ طور پر بسر کریں گے۔ لو آؤ مسافروں کے پاس چلو جس میں تاجر۔ خچر ہکانے والے سب ہی طرح کے لوگ موجود ہیں اور چل کر بیالو کر لو حقہ پی لو۔ پھر میں تم سے ایک تازہ کہانی کہوں گا جو ابھی اسطنبول میں گذری ہے اور جو فارس میں مجھے یقین ہے اب تک مشہور نہیں ہوئی۔

بہت ہی خوشی سے میں نے اس کی تجویز کو پسند کر لیا اور اس پر دل سے کاربند ہوا کیونکہ اس کی اس سحر آمیز تقریر سے میرے دماغ اور دل میں جو غم بھرے ہوئے تھے وہ سب کم ہو گئے تھے۔ ہم وہ دونوں مل کے مکان کاروانسرا میں داخل ہوئے۔ یہ درویش جو قصہ گو بھی تھا بڑا ہی چلتا ہوا شخص تھا۔ سستی اور تکان سفر نے ہم میں سے نکل کر اس نمکی جنگل کو عبور کیا اور وہ خوب کھا چکے اور اپنا اپنا من تازہ کر چکے تو وہ کھلے ہوئے چوکور صحن میں انھیں جمع کر کے لے آیا اور اس نے اپنی وہ کہانی کہنی شروع کی جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ آپ بیچ میں بیٹھ گیا اور سب کو اپنے چاروں طرف بٹھا لیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ جو کچھ درویش کہے اس پر دھیان رکھوں مگر میرا دھیان کچھ متضمن حکایات باتوں سے ایسا اچٹا ہوا تھا کہ یہ میرے لیے محض ناممکن تھا کہ میں اس کی کہانی کو ذہن نشین کرتا۔ ایک مقام پر درویش نے قصہ میں سامعین کو بہت ہی دلچسپی دی جب میں اپنے شیخ چلی کے خیالات میں سے

کسی خیال میں غرق تھا۔ سامعین کی جو واہ وا اور آفرین کی صدائیں آئیں تو میں چونکا۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کرلیا کہ اگر آئندہ اس نے کبھی اس کہانی کو بیان کیا تو میں ضرور دل لگا کے سنوں گا اور جس قدر مجھ سے ہو سکا ہمہ تن باقیماندہ قصہ سننے کے لیے گوش بن گیا۔ مجھے اپنی ساتھی کی یہ کیفیت دیکھ کے بہت ہی رشک آیا کہ اس کی کس قدر بات بات پر واہ واہ ہو رہی ہے اور لوگوں کا یہ عالم ہے کہ اس پر مٹے جاتے ہیں اور کس قدر متوجہ ہیں۔ اور ہر ایک خود ان کی امیری دیکھ کے دل میں رشک کرتا تھا اب میں نے پھر اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ جس طرح سے ہو سکے پھر میں ان لوگوں کا سا دولتمند بنوں۔ اور بغیر کسی فکر و تردد کے اپنی زندگی عیش و عشرت میں بسر کروں۔

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار　　　　ساقی و مغنی و شرابے و سرودے

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند

حق را بسجودے و نبیؐ را بہ درودے

یہ ایک فطرتی امر ہے کہ غم بھی اور جوش خروش کی طرح سے اپنا راستہ ضرور پکڑتا ہے۔ صدہا ولولے اٹھتے ہیں اور بجھ جاتے ہیں یونہی غم کا بھی ایک ولولہ ہے کہ جو اٹھتا ہے اور پھر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ مثلاً جب بہار ہوتی ہے تو روکھے خشک چٹانوں میں سے کونے کونے گوشے گوشے سے پھوٹتی ہے اور جب اس کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو کسی ندی نالے میں جا کے تمام ہو جاتی ہے۔

یونہی رفتہ رفتہ غم کی ترقی ہوتی ہے اور پھر یہ عروج پر پہنچ کے دنیا کے بھنور میں غائب ہو جاتا ہے۔

جس وقت فقیر نے اپنی رام کہانی ختم کی ہے دن چھپ گیا تھا۔ آسمان کی نیلی چادر پر چمکتے ہوئے ستارے جگ جگ کرنے لگے تھے۔ گویا شب کے آنے کی اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے شہادت دیتے تھے۔ چاند نے بھی اپنی مصفا اور خنک چادر کو عالم پر پھیلا دیا تھا کہ اتنے میں ایک سوار گھوڑے کو دوڑاتا ہوا کاروانسرا کے دروازے میں آیا۔

کاروان کے خاص آدمی بھی پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے اپنے قلیان پیتے جاتے تھے اور درویش کی کہانی کو بگوش دل سن چکے تھے۔ ملازمین نے چارپائیوں پر اپنے آقاؤں کا بچھونا بچھا دیا تھا۔ اور خچر ہکانے والے شب کو آرام کرنے کے لیے اپنے خچروں اور اسباب کے پاس چلے گئے تھے۔

یہ تو سب کچھ تھا لیکن جب میں نے اپنے اوپر خیال کیا کہ میں شب کو کاہے پر آرام کروں گا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ سوائے برہنہ زمین اور پتھر کے تکیہ کے اور کیا مل سکتا ہے۔ لیکن جب میری نگاہ ایک سوار پر پڑی جو گھپ گھاپ اندھیرے سے یکایک روشنی میں آیا تھا تو یہاں نوبت ہی دوسری ہو گئی۔

میں نے اسے پہچان لیا کہ یہ وہی جلاد ہے جو میرے ماتحت تھا اور جس نے اس کمبخت مقتولہ لڑکی کے قتل کی میرے احکام سے شہادت دی تھی۔ اب مجھے سوچ ہوا کہ یہ جو یہاں آیا آخر کچھ تو سبب ہو گا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ میں نے یہ سنا کہ وہ کاروان سے دریافت کر رہا ہے کہ جو طہران جاتا تھا آیا تم میں سے کسی نے اس شکل و شباہت کا شخص دیکھا ہے۔ بس اب کیا تھا میں کھٹک گیا کہ یہ مجھے ہی دریافت کرتا ہے۔

میرے دوست فقیر نے فوراً اس معاملے کی طرف توجہ کی اور اپنا قیاس دوڑایا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اسے بہت بڑا خیال ہوا چھوٹتے ہی اس نے تمام جماعت کے جواب کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا۔

اس نے کہا کہ سوائے میرے اور میرے دوست کے سب لوگ طہران چلے گئے۔ وہ بھی درویش ہی ہے۔ ہم اور وہ قسطنطنیہ سے آئے ہیں۔ لیکن ہاں جس شخص کی نسبت آپ کہتے ہیں میں نے اسے دیکھا ہے۔ جو بہت ہی چوکنا معلوم ہوتا تھا۔ غموم و آلام نے اس کو گھیر رکھا تھا اور وہ اس وحشتناک جنگل میں یوں ہی مارا مارا پھر رہا تھا۔ غرض یونہی دوریش نے بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کیں جو مجھ سے خصوصیت رکھتی تھیں۔ سوار یہ کیفیت سن کر ایک لمحہ بھی مشتبہ نہ رہا۔ یہی شخص تھا جو حاجی بابا کی تلاش میں تھا اس نے سنتے ہی فقیر کے بتانے کے موافق اپنے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور بہت پھرتی سے وہاں سے چل دیا یہ اس درویش کی حکمت عملی تھی جس نے اس کو بہکا دیا۔

جب وہ چلا گیا اور اس کو کچھ عرصہ گذر گیا تو درویش مجھے ایک جانب بلا کے لے گیا اور کہا اگر تم اس شخص سے بچنا چاہتے ہو تو تمھیں چاہیے کہ تم فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ جب وہ جنگل میں ادھر ادھر مارا مارا پھرے گا اور تمھارا اسے کہیں پتہ نہ ملے گا اور اس کی جستجو بیکار ہو جائے گی تو پھر وہ یہیں واپس پھر کر آئے گا تو تمھارا چھپنا اور ظاہر نہ ہونا یہ مشکل ہو گا۔

میں۔ یہ ایک امر بدیہی ہے کہ وہ میری گرفتاری کے لیے آیا ہے۔ میں ہرگز نہیں امید کر سکتا کہ ایسا جلاد بر سر رحم آئے اور ایک یہ بھی بات ہے کہ میرے پاس کچھ زر نقد بھی نہیں ہے کہ اس کی نذر ہی کر دوں کہ لے بابا میرا پیچھا چھوڑ۔ کیونکہ منہ پھلائے گا بہت اس کو میں بخوبی جانتا ہوں۔ اب میں کہاں جا سکتا ہوں۔

درویش۔ (کچھ دیر تامل کر کے) تمھیں کوم جانا چاہیے۔ تم وہاں صبح ہوتے ہوتے پہنچ جاؤ گے اور دیکھنا جب تم وہاں پہنچو فاطمہؓ کے مقبرے کے عبادتخانے میں چلے جانا اس میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہ ہو۔ وہاں تم اب اور جب کبھی ہو گا محفوظ ہی رہو گے وہاں شاہ کا بھی کچھ نہیں چل سکتا اور اگر تم وہاں سے نکلے اور ان دیواروں کے باہر ہوئے تو پھر اپنی خیر نہ سمجھنا۔ اور جو تمھیں تقدیر نے گرفتار کرا دیا اور وہیں لوگ آ پہنچے تو پھر اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی امن میں لے گا۔

میں۔ اچھا جب میں وہاں رہا تو میں کیا کروں گا اور کیونکر جیوں گا۔

درویش۔ یہ بات تو میرے اوپر رکھو میں تمھارے لیے سب کچھ بندوبست کر دوں گا۔ میں اس مقام اور ان آدمیوں کو جو اس میں رہتے ہیں بخوبی جانتا ہوں جیسا تمھیں خیال ہے انشاء اللہ وہ نہیں ہو گا اور تم بآرام تمام گذارو گے۔ ایک دفعہ مجھ پر بھی اسی قسم کی آفت نازل ہوئی تھی اور میں نے وہاں جا کے پناہ لی تھی اصل یہ تھی کہ میں نے شاہ کی ایک حرم کو کچھ زہر لا دیا تھا اور یہ زہر اس نے اپنی ایک حریف یا سوکن کے لیے منگایا تھا یہ بات دور تک پہنچی اور شاہ کا حکم ہوا کہ یہ شخص گرفتار کیا جائے۔ میں شاہ عبد العظیم کی پناہ گاہ میں پہنچ گیا۔ پانچ ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ ایک جلاد میرے پکڑنے کے لیے آ پہنچا اب کیا ہو تا تھا۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں خوش اوقات بسری نہیں کی کیونکہ میں نے کبھی کچھ نہیں کیا۔ وہ لوگ جو زیارت کرنے کے لیے آتے تھے ان سے میری اوقات بسری ہوتی تھی اور نیز زائر عورات بھی میری بہت ہی خاطر مدارات کرتی تھیں۔ ہاں بیشک ایک بات بہت ہی مشکل کی ہے اور وہ تمھیں بہت دہلائے گی۔ وہ یہ ہے کہ اگر شاہ کا یہ حکم آ گیا کہ کوئی تمھیں روٹی کھانے کو نہ دے اگر دے گا تو اسے سزائے موت ملے گی تو بیشک یہ تمھیں فاقہ کشی یہیں ہلاک کر ڈالے گی لیکن نہیں تم اس میں بھی صبر کرنا پیغمبرؐ تمھیں اپنی حفاظت میں لیں گے۔ لیکن تمھارا یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تمھارے لیے یہ حکم جاری ہو۔ ایک لونڈی کے لیے وہ کیا خیال کر سکتا ہے جب صدہا اس کے محل میں موجود ہیں۔

ان سب باتوں کے بعد آدمی اس آسانی سے نہیں مر سکتے جیسا ہم ایرانیوں کا خیال ہے تم دیکھو شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

میں۔ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ اے میرے دوست درویش تمھاری عنایت و مہربانی کو بھول جاؤں۔ شاید میری تقدیر نے پھر زور پکڑا اور وہ عروج پر ہوئی تو میں اپنی داڑھی تمھارے ہاتھ میں دے دوں گا۔ تم حاجی بابا کو مدت سے جانتے ہو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اپنی نیکیوں کو تو ہتھیلی پر رکھ کے نچاتے پھرتے ہیں مگر اپنی برائیوں کو بغل میں سے نہیں نکالتے جو انھوں نے چھپا رکھی ہیں۔ میں مشہد میں گیا تھا صرف ایک ادنیٰ سڑا ایسا تما کو فروش بنا اور ویسا ہی اب ہوں اور پھر میں سب لفٹنٹ اور اس سے سب کا افسر ہو گیا تو اسی طرح سے مجھے اب بھی امید ہے کہ میں ہو سکتا ہوں۔

درویش۔ بہت خوب پیارے اب تم جاؤ خدا کو سونپا۔ خدا تمھارے ساتھ ہو جب تم یہ نمکی جنگل عبور کرنے لگو تو ذرا غول بیابانی اور جنون کا خیال رکھنا۔ اور پھر میں یہی کہتا ہوں کہ اللہ تمھیں اپنی امن میں رکھے۔

جب دن نکلا تو میں نے ملمع شدہ سنہرا قبہ دور سے امتیاز کیا۔ اپنی پناہ اور امن کا نشان دیکھ کے مجھے اور بھی جرات ہوئی اور میں وہاں پہنچنے کے لیے جو مجھ سے بہت ہی دور تھا تازہ دم ہو گیا۔ اور یہ تازہ دمی اس سنسان لق و دق خشک جنگل کے سفر میں کام دے گئی۔ ایسے کالے کوسوں کا سفر اور پھر تنہائی۔ افوہ۔

میں بہت ہی مشکل سے شہر کوم کی حدود میں پہنچا ہوں گا کہ مجھے معلوم ہوا ایک سوار میرے پیچھے آرہا ہے اور جس کا منشا میرے پکڑنے کا ہے۔ میں نے نہ دائیں نہ بائیں ذرا بھی پھر کر نہیں دیکھا یہاں تک کہ وزنی زنجیر جو عبادت گاہ کے خاص بڑے دروازے کے بیچ میں لٹک رہی تھی میرے اور اس کے درمیان فارق رہ گئی۔ اب میں نے یہ کہنا شروع کیا۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اے علی مشکل کشا۔

دست مرا بگیر کہ دستم ز کار رفت　　　در بحر رنج بسکہ نمودم شناوری

شاہا منم کہ بعد ہزار آرزوئے دل

بختم نمودہ سوئے جناب تو رہبری

یہ کہہ کے میں نے آستانے کو بوسہ دیا اور اس صدق دلی اور سر گرمی سے عبادت میں مشغول ہوا جیسے وہ شخص جس کی کشتیء عمر طوفان اور تلاطم گرداب سے بچ کے کنارے پر آجاتی ہے اور وہ جان لڑا کے شکر بھیجتا ہے۔

میں اپنی ادھر ادھر جانب دقت سے دیکھنے پایا تھا کہ اتنے میں وہی جلاد جو میری گرفتاری کے لیے آیا تھا میری طرف پھرا۔ اور اس نے بہت سرد سلام کر کے مجھ سے مخاطب ہوا کہ مجھے شاہ کا حکم ہوا ہے کہ جہاں تم مجھے ملو میں تمھیں پکڑ کے شاہ کے آگے حاضر کروں۔

میں۔ بھائی میں نے ایسے پیر کے مزار میں پناہ لی ہے جو ہر امیر و غریب کا ملجاوماوا ہے۔ تو کیا اگر کوئی دھنتر خان بھی آجائے جب بھی مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتا۔ علاوہ ان تمام باتوں کے یہ شاہ شاہاں کا پیارا پیر ہے اور خود شاہ اوروں کی نسبت اس کے مزار کی بہت ہی عزت کرتے ہیں اور ان کا پاس بطیب منظور ہے۔

جلاد۔ اے حاجی پھر میں کیا کروں گا۔ یہ تو جانتے ہو کہ یہ حکم میں نہیں لکھا ہوا ہے اگر میں بغیر تمھیں گرفتار کیے چلا جاؤں گا تو بجائے تمھارے میرے کان کاٹ ڈالے جائیں گے۔

میں۔ انشاء اللہ۔

جلاد۔ آپ انشاء اللہ کہتے ہیں (آگ بگولا ہو کے) چہ خوش چرا بناشد۔ کیا میں وہ طریقہ برتوں کہ لوگ مجھے گدھا کہیں میں وہ شخص نہیں ہوں کہ تمھیں یہاں چھوڑ جاؤں جس طرح سے چلو گے چلنا ہی پڑے گا۔

اب باہم ہم میں خوب تو تو میں میں ہونے لگی اور یہاں تک یہ تھکا فضیحتی بڑھی کہ خدام درگاہ کے کان تک یہ آواز پہنچی وہ اپنے حجروں میں سے نکل نکل کے دوڑے ہوئے آئے کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیوں امن و حفاظت کے مقام میں لپاڈگی ہو رہی ہے۔

میں۔ دیکھیے حضرت یہ وہ شخص ہے جو ایسی بڑی درگاہ کی بے ادبی کرتا ہے میں نے تو یہاں آ کے پناہ لی ہے اور یہ چاہتا ہے کہ مجھے یہاں سے گرفتار کر کے لے جائے۔ آپ جو کہ ولی اللہ ہیں اچھا آپ ہی ارشاد کریں کہ کیا یہ اس کی زیادتی نہیں ہے اور کیا آپ اسے ایسا امر کرنے کی اجازت دیں گے۔

ملا۔ (سب میری طرف ہو کے) یہ تو آج تک کبھی ایران بھر میں نہیں ہوا اگر تم اس کو یہاں سے لے جانے کی دلیری کرو گے تو تم پر نہ صرف اس پیر کا قہر نازل ہو گا اور وہ تم سے اس کا انتقام لے گا بلکہ علما کی تمام جماعت تم پر

پل پڑے گی۔ پھر نہ تمھیں کوئی شاہ شاہان بچا سکتا ہے اور نہ تمھاری شاہ دیوان حفاظت کر سکتا ہے۔ اس وقت تمھیں ان سب کا پورا غصہ سہنا پڑے گا اور ان کی غضب ناکی کی آتش فشانی تمھیں برداشت کرنی پڑے گی۔

یہ سن کر جلاد کے ہوش اڑ گئے اور اب میں مذبذبین میں رہ گیا کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے ذرا دھیما پڑا اور مجھ سے یہ عہد وپیمان کرنے لگا کہ اگر میں تمھیں یہیں چھوڑ جاؤں اور کسی قسم کی ایذا نہ دوں تو جو کچھ تم وہاں سے لائے ہو اس میں سے مجھے کیا دلواؤ گے۔

میں نے اس کے حق سے ہر گز انکار نہیں کیا کیونکہ اس نے میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی تھی یہ ظاہر ہے کہ جب میں اس طرح سے اس کی جگہ پر ہوتا تو کیا بغیر لیے ہوئے پیچھا چھوڑتا۔

لیکن میں نے اس سے یہ کہا کہ میں تمھیں اس کی مکافات دینے میں بہت قاصر ہوں کیونکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ میں طہران سے کس طرح سے بھاگا ہوں میں ایک چیز بھی وہاں سے نہیں لایا۔ بس یونہی منہ اٹھائے ہوئے چلا آیا۔

اس نے مجھ سے یہ دریافت کرنا چاہا اور اس امر کی ہدایت کی کہ تم یہ بتاؤ کہ اصل اصل مدعا کیا تھا جس سے تم یہاں بھاگ آئے میں نے وہ سب بتا دیا اور اس سے کہا بس اب جہاں سے تشریف لائے واپس چلے جایئے۔

مجھے بعد کو معلوم ہوا تھا کہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ اس بدمعاش نے اول تو میرے سارے مال واسباب پر قبضہ کر لیا جس میں میرے کپڑے۔ میرا صندوق۔ میرے گھوڑے کا سامان۔ پاکھر۔ کاٹھی وغیرہ۔ اور قلیان اور اسی قسم کی اور اور چیزیں تھیں۔ اور اسی حرامزادے نے شاہ کے آگے مجھے ملزم گردانا تھا اور میری طرف سے کئی کئی باتیں لگا کے کہی تھیں۔ یہ تو اس امر کی انتظاری ہی کر رہا تھا اور اسے بہت خیال تھا کہ کسی طرح سے کمبخت اور ناخوش کردش لڑکی کا سبب موت میں قرار دیا جاؤں۔ اب اس کو موقع لگا تو اس نے میرے نیست ونابود کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی غرض یہ تھی کہ میری جگہ پر وہ مقرر ہو جائے۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اب میری یہاں دال نہیں گلنے کی اور نہ حاجی بابا اس پناہ کی جگہ سے قبضے میں آسکتا ہے تو وہ مایوس ومجبور ہو کے طہران واپس پھر گیا۔ مگر چلتے چلتے گورنر صوبہ کوم (قم) کو ہدایت کر گیا کہ جس وقت حاجی بابا اس مقبرے کی چار دیواری سے نکلے اسی وقت اسے گرفتار کر کے طہران روانہ کر دینا۔

انیسواں باب

حاجی بابا کا مقبرے میں پناہ گزین ہونا اور ایک عجیب و غریب کہانی سے اپنے آلام کو بہلانا

خدا نے اس جلاد سے مجھے رہائی دی تھی اور وہ جانے ہی پایا تھا کہ اتنے میں میں نے اپنے دوست درویش کی آواز سنی جو کس طرح للک للک کے خداوند تعالیٰ سے مناجات کر رہا تھا کہ تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس پاک اور مقدس مقام میں پہنچایا اور میرے درویش کی مناجات اور حمد باری تعالیٰ ایسی تھی جیسے سچے مسلمان کرتے ہیں۔
تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اس کا خوش نظارہ کرتے ہی کھل گیا اور میں نے اسے سنا دیا کہ اللہ نے مجھے اس اس طرح سے میرے تعاقب کرنے والے سے بچایا ہے۔ میں یہاں آ کے داخل ہو گیا ورنہ تو اس نے مجھے لے ہی لیا تھا۔

درویش۔ خدا نے بڑی خیر کی۔

ہم نے اس مقبرے کے حجروں میں سے ایک حجرہ اپنے رہنے کے لیے لے لیا۔ میرے پاس خوش قسمتی سے بیس اشرفیاں علاوہ روپیوں کے تھیں۔ میں نے پہلے اس حجرے میں ایک چٹائی لے کے بچھائی۔ اور ایک جھجری پانی رکھنے کے لیے خریدی۔ جب ہم یہ سامان کر چکے تو پھر ہمیں کوئی اور چیز خریدنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

اب ہم یہاں بہت آرام سے اپنی زندگی گذارنے لگے۔ ہم کو پیٹ بھر کے کھانا مل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کی ہمیں ضرورت بھی نہیں تھی جس کے بغیر ہم کو تکلیف ہوتی۔

ایک روز میرے دوست درویش نے مجھ سے پوچھا کہ حاجی کہو تمھاری نماز تو کبھی قضا نہیں ہوتی ہے۔

میں۔ حضرت آپ کو اس سے کیا مطلب چاہے میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں آپ کو اس سے کیا سروکار ہے۔

درویش۔ بھائی میرا مطلب ہی اور ہے۔ اور تم خدا جانے کیا سمجھتے ہو آخر اس کے بتانے میں تمھارا کیا نقصان ہے۔

میں۔ مجھ کو یہی تعجب ہے کہ آپ کو اس کے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں یا نہیں۔

درویش۔ پیارے حاجی میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ضرور ہی نماز پڑھو یا روزہ رکھو۔ مجھ کو تو تمھاری دوستی سے مطلب ہے۔ مگر بھائی یہ مقام کوم (قم) ہے۔ اور اس مقام پر جتنے لوگ ہیں ان میں یا تو بزرگان دین کی اولاد سے ہیں یا عالم ہیں۔ جس کسی کو دیکھو گے دبلا اور ضعیف پاؤگے چہرے کا رنگ زرد ہو گا۔ یہ کس وجہ سے ہے یہ عبادت اور نفس کشی کی وجہ سے۔ یہاں ہر شخص عبادت خدا میں مصروف رہتا ہے۔ ان کی اس شخص پر نگاہیں پڑتی ہیں جس کا گل رخسار تر و تازہ ہوتا ہے۔ جس کی باتوں میں مسکراہٹ پائی جاتی ہے۔

جس شخص نے یہاں رہ کے اپنے چہرے کو حسین بنایا بس یہ سمجھ لو کہ اس کی تقدیر پلٹ گئی۔

حاجی تم کو نہیں معلوم کہ اس مقام پر آدمی کو کیونکر رہنا چاہیے۔ اور کس قسم کی صورت بنانی چاہیے مجھ کو دیکھو کہ جب میں کوم میں آتا ہوں تو اپنے رنگ کو میلا کر لیتا ہوں۔ اور بالوں کو الجھا لیتا ہوں اور جب یہاں داخل ہوتا ہوں تو پھر تو کچھ نہ پوچھو ایسی صورت بناتا ہوں جیسے کسی بڑے عبادت کرنے والے اور نفس کش کی ہوتی ہے۔

یہاں میں اپنی اوقات عبادت کرنے ہی میں بسر کرتا ہوں۔

اگر تم بھی ایسا نہ کرو گے تو علما کی جماعت تم پر پل پڑے گی اور تم کو تکا بوٹی کر ڈالے گی۔ پھر تمھارا بچنا محال ہے۔

یہ سب تم کو مار ڈالنا ایسا سمجھیں گے گویا انھوں نے اپنے لیے جنت کو جانے کا ایک سیدھا راستہ بنا لیا۔ ان کو بہت بڑے اختیارات حاصل ہیں۔ اور سب سے بڑا مجتہد جو ہے وہ تو ایسا زبردست ہے کہ چاہے تو سلطان کے حکم کو بھی پھیر دے اور ہر ایک کو دکھا دے کہ اصل یہ تھی۔

لوگوں کے دلوں کا پھیر دینا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اور سلطان تو اس کے ایسے معتقد ہیں کہ کوئی بھی نہ ہو گا۔ جس بات کے لیے یہ کہے پھر کیا ممکن ہے کہ وہ ٹل جائے۔

اے حاجی اگر تم میرے کہنے کے موافق میری سی روش اختیار کرو گے تو اس میں تم کو فائدہ بھی بہت کچھ ہو گا۔

میں نے یہ سن کے اپنے دوست کا کہنا منظور کر لیا اور جو کچھ ارکان مذہب کے مجھ کو یاد تھے ان کے علاوہ میں نے اور بھی سیکھ لیے۔

اب میں ہر وقت عبادت کرنے لگا اور ایسی صورت بنائی کہ جو کوئی دیکھتا یہی خیال کرتا کہ یہ بڑا پرہیز گار اور نفس کش ہے۔

میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں میرے کان میں اللہ اکبر کی آواز پہنچی اور فوراً اٹھ بیٹھا۔ اور حوض میں وضو کر کرا کر مستعد ہوا اور جس قدر ارکان شیعہ مذہب کے ہوتے ہیں سب کو بہت ہی مضبوطی سے ادا کیا اور ایک ظاہر مقام میں نماز پڑھنے لگا۔ مقبرہ کے ہر کونے میں آواز اللہ اکبر برابر پہنچنے لگی اور میں نے یہ امید کی کہ ضرور یہ یہاں کے رہنے والوں کے کان تک بھی پہنچتی ہوگی۔ اب کیا تھا میں عبادت و نفس کشی میں سب سے بڑھ گیا کوئی صورت بھی ایسی دکھائی نہیں دیتی تھی جو مجھ سے زیادہ نفس کش معلوم ہوتی حالانکہ میرا پیارا اور عزیز دوست جو کہ بہت ہی ظاہر داری کرتا تھا اور اس قدر ناصیہ سائی کرتا تھا کہ توبہ۔ لیکن اس کو بھی میں نے عبادت کے آگے مات کر دیا۔

اب لوگ اتنا مجھے جاننے لگے کہ یہ شخص اس مقدس اور پاک مقام میں آ کے پناہ گزین ہوا ہے۔ جس قدر منافع کی درویش نے مجھے امید دلائی تھی اسی قدر میں نے اس عبادت سے حاصل کیے۔ اور لوگوں کے خیال میری طرف متوجہ ہونے لگے اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ بہت ہی پختہ مسلمان ہے۔ درویش نے تمام اندر باہر میری مصیبت ناک رام کہانی کو پھیلا دیا۔ یہ سب باتیں گویا میرے نفع کے لیے تھیں کہ یہ شخص حاجی بابا دوسرے کے گناہ میں پکڑا گیا ہے۔ کیا کس نے ہے اور آفت اس پر نازل ہوئی ہے۔

شہر کے خاص خاص اشخاص مجھ سے بخوبی واقف ہو گئے جنھوں نے میری نسبت اس امر کا اعتراف کیا کہ ہم نے آج تک ایسا پکا مسلمان اور ایمان والا شخص حاجی بابا جیسا نہیں دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ انھیں یہ تردد ہونے لگا اور اس امر کا خیال ہوا کہ مجھے وہ اپنا پیش نماز بنائیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ میری خموشی اور سکوت سبب ناموری اور عقل مشہور ہوگا یعنی لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا ہی عقلمند ہے ہر وقت خموش ہی رہتا ہے۔ کیونکہ نظامی نے یہاں پہلے ہی فرما دیا ہے۔

سخن گر شہ باواز ہازہ بود
نہ گفتن ہم از گفتن بہ بود

اور میری تسبیح جس کو میں ہمیشہ پھیرا کرتا۔ اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا۔ اور پھر یکایک رونے لگتا۔ یہ سب میرے افعال مجھ پر لوگوں کی بہت بڑی توجہ کے باعث ہوئے۔

میں اور میرے رفیق درویش کو اب خرچ کی ضرورت نہ ہوئی بے خرچ کیے ہی اس قدر خوراک آتی کہ کھائی بھی نہ جاتی۔ خصوصاً عورات جو بلا توقف میرے پاس بطور پیش کش میوہ۔ شہد۔ روٹی وغیرہ لاتیں۔ اور بہت ادب سے پیش کرتیں میں بہت ہی شکریے سے لے لیتا۔ اور کبھی کبھی ان کو تعویذ لکھ کے بھی دے دیتا۔ اور تعویذ میں اپنے ہاتھ سے لکھتا۔

گو ہمیں یہاں آرام وغیرہ سب کچھ حاصل تھا مگر ہماری زندگی کی ایسی سست ساعتیں ہوتی تھیں اور ہمارا وقت واقعات مختلف سے ایسا خالی ہوتا تھا کہ بعض وقت بہت ہی طبیعت گھبرانے لگتی اور میرا رفیق بھی اسی میں ڈوبا رہتا کہ دل بہلانے کی کیا ترکیب ہو میں نے اس سے ایک دن کہا کہ آپ کو جس قدر کہانیاں۔ قصص یاد ہیں آپ سب ایک ایک کر کے مجھے سنا دیجیے اور خصوصاً پہلے وہ قصہ سنائیے جو آپ نے کاروانسرا میں سنایا تھا اس کے سننے کا بہت مشتاق ہوں۔ یہ طریقہ ہمارا دن گذارنے کا اچھا ہاتھ لگا یوں دن تیر ہو جاتا اور ہمیں معلوم بھی نہ ہوتا۔

اے میرے ناظرین با تمکین میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میری اس سستی میں سے کچھ حصہ لیں جس میں میرے دن گذرتے تھے اور میں نے اس سستی کو اپنے رفیق درویش کے صدقے میں کالعدم کیا تھا تو میں آپ کی خدمت میں وہ کہانی دہراتا ہوں جو درویش نے مجھ سے کہی تھی۔ چاہے آپ کو اس سے دلچسپی ہو یا نہ ہو۔ لیکن آپ کو اتنا تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک غریب قیدی نے شہر کوم اور اس مقبرے میں اپنی زندگی کے آلام کو کیونکر بہلایا ہے اور اس نے اپنی تکالیف کو کیونکر کاٹا ہے۔

ایک کہانی

حال کا روم کا خونخور (ایران والے سلطان روم کو خونخور کہتے ہیں) ایک پکا مسلمان اور حامی دین متین ہے۔ جب وہ تخت پر جلوہ آرا ہوا تو اس نے اپنا خیال اس طرح سے ظاہر کیا کہ میں ان عادتوں اور طرق کو محمدیوں میں سے نکالنا چاہتا ہوں جو کفار کی خاصیتیں ہیں اور سلطنت کے انتظام میں گزشتہ فرمانرواؤں کے سبب سے بہت جاری ہو گئیں۔ اس نے یہ خیال کیا کہ یہ امر بہت ہی ضروری ہو گا کہ میں تمام چیزوں کو ان کی اصلی حالت پر پھیر دوں اور ترکی سلطنت کا ایک صاف اور شفاف قانون بنا دوں اپنے خیال کے مطابق اس نے ایک رسم اختیار کی جو آخر کار چھوڑنی پڑی۔ یہ سلطان ہیئت تبدیل کر کے بازاروں میں پھرتا تھا۔ اور یہ اس ہوشیاری اور دانائی سے تبدیل ہیئت

کر کے بازاروں میں پھرتا تھا کہ کوئی بھی نہ پہچان سکتا تھا۔ جن آدمیوں سے کہ یہ ملاقات کرتا تو اسے بہت کچھ پیشبندی کرنی پڑتی اور جس پوشاک میں ہوتا تھا اور جس صورت میں جلوہ کرتا تھا اسے بہت ہی اسے چھپانا پڑتا۔ مبادا کہیں ظاہر ہو جائے اور دقت آکے واقع ہو۔

اس کو بہت زمانہ گذرنے نہ پایا تھا کہ ایک عام ناراضگی ترکی میں پھیل گئی اور خاص قسطنطنیہ میں بغاوت کے شعلے اٹھنے لگے۔ اب سلطان کو اس امر کا بہت تردد ہوا کہ پبلک کے خیالات کی تحقیق کرنی چاہیے۔ اس نے اپنے وہی مدامی اندیشناک طریقے کو برتنا چاہا اور یہ ارادہ کیا کہ یہ اس طرح سے کیا جائے کو خود ان لوگوں کو بھی خبر نہ ہو جو ہر وقت حاضر باش رہتے ہیں۔

وہ ہمیشہ درزیوں کو مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں بلاتا تھا۔ اس موقع پر اس سلطان نے اپنے پیارے خواجہ سرا منصوری کو بلا کے کہا کہ ایک ایسا درزی بلا کے لا جس کو کوئی نہ جانتا ہو۔ اور یہ راز کسی کو آشکارا بھی نہ ہو ٹھیک آدھی رات کو بارہ بجے تو یہاں اسے لے کہ پہنچیو تا کہ میں اسے سمجھادوں کہ اس قسم کی پوشاک بنے گی۔

غلام نے بہت ہی عاجزی سے اپنا سر جھکا کے یہ کہا۔ باش اسلم یعنی یہ میرے سر پر اور حکم کی بجا آوری کے لیے چلا گیا۔

بیز ستن (بزازہ) کے دروازے کے قریب ایک بوڑھے شخص کو ایک ایسی تنگ دکان میں دیکھا کہ وہ اس میں بہت ہی مشکل سے مڑ سکتا تھا بس جس رخ بیٹھتا ہے پھرنا یعنی چہ۔ یہ ایک پرانے چغہ میں پیوند لگا رہا تھا۔ یہ بیچارہ محنت کرتے کرتے جھک گیا تھا اور اس کی کمر ہلال آسا ہو گئی تھی۔ اور اس کی دونوں آنکھیں ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا کسی نے ناک پر دو شیشے کے ڈلے رکھ دیے۔

غلام نے اپنے دل میں کہا بس ایسے ہی شخص کی مجھے ضرورت بھی تھی مجھے یقین ہے کہ اس کی اتنی کیا شہرت ہو گی ۔ یہ بیچارہ بوڑھا جھکی ہوئی کمر کا درزی اپنے کام میں ایسا مشغول تھا کہ منصوری نے پاس جا کے سلام بھی کیا کہ اے دوست سلام علیکم مگر وہ پھر بھی باخبر نہ ہوا۔ جب اس درزی نے منہ اٹھا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص امیرانہ پوشاک پہنے ہوئے کھڑا ہے دل میں خیال کیا کہ ایسا امیر مجھے بھلا سلام کیوں کرنے لگا۔ کسی کو کیا ہو گا۔ بس یہ خیال کر کے گردن جھکائی اور بغیر جواب دیے پھر اپنا کام کرنے لگا۔

لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ خواجہ سرا میری ہی طرف مخاطب ہے اور مجھ سے ہی باتیں کرتا ہے اس نے اپنی عینک اتار کے رکھ دی اور اپنا کام علیٰحدہ سمیٹ کے پٹخ دیا۔ اور اس کے قدم لینے کو تھا کہ خواجہ سرا نے اسے روکا اور کہا کہ اے دینی بھائی تو اپنے کو اس قدر تکلیف نہ دے۔

منصوری۔ تمھارانام کیاہے۔

درزی۔ حضور میرا نام عبداللہ ہے۔ لیکن میرے دوست مجھے بابادل کہتے ہیں۔

منصوری۔ تم درزی بھی ہو یا نہیں۔

درزی۔ میں درزی بھی ہوں اور مچھلی بازار کی چھوٹی سی مسجد کا مؤذن بھی ہوں اس سے زیادہ میں کیا کر سکتا ہوں۔

منصوری۔ تم کچھ متفرق چھوٹا چھوٹا کام بھی کر سکتے ہو۔

درزی۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔ آپ مجھ سے کہیں کہ وہ کیا کام ہے۔

منصوری۔ (بہت نرمی سے) بہت اچھا بہت اچھا آپ اس قدر ناراض نہ ہوں۔ کیا تم پسند کروگے کہ میں تمھیں آنکھوں پر پٹی باندھ کے متفرق کام کرانے کے لیے آدھی رات کو ایک مقام پر لے جاؤں۔

بابادل۔ یہ سوال ہی اور ہے۔ آجکل بہت نازک وقت ہے۔ سر بے انتہا اڑ رہے ہیں اور کیا ایک غریب درزی اس طرح سے جا سکتا ہے جیسے وزیر۔ یا کپتان یا پاشا۔ لیکن میری مزدوری بھرپور دوگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ میں بہت ہی اچھا کپڑوں کا جوڑا بنادوں گا۔

منصوری۔ بہت خوب تم نے میری اس تجویز کو تو پسند کر لیا جس وقت تم وہاں پہنچو گے دو اشرفیاں تم اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی دیکھ لینا۔

بابادل۔ ہاں بہت ہے یقیناً۔ اب میں موجود ہوں جو کچھ آپ فرمائیں۔ بس آپ مجھ پر منحصر رہیں۔

غرض دونوں نے باہم اقرار مدار کر لیا کہ آدھی رات کو میں آؤں گا اور تیری آنکھوں میں پٹی باندھ کے تجھے لے جاؤں گا۔

منصوری یہ قول و قرار کر کے چلا گیا۔ اب بابادل بہت ہی خوش ہوئے کہ خدا نے تقدیر سے ایسا شخص بھیج دیا۔ اس سے وہ کام بھی نہ ہو سکا۔ اب یہ ارادہ کیا کہ بیوی کو بھی چل کے اس خوش قسمتی کا شریک بناؤں۔ غیر معمولی وقت میں دکان کو بند کر کے سیدھا اپنے گھر کی طرف جو مچھلی والے بازار کی مسجد کے پچھواڑے واقع تھا روانہ ہوا۔

دلفریب کہنہ۔ اس درزی کی بیوی بھی ایسی جھکی ہوئی تھی کہ جیسے یہ خود درزی دو اشرفیوں کی خوشی میں اور اس امید میں کہ اور بھی بہت کچھ اوپر سے ملے گا دونوں نے مل کے کچھ شیرینی اور کباب وغیرہ بہت خرمی سے ایک رکابی میں تناول کیے اور بعد ازاں کچھ کافی بھی اڑائی۔

ٹھیک آدھی رات کو بارہ بجے منصوری بابا دل سے دکان پر ملا۔ بغیر کسی بات چیت کے بابا دل نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور منصوری اس کا ہاتھ پکڑ کے پیچدار راستوں میں پھراتا ہوا حرم سرا میں لے کے پہنچا۔ وہاں کچھ دیر ٹھہر کے منصوری نے لوہے کا دروازہ کھولا اور درزی کو سلطان کے خاص کمرے کے جگر میں لے گیا اس کمرے میں اس کی آنکھوں کی پٹی کھولی گئی۔ صرف ایک چھوٹا سا لیمپ وہاں روشن ہو رہا تھا مگر اسباب سب شاہانہ موجود تھا پلنگوں پر مخملی زربفت کا بچھونا اور بڑے بڑے قیمتی غالیچے بچھے ہوئے عجیب کیفیت دے رہے تھے۔ یہاں بابا دل کو بیٹھنے کو کہا گیا۔ اتنے میں منصوری ایک بنڈل کپڑوں کا لے کے آیا جو ریشمی رومال میں بندھا ہوا تھا۔ اس رومال کو کھولا گیا ایک درویشانہ پوشاک دی اور کہا کہ اس کو تو خوب غور سے دیکھ لے ایسی کتنے دن میں تیار ہو جائے گی۔ اور پھر اسے واپس دے دے پھر وہ پوشاک ریشمی رومال میں باندھی گئی۔ اسی وقت منصوری نے درزی سے یہ کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں ابھی تم کو گھر پہنچانے کے لیے واپس آتا ہوں۔ یہ کہہ کے اس کو اکیلا چھوڑ چھڑا کے چل دیا۔

بابا دل نے اس کو الٹ پلٹ کر کے کھول کے دیکھا اور پھر اسے باندھ دیا۔ اتنے میں دوسرا شخص ایک لانبا قد اور پر رعب صورت کا اس کمرے میں آیا۔ بابا دل دیکھتے ہی تھر تھرا گیا۔ اس نے اس سے کچھ بات بھی نہیں کی اور وہ بنڈل اٹھائے لیے چلا گیا۔

بابا دل یہ دیکھ کے سخت حیران تھا کہ یہ جگہ بھی عجیب ہے اور یہ معاملہ خبر نہیں کیا ہو رہا ہے کہ اتنے میں چند منٹ کے بعد کمرے کا دوسرا دروازہ کھلا۔ ایک چھپی ہوئی صورت اندر آئی۔ کپڑے بہت ہی امیرانہ پہنے ہوئے تھی ہاتھ میں ایک بنڈل تھا جو شال سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے پہلے تو ایک لمبا چوڑا فراشی سلام درزی کو کیا اور بہت ہی ادب اور عاجزی سے اس کے پاس آگیا۔ اس کے پیروں پر یہ بنڈل رکھ دیا۔ نہ تو ایک لفظ کہا اور نہ اوپر نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ اور پھر کے چل دیا۔

بابادل نے یہ معاملہ دیکھ کے کہ یہ چیز کچھ بہتر ہو گی اور میں تو بڑی ہی معزز شخصیت کا ہوں کہ میرے آگے یہ ڈنڈوت ہوتی ہے۔ یہ تو ایک امر محقق ہے کہ میں اس کام میں زیادہ فائدہ اٹھاؤں گا یامجھے پرانے چغہ میں پیوند لگانا زیادہ منفعت بخشے گا۔ وہ اس کے آگے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ یہاں میں کس لیے لایا گیا ہوں۔ اس طرح سے لوگوں کا آنا اور بغیر کچھ کہے چلے جانا یہ ضرور دال میں کچھ کالا کالا رکھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ باتیں چیتیں کریں تو معلوم ہو کہ وہ مجھ کو اس ساری محنت کا کیا دلوائیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ غریب عورتیں کپڑے سلوا سلوا کر سمندر میں چھینک دی جاتی ہیں کیا خبر ہے کہ اس کپڑے سلوانے کے لیے تو میں نہیں بلایا گیا۔ یہ درزی اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اتنے میں منصوری آیا اور کہا کہ یہ بنڈل اٹھالو بس اس سے زیادہ کچھ نہ بولا۔ درزی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور اس کو وہ اس جگہ پہنچانے لے چلا کہ جہاں سے وہ آیا تھا۔

بابادل کو چونکہ منصوری کے اقرار پر بھروسہ تھا اس نے اس سے کچھ سوال نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ تین دن میں میں اس پوشاک کو سی کے دے دوں گا منصوری نے دس اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا تھا۔

غرض یہاں سے درزی ہل ہانکتا کودوں پھانکتا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا جہاں اسے یہ خیال ہوا کہ میری بیوی بہت ہی مضطربانہ حالت میں راہ دیکھ رہی ہو گی۔ جب آگے روانہ ہوا تو دل میں خود اپنے کو مبارک دیتا جاتا تھا کہ کیا تقدیر آکر کھلی ہے کہ یہ فقیرانہ پوشاک سینے کو ملی ہے۔ تین دن میں دس اشرفیاں آجائیں گی جس سے بڑھاپے کے کچھ دن تو آرام سے کٹیں گے۔

پورے رات کے دو بجے تھے کہ جب یہ اپنے گھر پہنچا۔ بیوی یہاں بہت ہی بے صبر بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنی دیر میرے بوڑھے خاوند کو کہاں لگی اور اس پر کیا بیتی۔ جب درزی یہ بنڈل اس کے آگے لے کے پہنچا ہے تو وہ اسی وقت چراغ اٹھا کے لائی اس کے بعد درزی بولا۔ لاؤ کچھ دلواتی ہو تو تمھیں مژدہ سناؤں۔ دیکھو میں اپنا کام بنالایا۔ یہ وہ کام ہے کہ جب پورا ہو جائے گا تو ہمیں اس کا معقول معاوضہ ملے گا۔ عورت بھی بہت خوش ہوئی اور زیادہ شادماں بنی۔

درزی۔ اب تو اسے رکھ دو صبح کو اٹھ کے دیکھیں گے۔ نیند آرہی ہے۔

درزن۔ نہیں نہیں جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں گی کہ کیا لائے ہو میں سوؤں گی تھوڑے ہی مجھے اس کے خیال میں نیند ہی کاہے کو آئے گی۔

یہ کہہ کے درزن چراغ اٹھالائی اور اس بنڈل کو کھولا لیجیے وہاں بات ہی کچھ اور تھی جب اسے کھولا تو بجائے کپڑوں کے ایک رومال میں ایک آدمی کا سر نہایت ہی خوفناک اور پر دہشت حالت میں لپٹا ہوا تھا۔

سر دیکھتے ہی یہ درزن کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور کچھ دور لڑھکتا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں خاوند جورو نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے کیونکہ اچانک وہ اس کٹے ہوئے سر کو دیکھنا برداشت نہ کر سکے اور پھر انھوں نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھائے اور ایک دوسرے نے تعجب و حیرت کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔

درزن۔ کام۔ واہ کیا خوب کام کر کے آئے ہو سبحان اللہ۔ کیا یہ بھی ضرور تھا کہ اتنی دور جا کے یہ نازک معاملہ اٹھا لائے۔ اور اپنے سر پر خود مصیبت اور بدقسمتی کو بلالائے۔ کیا تم اس شخص کے سر کو گھر میں کپڑے بنانے کے لیے لائے ہو۔

درزی۔ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے تو اس خواجہ سرا کے کہنے پر دھوکا کھایا اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور مجھے ہدایت کی کہ زبان سے کچھ نہ نکالنا۔۔ میں جیسا سیدھا اور صاف ترک ہوں ویسا میں نے خیال کر لیا کہ متفرق کام میں سوائے کپڑوں کی پوشاک کے اور کیا ہو گا۔ اور اس خواجہ سرا نے مجھے اس کے بدلے ایک سر دے دیا۔ یا اللہ اب میں کیا کروں۔

میں اس کا گھر بھی تو نہیں جانتا کہ اسے ابھی فوراً واپس لے جاؤں اور اس کے منہ پر مار کر آؤں۔ ابھی آناً فاناً میں پولیس آ کھڑی ہو گی فوراً ہمیں گرفتار کر لے گی۔ اور پھر ہمارا بچانے والا کون ہو گا۔ اے میری روح دلفریب پیاری مشورہ دے کیا کروں۔

دلفریب۔ جلدی اس سر سے رہائی حاصل کرو صرف ہمارا ہی حق نہیں ہے کہ ہم ہی اس کو اپنے ہاں رہنے دیں۔ دوسرے کو نہ لپیٹیں ہماری بلا کو غرض پڑی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے سر پر نئی آفت لیں۔

دری۔ لیکن دن جلدی نکل آئے گا اور پھر اس کو بہت عرصہ ہو جائے گا مجھے پھرتی سے کوئی کاروائی کرنے کو بتاؤ ورنہ دقت پڑے گی۔

دلفریب۔ میرے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہے کہ ہمارا پڑوسی نان پز اس وقت اپنا تنور جلاتا ہے۔ اور جلدی جلدی اپنے صبح کے گاہکوں کے لیے روٹیاں پکاتا ہے اس کے ہاں مختلف پڑوسیوں کے گھر کی چیزیں پکنے کے لیے شب کو اس کے تنور کے پاس رکھی ہوتی ہیں تو مجھے خیال آیا ہے کہ میں بھی یہ سر اپنے ایک مٹی کے برتن میں رکھ کے

اس کے تنور کے پاس رکھ آؤں جب تک کہ یہ پکنے نہ لگے گا کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکے گا بس تو اس کی بلا نانبائی کی ہی جان پر نازل ہو گی۔

یہ سن کے بابا دل بہت ہی خوش ہوا اور اس نے اپنی بیوی کی اس صلاح کی تعریف کی اور پھر وہ اس تدبیر کے بجا لانے میں مشغول ہوئے۔ جب یہ عورت دلفریب نامی وہاں برتن میں رکھ کے سر لے کے پہنچی تو وہاں کسی کا پتہ بھی نہیں تھا صرف اور مختلف چیزیں رکھی ہوئی تھیں وہاں اس نے اس سر کو بھی چپکے سے رکھ دیا۔ اور یہ دونوں بوڑھا بوڑھی دروازہ بند کر کرا کے سو رہے اور جس دوشالے میں کہ سر لپٹا ہوا تھا اس کو قبضے میں کر کے انھیں گونہ اطمینان ہوا کہ اتنی محنت ومشقت کے بعد کچھ چیز تو ہاتھ لگی۔

اس نانبائی کا نام حسین اور اس کے بیٹے کا نام محمود تھا یہ دونوں ادھر ادھر کے کوڑا کرکٹ اور لکڑیوں سے اپنا تنور گرم کر رہے تھے کہ اتنے میں انھیں شبہہ ہوا اور یہ متعجب ہوئے کہ آج یہ کتا کیوں بھونکتا ہے جو ہمارا اپلا ہوا ہے اور جب اس کو بچے کھچے ٹکڑے دیے جاتے ہیں تو یہ بہت ہی صبر سے کھالیتا ہے اور آج بہت ہی بے تاب اور بیقرار معلوم ہوتا ہے۔

حسین۔(اپنے بیٹے سے) محمود دیکھ تو سہی کہ یہ معاملہ ہی کیا ہے یہ کیوں بھونک رہا ہے ضرور اس نے کچھ تو دیکھا ہی ہو گا۔

محمود خان نے اپنے باپ کے حکم کے بموجب اٹھ کے چاروں طرف دیکھا مگر کچھ بھی نہ معلوم ہوا۔ کہا ابا جان کچھ بھی نہیں ہے اور پھر کتے کو نکال دیا۔

پھر بھی کتا بند نہ ہوا اور برابر چیخے چلا گیا کہ حسین خود اٹھا اور جس طرف کتا جھکا ہوا چیخ رہا تھا اس طرف مڑا تو معلوم ہوا کہ وہ درزی کے برتن کی طرف منہ کر کر کے بھونکتا ہے۔ اس نے آہستہ سے اس برتن کو اٹھا کے دیکھا تو وہاں کیفیت ہی اور معلوم ہوئی۔ ایک انسان کا سر کٹا ہوا رکھا ہے۔ اس خوفناک صورت کو دیکھ کے وہ سٹ پٹا گیا۔

یا اللہ۔ نانبائی نے کہا لیکن چونکہ یہ بہت ہی متین اور مضبوط دل تھا اس نے اور آدمیوں کی طرح اس کو پرے نہ پھینک دیا جیسے اس موقع پر خوف زدہ ہو کے پھینک دیتے ہیں اس نے اسی برتن میں اسے رہنے دیا اور اپنے بیٹے محمود کو آواز دی۔

نانبائی۔(محمود سے) یہ ایک بہت ہی خراب دنیا ہے اور آدمی جتنے اس میں ہیں سب شریر ہیں۔ چند بد معاش کفار نے ایک آدمی کے سر کو پکانے کے لیے بھیجا ہے۔ لیکن ہماری خوش تقدیری اور اس کتے کا سلوک ہے کہ ہم اس سے پہلے ہی آگاہ ہو گئے۔ اور یہ بھولے سے پک نہ گیا۔ اب ہم اپنی روٹیاں صاف صاف ہاتھوں سے بخوبی پکا سکتے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے پاس ایک آدمی کا سر پکنے کے لیے آیا ہے تو پھر تو کوئی بھی ہم سے کام نہ لے اور کوئی چیز بھی نہ پکوائے۔ ہم فاقوں مر جائیں گے ہمیں اپنا تنور بند کرنا پڑے گا۔ ہمارا یہ نام ہو گا کہ یہ خمیر میں انسان کی چربی ملاتا ہے اور اگر اتفاقیہ کبھی کوئی بال نکل آیا تو لوگ یہ کہیں گے اور انھیں فوراً شبہہ ہو جائے گا کہ یہ آدمی کی داڑھی کا بال ہے۔

محمود جس کی کلہم بیس برس کی عمر تھی اور جس نے اپنے باپ کا اضطراب اور اوسان باختگی میں حصہ لیا تھا اس نے اس سر کی طرف براہ تمسخر دیکھا تو اس سر کی بری صورت پر بہت ہی خندہ زن ہوا جو اس کے سامنے برتن میں رکھا ہوا تھا۔

محمود۔ ہمیں چاہیے کہ اسے ہم حجام کی دکان پر رکھ دیں جس نے ابھی کھولی ہو گی چونکہ وہ کانا ہے اسے ہرگز نہ دکھائی دے گا اور ہم اپنا کام کریں گے۔ تو آپ اے میرے والد جلدی سے کرنے دیں میں خود یہ کاروائی کر کے آتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی اسے دیکھ لے اور یہ سب کام میں دن نکلنے سے پہلے کر لوں گا۔

باپ نے اس کو منظور کر لیا اور وہ سر اٹھا کے لے چلا۔ نائی بیچارہ سڑک پر کچھ کام کے لیے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا کہ اس نے چپکے اس کی دکان میں گھس کے اور تکیہ پر وہ سر رکھ دیا اور اس کی چاروں طرف تولیے اور رومال رکھ دیے جیسے کوئی شخص حجامت بنوانے بیٹھا ہے۔ وہاں سے یہ پھر واپس پھر کے چلا آیا اور اپنے تنور پر آ کے بیٹھ گیا کہ دیکھو اب کیا معاملہ پیش آتا ہے اور کانا نائی اس اپنے نئے گاہک کے سر کی کیونکر حجامت بناتا ہے۔

حجام اپنی دکان میں آیا۔ کچھ یونہی سا اجالا ہو چلا تھا اور آفتاب کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی اس کی کھڑکیوں میں سے ہو کر گذرنے لگی تھی۔ اس کو معلوم ہوا کہ کوئی شخص کاندھے پر رومال ڈالے ہوئے شاید حجامت بنوانے کے لیے آیا ہے۔

حجام۔(سر کی طرف مخاطب ہو کے) اہا۔ السلام علیکم۔ آج صبح کو تم بہت ہی سویرے اٹھ آئے ہو۔ میں نے اس سے پہلے تمھیں کبھی نہیں دیکھا۔ میرا پانی بھی گرم نہیں ہوا۔ اوہو مجھے معلوم ہوا کہ آپ اپنا سر منڈوانا چاہتے ہیں۔

لیکن تم نے اتنی جلدی اپنی ٹوپی کیوں اتارلی تمھیں سردی نہ ہو جائے۔

جب نائی یہ کہہ چکا تو اپنی باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں پایا۔ تو نائی اپنے دل میں کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے یہ گونگا ہے۔ بہرا ہے اور بالکل چوپٹ ہے کہ اس نے کوئی جواب بھی میری بات کا نہیں دیا۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ میں نصف اندھا ہوں پھر ہم دونوں ایک مد میں ہوئے۔ مگر اے میرے بوڑھے چچا اگر میں اپنی دوسری آنکھ بھی کھو دوں تو میں دلیری سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا استرہ تمھاری کھوپڑی پر ایسا صاف چلے گا کہ جس صفائی سے مئے رنگین کا ایک جرعہ میرے حلق میں چلا جاتا ہے۔

اب یہ حجام حجامت بنانے کے لیے اپنے سامان کی درستی کرنے لگا ایک تھیلی میں سے اپنے ٹین کے برتن نکالے۔ پھر صابون کو تیار کیا۔ اپنا لمبا استرہ ذرا ایک چمڑے کے بڑے ٹکڑے پر پھیرا۔ جب استرہ خوب صاف کر لیا تو یہ اس خیالی گاہک کی جو اصل میں صرف ایک سر تھا حجامت بنانے بڑھا۔ بائیں ہاتھ میں ٹین کا برتن لے لیا۔ داہنا ہاتھ گویا پانی کو چندیا پر رگڑتا تھا کہ بال نرم ہو جائیں تو استرہ چلے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ سر اٹھا ہوا چلا آیا۔ آہ۔ اے میرے دوست یہ معاملہ کیا ہے تم تو برف کی طرح خنک ہو۔ تمھارا سر اتنا ٹھنڈا کیوں ہو گیا۔

لیکن جب بار دگر حجام نے ذرا زور سے دبایا تو وہ سر نیچے آ پڑا۔ سر کا گرنا تھا کہ یہ خوف زدہ ہو کے دکان کے باہر اچک کے بھاگا۔

حجام امان امان پکارنے لگا۔ اب یہ ہمت نہ تھی کہ سر کی طرف قدم بڑھائے وہیں کھڑا ہوا امان امان کرتا رہا۔ میری دکان لے لے میرے استرے لے لے۔ میرے تولیے لے لے لیکن خدا کے لیے میری زندگی پر دست شفقت دراز نہ کیجیو۔ اگر تو شیطان ہے تو کہہ دے اور مجھے معاف کر کہ میں تیری حجامت بنانے بیٹھ گیا۔

لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ نہ ہلے نہ جلے نہ کچھ کرتا ہے نہ اس نے کسی بات کا جواب دیا تو وہ اس سر کے پاس گیا اور اس کو بال پکڑ کے اٹھا لایا اور بہت ہی تعجب کی نظر سے اس کی طرف دیکھا اس نے اس کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ یہاں تشریف کیونکر لائے کیا تم میری بے عزتی کرنی چاہتے ہو۔ تم ایک ناپاک گوشت کے ٹکڑے

ہو۔ گو میری آنکھ جاتی رہی ہے لیکن دوسری تو اتنی تیز ہے کہ میں سب کچھ دیکھ سکتا ہوں۔ میں تمھیں نانبائی کی دوکان پر دیتا ہوا اگر اس کا بیٹا جو اس معاملے کو دیکھ رہا ہے میری آنکھ کی طرح سے تیز آنکھ نہ رکھتا ہوتا۔ خیر اب میں تمھیں وہاں تو لے جا نہیں سکتا کیونکہ محمود بہت ہی کائیاں ہیں اب میں تمھیں ایسی جگہ لے جاؤں گا کہ جہاں تم مجھ کو کچھ مضرت نہ پہنچا سکو گے۔

اچھا تو میں تمھیں یونانی کبابی کے پاس لے چلتا ہوں جہاں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور تم اس کے کفار گاہکوں کے لیے کباب بنائے جاؤ گے۔ یہ کہہ کے نائی نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی عبا کے ایک کونے میں ڈھاک کر یونانی کباب فروش کی دکان کی طرف روانہ ہوا۔ ایک ہاتھ میں سر اور ایک ہاتھ میں پائپ پیتا ہوا وہاں پہنچا۔ چونکہ یہ شراب وغیرہ وہاں جا کے پیا کرتا تھا اس لیے وہ اس سے واقف تھا کہ اس سر کو وہاں لے جا کے بیٹھا اور آنکھ بچا کے ایک اندھیرے کونے میں جہاں بکری کا بھی گوشت وغیرہ کباب ہونے کے لیے رکھا ہوا تھا رکھ دیا۔ کسی نے بھی دکان میں اس نائی کو یہ بدعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا آفتاب اس وقت نکل آیا تھا۔ اس نے اپنا پائپ سلگایا۔ اور اس یونانی سے کہا کہ صبح کے ناشتے کے لیے کبابوں کی ایک رکابی میرے لیے بھیج دینا تا کہ اسے شبہہ نہ ہو کہ یہ علی الصباح کیوں آیا تھا۔ بہانہ بھی خاصہ ہو جائے گا کہ میں کبابوں کہنے کے لیے آیا تھا۔

یونانی نے اسی وقت اپنے برتن وغیرہ صاف کیے۔ آگ کو سلگایا اور سیخوں کو اس پر رکھا۔ شربت کو تیار کیا اور اپنی تمام دکان کو صاف کیا۔ پھر وہ اس کوٹھڑی میں جہاں کباب وغیرہ کا سب سامان رکھا ہوا تھا گیا تا کہ وہاں سے جا کے نائی کا ناشتہ بنانے کے لیے کباب کا گوشت نکال لائے۔ یہ یونانی کبابی اصلی یونانی کا رہنے والا تھا یہ بہت ہی بڑا فیلسوف عیار غدار اور فریبی تھا۔ اپنے بڑوں کے آگے تو لجاجت و منت کرتا تھا اور چھوٹوں کو کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ اور نہایت ہی اپنے مرے ہوئے دل سے اپنا آقا مغرور ترکوں کی حقارت کرتا تھا مگر پھر بھی ان کے منہ پر ان کی تعریف ہی کرتا مگر جب کوئی کم درجہ کا آجاتا تو پھر اس کو تو یہ خوب ہی آڑے ہاتھوں لیتا۔

جب یہ گوشت لینے کوٹھڑی میں گیا تو اس نے تمام چیزوں کو الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ کبھی یہ مُچّا گوشت کا الٹتا ہے اور کبھی وہ غرض اس نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کوئی سڑا ہوا بوٹا ہاتھ لگ جائے تو وہ ایک ترک کے لیے موزوں ہو گا۔ نصف بھیڑ کٹی ہوئی تازہ رکھی تھی اس کو ذرا پلٹ کر دیکھا۔ دیکھ کے رکھ دیا کہ نہیں اس کو تو ابھی رہنے دو لیکن

جب اس کو دم کے پاس سے الٹنے لگا تو انسان کی آنکھ اسے چمکتی ہوئی معلوم ہوئی اس نے دیکھتے ہی اپنے قدم پیچھے ہٹائے اور بہت ہی چونکا کہ یہ معاملہ ہی کیا ہے۔

کبابی۔(سر کی طرف مخاطب ہو کے) خدا آپ کو سلامت رکھے آپ کون ہیں۔ جواب ندارد پھر اس نے جھک کے دیکھا۔ پھر دیکھا آخر قریب آ گیا۔ پھر اپنا ہاتھ بھیڑ کے پارچوں اور سری میں ڈالا۔ اور اس سر کو گھسیٹ لیا۔ وہ خوفناک سر اٹھا ہوا چلا آیا۔ جب اس نے آگے کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو مجھے مضرت پہنچائے گا۔ اس نے سر کے بال پکڑ کر یہ کہا آہا یہ تو ایک مسلمان کا سر ہے۔ اگر اسی طرح سے تم سب کے اے ترکو میرے ہاتھ سر لگ جاتے تو میں ضرور کباب بناتا۔ خدا کرے اے ترکو تم سب کی یہی نوبت ہو۔ خدا کرے جیسی میری قسمت ہوئی ہے یہی ہر ایک یونانی کی ہو۔ ہمیشہ ہر یونانی کے ہاتھ تمھارا سر لگا کرے۔ اسی غصہ میں اس نے سر کو اٹھا کے پھینک دیا اور اسے لات ماردی مگر جب خیال آیا کہ یہ تو صرف غصہ ہے اگر کسی نے دیکھ لیا تو بہت ہی دقت آ کے واقع ہو گی اور چاہے جو کچھ کہوں گا لیکن کوئی یقین نہیں کرنے کا اور یہی کہے گا کہ یونانی نے ایک ترک کو مار ڈالا۔

یکایک وہ نہایت ہی سیاہ دلی سے چیخنے لگا۔ اے یہودی یہودی اس سر کے لیے وہ جگہ تجویز کرنی چاہیے جو آج تک کبھی سنی نہیں گئی۔ اور وہاں تم اسے لے کے جاؤ۔

یہ کہہ کے یونانی اس سر کو اپنے کوٹ میں چھپا کے لے گیا اور وہاں پہنچا جہاں ایک یہودی مرا ہوا پڑا تھا اور اس کا سر اس کی ٹانگوں میں رکھا ہوا تھا۔

(درویش کہتا ہے) اے حاجی بابا اس سے بھی تمھیں آگاہ ہونا چاہیے کہ ترکی میں جب کسی ترک کی گردن اڑائی جاتی ہے تو اس کا سر اس کے دونوں بازوؤں میں رکھ دیتے ہیں اور جب کسی مسیحی یا یہودی کو ایسا موقع آتا ہے تو اس کا سر اس کی ٹانگوں میں رکھ دیتے ہیں یہ گویا ایک نہایت ہی توہین کی بات ہے۔

بس یونانی نے وہ سر لے کے اس مردہ یہودی سے بہت جلدی میں بھڑا کے رکھ دیا۔ جلدی میں یہ اسے کافی طور پر نہ دیکھ سکا۔ گو دن نکل آیا تھا لیکن روشنی بہت ہی کم پھوٹی تھی۔ اور یہ گھبرایا ہوا بہت جلد واپس دکان پر چلا آیا کہ ایسا نہ ہو کوئی اسے دیکھ لے اور پھر ایک غضب ہو جائے۔

جس بدقسمت شخص کی یہ نعش تھی اس پر یہ الزام قائم ہوا تھا کہ اس نے مسلمان کے بچہ کو چرا کے قتل کر ڈالا (کیونکہ ایران وروم دونوں ملکوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہودی اپنی کسی تقریب میں ایک مسلمان بچہ کی

قربانی کرتے ہیں) تو اس سے تمام قسطنطنیہ میں ایک اشتعالک طبع پھیل جاتی ہے۔ اور جب تک وہ شخص قتل نہیں کیا جاتا یہ غصہ ترکوں کا فرو نہیں ہوتا غرض اسی طرح سے یہ ایک دولتمند یہودی کے دروازے کے آگے قتل کیا جاتا ہے۔ تین دن کامل نعش پڑی رہتی ہے اس کے بعد یہ اجازت ملتی ہے کہ اسے دفن کرنے کے لیے لے جاؤ۔ اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح سے یہ افسر کو منہ بھرائی دے کہ میرے دروازے پر یہ سانحہ نہ ہو کیونکہ دولتمند یہودی کو یہ ڈر بھی تو رہتا ہے کہ ایک ہی دفعہ ہو کر تو پیچھا نہیں چھٹے گا جب کبھی یہودی کو قتل کرنا ہوگا وہ یہیں آ کے کریں گے۔ اور جو وہ نہیں مانتے اور یہودی قتل ہی کیا جاتا ہے تو وہ دولتمند یہودی اپنا دروازہ بند کرلیتا ہے اور جب تک اس کی نعش اٹھ نہیں لیتی وہ دروازہ نہیں کھولتا کبھی کبھی وہاں چند مسلمان آ کے کھڑے ہوتے ہیں لیکن چونکہ انھیں یہ ڈر لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو حکام شبہہ کریں۔ اس ڈر سے صرف نعش ہی پڑی رہتی ہے اور کوئی آ کے بھی نہیں پھٹکتا۔ اب یہ موقع اس یونانی کو ہاتھ لگا کہ وہ اپنی بلا بھی وہیں ٹال آیا یعنی اس سر کو یہودی کے پاس رکھ دیا۔

جب دن بخوبی نکل آیا اور لوگ راستہ چلنے لگے تو انھوں نے ایک اور سر بھی یہودی کے سر کی ضمن میں رکھا ہوا دیکھا ہزارہا آدمی چلے آئے۔ اور ایک غل مچ گیا۔ یہ افواہ اڑ گئی کہ ایک معجزے کا وقوع ہوا ہے کیونکہ ایک مردہ یہودی دو سر کا بن گیا منہ بہ منہ یہ روایت گوش گذار ہوئی اور تمام شہر معجزہ دیکھنے کے لیے امنڈ آیا۔ یہودیوں کی جماعت میں یہ خبر ہوئی کہ تمھارے ہم قوم بھائی میں ایک نئی بات دیکھی گئی۔ جب وہ قتل ہوا تو ایک سر تھا اور جب قتل ہو چکا تو دو سر ہو گئے۔ بڑے بڑے یہودیوں کے رہنما ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے معلوم ہونے لگے۔ تمام یہودی اس میت کے گرد بیٹھ گئے اور پڑھ پڑھ کے پھونکنے لگے کہ شاید یہ مردہ زندہ ہو جائے۔ اس کا سر بھی گردن پر رکھ دیا۔ مگر وہاں پتہ بھی نہیں۔

چونکہ ایک وبال آنا تھا ایک جنیسری اس جماعت میں ملا ہوا کھڑا تھا اور وہ بہت ہی غور سے دیکھ رہا تھا کہ یہ سر کس کا ہے۔ دیکھتے دیکھتے نہایت ہی شبہہ اور تعجب کی حالت میں بولا۔ اللہ اللہ یہ کافروں کے سر نہیں ہیں ایک تو میرے مالک میرے آقا آغا جنیسریز کا ہے۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھ کے اپنے ساتھیوں کو بلایا۔ اب ان کے غصے کا کیا ٹھکانا تھا وہ دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ اور اپنے سردار کو انھوں نے جا کے یہ خبر سنائی۔

یہ خبر وحشت اثر خوفناک آگ کی طرح سے تمام جنیسریوں میں پھیل گئی۔ اور ایک نہایت ہی خوفناک بلوہ فوراً پیدا ہو گیا۔ کیونکہ انھیں معلوم نہ تھا کہ ان کا سردار جس پر وہ اپنی جان و مال قربان کرتے تھے اس طرح سے مار ڈالا گیا۔

انھوں نے باہم یہ کہا کہ کیا ہمارے ساتھ دغابازی اور فریب نہیں ہوا کہ جس افسر پر ہم اپنی جان فدا کرتے تھے اس کو قتل کر ڈالا گیا ہے۔ ہماری سخت توہین ہوئی اور ہم ایسی حقارت سے پیش آئے گئے کہ انسان کبھی ایسی ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ کیا ہمارے سردار ہمارے والی آغا کا سر ایک یہودی کے ناپاک حصہ سے مس کر کے رکھا جائے تو اب پھر ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا صرف یہ ہماری ہی توہین نہیں ہوئی بلکہ یہ کل اسلام کی توہین ہوئی ہے اور سخت بے عزتی ہوئی ہے اور اس وقت اس کی حرمت جاتی رہی۔ اور کس کتے نے یہ کیا ہے اور سر یہاں کیونکر آ پہنچا۔ کیا یہ وزیر کا کام ہے۔ یا رئیس آفندی کا فعل ہے۔ یا فرانسیسی ایلچیوں کا کام ہے۔ قسم ہے خدائے بزرگ کی اور قسم ہے پاک کعبہ کی ہم ضرور اس کا بدلہ لیں گے۔

ہم کچھ وقت برپا شدہ ہنگامہ کو چھوڑتے ہیں ہم اپنے ناظرین سے عرض کرتے ہیں کہ آپ اب وہ معاملہ خیال کریں کہ جس میں بیچارے یہودی اب ادھر ادھر بھاگتے پھریں گے اور اپنے کو غصیلے اور پر جوش ترکوں سے بڑی ہوشیاری اور دور اندیشی سے پوشیدہ مقامات میں چھپائیں گے۔ جو جوشیلے ترک کہ اب جھنڈ کے جھنڈ گلیوں میں پھرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ہاتھوں میں ہتھیار تلواریں پستول وغیرہ ہوں گے اور جو شخص بیچ میں آئے گا اس سے وہ اپنا انتقام لیں گے۔

ناظرین کو یہ بھی ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ قسطنطنیہ ایسا شہر ہے جس کی تنگ تنگ شاہراہیں اور نیچے نیچے مکان ہیں۔ اور جن میں کثرت سے آبادی ٹھسا ٹھس بھری ہوئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی بستے ہیں جن کی قسم قسم کی پوشاکیں ہیں۔ مختلف رنگ ہیں سب متردد۔ سب باہم گفتگو کرتے ہوئے جیسے کوئی عجائب چیز کا وقوع ہو گا اب میں اس قصے کو تو یہیں ختم کرتا ہوں اور اب سلطان کی حرم سرا کی کیفیت لکھتا ہوں کہ جب درزی سر کو لے کے چلا آیا تو وہاں کیا گذری۔

اسی شب کو جب درزی حرم سرا میں حاضر ہوا تھا تو سلطان نے ایک پوشیدہ حکم دیا تھا کہ جنیسریز کے آغا کا سر اتار لیا جائے۔ کیونکہ ترکوں کی جماعت میں جس قدر فساد ہو رہے تھے وہ سب اسی کا طفیل تھا اور اسی کے سبب سے

آتش بغاوت مشتعل ہو رہی تھی۔ سلطان کو اپنے اس فعل قتل کا ایسا خیال تھا کہ اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ سر اڑتے ہی میرے پاس لایا جائے وہ شخص اپنا کام کر کے اس سر کو ایک دوشالے میں لپیٹ کے لایا اور سلطان کے پاس سے واپس پھرا کہیں وہ اول اسی کمرے میں آیا جہاں درزی موجود تھا اس نے نگاہ اٹھا کے بھی نہیں دیکھا کیونکہ اس کو اتنی دلیری کہاں تھی اس نے فوراً وہ خون آلود سر سلطان سمجھ کے درزی کے پیروں پر رکھ دیا اور اسی طریقے سے جھک کے تین بار آداب بجالایا۔ کہ جیسا سلطان کے آگے بجالاتا تھا۔ ایک منٹ نہ گذرا تھا کہ سلطان وہ بنڈل جس میں درویشی کپڑے تھے اٹھا کے لے گیا تھا اور اسے اس بات کا اتنا خیال تھا کہ میری اس تبدیل ہیئت کی خود منصوری کو بھی خبر نہ ہو۔ تو اب بڑی دقت تو یہ آکر واقع ہوئی کہ ایک تو منصوری فوراً درزی کے پیچھے واپس چلا گیا اور دوسرے اس کو وہ سر نہ پہنچا جس کا اس نے اس قدر اہتمام کیا تھا اور اس کو سب سے چھپانا چاہتا تھا۔ اب اسے اس کا بہت ہی تردد ہوا یہ بھی مناسب نہیں جانا کہ منصوری کے پیچھے اور بھی آدمی دوڑاوے کیونکہ اس سے افشائے راز ہوتا تھا تو اب سلطان کو مجبوراً منصوری کے واپس آنے کا انتظار رہا کہ وہ جب آئے تو کیفیت معلوم ہو۔ غضب تو یہ ہوا کہ وہ پوشاک خود سلطان کے قبضہ میں تھی اور سلطان یہ سمجھتا تھا کہ وہ مع پوشاک چلے گئے ہیں اسے کیا معلوم تھا کہ یہ کمبخت درزی سر کا بنڈل کپڑوں کی جگہ اٹھا کے لے گیا ہے۔

اب اس وقت کی مضطربانہ اور بے صبری کی حالت کو خیال کیا جائے جب سلطان نے اس افسر کو بلوایا جس کے بسبب سے یہ کام انجام پذیر ہوا تھا اور جب باہم گفتگو ہوئی اور اصل اصل واقعہ کی حالت بیان ہوئی تو دونوں کا تعجب اور بھی بڑھا اور دونوں سخت متردد ہوئے۔

سلطان۔(کچھ دیر تامل کر کے) مجھے اپنے سر کی قسم درزی سر لے گیا ہے۔

جب منصوری اس درزی کو پہنچا کے آیا تو سلطان کے اوسان باختہ ہوئے یہ شخص یعنی منصوری درزی کو حد تک پہنچا کے واپس ہی پھرا تھا اور یہ جا کے آرام کر چکتا کہ سلطان کے آگے اسے پھر آنا پڑا۔

سلطان۔(ذرا مضطربانہ حالت میں آواز دے کے) اے منصوری ابھی تو درزی کے مکان پر جا کیونکہ وہ بجائے درویش کے کپڑوں کے آغا جنیسریز کا سر لے گیا ہے۔ بالکل ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کر ابھی چلا جا ایسا نہ ہو کہ کسی بدقسمت واقعہ کا وقوع ہو جائے۔ منصوری سے یہ بھی بیان کیا کہ یہ عجیب واقعہ کیونکر ہو گیا۔ اب منصوری چکرایا کہ یہ بڑی دقت ہو گئی مشکل تو یہ ہے کہ میں صرف اس کی دکان کو تو جانتا ہوں مکان سے تو واقف نہیں اب اگر

پوچھوں گا تو کیونکر پوچھوں گا۔ لیکن کیا کرے حکم حاکم مرگ مفاجات کا درجہ رکھتا ہے یہ بیچارہ اس ارادے میں روانہ ہوا کہ چل کے اس کی دکان ہی کے پڑوسیوں سے اس کے مکان کا پتہ پوچھے اگر معلوم ہو گا تو وہیں سے معلوم ہو گا۔ ابھی رات بہت ہی باقی تھی اور بزازہ نہیں کھلا تھا۔ ہاں صرف ایک شخص اپنے گاہکوں کے لیے کافی تیار کر رہا تھا وہاں تو اس کا کچھ بھی پتہ نہیں لگا اب یہ بہت ہی پریشان ہوا اسی حالت میں خوش قسمتی سے اسے کہیں یہ یاد آ گیا کہ وہ مچھلی بازار والی مسجد کا مؤذن بھی ہے بس ہاں ضرور اس کا پتہ لگے گا بس یہ خیال آتے ہی سیدھا اس طرف قدم اٹھایا۔ اس وقت برابر اذانیں ہو رہی تھیں اب اسے یہ یقین ہوا اور اس یقین کے ساتھ اطمینان بھی ہوا کہ بابادل بھی ضرور اذان دینے آئے گا۔ جب اس مسجد کے قریب پہنچا تو اس نے سنا کہ ایک آواز جھرجھری اور کمزور سی آ رہی ہے اور بہت ہی بیٹھی ہوئی جیسے کوئی ضعیف شخص گلا پھاڑ کے چلاتا ہے سمجھ گیا کہ یہ قطعی بابادل ہی ہو گا غرض جب مسجد کے اندر پہنچا تو اس کے قیاس نے غلطی نہ کھائی بابادل ہی نرخرہ پھلا پھلا کے اذان کہہ رہا تھا۔

منصوری جب مینار کے نیچے کھڑا ہوا تو اس نے بابادل کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے ہوئے ہے اور بہت ہی منہ پھاڑے ہوئے چیختا ہے کہیں اسی حالت میں اذان دیتے دیتے درزی کی بھی نگاہ منصوری پر جا پڑی۔ اسے دیکھتے ہی ایسا بیتاب ہوا کہ کچھ ٹھکانا نہیں کیونکہ اس کے پیٹ میں تو چوہوں نے قلابازیاں کھانی شروع کیں کہ اس سے اس سر کی کیفیت بیان کروں بس اس جلدی میں ادھوری سدھوری جو منہ میں آیا جلدی سے اذان کہہ کہا کر اس نے اس کو ختم کیا اس کی اس عجلت پر اس کے ہمسائے جو بہت پکے مسلمان تھے بہت ہی ناراض ہوئے۔ اذان کہتے ہی یہ مسجد کے دروازے کی طرف لپکا اور اس نے گلی میں منصوری کو جا لیا۔ جاتے ہی اس نے کہنا شروع کیا کہ واہ آپ سے یہی امید تھا مجھے پکڑوانے کی صلاح کی تھی کپڑوں کی جگہ سر کا بنڈل پکڑا دیا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

درزی۔ آپ آدمی ہیں ایک غریب سے یوں پیش آتے ہیں۔ آپ نے تو ہمارا دین و دنیا سے تباہ کرنے کا منصوبہ گانٹھ لیا تھا۔ اب تم مجھ سے میرا خیال ہے کہ دوسرے خون کی قیمت دریافت کرو گے۔
منصوری۔ دوست یہ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔ تم نہیں دیکھتے کہ غلطی آ کے واقع ہو گئی۔

درزی۔ درست ہے۔ غلطی۔ غلطی بھی ایک غریب شخص کے پھنسانے کے لیے ہوئی۔ ایک شخص تو میری کمبخت اور نالائق داڑھی پر خندہ زن ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ہی شخص ہے جو میرے لیے کپڑوں کا جوڑا بنائے گا۔ دوسرا آیا وہ کپڑوں کا بقچہ اٹھائے لیے چلا گیا۔ تیسرا جو اٹھا تو اس نے لے کے سر ہی باندھ دیا۔ اللہ اللہ اچھا میں کمبخت اور دغاباز۔ عیار لوگوں میں جا کے پھنسا۔

منصوری۔ (درزی کی داڑھی پر ہاتھ رکھ کے) بس زیادہ نہ بک۔ بس زیادہ نہ بک کیوں دیوانہ ہوا ہے۔ تو جانتا ہے کہ کس کو برا کہہ رہا ہے۔

بابادل۔ میں نہیں جانتا اور نہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو شخص مجھے ایک آدمی کا سر دیوے اور یہ کہے کہ اس کے کپڑے بنادے وہ ایک کافر کا کتا ہے۔

منصوری۔ (غصہ میں) اے بیوقوف اے کندہ ءناتراش تو ظل اللہ کو کافر کا کتا بناتا ہے۔

جب منصوری نے اپنے معزز آقا کی نسبت یہ توہین آمیز الفاظ سنے تو غصہ میں سب کچھ بھول گیا کہ آیا رازداری اس امر میں کرنی چاہیے یا نہیں اور یہ معاملہ تو بہت ہی دور اندیشانہ ہے۔

منصوری۔ (بہت لال پیلا ہو کے) مردود تو عالم پناہ کی شان میں یہ یہ گستاخی کرتا ہے تو کیا کیچڑ چاٹ رہا ہے اور اپنے سر پر کیا خاک ڈال رہا ہے۔ آؤ اور زیادہ نہ بکو۔ مجھے بتا کہ وہ سر کہاں ہے اور نہیں اس کے عوض میں تیرا سر ندارد ہو جائے گا۔

یہ سن کے درزی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اب اس کی سمجھ کے دروازے کا قفل کھلا۔

بابادل۔ امان امان۔ اے آغا منصوری جو کچھ میں کہہ رہا تھا محض جہالت میں بک رہا تھا۔ بھلا اسے کون خیال کرے گا۔ میں بھی کیا ہی گدھا بیوقوف اور خرنا شخص ہوں۔ بسم اللہ آپ میرے مکان پر تشریف لائیں۔ آپ کے قدوم میرے لیے میمنت لزوم ہوں گے اور تمھارے غلام کا سر آسمان تک پہنچے گا۔ یعنی آپ کے چلنے سے مجھ غریب کو تو معراج ہو جائے گی۔

منصوری۔ مجھے تو حد سے زیادہ جلدی ہے اور بہت ہی عجلت ہے۔ تو یہ بتا کہ وہ سر کہاں ہے۔ وہ سر تو آغا جان نثار کا ہے۔

جب درزی نے یہ کیفیت سنی کہ وہ سر کس کا ہے تو اب اس کے اوسان باختہ ہو گئے اور اس کے گھٹنے کانپنے لگے کیونکہ وہاں تو اس نے اور اس کی بیوی نے اور ہی کاروائی کی تھی۔ سر تو کہاں کا کہاں پہنچا تھا۔

بابادل۔ اب وہ کہاں ہے۔ دیکھیے اب ہم پر کیا آفت نازل ہوتی ہے۔ ہماری بھی کیا بری قسمت ہے۔

منصوری۔ ارے جلدی بتا سر کہاں ہے۔ جلدی بتا سر کہاں ہے۔ بتا بتا بتا۔

اب بیچارہ درزی اس کا کیا جواب دیتا شش و پنج میں رہ گیا اور سخت حیرت زدہ ہوا۔ ایک ہول اس پر طاری ہو گیا۔ آخر منصوری نے گھبرا کر بہت جلدی میں اس سے یہ یہ سوال کیے۔

منصوری۔ کیا تم نے اسے جلا دیا۔

درزی۔ نہیں۔

منصوری۔ کیا تم نے اسے کہیں پھینک دیا۔

درزی۔ نہیں۔

منصوری۔ اچھا پھر تمھیں پیغمبرؐ خدا کی قسم تم نے اس کا کیا کیا۔ سچ کہو۔ کیا تم اسے کھا گئے۔

درزی۔ نہیں۔

منصوری۔ کیا یہ کسی دوسرے شخص کے مکان میں چھپا ہوا ہے۔

درزی۔ نہیں۔

منصوری۔ اچھا تو وہ تمھارے مکان پر پڑا ہوا ہے۔

درزی۔ نہیں۔

یہ سن کے منصوری کو بہت ہی غصہ آیا بابادل کی ایک ہاتھ سے داڑھی پکڑ کے خوب ہی زور زور سے سر کو ہلایا اور کہا کہ اے کم عقل پیر فرتوت جلد بتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔

درزی۔ جناب اصل تو یہ ہے کہ وہ پک رہا ہے۔

منصوری۔ بہت ہی سراسیمگی کی صورت میں۔ پکنا پکنا۔ یہ کیا کہتا ہے۔ اچھا تم نے اسے کیوں پکایا کیا تم اسے کھاتے ہو۔

بابادل۔ زیادہ آپ چاہتے ہی کیا ہیں۔ بس یہ پک رہا ہے۔

درزی نے منصوری سے پوری پوری کیفیت بیان کی کہ یہ ہوا اور یہ ہوا میں نے اور میری بیوی نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ کیا۔

منصوری۔ اچھا تو تو مجھے اس نانبائی کی دکان بتا۔ اگر وہاں بھی مل گیا جب بھی غنیمت ہے اللہ اللہ سر دار جان نثار ان کا سر اور یکے۔

یہ دونوں مل کے نانبائی کی دکان پر پہنچے وہ اس وقت روٹیاں پکار رہا تھا جب اس نے یہ ماجرا سنا تو ایک لمحہ کا بھی توقف صاف صاف کہنے میں نہیں کیا اور جو کچھ گذری تھی سب کہہ دی کہ میرے بیٹے نے اس طرح سے نائی کی دکان پر اس سر کو رکھ دیا تھا۔ پھر یہ تینوں شخص یعنی منصوری۔ درزی۔ نانبائی۔ نائی کی دکان کی طرف چلے اور اس سے دریافت کیا کہ تیرے ہاں جو ایک سر رکھا گیا تھا اس کے ساتھ تو نے کیا کیا۔

نائی۔ (خوب سوچ کے اور سر گریبان تفکر میں ڈال کے) جناب اصل یہ ہے کہ جب میں نے اس سر کو دیکھا تو مجھے بہت ہی خوف معلوم ہوا اور میں سمجھا کہ یہ شیطان کی کچھ کارستانی ہے کہ مجھے پھنسانے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ میں نے تو یہ مناسب سمجھا کہ اس سر کو اٹھا کے یونانی نانبائی کے یہاں رکھ آؤں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا مجھے یقین ہے کہ اس نے اپنے گاہک کفار کے لیے تو اس کے کباب بھی بنا لیے ہوں گے۔ سب کے اوسان باختہ تھے اور سب نہایت ہی تحیر کی حالت میں سوچتے تھے کہ دیکھیے یہ نزلہ کدھر گرتا ہے آخر یہ چاروں شخص یونانی کبابی کی دکان پر پہنچے۔

جب یونانی نے یہ صورتیں دیکھیں تو سمجھا کہ یہ گوشت لینے آئے ہیں کباب تو پکے پکائے کیا لیں گے تو وہ گوشت نکالنے کے لیے کوٹھری میں گیا کہ ان کے دکان پر پہنچنے سے پہلے باہر نکال کے رکھ دے۔

لیکن جب اس سے سر کے معاملے میں گفتگو ہوئی تو اس نے صاف انکار کیا اور کہا میں نے تو سر کو دیکھا ہی نہیں کیسا سر اور کس کا سر۔

نائی نے جہاں سر رکھا تھا بتا دیا کہ اس کوٹھری میں رکھا تھا اور پھر قرآن شریف کی قسم کھائی کہ اس میں ہرگز خلاف نہیں۔

منصوری نے اپنی جستجو میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور خوب ہی جان توڑ کے تلاش کی آخر جب اسے معلوم ہوا کہ شہر میں یہ افواہ اڑ رہی ہے اور ایک یہودی کے دو سر ہو گئے ہیں اور اس سے تمام فرقہ جان نثاروں میں ایک بدمزگی اور تحریک ہو گئی ہے دل میں خیال کیا ہو نہ ہو وہی سر تو کہیں وہاں نہیں پہنچا۔
آخر منصوری نائی نانبائی درزی کو لے کے اس مقام پر پہنچا جہاں اسرائیلی کی نعش پڑی ہوئی تھی دیکھا کہ وہ سر رکھا ہوا ہے۔
یہ تو یہاں آئے اور یونانی کباب نے سوچا کہ خبر نہیں مجھ پر کیا آفت آکے واقع ہو وہ تو جو کچھ روپیہ اس کے ہاتھ لگا سمیٹ سمٹا کے شہر ہی سے بھاگ گیا۔
منصوری۔ (اپنے چاروں طرف دیکھ کے اور یہ سمجھ کے کہ کبابی بھی ساتھ ساتھ ہے) وہ کبابی کہاں گیا۔ ہم سب کو سلطان کے پاس جانا ضروری ہے۔
نائی۔ میں اس امر کو دلیری سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھاگ گیا۔ میں ایسا اندھا نہیں ہوں مجھے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی شخص ہے جس نے وہ سر یہودی کے سر کے ساتھ ملا کر رکھا ہے۔
منصوری نے تو ہر چند چاہا کہ کسی طرح سے یہ سر ہاتھ لگ جائے مگر اس سر کے ارد گرد مسلح سپاہی جن کی طبائع مشتعل ہو رہی تھیں کیونکہ ان کا آقا کس بری ذلیل صورت میں قتل ہوا تھا۔ ان کا یہ عالم تھا کہ آگ بگولا ہو رہے تھے۔ اور بدلا لینے کے لیے آمادہ تھے۔ آخر کو یہ بنی کہ منصوری ان تین شہادتوں کو لے کے اپنے آقا کے پاس پہنچا۔
جب منصوری وہاں پہنچا اور اس نے پوری کیفیت بیان کی کہ وہ سر اب کہاں رکھا ہوا ہے اور وہاں تک کیونکر پہنچا اور اب اس سے بلوہ ہو جائے گا سب جان نثار ترک آمادہء فساد ہیں تو اب ناظرین خود خیال کر سکتے ہیں کہ یہ حالت سن کے سلطان کی طبیعت کی کیا حالت ہو گی اور اس کو بڑا اندیشہ ہوا کہ اس کا اظہار سبب کمی توقیر ہو گا۔ اور میری وہ عزت اور وہ رعب نہیں رہے گا اور لوگوں کی نگاہوں میں میں کم وقعت ہو جاؤں گا۔ اور اگر بلوے کے بجھانے کے لیے لگتے ہاتھ کوئی تدبیر کی جائے تو یہ بھی محض ناممکن ہے۔ شعلہء بغاوت بھڑکیں اور بھڑکیں۔ جب بارود میں آگ پڑ چکی پھر کہیں یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ بالکل مشتعل نہ کر دے گی۔ یہ شعلہء بغاوت تو اور بھی بلند ہو گا اور ایسا نہ ہو کہ میری جان اور تاج پر کچھ آفت آکے واقع ہو۔

کچھ دیر تک تو سلطان مذبذبین کی حالت میں رہا اور بار بار بڑبڑا کر کہا کہ اللہ اللہ یہاں تک کہ اس نے حکم دیا کہ وزیر اعظم اور مفتی ابھی حاضر ہوں۔

جب ان کے پاس یہ خبر پہنچی کہ سلطان نے یاد کیا ہے تو یہ کانپ گئے کہ دیکھیے کیا آفت آتی ہے ڈرتے ڈرتے یہ شاہی محل کے دروازے میں داخل ہوئے۔

جب سلطان نے ان سے یہ بیان کیا کہ فرقہ ءجان نثاروں میں شورش پھیل رہی ہے اور نہایت دہشتناکی سے قسطنطنیہ میں بلوہ ہو جانے کا ڈر ہے اس کی کیا تدبیر بتاتے ہو۔ یہ سن کے انھیں گونہ اطمینان ہوا کہ اور کوئی آفت ہمارے سر پر تو نہیں آئی۔ بڑے لمبے چوڑے مشورے کے بعد قرار پایا کہ مفتی کی عدالت میں نائی۔ نانبائی۔ کبابی ۔اور درزی حاضر ہوں کیونکہ یہی لوگ ملزم ہیں کہ آغا کے سر کو مونڈنے بھوننے کباب بنانے اور کپڑے پہنانے کے لیے چرا کے لے گئے انھیں چاروں سے اس سر کی خون بہاضرور لینی چاہیے۔ لیکن چونکہ کبابی ہی اس بلوے کا باعث ہوا ہے اور اس نے ہی آغا کے سر کو وہاں لے جاکے رکھا ہے تو مفتی یہ فتویٰ شائع کرائے کہ اس کبابی کا جو یونانی اور کافر بھی ہے سر کاٹا جائے اور اس جگہ رکھا جائے جہاں آغا کا سر اس نے جاکے رکھا تھا۔

باہم سلطان اور وزیر اعظم اور مفتی میں یہ امر طے پایا کہ فرقہ ءجان نثار ترک جس شخص کو پسند کریں اپنا آغا بنا لیں تاکہ بلوہ فرو ہو جائے اور آغا کی نعش بہت ہی توقیر سے دفن کی جائے۔

یہ سب باتیں تو حکم ہوتے ہی ہو گئیں لیکن یہودی کبابی نہیں ملا جو پہلے ہی سے کافور ہو گیا تھا شہر میں تمام امن و امان پھیل گیا اور فرقہ ءجان نثار نے عذر نہیں کیا۔

یہ ایک بات سلطان کے رحم اور عالی ہمتی کی بیان ہوتی ہے کہ اس نے نائی۔ درزی۔ نانبائی کو نہ صرف زر نقد ادا کیا جو ان پر جرمانہ ہوا تھا بلکہ اس کے علاوہ سلطان نے ہر ایک کو معاوضہ دیا اور کہا کہ یہ صرف اس تکلیف کا صلہ ہے جو تم کو خواہ مخواہ اٹھانی پڑیں۔ اب تم جاؤ اور خوش رہو۔

(حاجی بابا کہتا ہے) میں نے یہاں کہانی بہت ہی مختصر کر دی جہاں کہ منصوری سلطان کے پاس ان تین شخصوں کو لے کے آیا ہے اور پوری پوری کیفیت بیان کی ہے۔ کیونکہ جتنا مجھ سے درویش نے کہا تھا اگر سب کو بیان کرتا تو بہت ہی طول ہو جاتا۔ واقعی میں نے اپنے کو بہت ہی مختصر بیان میں مقید کیا ہے کیونکہ جس قدر کہ میرے ساتھی نے بیان کیا تھا اور ہر امر کی مفصل کیفیت اظہار کی تھی تو وہ اس قدر تھی کہ ایک جلد میں بھی تو نہ سما سکتی تھی۔

قصہ گوئی کا ہنر تو یہ ہے کہ جس قدر سامعین ہوں انھیں بات بات پر دلچسپی ہو اور واہ واہ کی صدائیں چاروں طرف بلند ہوں۔

میرے دوست درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ اگر میں ایک شخص کی کہانی بیان کرنے لگوں تو تمھیں ساری رات بیٹھنا پڑے لیکن پھر بھی اس میں سے بہت ہی کم بیان ہووے۔

بیسواں باب

حاجی بابا کا ولی ہونا اور ایران کے ایک مشہور پیر سے ملنا

آخر کار مرزا عبدالقاسم نے خود میری پاکی اور طہارت کی بہت کچھ تعریف سنی جب وہ زیارت کرنے درگاہ میں آئے تو انھوں نے مجھے بلایا۔ اس وقت مجھے بہت ہی خوف ہوا اور میں بہت چکرایا کہ دیکھیے کیا بنتی ہے یہاں محض جاہل کندہ ءناتراش وہاں وہ عالم ممکن ہے کہ اس سے لیاقت چھپائی جائے وہ تو فوراً ہی تاڑ لے گا اور یہاں لطف تو یہ ہے کہ جہالت بھی حد درجہ کی تھی یہی نہیں جانتا تھا کہ اسلام کے پہلے ارکان کیا ہیں۔

آخر میں نے جو کچھ مجھے آتا تھا وہ خود ہی کہنا شروع کیا۔ دیکھیے میں نے کہا اس کو میں جانتا ہوں۔ اور یہ اصل ایمان ہے۔

اول۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین نہ کرے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کو ان کا خلیفہ نہ مانے تو وہ کافر ہے۔ ملحد ہے۔ اور قتل کرنے کے قابل ہے۔

دوم۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ ہم شیعیان علیؑ بہشت میں جائیں گے۔ اور یہ بھی میرا یقین ہے کہ میرا دین سچا ہے۔ یہ مجھے یقین ہے اور اس میں اصلاً شک و شبہہ نہیں کہ سب کافر جہنم واصل ہوں گے یہ ہمارے قانون شریعت میں نہیں کہ ہم شراب پیویں اور سور کا گوشت کھائیں۔ یہ فرض ہے کہ ہم دن میں پانچ وقت نماز پڑھیں اور ہر نماز کے پہلے تازہ وضو کریں پانی برابر بھوؤں سے انگلیوں تک دوڑے۔ یہ نہیں کہ اناپ شناپ وضو کیا جائے۔

میں اپنا مذہبی علم کا یہ خزانہ ایک جگہ دماغ میں جمع کر رہا تھا کہ اتنے میں درویش میری کوٹھری میں آیا۔ میں نے فوراً اس سے اپنی مصیبت بیان کی کہ اس وقت اس نے بلایا ہے اور مجھ پر یہ آفت آکے واقع ہو رہی ہے اس لیے کہ میں جاہل ہوں۔ کیا کروں۔

درویش۔ حاجی تمھیں دنیا میں آئے ہوئے اتنا زمانہ ہوا لیکن ابھی تم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں کوئی چیز بغیر بے شرمی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ کہانیاں جو درویش سفر اور اس کے ساتھی اور میں نے تم سے بیان کی ہیں میں جانتا ہوں کہ تمھارے دل پر ان کا بہت ہی کم اثر پڑا۔

میں۔ میرے دماغ میں ان کہانیوں کا ایسا اثر ہوا جیسے میرے پیروں پر لکڑیوں کی مار کا ہوا تھا۔ ان کہانیوں سے میرا اخلاص بہت ہی درست ہوا اور میں آپ سے اس امر کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ یقین ہی کریں جب تک میں زندہ ہوں ہرگز نہ آپ کو اور درویش سفر اور اس کے ساتھی کو بھولوں گا۔ جس پر لٹا کے میں لکڑیوں سے پٹا تھا کیا میں وہ بھول سکتا ہوں۔ اب تمھارے حساب کے مطابق تو ایک دفعہ لکڑیاں کھائیں اب سنگساری کے موقع پر آ کے پھنسا ہوں۔ یہ میری سنگساری تمھارے آگے وہی وزن رکھتی ہے جیسے لکڑیوں سے پٹنا۔ تو اب اے درویش تو مجھے یہ بتا کہ میں کیا کروں۔

درویش۔ تم وہ حاجی تو ہو نہیں جس سے میں پہلے ملا تھا۔ ہاں جب جانوں گا کہ تم وہی حاجی بابا ہو جب مجتہد بن جاؤ۔ اگر مجتہد بننے کی عقل نہیں رکھتے تو کیا ہی کیا۔ بالکل خاموشی اختیار کر لو سمٹ سمٹا کے ایک طرف بیٹھ جاؤ اور اللہ ہو کے سوا کچھ نہ کہو نگاہیں بالکل نیچی رہیں پھر دیکھیں کہ تمھیں کون شخص سمجھتا ہے۔ اور کوئی تو کوئی میں خود ہی نہیں سمجھ سکوں گا۔

یہ سن کے میں نے اس کی رائے کو قبول کر لیا اور میں مجتہد کی ملاقات کے لیے آنکھیں نیچی کیے ہوئے چلا اور میں نے اپنی بدقسمتی کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اپنے دل میں یقین کر لیا کہ تمام شہر میں کوئی بھی ایسا شخص نہ ہو گا جو میری سی متقیوں کی سی صورت بنانے میں مجھ سے زیادہ فخر حاصل کر سکے۔ میں بہت ہی آہستہ آہستہ زمین پر چلا اور اپنے فلاسفر سعدی کے یہ برجستہ فقرے اور شعر اس وقت یاد آ گئے جو انھوں نے درویشوں کے اخلاق پر کہے ہیں۔ یہ میرے اس معاملے سے ایسا تعلق رکھتے تھے اور مجھ سے کچھ ایسی مناسبت کھاتے تھے کہ اس سے میں بہت ہی خوش ہوا اور اب وہ فکر و تردد جاتا رہا اور مجھے اس امر سے اطمینان ہوا کہ میں بس مجتہد کو اب کاہے کو چلنے دوں گا اسے کبھی اپنی جہالت ظاہر نہ ہونے دوں گا۔ وہ سعدی کے جملے مفصلہ ذیل ہیں۔

یکے از بزرگان گفت پارسائے راچہ گوئی بحق فلاں عابد کہ دیگراں را بحق دی بہ طعنہ سخن ہا گفتہ اند۔ گفت بر ظاہرش عیب نمی بینم و در باطنش غیب نمیدانم۔ قطعہ۔

هر کرا جامہ پارسا بینی پارسادان و نیک مردان کار

در ندانی کہ در نہانش چیست

محتسب را درون خانہ چہ کار

میں نے پھر سعدی کے اسی باب میں سے چند اور بھی جملے یاد کیے جن سے مجھے اطمینان ہوا کہ اب مجتہد کو میری علمیت اور پاکی کا کامل یقین ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر اس نے مجھے ذرا بھی موقع دیا تو میں یہ کہوں گا۔

درو شے را دیدم کہ میگفت۔ یا غفور یار حیم تو دانی کہ از ظلوم و جہول چہ آید۔ شعر

گر کشی در جرم بخشی روی و سر بر آستانم

بندہ را فرمان بناشد ہر چہ فرمائی بر آنم

مجتہد ظہر کی نماز پڑھ چکا تھا اور سلام ہی پھیرنے کو تھا کہ میں نے اس دالان میں قدم رکھا جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ مقام تمام اس کے معتقدین سے پر تھا اور ہر شخص کی نگاہ اس پر اس طرح سے پڑ رہی تھی جیسا کوئی اپنے بڑے آقا کو دیکھتا ہے۔ یہاں یہ وعظ بھی کہا کرتا ہے۔

ایک ملا نے جس کو میں پہلے ہی سے جانتا تھا مجتہد سے میری نسبت بیان کیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کا یہ نام ہے۔ پھر مجھے دری پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نہایت ہی عاجزی سے اس مجتہد کی عبا کے دامن کو بوسہ دے کے اس شطرنجی پر بیٹھ گیا۔

مجتہد۔ تم بہت ہی مبارک ہو۔ اے حاجی میں نے تمھاری نسبت بہت کچھ سنا ہے انشاء اللہ تمھارے یہاں قدم بہت ہی خوش قسمت ہوں گے۔ آگے سرک آؤ۔

جب اس نے مجھ سے کہا کہ اور بھی اوپر سرک آؤ تو میں نے بہت ہی گھگھیا کے انکار کیا اور کہا کہ جہاں میں بیٹھا ہوں یہ جگہ بھی مجھے تنگ کرتی ہو گی۔ جس جگہ پر میں بیٹھا ہوا تھا اس طرح سے دوزانو ہاتھ شانوں میں سکیڑے بیٹھا ہوا تھا کہ صورت ادب بن گیا تھا اور اس مجتہد کے آگے بس مجسم تعظیم ہو گیا تھا۔

مجتہد۔ ہم نے سنا ہے تم بہت ہی بڑے عبادت گزار ہو اور خدا کے پاک اور صاف بندوں میں سے ہو اور تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جن کی دو رنگی داڑھی ہے۔ اور ان کا یہ حال ہے کہ ظاہر تو مسلمانوں کی صورت بنے ہوئے ہوتے ہیں مگر دل میں منافق ہوتے ہیں۔

میں ۔ حضور کا رحیمانہ التفات کبھی بھی کم نہ ہو۔ جناب کا یہ خادم ان لوگوں کا خاک پا بھی نہیں ہے اور ان کی برابری بھی نہیں کر سکتا جو خدا کی باجاہ وجلال درگاہ کی چوکھٹ پر ناصیہ سائی کرتے ہیں۔

یہ باتیں ہو کے پھر باہم منہ کو قفل لگ گئے۔ اور ہم دونوں خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے یہ کہا۔ کیا یہ سچ ہے حاجی کہ تم سے تمھارے نصیبہ نے روگردانی کی اور تم یہاں آ کے پناہ گزین ہوئے مدت ہوئی کہ دنیا کا اور ہمارا باہم رخصتی سلام ہو چکا ہے۔ اس لیے میرے سوالات تعجب اور حیرت کے لیے شاید اطمینان نہ بخش ثابت ہوں گے۔ اب تم مجھے اس بات کی اطلاع دو کہ میں جس سے تمھارا کوئی کام نکال سکوں یعنی جس شے کی تمھیں ضرورت ہو کہو جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اس کے بہم پہنچانے میں کوتاہی نہ کروں گا کیونکہ ہمیں اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ اگر ایک اندھا راستہ بھول جائے تو اس کا ہاتھ پکڑ کے اس کو گھر پہنچا دیں۔ ہمیں چاہیے کہ جو حالت مصیبت میں ہیں ان کی ہم مدد کریں۔

یہ سن کے مجھ دلیری ہوئی کہ میں وہی مذکورہ بالا اشعار سعدی کے پڑھوں۔ چنانچہ ذرا درد کی آواز سے میں نے ان کو پڑھ کے سنایا۔ اس کے بعد میں نے اپنی رام کہانی ان درد آمیز الفاظ میں بیان کی اور اس کا طرز بیان ایسا اختیار کیا کہ سب میری صورت دیکھنے لگے۔ اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ شخص فنا فی اللہ ہے اور دین کے راستے میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے۔

اگر ایسا ہی ہے۔ (مجتہد نے کہا) تو وہ دن کچھ دور نہیں ہے کہ میں خدا کے ہاتھ میں گویا ایک آلہء انصاف ہوں گا اور پھر میں دیکھوں گا کہ تمھارے ساتھ کیا انصاف کیا گیا۔ شاہ خود اس مہینے کے گذرنے کے بعد یہاں زیارت کرنے آئے گا اور جب وہ قبولیت اور منظوری کی نگاہ سے میری طرف نظر کرے گا تو تم اس بات کا تو یقین ہی کرو کہ میں تمھاری رہائی کے لیے اس سے ضرور سفارش کروں گا۔

میں۔ کیا مجھ جیسا گناہگار آپ جیسے پاک اور مقدس جناب میں کچھ عرض کر سکتا ہے میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔ خدا کرے آپ کی خاک پا میرا سرمہء چشم بنے۔ جو کچھ آپ میرے لیے کریں گے خداوند تعالٰی اس کا اجر دے گا۔

مجتہد۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تم بھی ہم ہی میں سے ہو۔ جو سچے مسلمان ہوتے ہیں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی ہر جگہ شناخت کر لیتے ہیں جیسے میں نے قوم فرانس کی نسبت سنا ہے کہ ان میں ایک فرقہ ہے جس کو فرانوشی

(فریمسن یا فراميشن) کہتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے فریق کے ہر شخص کو چاہے سیکڑوں میں ہو اور چاہے ہزاروں میں ہو ضرور پہچان لیتے ہیں۔

یہ سن کے تمام لوگوں کی زبان سے مجتہد کے علم کی تعریف میں اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ نکلا۔ پھر مجتہد میری طرف مخاطب ہو کے یہ کہنے لگا۔

یہاں ایک اور بھی شخص تمھارے ساتھ ہے جو اپنے کو درویش کہتا ہے کیا تمھاری اس سے کچھ واقفیت ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ میں اور حاجی ہمدم ہیں۔ کیا یہ ایسا ہی ہے۔

میں۔ چہ عرض بکنم۔ میں صاف نہیں جانتا کہ آیا میں اس امر کا اقرار کروں کہ وہ میرا دوست ہے یا نہیں۔

ہاں وہ فقیر ہے ایک غریب شخص ہے اس کو میں نے بھی اپنے حجرے میں جگہ دے دی ہے اس نے میری کچھ خدمت بھی کی ہے اور میں اس کی ہوشیاری بھی کرتا ہوں۔

ایک بوڑھا ملا جو مجھ سے دوم نمبر پر بیٹھا ہوا تھا یہ بولا۔ تمھیں ضرور اس سے ہوشیار ہونا چاہیے جس قدر عجمی ہوتے ہیں سب یا تو چور ہوتے ہیں اور یا دغاباز ہوتے ہیں چونکہ یہ بھی عجمی ہے اس لیے یہ بھی ضرور چور اٹھائی گیرا ہو گا۔

مجتہد۔ ہاں یہ درست ہے۔ (اس وقت مجتہد کا ہاتھ کمر پر رکھا ہوا تھا اور اس ہیئت میں باتیں کر رہا تھا۔ اس صورت کو مجتہد کے معتقدین بہت ہی پیاری سمجھتے ہیں اور ان کا دھیان بالکل مجتہد پر ہوتا ہے اور اس کی ہر بات کو ہمہ تن گوش ہو کے سنتے ہیں) ہاں یہ لوگ اپنے کو درویش کہتے ہیں۔ اور ان میں بہت سے فرقے ہوتے ہیں۔

ان کے عقائد بھی جدا جدا ہیں۔ چنانچہ ایک فرقے کا تو یہ عقیدہ ہے اور وہ یوں اس کو مشتہر کرتے ہیں کہ رمضان شریف کے روزے رکھنے۔ وضو کرنا۔ روزانہ پنجگانہ نماز ادا کرنی نجات کی خواہش کے لیے بے ضرورت ثابت ہوئی ہے۔ ان فاقوں اور ٹکروں اور اٹک بھٹک سے نجات ہرگز نہ ہو گی۔ جسم کی حرکت سے کچھ نہیں ہوتا صرف اپنے دل کو نرم کرنا چاہیے اس سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔

دوسرا فرقہ قرآن شریف کے برحق ہونے کا مقر ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اور امور کی توہین کرتا ہے اور نہیں مانتا۔ اقوال بزرگان اور نصائح پیران وہ ان کو بہت ہی حقارت آمیز نظر سے دیکھتا ہے اور ان باتوں کو سخت مکروہ سمجھتا ہے۔

حاجی بابا۔ واقعی جناب نے جس قدر ارشاد فرمایا سب درست اور بجا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں سر مو فرق ہے۔

مجتہد۔ ایک اور فرقہ کی سنیے کہ اس کا رویہ ہی اور ہے۔ اس کا قاعدہ ہے کہ اپنی ظاہری صورت کو بگاڑے اور جس قدر عیش و عشرت۔ آرام و آرایش دنیا کی باتیں ہوں سب کو اڑا دے مگر یہ خوب خیال رکھنا چاہیے کہ ان میں فریبی غدار بہت ہوتے ہیں۔

ان کا ایک اور فرقہ ہے وہ تو بالکل دہریہ ہے۔ ظاہراً وہ ہم لوگوں کو اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ ہماری زندگی ابدی سنگت میں فوق العادت قوتوں کے ساتھ گذرتی ہے۔ اور جب وہ کپڑا۔ پیوند در پیوند پہنتے ہیں تو دنیا کی جس قدر نفیس اور عمدہ چیزیں ہیں سب سے حقارت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں۔

هر چه در دنیاست بر آزادگان آمد حرام — خاطر جمع است در زیر فلک سامان ما

ما گرفتاران هستی را بچشم کم مبین — چرخ ناپید است در گردش دیجور ما

معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ وہ بعید الطبیعت استغراق میں سرگرم رہتے ہیں جس کو نہ تو وہ اور نہ کوئی اور متنفس سمجھ سکتا ہے۔ ان میں صفائی اور کدورت کا بھی کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کے آگے سب ایک ہے۔ شریعت اور غیر شریعت کو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ان کے آگے دونوں باتیں ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔

ایک۔ اللہ۔ اللہ۔ ایسے فرقے بھی اس پردہء دنیا پر موجود ہیں جن کے عقائد پر جہاں تک تعجب کیا جائے بجا ہے۔

دوسرا۔ خدا ان کو ہدایت دے۔

جب یہ باتیں ہو رہی تھیں اس وقت میں نہایت خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اور دیکھتا تھا کہ یہ تمام جماعت ہر فقرے کے بعد آمین آمین پکارتی تھی۔ جب یہ مجتہد اپنی رام کہانی گا رہا تھا تو ساری جماعت تعریف بھی کرتی جاتی تھی اور سب کی مجھ پر بھی نگاہیں لڑ رہی تھیں کہ ان باتوں سے اسے کچھ سراسیمگی تو نہیں ہوتی لیکن میں آمین وغیرہ کہنے میں ان سے بھی دس قدم آگے تھا۔ میں نے ان تمام باتوں کو اس طرح سے نبھایا کہ میرے فیور میں سب کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا اور وہ میری طرف بہت ہی رجوع ہوئے اور سمجھنے لگے کہ یہ پکا مومن ہے۔

مجتہد کہتے کہتے اس قدر گرمایا کہ صوفیوں کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا۔ اگر ایک شخص بھی وہاں کوئی صوفی ہوتا تو ضرور قتل کیا جاتا۔ میں تو بیچارہ یوں ہی مظلوموں کی طرح سے گردن ڈالے ہوئے بیٹھا رہا۔ اور اس خاموشی کو اپنی کامیابی سمجھا۔

جب سب معاملہ ختم ہو گیا اور مجتہد بک چکا تو میں بھی وہاں سے اٹھ کے اپنے حجرے میں آیا جب میری اپنے ساتھی سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے جو کچھ کیفیت گذری تھی سب حرف بحرف سنادی اور جو باتیں کہ اس کی اور درویشوں کی نسبت کہی گئی تھیں سب ذکر کر دیں۔

اب میں نے اسے نصیحت کی کہ بہتر ہے تم یہاں سے چلے جاؤ اور اس شہر کو چھوڑ دو کیونکہ تمھارا ہر متنفس یہاں خون کا پیاسا ہے۔ بھائی اگر انھوں نے تمھیں پکڑ لیا تو وہ ضرور تمھیں سنگسار کریں گے۔ تو پھر سوائے موت کے چارہ کیا ہو سکتا ہے۔

خدا کرے انھیں کے سروں پر پتھر برسیں۔ (درویش بولا) کمبخت کفار کا گروہ ہے جو مسلمان کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں۔

ایسا کونسا مذہب ان کا ہے جس میں یہ لکھا ہوا کہ ایک بے گناہ کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ جاؤ اور اس کو قتل کر کے ثواب دارین حاصل کرو۔

یہاں میں آیا ہوں نہ مجھے سنی و شیعہ سے کچھ سروکار ہے نہ صوفی اور مسلمان سے غرض ہے اور باوجودیکہ ان سے مطلب نہیں ہے لیکن پھر بھی پانچوں وقت وضو کرنا پنجگانہ نماز ادا کرنا۔ اور پھر بھی ان لوگوں کا اطمینان نہیں ہوا۔ خیر اب ان کے پر دغل اور ظاہری شہر پر لات ماروں گا بس پھر مجھے وضو اور نماز پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہو گی۔ ہاں یہ ہو گا کہ اگر پھر اسی طرح سے مجبور کیا گیا تو خیر دیکھا جائے گا۔

اگر میری پوچھیے تو مجھے ذرا بھی فکر نہ تھا جب درویش نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں جاتا ہوں میں نے بہت ہی خوشی کی حالت میں اسے چمڑے کی پیٹی کمر سے کستے ہوئے دیکھا جس میں بڑا اچھا تسبیح کا گھر سا ہوا تھا اور ایک لکڑی اس نے اپنے ہاتھ میں لی میں نے اس کے ہرن کے چمڑے کو پیٹھ پر بندھوانے میں مدد کی جب اس نے اپنے ہاتھ میں بڑا فولادی ہتھیار لیا جو وہ کاندھے پر رکھ کے چلتا تھا اور ایک ہاتھ میں زنجیریں لیں تو ہم نے باہم مل کے ایک دوسرے کو ایڈیو یعنی رخصتی سلام کیا اور بہت دل سے ہم نے ایک دوسرے کو رخصت کیا جب وہ مجھ کو رخصت

کر کے روانہ ہونے لگا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت ہی خوش تھا اس کی کھلی ہوئی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ دنیا کا حکمران ہے نہ کہ خود دنیا اس پر حکومت کرتی ہو اور یہ صرف اس کو اپنے دو پیروں کا بھروسہ تھا جس سے کہ وہ دنیا میں قدمزن تھا۔

میں۔ خدا کرے تم پر اللہ کی ہمیشہ رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔ خدا کرے تمھیں کبھی ایک جوڑے جوتی کی اپنے پیروں کے لیے خواہش نہ ہو۔ اور خدا کرے ہمیشہ تمھاری زبان سے وہ دلچسپ کہانی ادا ہوتی رہے جس سے دنیا کے وہ امرا مذاق حاصل کریں جو صدہا اور ہزاروں ضرورتوں کے غلام ہیں۔ اور ہمیشہ انھیں باتوں سے تمھاری زندگی کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

اکیسواں باب

حاجی بابا کے دوست کا حاجی بابا کا مال چرانا حاجی بابا کا محتاج ہو جانا لیکن قید سے رہائی پانا

اب میرا خیال تو مجتہد کے وعدے پر تلا جس نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ شاہ جب مقبرے کی زیارت کے لیے آئے گا تو میں تیری سفارش کر کے اس سے رہائی دلوا دوں گا۔ تو اب میں نے یہ چاہا کہ اس کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کروں کیونکہ تمام ایران میں بغیر نذرانہ کے کوئی کام انجام کو نہیں پہنچتا۔ لیکن اب یہ خیال آیا کہ نذرانہ ہو تو کس چیز کا ہو۔ جو کچھ تھیلی میں زر نقد تھا وہ اڑے تھڑے کو پاس رکھا ہوا تھا کہ اگر کہیں موقع ہوا اور ضرورت آ کے پڑے تو میں اس سے زندگی کے دن تیر کر سکوں گا۔ اور گو یہ بہت ہی ناکافی رقم تھی لیکن میری زندگی کی آس اور ڈھارس بندھوانے والی تھی اس لیے میں نے اس کو اپنی کوٹھری کے ایک کونے میں دفن کر دیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو اپنی جانماز نذرانہ میں دوں کیونکہ وہ ہمیشہ صوم وصلوٰۃ میں رہتا ہے اس کے لیے یہی پیشکش مناسب ہو گا۔ اور اپنے لیے دوسری بازار سے خرید لاؤں گا۔ کیونکہ جب وہ نیک شخص یعنی مجتہد نماز پڑھے گا تو اسے میرا بہت ہی خیال رہے گا اور شاید اسی خیال میں وہ میری رہائی کی کوشش کرنے میں غافل نہ رہے۔

لیکن میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔ اور اپنے ناظر سے ملتمس ہوں کہ وہ میری اس جانکنی کی حالت کو دیکھے۔ ایک سناٹا تھا کہ سر سے اٹھا اور دل میں جا کے بجھا۔ اب یہاں نہ تو میرا غصہ کچھ کام دے سکتا تھا اور نہ میرا غم نہ میرا واویلا۔ سب بیکار تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ اشرفیوں کی تھیلی وہاں ندارد ہے۔

یہ دیکھتے ہی میرا نتھنوں میں سانس چلنے لگا اور بغیر ایک لمحہ کے توقف کے میں نے یہ کہا اے دیوالیہ کتے۔ اے حرامزادے درویش یہ تو درست ہے کہ تو بندرگاہ حفاظت میں مجھے لے آیا لیکن تو مجھے بے لنگر یہاں چھوڑ کے چلا گیا۔ خدا کرے تیری زندگی ہمیشہ تلخی میں گزرے خدا کرے تیری ہر روزہ روٹی غم کی روٹی ہو۔ غرض ان سب باتوں کے بعد صاف تو یہ ہے کہ حاجی بابا محتاج ہو گیا۔

اس کے بعد میں بہت ہی دردناکی سے نالہ وزاری کرنے لگا۔ اور مجھے یہ رونا اس لیے آتا تھا کہ اب تو فاقہ کشی کرتے کرتے مر جائے گا گو یہ میں جانتا تھا کہ اہل کرم کی خیرات اور فیاضی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دل میں یہ کہا۔

دردِ دل سے لوٹتا ہوں میرا کس کو درد ہے

ہوں میں لفظ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے

جو جو میرا مایوسانہ مرض ترقی کرتا تھا مجھے زندگی کے تمام خطرے جن میں میری جان زار پھنس چکی تھی برابر یاد آ جاتے تھے۔ زینب کو کس مایوسی کی حالت میں خاک وخون میں لتھڑا ہوا دیکھنا اور اس کے بہتے ہوئے خون میں رومال تر کرنا۔ اپنے اس قید خانہ کو دیکھ کے گریہ وزاری کرنا۔ اپنی رقم کثیر پر دست افسوس ملنا۔ ان سب غموم و آلام نے مجھے اس طرح سے آ کے گھیر لیا اگر واقعی اس وقت میرے پاس زہر ہوتا تو میں ضرور کھا کے مر جاتا۔

اسی اثنا میں میری کوٹھری کے قریب ایک بوڑھے ملا کا گذرا ہوا جس نے مجھے مجتہد سے ملوایا تھا اور جس نے درویش کے خلاف بہت ہی زبان آوری کی تھی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی اپنی دردناک اور خون آلود رام کہانی کہی اور ایسا پھوٹ پھوٹ کے رویا کہ اس کے دل پر میری اس آہ وزاری کی چوٹ لگی۔

میں۔ اے ملا صاحب آپ نے بہت ہی درست فرمایا تھا کہ اس درویش کا ہرگز بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ میرا روپیہ یا زر نقد وہ چوری کر کے لے گیا اور میں یوں کا یوں خالی ہاتھ رہ گیا۔ میں تو ایک پردیسی ہوں۔ اس کمبخت نے اپنے کو میرا دوست بنایا تھا۔ لیکن وہ تو میرا دشمن جانی نکلا۔ ایسے دوست پر ہزار لعنت ہے ہائے اب میں کس کا دامن پکڑوں اور کس شخص کو اپنا مددگار بناؤں۔

ملا۔ اے میرے پیارے بیٹے تم کچھ غم نہ کرو۔ یہ تو ہمیں یقین ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس نے صرف تم کو یہ مصیبت اور فلاکت بھیج کے آزمائش کی ہے صبر کرو اللہ اس کا تمھیں صلہ عطا کرے گا۔ تمھارا روپیہ چلا گیا اور بیشک جاتا رہا جانے دو تمھارا تو رہ گیا اب تم زیادہ کیا چاہتے ہو چمڑا کوئی بری چیز نہیں ہے۔

میں۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ چمڑا بری چیز نہیں ہے لیکن یہ چمڑا درویش سے میرے گم شدہ زر نقد کو واپس پھیر لے گا۔

پھر میں نے اس بوڑھے ملا سے یہ کہا کہ آپ میری اس مصیبت کی خبر مجتہد تک ضرور پہنچا دیں اور میری اس بے نوائی اور محتاجی کو عرض کر دیں کہ میں اب ان کی خدمت میں کسی قسم کا نذرانہ پیش کرنے کے قابل نہیں رہا جو کچھ اس کی بابت میرا خیال تھا وہ اب مفلسی کے سبب سے کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ملا مجھ سے مضبوط وعدے وعید کر کے چلا گیا اور چلتے چلتے اس نے یہ اقرار کیا کہ میں اس مقدس شخص کے گوش گذار تیری پوری مصیبت ناک حالت عرض کر دوں گا اور علاوہ بریں تیری اس سے سفارش بھی کر دوں گا۔

میری بڑی خوشی اور خرمی اس غمناک حالت میں اس وقت اس خبر سے ہوئی کہ میں نے سنا شاہ زیارت مقبرہ کے لیے آتا ہے اور یہ شادمانی کی خبر ڈیرے خیمے ایستادہ کرنے والے لائے تھے۔ یہ لوگ شاہ کی معمولی ضروریات کو بہم پہنچانے کے لیے پہلے ہی چلے آئے تھے۔ مقبرے کے صحن میں ایک بہت بڑا شہ نشین ایستادہ کیا گیا اور اس کے نیچے ایک بہت خوبصورت اور عمدہ غالیچہ بچھایا گیا۔ یہاں گویا شاہ بیٹھ کے عبادت کریں گے۔ مقبرے کے تمام صحن میں چھڑکاؤ کیا گیا۔ حوض کے وسط میں فوارہ بنا ہوا تھا وہ اس وقت چھٹنے لگا تھا اور جس قدر مقبرے کی راہیں تھیں سب صاف ہو گئی تھیں تمام مجاور لوگ جمع ہو کے شاہ کے استقبال کے لیے مستعد ہو گئے تھے کہ جس وقت وہ مقبرے میں قدم رکھیں تو سب ان کا استقبال کر کے اندر لائیں۔ غرض کوئی ایسی تیاری نہ تھی جو ظل اللہ کے قدوم میمنت لزوم کی تقریب میں کرنی رہ جاتی ہو۔

اب میں اپنی آئندہ قسمت کے لیے متردد ہوا۔

ببینیم تا کردگار جہاں

دریں آشکار را چہ دارد نہاں

مدت ہوئی تھی کہ میں اس امر سے محض نابلد تھا کہ میرے اوپر شاہ کا کس قدر غصہ ہے اور وہ مجھ پر کس طرح لہو کے گھونٹ پیے بیٹھا ہے۔ یہ حالت دیکھ کے اور اپنی قسمت کو چوپٹ سمجھ کے میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اسے سوائے میرے سر اڑا دینے کے اور کوئی چیز اطمینان بخش نہ ہو گی لیکن پھر یہ غم آلود خیال اس تصور سے مٹ گیا جب میرا سفارشی ایسا مقدس اور ولی شخص ہے جس کو شاہ بھی مانتا ہے پھر میری گردن کیوں اڑنے لگی اس تصور سے مجھے گونہ اطمینان ہوا اور یک لخت میرا وہ مارے جانے کا غم صورت خوشی میں جلوہ دینے لگا۔

فراشوں کا سردار میرا پہلے سے دوست تھا اور جس قدر اس کے نائب وغیرہ تھے ان میں سے بہت سے میرے شناسائی تھے میں نے انھیں فوراً آگاہ کیا۔ وہ میری صورت دیکھتے ہی مائل ہوئے اور انھوں نے مجھ سے اصلاً کچھ پرہیز نہ کیا یہ ایک بہت ہی تعجب انگیز بات تھی حالانکہ ہمارا ایک فاضل اجل کہتا ہے۔

"ایک ایسا شخص جو نامساعد بخت سے سرگرداں ہوتا ہے وہ ایک فرومایہ زر کے موافق ہے کہ اول تو اسے کوئی لیتا نہیں اور جو لیتا بھی ہے تو فوراً دوسرے شخص کو دے دیتا ہے۔"

ان نئے آنے والوں نے مجھے ان تمام باتوں سے مطلع کیا جو طہران چھوڑنے کے بعد وقوع میں آئی تھیں۔ گو اپنے دل میں میں پہلے یہ عہد کر چکا تھا کہ اب دنیا کو مطلق ترک کر دوں گا اور گوشہ نشینی اختیار کروں گا۔ لیکن پھر بھی اس وقت میں دیکھتا تھا کہ ہر واقعہ کے سننے کے لیے میرے کان مشتاق تھے۔ انھوں نے مجھے اس امر سے اطلاع دی کہ تمھارا اعلیٰ افسر جنگ روس سے واپس آگیا اور شاہ کے لیے دو غلام جارجیا کے لایا ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے۔ اس نذرانہ کو شاہ نے قبول کر لیا اور اس کے صلے میں اسے خلعت فاخرہ سے ممتاز کیا تھا۔ تمھارے افسر نے اس امر سے بھی توبہ کی کہ اب میں کبھی شراب کا استعمال نہیں کروں گا۔

میں نے یہ بھی سنا کہ گو زینب کے معاملے میں سراسر میں ہی خطاوار گردانا گیا تھا اور کل جرم مجھ پر ہی عائد کیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مرزا احمق کی آدھی داڑھی جڑ سے اکھیڑی گئی تھی اور مرزا احمق مجبور ہوئے کو شاہ کو دوبارہ ایک گراں بہا تحفہ پیش کریں اور یہ داڑھی شاہ نے صرف اس رنج سے اکھڑوائی تھی جو اس کو زینب کی جان شیریں لینے سے ہوا تھا اور بہت بڑا صدمہ یہ تھا کہ جب میں (یعنی شاہ) سلطانہ سے واپس پھر کے آیا وہ میرے آگے کیوں نہ گائی اور کیوں نہ ناچی۔

شاہ کا وہ صدمہ اور رنج جو کردش کی لونڈی کو ہاتھ سے کھو دینے پر ہوا تھا افسر جلاداں کے اس جارجین لونڈی کے پیش کرنے سے جاتا رہا جو وہ صرف شاہ ہی کے لیے اپنے ہمراہ لایا تھا۔

یہ جارجین لونڈی نہایت حسینہ تھی۔ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آج تک بازار غلاماں میں جب سے اس بازار کی بنا پڑی ہے ایسی حسینہ لونڈی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس لونڈی کا چودھویں رات کے چاند کا سا چہرہ تھا اور اس کی آنکھیں گھیرے میں افسر فراشاں کی چار انگلیوں اور انگوٹھے کے حلقے کے مانند تھیں۔ اور اس کی کمر اس قدر پتلی تھی کہ

خود شاہ کی گھائی میں آسکتی تھی۔ اس کا قد بالکل سرو سا تھا۔ جیسے پورا سرو کھڑا ہوا ہے۔ اور ان لوگوں نے مجھے یہ بھی یقین دلایا کہ شاہ کا غصہ اور غضب جو تم پر ٹوٹا ہے اگر کچھ اشرفیاں پیش کر و تو ابھی سب جاتا رہتا ہے۔

یہ سن کے پھر درویش پر میں اپنے جلے پھپھولے پھوڑنے لگا اور مجھے خیال آیا کہ شاہ کے آگے بغیر اشرفیوں کے پیش ہونا ہی غیر مفید معلوم ہوتا ہے لیکن میں یہ سن کے بہت ہی شاداں ہوا جس قدر میں نے اپنے مقدمہ میں مایوسی اور ناامیدی کر رکھی ہے اس مقدمہ کی یہ حالت نہیں ہے چادر امید پر بیٹھ کے اور توقع کا حقہ پی کر اس بات کا منتظر رہا کہ دیکھیے پردہء غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے اس وقت میں یہ کہہ رہا تھا۔

اے احمد محبوب خدا وقت دعا ہے

حاجی پہ تیرے آکے عجب وقت پڑا ہے

دوسرے دن شاہ شاہان آکے پہنچا اور اس ڈیرے میں فروکش ہوا جو اس کے لیے صحن میں پہلے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ میں اپنی کتاب کے ناظر کا وقت ان تقریبات کے بیان کرنے میں برباد نہ کروں گا کیونکہ شاہ کی خود یہی خواہش تھی کہ جس قدر جاہ و حشم کا سامان ہو وہ بہت ہی کم ہو اس لیے کہ یہاں وہ کوئی شوکت دکھانے تو آیا نہ تھا بلکہ ایک عاجزانہ صورت بنا کے فاطمہ علیہا السلام کے مقبرے میں آیا تھا تاکہ ان گناہوں کی آمزرش چاہے جو اس سے زندگی میں سرزد ہو گئے ہیں پھر ایسی صورت میں نمود و شان دکھانے کی کیا ضرورت کیا تھی۔ شاہ کی خواہش تھی کہ اس عاجزی کا مجھے بہتر صلہ ملے۔ کیونکہ یہ ایک امر مسلمہ ہے۔

ہو نہ مایوس ریاضت کا صلہ ملتا ہے

بندگی کرنے سے کہتے ہیں خدا ملتا ہے

شاہ کی ہمیشہ یہی پالیسی تھی کہ اپنے ملک کی امامت کو بہت ہی نمایاں صورت اور عطر بیز لپٹ سے معطر رکھے۔ کیونکہ شاہ اس امر کو بخوبی سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کا اثر خلقت کے دماغوں پر بہت ہوتا ہے اور عوام الناس انھیں بہت ہی مانتے ہیں بس بہت بڑا فرق شاہ اور غیر محدود طاقت میں تھا۔ اس لیے شاہ نے میرزا عبد القاسم کی اپنے دربار میں آنے کی دعوت کی اور جب یہ مجتہد کوم آیا تو شاہ سرتاپا کھڑا ہو گیا اور بہت ہی عزت سے اپنے سامنے بٹھایا۔ شاہ نے پیدل تمام شہر کا گشت لگایا اور جب تک یہاں قیام رکھا غربا محتاجوں کو بہت کچھ خیرات کی اور خصوصاً ان مجاوروں اور ان ولی اللہ لوگوں کو جو وہیں رہتے تھے اور بظاہر دنیا پر انھوں نے لات ماری تھی بہت ہی

قیمتی نذریں دیں۔ شاہ اور وہ لوگ جو اس کے ہمرکاب تھے کن استدعائی نظروں سے اس متبرک مقام کو تک رہے تھے اور یہ سن کے میں بہت ہی خوش ہوا کہ اس غم آلود اور پر آلام مصیبت میں میں تنہا گرفتار نہیں ہوں جس زمانہ میں کہ میں ملازم رہا تھا تو میں نے یہ سنا تھا کہ گو شاہ ظاہراً اس تشدد اور سختی سے مذہب کا پابند ہے لیکن دلی بہت بڑا صوفی ہے۔ اور یہ بات اور بھی پایہء ثبوت کو پہنچ گئی کہ شاہ کا سکرٹری ریاست جو ایک مشہور و معروف عقائد صوفیہ کے گنہگاروں میں سے تھا اسے حکم ہوا کہ تو اپنے تمام ارکان مذہب صوفیہ کو بخشش و عفو کے رومال میں پیٹ لے اور سچے مذہب کی پوشاک پہن کے دربار میں حاضر ہو۔

اس صبح کو جب شاہ اپنی عبادت کرنے کے لیے مقبرے میں تشریف لائے تو میں نے اس بارے میں چستی اور چالاکی کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا کہ ایک دفعہ مجتہد کی نگاہ مجھ پر پھر پڑ جائے اور میری رہائی دلوانے کا خیال پھر اس کے دماغ میں آ جائے۔

ظہر کی نماز سے ایک گھنٹہ پہلے شاہ پاپیادہ کھڑے ہوئے تھے اور تمام لوگ مجاور امرا وغیرہ ان کو گھیرے ہوئے تھے۔ شاہ اس وقت سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے جس سے ایک سنجیدگی اور متانت ان کے چہرے سے عیاں تھی ہاتھ میں ایک خوبصورت چھڑی تھی جس پر پچی کاری کا کام ہو رہا تھا اور یہ لکڑی خود ہاتھی دانت کی بنی ہوئی تھی۔ اس وقت شاہ کچھ بھی زر و جواہر نہ پہنے ہوئے تھے۔ جو دوسرے موقع پر ہمیشہ ان کے گلے کا ہار ہوتے ہیں ہاں صرف اس وقت ایک تسبیح تو شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسبیح درشہوار کی بنی ہوئی تھی جن کی آب و تاب کے آگے تمام زر و جواہر خجل ہوتا تھا۔ یہ تسبیح ہمیشہ اور ہر وقت شاہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

مجتہد شاہ کی بائیں جانب دو چار قدم پیچھے آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور جو کچھ شاہ سوالات کرتا تھا بہت ہی ادب اور تعظیم سے اس کا جواب دیتا تھا اور بہت ہی توجہ اور غور سے شاہ کی ہر ایک بات کو سنتا تھا۔

جب شاہ مع اپنے جلوس کے میری کوٹھری کی طرف ٹہلتا ہوا آیا۔ تو میں نے یہ موقع بہت ہی اچھا دیکھا۔ اس وقت شاہ کے آگے کوئی افسر بھی نہیں تھا لپک کے ایک سجدہ گھٹنوں کے بل زمین پر کیا اور یہ غل مچایا پناہ اے شاہ شاہان۔ پناہ اے ماوا و ملجائے عالم پناہ۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے صدقے میں پناہ۔

شاہ (مجتہد کی طرف مخاطب ہو کے) یہ کون شخص ہے۔ کیا یہ کوئی تم میں سے ہے۔

مجتہد۔ حضور اس نے اس روضہ میں آ کے پناہ لی ہے اور یہ اس امر کا استحقاق رکھتا ہے اور استغاثہ چاہتا ہے کہ جب شاہ شاہان زیارت درگاہ کے لیے آتا ہے تو سب کا قصور بخش دیتا ہے اس لیے مجھے بھی امید ہے کہ میری خلاصی ہو جائے گی۔ یہ اور ہم سب حضور پر قربان ہیں جو کچھ شاہ حکم دیں اور اس کے لیے تجویز کریں اسی پر عملدرآمد کیا جائے۔

شاہ۔ (میری طرف خطاب کر کے) تم کون ہو اور کیا ہو تم نے یہاں آ کے پناہ کیوں اور کس لیے لی ہے۔

میں۔ حضور پر میرا جان و مال تصدق ہو جائے۔ حضور کا غلام افسر جلاداں کا نائب ڈپٹی تھا میرا نام حاجی بابا ہے۔ میرے دشمنوں نے لگا بجھا کے میری طرف سے بدظن کر دیا حالانکہ جو جرم مجھ پر عائد کیا جاتا ہے اس سے میں محض بری ہوں۔

شاہ۔ (ایک منٹ کے بعد) ہاں ہم سمجھے اچھا تو تم وہ حاجی بابا ہو۔ مبارک۔ پھر آیا یہ کون تھا جس نے یہ فعل کیا حکیم ہو چاہے نائب ڈپٹی ہو دونوں میں سے ایک تو ہونا چاہیے (مجتہد کی طرف مخاطب ہو کے) کیا یہ بات نہیں ہے اے مرزا عبد القاسم کہ شاہ کی تمام نیکیاں برباد گئیں اور ذرا بھی اس کا پاس و لحاظ نہ ہوا۔

مجتہد۔ ہاں درست ہے۔ حضور کے سر مبارک کی قسم عموماً ایسے عورت و مرد کے مقدمہ تو سچ ہی بولا جاتا ہے۔

شاہ۔ لیکن اس میں ہمارا پاک مذہب کیا حکم دیتا ہے۔ شاہ کی ایک لونڈی ہاتھ سے جاتی رہی اور خونبہا تو چاہے کیسی ہی پست اور کم درجہ کی مخلوق ہو اس کی لینی ضرور ہے۔ یہاں تک کہ روسیوں اور فرانسیسیوں کی بھی خونبہا ہوتی ہے۔ تو پھر ہم اپنی نیکیاں ایک طبیب یا ایک ڈپٹی جلاد کے واسطے کیوں چھوڑیں۔

مجتہد۔ یہ حضور کا فرمانا درست ہے کہ خونبہا سب کی ہی لینی چاہیے اور خدا کی کوئی مخلوق بھی اس سے کمتر اور گئی گذری نہیں ہے کہ اس کی خونبہا نہ لی جائے۔ لیکن اے عالم پناہ اور اے مظلومین کی فریاد کو پہنچنے والے آخر بخشش گناہ کی نظر بھی تو ایک مظلوم اور بیکس مخلوق کی طرف کرنی فرض ہے۔ جس کی نسبت ہمارے پاک پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید فرمائی ہے تو اے شاہ اپنے پیارے نبیؐ کی بجا آوری کا اس سے بہتر اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا تو اب اس کی خطا کو بخش اور اس کے خون کو معاف کر اس کا اجر اے شاہ شاہان تجھے روز جزا ملے گا۔

شاہ۔ بہت خوب (میری طرف متوجہ ہو کے) مرخص (ایک زور کی آواز میں) خوب سمجھ لیجیو کہ تجھ کو اسی ولی خدا کے صدقے میں رہائی مل گئی۔

جب مجتہد کی طرف اشارہ کیا تو اس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تم آزاد ہو۔ اور اب تم بہت اچھی طرح سے آفتاب سے فوائد حاصل کر سکتے ہو۔ برو۔ اپنی آنکھوں کو کھولو اور پھر کبھی ہمارے آگے کھڑے نہ ہونا۔

دوسری جلد ختم ہوئی

تیسری جلد

پہلا باب

حاجی بابا کا اصفہان پہنچنا اور اپنے باپ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونا

میں نے روانہ ہونے کے لیے حکم ثانی کی بھی راہ نہیں دیکھی۔ اول ہی حکم ہوتے ہی جو میں چھو ہوا تو میں نے پھر کے بھی نہیں دیکھا کہ مقبرہ کہاں رہ گیا اور مجاور کہاں رہ گئے۔

کوم اور اس کے مجاوروں کو چھوڑ کے سیدھا اصفہان کی طرف روانہ ہوا کچھ ٹکے میری گانٹھ میں موجود تھے جس سے راستہ میں میں اپنی خوراک خرید سکتا تھا۔ اور کاروانسرا میں کسی کونے میں پڑ جانے کی بھی مجھ میں قدرت تھی۔ یعنی پیسہ ٹکا مہترانی کے ہاتھ میں رکھا اور ادھر ادھر سرا میں لڑھک رہے۔ اس جوانی میں مجھے دنیا سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ اور بہت ہی برداشتہ خاطر ہو گیا تھا اگر کچھ مجھے کوم میں اور بھی رہنے کا اتفاق ہوتا اور جس طرح سے کہ میں نے اپنا طریقہ وہاں اختیار کیا تھا کیے رکھتا تو حق تو یہ ہے کہ اپنی زندگی کا باقیماندہ حصہ میں مرزا عبدالقاسم کی وعظ پر صدقے کر دیتا اور ہرگز وہاں سے نہ نکلتا۔ اور ہمیشہ اپنے سکوت اور سختی سے جو اپنے اوپر جھیلتا تھا دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا۔ لیکن۔ ”ما در چہ خیالیم فلک در چہ خیال۔“

یہاں طبیعت کی یہ حالت ہونے کو تھی وہاں قسمت میرے لیے کچھ اور ہی سامان کر رہی تھی اس وقت تک بھی زندگی کا میدان میرے لیے کشادہ تھا اور میری زندگی کے خنک تیز گام نے ابھی تک نصف جست بھی نہ لگائی تھی جس سے وہ مجھے ایک مستقل زندگی میں رہنے کے لیے مانع آتا۔

میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جس قدر مجھ پر مصیبتیں پڑیں بلکہ اس سے اور بھی زیادہ پڑتیں تو میں اس کے لائق تھا اس لیے کہ میں نے اپنے پیارے والدین کو بالکل دل سے بھلا دیا تھا۔

میں نے اپنی طرف خود مخاطب ہو کے کہا کہ میں بہت ہی کمبخت اور بدنصیب بیٹا ہوں جب خدا نے مجھے حکومت وغیرہ سب کچھ دی تھی اور میں اپنی شہرت اور بڑی نیک نامی سے بہت فخر کرتا تھا افسوس میں اپنے غریب حجام باپ کو اصفہان میں بھول گیا اور ذرا بھی بھولے سے بھی وہ مجھے کبھی یاد نہیں آیا۔ اب مجھ پر مصیبت آ کے پڑی تو

میری ہستی کے سبب وجود مجھے یاد آئے۔ میرے اسکول ماسٹر کا ایک مقولہ جو وہ عربی میں اکثر کہا کرتا تھا مجھے یاد آگیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ایک پرانا دوست اگر تمھارے پاس حاتم کے خزانے بھی ہوں جب بھی تمھارے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ "خدا ملے تو آشنا نہیں ملتا۔"

تو اے نوجوان بچہ تو اس بات کو خوب یاد کرلے اور خوب اپنے دل میں سمجھ لے کہ تیرے پرانے دوست اور بہی خواہ صرف تیرے والدین ہیں۔

جوں جوں میں یہ کہتا تھا کہ کیا میرے والدین اب بھی خیال کرتے ہوں گے کہ ان کا کوئی بیٹا ہے۔ میرے دل میں الفت و محبت کا جوش بل کھاتا ہوا اٹھتا تھا۔ اور انشاء اللہ اگر میں گھر پہنچ گیا تو وہ ضرور طعن و تشنیع اور چشم نمائی کریں گے مگر پاس ادب رکھ کر بہت ہی آہستہ سے ایک آواز میرے کان میں آئے گی کہ تو بہت مدت سے غائب رہا اس وقت اسی غم والم کا نشان جو زینب کے قتل ہونے اور طہران چھوڑنے پر ہوا تھا پھر میرے دماغ میں چکر کھانے لگا۔

جب میں نے کلاہ قاضی کے پہاڑ کی چوٹی دیکھی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اصفہان قریب آگیا تو اب جو جو قدم اٹھاتا ہوں مجھے اندیشہ ہوتا جاتا ہے کہ دیکھیے میں اپنے کنبے کو کس حالت میں دیکھتا ہوں۔ دیکھیے میرا پرانا استاد بھی زندہ ملتا ہے دیکھیے میرا پڑوسی حلوائی بھی زندہ ہو گا جس دکان سے جب میرا باپ حجامت بنانے کے بعد پیسے دیا کرتا تھا تو میں مٹھائی مول لیا کرتا تھا۔ اور دیکھیے میرا دوست دربان جس سے ترکمانوں کے حملے کے وقت میں نے دھوکا دے کے دروازہ کھلوالیا تھا آیا اس کی زندگی کا دروازہ بند ہو گیا یا ابھی کھلا ہے۔

میں اپنا راستہ ان ان خیالات سے طے کرتا چلا آتا تھا کہ مجھے سامنے سے اصفہان کے مینار دکھائی دینے لگے۔ یہ مینارے دیکھ کے میرا دل مارے خوشی کے پھول گیا کہ خدا نے اتنی اتنی مشکلات کے بعد مجھے پھر میرے وطن کی بخیر و عافیت صورت دکھائی۔ "للہ الحمد کہ پھر اپنے وطن میں آئے۔"

میں یہاں نماز ادا کرنے کے لیے ٹھہر گیا۔ پھر میں نے ایک پتھر اٹھایا اور دوسرے پتھر پر رکھا۔ اور پھر میں یوں التجا کرنے لگا۔

اے مرتضیٰ علیؑ شیر خدا حیدر کرار اگر آپ کا یہ بندہ عاجز اور غلامان غلام پھر بحفاظت تمام اپنے وطن مالوفہ کو پہنچ جائے گا تو آپ کی نیاز کی ایک بھیڑ ذبح کرے گا اور اس کا پلاؤ پکا کر اپنے دوستوں اور کنبے والوں کو کھلائے گا۔

جب میں شہر کے باہر کے کونوں کی طرف چل رہا تھا تو کوئی مقام ایسا نہیں تھا جس کو میں نہ جانتا ہوں اب میں شہر میں داخل ہو کے محرابدار بازاروں اور پیچدار شاہراہوں میں گذرا ذرا بھی راستہ میں کوئی غلطی آکر واقع نہ ہوئی یہاں تک کہ میں نے اپنے کو اپنے باپ کی دکان اور کاروان سرا کے دروازے کے سامنے کھڑا دیکھا۔

میرے باپ کی دکان کا دروازہ بند تھا۔ اور اس کے کام کا ادھر ادھر سان وگمان نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کے میں سکتہ میں بہت دیر تک کھڑا رہا آخر پھر میں آگے بڑھا کیونکہ میرا یہ دیکھتے ہی ماتھا ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے ضرور یہ صورت کچھ برائی کی خبر دیتی ہے مگر پھر مجھے خیال آگیا کہ یہ صباح جمعہ ہے۔ آج کے دن تو اس وقت دکان بند ہی ہوتی ہے۔ اور غالباً میرا باپ اپنے زمانہء پیری میں یہ گھنٹے ضرور عبادت خدا میں صرف کرتا ہو گا۔

مگر کاروانسرا کھلی ہوئی تھی۔ اس کی تو مجھے وہی صورت نظر آئی جو میں پہلے ہمیشہ دیکھا کرتا تھا۔ اسباب کے گٹھر کے گٹھر ادھر ادھر ڈھیر لگے ہوئے تھے اور ایک طرف خچر اونٹ اور ان کے ہانکنے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ آدمیوں کے غول کے غول مختلف صورتوں اور شباہتوں کے موجود تھے بعض تو یونہی بیٹھے ہوئے تھے بعض کچھ بات چیت کر رہے تھے اور بعض بے اعتنائی سے ادھر ادھر نگران تھے اور بعض جلدی جلدی آتے تھے اور جاتے تھے جن کے چہروں سے ہوشیاری برستی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب چیزیں ان کی نگاہ میں ہیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں حلوائی جو میرا بچپن کا دوست تھا نظر پڑ جائے لیکن میں یہ دیکھ کے اس کی دکان بند ہے چونکا کہ اتنے میں میری نگا اس کے چہرے پر پڑی کہ جو سامنے حقہ کو لے کے اپنی چلم سلگانے کے لیے آگ تلاش کرتا پھرتا تھا۔

اس کا سر اس کے دھڑ میں بالکل غوطہ کھا گیا تھا اور اس زمانے میں جب میں نے اسے دیکھا تھا اس سے بہت ہی زیادہ چھاتی پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے جھکے ہوئے گھٹنوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ عمر گذراں نے اس پر اپنا جلوہ پورا کیا ہے یعنی اس کی صورت سے یہ پایا جاتا تھا کہ یہ اتنی عمر کا ہے۔

جب میں نے اس کی طرف قدم اٹھایا تو میری زبان سے یہ نکلا کہ یہی علی محمد ہے یہ وہی ناک ہے جو ہزاروں میں ایک ترچھوااں ہے اور میں نے ہی تو اس کے نیچے کے گلچھوں کی حجامت بنائی ہے۔

جب میں نے اسے اپنا وہ ہمیشہ کا سلام علیکم کیا وہ اپنا حقہ پیتا رہا اور اس نے اوپر نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا کیونکہ اسے اجنبی کے ساتھ ذرا بات چیت کرنے کی اتنی عادت نہیں تھی۔

میں۔اے علی محمد کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا۔
علی محمد۔(اپنی ٹبا سی آنکھ اوپر اٹھا کے) دوست یہ کاروانسرائے تصویر عالم ہے آدمی اس میں آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ان سے کچھ بھی مقصد نہیں ہے۔پھر میں تم سے کیونکر آگاہ اور واقف ہوں۔
اصل یہ تھی کہ علی محمد کی عمر زیادہ ہو گئی تھی اور اس کی قوت یاد میں فرق آ گیا تھا۔
میں۔لیکن یقیناً یہ تو تمھیں یاد ہو گا کہ حاجی بابا چھوٹا سا حاجی بابا جو تمھاری حجامت بنایا کرتا تھا اور تمھاری داڑھی اور گلچھے درست کیا کرتا تھا۔
دربان۔خدا تو وحدہٗ لاشریک ہے(لیکن بہت ہی حیرانی کے ساتھ) کیا واقعی تم حاجی بابا ہو آہ اے میرے بیٹے مدت سے تیری جگہ خالی تھی۔آخر تم آ گئے۔بہت اچھا منقبت بہ مرتضیٰ علیؑ اے میرے پیارے تیرا معزز باپ اپنے لڑکے فراق میں آخر کار اس جہان فانی سے دم توڑ رہا ہے اور اس کے ہر دم پر دم واپسین کا شک ہوتا ہے۔
میں۔یہ کیا۔آپ اتنا مجھے بتا دیجیے کہ وہ کہاں ہے اس کی دکان کیوں بند ہے آپ اس کی موت کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔
دربان۔ہاں حاجی بابا بس جو اس نے حجامت بنائی تھی وہ آخری تھی۔اب تم ایک لمحے کا توقف بھی اس کے گھر جانے میں نہ کرو۔اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کی زیارت دنیا سے الوداع کہنے سے پہلے کر لوگے۔اگر خدا نے چاہا تو میں بھی بہت جلد اس کا ساتھ دوں گا کیونکہ دنیا ایک بہت ہی بیہودہ اور واہیات مقام ہے۔
مجھے کاروانسرا کا دروازہ کھولتے اور بند کرتے پچاس برس کا عرصہ گذر گیا لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری تمام خوشیاں رخصت ہو گئیں۔میری کنجیوں میں اب تک رنگ وروغن باقی ہے لیکن مجھ کو پھپھوند لگ چکی۔
میں جلدی سے اپنے باپ کے مکان کی طرف روانہ ہوا تو میں نے دروازے پر دیکھا کہ دو ملانے ٹال مٹول کر رہے ہیں۔
میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ تم اے پرندو بہت برے شگون ہو شاید تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا ہے قطعی یہاں موت ہو چکی۔

میں سیدھا کسی طرف بغیر نظر اٹھائے مکان میں گھسا چلا گیا میں نے دیکھا کہ میرے خاص دالان میں کثرت سے لوگ جمع ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو آنگن میں ایک بستر پر لٹا دیا ہے جب پاس سے جا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ میرا بوڑھا باپ ہی لیٹا ہوا ہے اور دم توڑ رہا ہے۔

کسی شخص نے بھی مجھے نہیں پہچانا۔ چونکہ ایران میں یہ قاعدہ ہے کہ میت کے گھر میں چاہے جو کوئی اجنبی شخص چلا جائے تو اس سے یہ دریافت نہ کریں گے کہ تو کون ہے اس لیے مجھ سے بھی کوئی خبر نہ ہوا ایک طرف طبیب بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک بوڑھا شخص دوزانو سرہانے کی طرف بیٹھا ہوا معلوم ہوا میں نے پہچان لیا کہ یہ وہ میرا پہلا معلم ہے وہ اپنے مرتے ہوئے دوست سے تسلی بخش باتیں کر رہا تھا اور وہ باتیں یہ تھیں۔

افسردہ نہ ہو۔ اگر خدا نے چاہا تو ابھی دنیا میں اور بھی تم اپنی زندگی کے دن گذارو گے ابھی تو تم اپنے بیٹے حاجی بابا کو دیکھو گے۔ دیکھو حاجی بابا ابھی یہیں آجاتا ہے لیکن چونکہ یہ ایک واجب اور خوش قسمت کام ہے کہ تم صرف اپنی مرضی سے اپنا کوئی وارث منتخب کر لو۔ اس میں کچھ برائی نہیں ہے۔ اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو ابھی اپنا وارث کسی کو بنا لو۔

میرا باپ۔ افسوس حاجی نے تو ہمیں چھوڑ دیا اب بھلا میں اسے کہاں دیکھ سکوں گا اس میں تو کچھ اب ایسی شخصیت سمائی ہو گی کہ وہ اپنے غریب والدین کا خیال ہی کیوں کرنے لگا اور وہ اس قابل کہاں ہے کہ اب میں اسے اپنا وارث بناؤں۔

یہ پر اثر اور دردناک باتیں میرے جگر کے پار ہو کر نکل گئیں اور میرے مجروح اور خستہ قلب پر اتنا اثر کیا کہ اب میں اپنے کو زیادہ دیر چھپا نہ سکا اور میں بہت اضطرابی کی حالت میں بول اٹھا کہ حاجی یہیں موجود ہے۔ حضور کی قدم بوسی کے لیے حاجی آیا ہے۔ میں ہی تمھارا بیٹا ہوں۔ آپ اسے برطرف نہ کیجیے۔

یہ کہہ کے میں بسترے کی طرف دوزانو ہوا اور میں نے مرتے ہوئے باپ کے ہاتھ کو چھاتی پر سے اٹھا کر بوسہ دیا اور میں نے بہت ہی سخت واویلا اور آہ وزاری کی اور خون کے آنسو بہائے۔

یہ دیکھ کے تمام لوگوں میں ایک تحریک سی پھیل گئی۔ بعض تو کچھ مایوس معلوم ہوئے اور بعض کچھ ناراض ہوئے اور سب پر ایک حیرت چھا گئی۔

میرا باپ جس کی آنکھیں قریب قریب بند ہی ہو چکی تھیں جب اس کے کان میں یہ بھنک پہنچی کہ حاجی بابا آیا ہے تو اس نے اس خوشی میں بہت ہی مشکل سے میری صورت دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولیں۔ اور اس نے اپنے کپکپاتے ہوئے دونوں ہاتھ ملا کر یہ کہا الحمد للہ میں نے اپنے چہیتے بیٹے کو دیکھ لیا اور اب میرا وارث بھی پیدا ہو گیا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

اے میرے بیٹے کیا یہ تم نے اچھا کیا کہ اتنے برس مجھ سے فراموشی اختیار کی۔ پیارے اس سے پہلے تم کیوں نہیں آئے۔

یہ کہہ کے وہ بیہوش ہو گیا اس وقت کی خوشی نے اسے اس دم واپسیں میں بھی اتنی فرصت دے دی تھی کہ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا اور کچھ الفاظ زبان سے کہے لیکن پھر وہ غوطہ زن ہو گیا۔

میرا پرانا استاد (مجھے پہچان کر) ٹھہر و حاجی اسے خود ہوشیار ہو جانے دو ابھی یہ اپنی مرضی اور بھی ظاہر کرے گا۔

ایک کم سن لڑکا (میری طرف دشمنی کی نگاہ سے دیکھ کر) ہاں ہاں ہم ابھی یہی دیکھ رہے ہیں کہ آیا یہ حاجی بابا ہی ہے یا نہیں۔

پیچھے مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے باپ کی پہلی بیوی کا لڑکا ہے اور وہ اس امر کا امیدوار تھا کہ ملک کے بہت بڑے حصے کا میں مالک بنوں۔ جب میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ تھے جو وہاں کھڑے ہوئے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ سب میری سوتیلی ماں کے کنبے کے لوگ تھے کہ میرے باپ کے مال پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف میں نے سب کے ارادے کو توڑ دیا۔

وہ سب اس بات میں مشتبہ تھے کہ آیا یہ حاجی بابا ہی ہے یا نہیں۔ اگر وہاں پر میرا پرانا استاد نہ ہوتا تو وہ مجھ کو شاید بالکل ہی اڑا دیتے۔

مگر جس قدر یہ شبہات تھے سب ایک ہی بات سے رفو چکر ہو گئے اور وہ بات یہ تھی کہ جب میری ماں نے سنا کہ میرا بیٹا حاجی آگیا ہے تو بھلا اسے کہاں تاب تھی وہ پھڑکتی ہوئی اندرون سے نقاب اٹھائے باہر نکل آئی اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ کہہ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ ہائے میرا بیٹا کہاں ہے۔ اے حاجی میری روح بیٹا تو کہاں ہے۔

جونہی میں نے اپنے کو اس کے آگے ظاہر کیا۔ بس دیکھتے ہی وہ میرے گلے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور جس قدر آثار شفقت مادری کو سزاوار ہیں اس کی ہر ہر بات سے عیاں تھے اور یہ حالتیں سوائے ایک پیاری اور چہیتی ماں کے کسی کو نصیب نہیں ہوتیں۔

میرے باپ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی غرض سے طبیب نے ایک یاقوتی تجویز کی کہ یہ اس کے حلق میں ٹپکاؤ۔ جب اس مرتے ہوئے پر امید باپ کو اٹھانے لگے اور اس کے افسردہ جسم پر کچھ حرکت پہنچی تو یکایک اس کو چھینک آئی۔ جو حاضرین میں بہت برا شگون سمجھا گیا۔ اس پر کوئی شخص بھی یہ جرات نہ کر سکا کہ جب تک کامل دو گھنٹے نہ گذر جائیں اسے دوائی دے۔ اس لیے دوائی یوں ہی کی یوں ہی پیالے میں رکھی رہی۔

جب دو گھنٹے کامل گذر گئے تو پھر دوائی دینے کی تجویز کی گئی لیکن جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی روح عالم باقی میں جا چکی تھی۔ حاضرین یہ دیکھ کے بہت ہی خوف زدہ ہوئے اور ان لوگوں کی مایوسی اور ناامیدی کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں تھا جن کو یہ امید تھی کہ یہ مرتا ہوا شخص ضرور ہی کچھ اپنی مرضی اور بھی ظاہر کرے گا۔

بوڑھا ملا۔ اٹھو اور اپنی مرضی ظاہر کرو ہم لکھنے کے موجود ہیں۔

یہ کہہ کے اس نے میرے باپ کا سر اٹھایا وہاں وہ کبھی کا حضرت عزرائیلؑ کا شکار ہو ہی چکا تھا روئی کے گالے کو پانی میں بھگو کے اس کے منہ میں نچوڑا گیا اور اس کے پیر بہت ہوشیاری سے قبلہ کی طرف پھیر دیے گئے۔ جب یہ قطعی معلوم ہو چکا کہ اب اس میں زندگی کی کوئی رمق بھی باقی نہیں تو بوڑھا ملا سرہانے بیٹھا ہوا قرآن شریف بہت ہی لہک لہک کر پڑھنے لگا۔ ایک رومال کو تہ کر کے تو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیا اور ایک رومال ڈھاٹے کی طرح سے اس کے سر پر باندھ دیا تھا اور دونوں انگوٹھے باہم مضبوط کس دیے گئے تھے اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہوئے تھے سب کلمہء شہادت پکار پکار کے پڑھ رہے تھے اسی درمیان میں ایک پیالہ پانی کا بھرا ہوا اس کے سر پر رکھا گیا۔

یہ سب باتیں ہو گئیں۔ اب جس قدر کہ اس کے دوست تھے اور جتنے رشتہ دار تھے سب جمع ہو گئے اور اس کی نعش کو مرکز بنا کر آہ و زاری اور ماتم کرنا شروع کیا وہ دو ملا جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ باہر دروازے کے منڈلاتے پھرتے تھے اب وہ اپنا فرض پورا کرنے لگے مکان کی چوٹی پر کھڑے ہو گئے اور انھوں نے قرآن

شریف کی آیتیں زور زور سے پڑھنی شروع کیں اس سے یہ غرض ہے کہ عام میں روشن ہو جائے کہ فلاں مریض چل بسا۔

ماتم و آہ و زاری سب میں پھیل گئی تھی۔ جب اس نالہ و بکا کی آوازیں عورتوں کے کان میں گئیں جو پاس ہی کے ایک درجہ میں بیٹھی ہوئی تھیں انھوں نے اسی طریقے سے پیٹنا اور بیان کر کر کے رونا شروع کیا۔

میرا باپ اپنی حلیم الطبعی اور مروت و اخلاق سے ہر کہ و مہ کا پیارا تھا اور سب اسے عزیز رکھتے تھے لیکن میری ماں جو ایسے موقع پر ایک خاص ماتم کن اور تمام تجہیز و تکفین کی رسم ادا کرنا یہ اسی کا فرض تھا اس کی بھی بہت سی عورات سے شناسائی تھی اس لیے پورا مجمع لیے ہوئے وہ بھی ماتم کر رہی تھی اس وقت میرے باپ کی نعش پر اس قدر لوگ ماتم کنندہ تھے کہ کسی خان کو بھی اپنی موت میں یہ سامان میسر نہ ہوتا۔

میری اگر پوچھو تو ایک عجیب حالت تھی زمانے کے ہچکولوں سے پہلے ہی شکستہ دلی اور خستہ خاطری نے میری طبیعت میں اپنا گھر کر لیا تھا۔ اور پھر اس خون آلود دل پر اور بھی یہ چرکا لگا۔ ”اور چرکا دیا جلا دنے جاتے جاتے۔“ خدا کی پناہ۔ گویا اگر اصلی ماتمی تھا تو میں تھا جس کو ایک لمحہ بھی ایسی فرصت کا نہ ملا جو اپنے پیارے باپ سے ایک مدت کے بعد تو کچھ باتیں کرتا۔

ایک صحبت نہ میسر ہوئی تنہائی کی
جی کی جی ہی میں رہی تیرے تمنائی کی

میں اپنا سر پکڑے ہوئے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا اور سخت نالہ و بکا کر رہا تھا میری وہ آہ و زاری نہ تھی جو اور حاضرین کی طرح سے بناوٹی ہوتی بلکہ اصلی آہ و زاری تھی جس نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ کہ اتنے میں میرے پاس ایک مذہبی شخص آیا اور اس نے کہا حاجی بابا یہ کیا کر رہے ہو تم تم نے اب تک اپنے کپڑے نہیں پھاڑے اس سے کیونکہ معلوم ہو گا کہ تم اس کے چاہیتے بیٹے ہو اگر تم کہو تو اس رسم کو میں ادا کر دوں۔ میں نے اسے اجازت دے دی کہ یہ اوپر کا کپڑا تو پھاڑ ڈالیو لیکن میرا کوٹ نہ پھٹے۔

جو کچھ اس نے چاہا وہ میں نے اسے کرنے کے لیے اجازت دے دی اس نے یہ سنتے ہی جھر جھر میرا کوٹ سلامت چھوڑ کر اوپر کا کپڑا جو چار انچہ لٹک رہا تھا پھاڑ ڈالا اور اس نے یہ بھی ہدایت کی کہ اس امر کی بھی رسم ہوتی ہے کہ سر ننگا رہے اور پائوں برہنہ ہوں۔ غرض کل باتیں ختم ہونے کے بعد تدفین ہو گئی۔

جو کچھ اس نے کہا اور ہدایت کی تھی میں نے اسی طرح سے ہر ایک بات انجام دی اور لوگوں کا بعد ازاں اس امر میں اطمینان کرا دیا کہ میں ایک نہایت ہی عمدہ ماتمی کی نظیر ہوں۔ میری ماں کے غم کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ اس نے اپنے تمام بال نوچ ڈالے تھے۔ اس کا سر ایک سیاہ دوشالے میں لپٹا ہوا تھا اور جس وقت نہایت دردناکی سے اپنے خاوند کا بیان کر کر کے روتی تھی سامعین کے جگر پھٹتے تھے۔

اس وقت تمام ہمسائے۔ جان انجان اشخاص ملاؤں کو گھر کی چھت پر بآواز بلند قرآن شریف پڑھتے ہوئے سن کر غول کے غول جمع ہو کے آئے کیونکہ صرف قرآن شریف ہی سننے سے انھیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مریض مر گیا۔ ان میں سے بعض تعزیت یعنی تسلی دینے کی غرض سے بھی آئے تھے اور اپنی عمدہ عمدہ تقریر سے رونے والوں کو صبر دیتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ''بتحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' میرا پرانا استاد کہ جو اصلی تعزیت کرنے والا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرے پاس بیٹھ گیا اور مجھے مفصلہ ذیل ہدایتیں اور نصیحتیں کیں۔

''ہاں آخر کار تمھارے والد کا انتقال ہو گیا۔ ایسا ہی ہونا تھا۔ کس قدر صدمہ پہنچا ہے کیا مرگ سب چیزوں کی انتہا نہیں ہے۔ وہ پیدا ہوا پھر اس کے ہاں بیٹا بھی ہوا۔ پھر اس نے اپنی عمر بسر کی اور مر گیا۔ اس سے زیادہ اور کون کر سکتا ہے۔ اب تم اس دنیا میں اس کی جگہ سنبھالو۔ تم ایک ہونہار جوان ہو اور لاکھوں آدمیوں سے میں سے تم پر سب سے زیادہ یہ چشمداشت ہو سکتی ہے کہ تم اس سرسبز کھیتی کو پورے طور سے پکاؤ گے اور پھر اس پختہ اناج کو کاٹ کر اس سے منفعت اٹھاؤ گے۔ اب تم کیا اس شخص پر رونا چاہتے ہو جو خوش نصیب ہو چکا۔ بجائے حجامت کے اب وہ دو حوروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہو گا اور شہد اور دودھ پیتا ہو گا۔ اب تم کیا اس پر آہ وزاری کرنا چاہتے ہاں اگر روؤ تو اس بات پر روؤ کہ افسوس تم وہاں نہیں ہو تم اگر سب باتوں پر خیال کرو گے تو تمھیں معلوم ہو کہ واقعی یہ مقام گریہ نہیں ہے بلکہ خوش ہونے کی جگہ ہے ہاں یہ امر قابل گریہ زاری تھا اگر وہ مسلمان نہ ہوتا اور بے ایمان ہوتا۔ اگر وہ ایرانی نہ ہوتا۔ اگر وہ اسلام کا قانونی فرزند نہ ہوتا اس نے تو مرتے وقت کلمہء طیب زبان سے نکالا اور جنت میں پہنچ گیا یہ سب باتیں بہت ہی خوشی اور شادمانی کی ہیں۔''

غرض اسی طرح کی باتیں کر کے وہ چلا گیا اور مجھے نوحہ کنان گروہ کے ساتھ نالہ کرنے کے لے چھوڑ گیا۔

دو اشخاص جن کو مردہ شو کہتے ہیں اندر بلائے گئے ان کے ساتھ ایک تابوت تھا جس میں مردہ رکھ کے دفن کرنے کے لیے لے جاتے ہیں۔ مجھ سے اس امر میں صلاح لی گئی کہ آیا جنازے پر کوئی دوشالہ چادر پشمینی یا اور کچھ کپڑا پڑے گا۔ یہ گویا معزز لوگوں میں دستور ہوتا ہے کہ مردے پر ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ قبر تک یوں لے جایا جاتا ہے لیکن میں نے اس امر کو اپنے پرانے استاد بوڑھے ملا پر منحصر رکھا اور اس نے یہ سنتے ہی فوراً کہا کہ عام میں اس کی عزت بڑھانے کے لیے زیبا ہے کہ اس پر دوشالہ ڈالا جائے غرض یہ امر طے پا گیا۔ نعش باہر نکالی گئی اور اب غسل کے لیے تیاری ہوئی۔ نہلانے والے اپنے کام میں مستعدی سے مشغول ہوئے۔ پہلے نعش کو صاف ٹھنڈے پانی سے دھویا اور پھر کھلی سے وہ صاف کی گئی نمک اور کافور کفن میں لپیٹا گیا۔ اور اس طرح سے تکفین ہو کر تابوت میں رکھی گئی اور پھر قبرستان کی طرف لوگ لے چلے۔

وہ لوگ جو کثرت سے اس بات کے خواہشمند تھے کہ ہم ہی اپنے کاندھوں پر تابوت کو قبرستان تک اٹھائے لیے چلیں اور ہر متنفس اس کی خواہش کرتا تھا یہ اس بات کا کتنا ثبوت تھا کہ وہ میرے باپ سے بہت ہی محبت کرتے تھے۔ اجنبی اشخاص بھی جو کاندھا دینا ایک قابل مدح کام سمجھتے تھے راستہ چلتے چلتے دوڑتے تھے اور دو چار قدم کاندھا دیتے تھے۔ اور جب یہ جنازہ مدفن تک پہنچا تو لوگوں کا مجمع بہت ہی کثرت سے تھا۔

میں بھی کچھ دور کے فاصلے پر نعش کے ساتھ ساتھ اس گروہ میں جا رہا تھا جو اپنے کو اس کا رشتہ دار اور دوست کہتے تھے۔ پھر ملا جنازے کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوا سب لوگ جمع ہو گئے مجھ کو بہت ہی قریب بلایا اور جنازے کو زمین پر اتروانے کے لیے کہا۔ ملا کے آگے ایک کپڑا بطور جانماز کے بچھایا گیا اور اس نے نماز پڑھائی پھر میں نے اور کوئی لوگوں نے مل کے جنازے کو قبر میں اتارا اس وقت ملاؤں نے بارہ اماموں کے نام لیے اور پھر کچھ پڑھا گیا اور اس کے بعد قبر بند کر دی گئی۔

پھر سب لوگوں نے الحمد پڑھی۔ پھر قبر پر چھڑکاؤ کیا گیا اور تمام لوگ پھر متوفی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

اب مجھے بھی لوگوں نے کام کاج کرنے کے لیے شریک کیا۔ میں ہی تو اس واقعہء جانکاہ اور سانحہء اندوہ والم میں ایک خاص شخصیت کا شخص ہو گیا تھا۔ میرے ہی دماغ کے قلعہ پر افواج غم و آلام نے تاخت و تاراج کی تھی۔

افسوس۔ (اپنے دل کی طرف مخاطب ہو کر) وہ دینی عہد و پیمان جو میں نے حضرت علی علیہ السلام سے شہر کے منارے دیکھ کر کیا تھا ضرور پورا کرنا چاہیے اس کے موافق میرا مطلب حاصل ہوا ہو یا نہ ہو۔ مجھے بہت ہی دلیری

اور بے جگری سے خرچ کرنا چاہیے ورنہ میں ایک نافطرتی بیٹا بنوں گا۔ اس لیے جب میں گھر میں آیا تو میں نے اندھادھند اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ کہہ دیا کہ ہر شے بہت ہی عمدہ اور نفیس طریقے پر انجام پذیر ہو۔

دو کمرے ایک مردوں کے لیے اور ایک عورات کے لیے مرتب ہوئے رواج کے موافق مجھ کو چونکہ میں خاص ماتمی تھا ان سب لوگوں کی دعوت کرنی پڑی جو مدفن تک ساتھ ساتھ گئے تھے۔ یہاں میں اپنے پلاؤ اور اپنی اقرار شدہ بھیڑ کو بھی نہیں بھولا تھا میں نے ملا بھی ٹھہرا لیے۔ ان میں سے دو تو مردانہ کمرے میں قرآن شریف پڑھنے کے لیے بٹھائے اور تیسرا باقیماندہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے لیے بٹھایا گیا۔ وہاں اس کے لیے ایک چھوٹا سا ڈیرا بھی کھڑا کر دیا۔ عورات کے رواج کے موافق رونے پیٹنے کی رسم تین پانچ سات دن اور ایک ماہ تک بھی رہتی ہے۔ میں نے پانچ ہی دن میں پوری کر دی۔ اس عرصے میں ہر ایک رشتہ دار کو کھانا کھلاتا رہا۔ اس مدت کے اختتام ہونے پر چند بوڑھے مرد اور عورتیں ہمارے یہاں ماتمی کپڑے سلوا کے لائیں۔ اس دن مجھے پھر دعوت کرنی پڑی اور جس قدر لوگ جمع تھے سب کو ایک ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھنے کو دیا گیا۔ جب وہ پڑھ چکے تو یہ پاک مذہبی تقریب ختم ہوئی۔

اس کے بعد میری ماں مع اپنے چند رشتہ داروں اور مستوراتوں کے جن سے اس کا تعارف تھا۔ میرے باپ کی قبر پر گئی۔ اور مٹھائی اور خمیری روٹیاں بھی اپنے ساتھ لے گئی اور وہاں جا کے غربا کو تقسیم کر دیا۔ پھر وہاں سے روتی ہوئی اور نالہ وزاری کرتی ہوئی اپنے مکان پر آئی۔

تین دن گذر جانے کے بعد میری ماں کی وہی دوست مستوراتیں اسے حمام میں لے گئیں تا کہ وہاں غم کو کلیجے پر سے دھو ڈالے۔ اور یہی وقت گویا غم کے آخر ختم ہونے کا ہے۔ وہاں اس نے نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے اور اپنے ہاتھ پیروں میں مہندی لگائی۔

اب یہاں زمانہء ماتم ختم ہوا۔ مجھ کو یوں خوشی ہوئی کہ میں نے اپنے باپ کے کل کام سنبھال لیے اور اس وقت مجھے صاف اور شفاف میدان ملا جس میں قدم زن ہو کر میں اپنی آئندہ قسمت کو ٹٹولوں۔

دوسرا باب

حاجی بابا کا اپنے باپ کی ایسی ملک پر قابض ہو جانا جو دریافت نہ ہوئی تھی لیکن حاجی بابا کا اس پر شبہہ تھا

میرا باپ توبغیر کسی وصیت کرنے کے مر گیا۔ہاں البتہ میں بغیر کسی مخالفت کے اس کا وارث کہلانے لگا۔
وہ لوگ جو میرے باپ کے مال کے وارث ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔انھوں نے میری مایوسانہ صورت دیکھ کر مجھے برا بھلا کہنا شروع کیا اور انھوں نے مجھے ایک کمبخت مشہور کیا اور یہ کہا کہ یہ ہمیشہ جنگل در جنگل پھرا ہے بدوؤں کے ساتھ رہا ہے بھلا اس کا کچھ ایمان کاہے کو ہو گا غرض یونہی خرافات بکا کرتے تھے اور اپنے جلے پھپھولے پھوڑتے تھے۔
چونکہ میرا ارادہ اصفہان میں رہنے کا تو تھا نہیں تو میں نے چاہا کہ یہ جو میری حقارت کرتے پھرتے ہیں اور مجھے خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں تو میں ان کو اس کا پورا مزہ چکھاؤں کہ نہ تو انھوں نے نہ ان کے باپ نے کبھی یہ لذت چکھی ہو گی۔ کیونکہ اس قسم کی ترکیبیں مجھے بہت کچھ آتی تھیں۔ اور وجہ یہ تھی کہ میری زندگی کا پہلا برس ایسے ہی خونخوار گروہ میں گذرا تھا۔
جب میں اور میری ماں تنہا ہوئی ماں تو وہ غمگین ماں کہ جس کا سر تاج جاتا رہا اور بیٹا وہ بیٹا جس کا دامن الفت کے سائے میں پرورش کرنے والا عالم خموشاں میں جا سویا ہو تو ہم دونوں غمگین ماں بیٹوں نے یہ گفتگو کی۔
میں۔ اے اماں جان مجھ میں تجھ میں کوئی پردہ تو نہیں ہے تو مجھے قرب علی حسین کے تعلق کی بابت تو کچھ خبر دے۔ وہ تم سے بہت ہی محبت کرتے تھے اور تم پر بہت ہی فریفتہ تھے ضرور اپنی پوشیدہ جمع سوا تمھارے وہ کسی کو بھی نہ بتا گئے ہوں گے۔
ماں۔(بہت ہی گھبراہٹ اور اضطرابی کی حالت میں) میں کیا جانوں بیٹا اس بات کی مجھے کیا خبر۔

میں۔ آپ ذرا صبر سے میری تقریر گوش گزار کر لیں۔ تم جانتی ہو کہ قانون کے موافق جو اس کا وارث ہے اس پر اس کے قرضے کا بار پڑے گا تو پھر وہ ضرور ہی ادا کرنا ہو گا جو کچھ روپیہ تجہیز و تکفین میں اٹھا وہ بھی بہت ہی بڑھ گیا۔ اب میں تو بالکل خالی ہاتھ ہوں اگر مجھے وہ پوشیدہ پونجی ہاتھ لگ جائے گی تو میری زندگی ہو جائے گی۔

یہ تو ایک امر ظاہر ہے کہ ان سب کاموں کے لیے روپیہ چاہیے یا اگر روپیہ نہ ہو گا تو میرا اور میرے باپ کا نام لوگوں میں بے عزت ہو گا اس وقت میرے دشمن مجھ پر غلبہ پائیں گے وہ ضرور دولتمند ہو گا ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو زمانہ ساز گروہ بھلا اس مرگی بسترے کو کیوں گھیرے رہتے وہ تو میرے آنے سے دفع ہوئے تو اے میری پیاری ماں تو مجھے بتا دے کہ نقدی کہاں رکھی ہوئی ہے اور اس کا قرض کس کس پر لینا ہے۔ اور جو کچھ ظاہراً آنکھوں کے آگے رکھا ہوا ہے اس کے علاوہ اس کی کیا ملک ہے۔

ماں۔ اے اللہ یہ کیا باتیں ہیں۔ تمھارا باپ ایک نیک شخص اور غریب شخص تھا نہ اس کے پاس زر نقد تھا نہ اور کچھ سامان تھا نہ روپیہ۔ بیشک صرف سوکھی روٹی کھانے کے لیے رہ گئی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اس بیچارے کو آمد ہی کیا تھی۔ جب کبھی کوئی کاروان آتا تھا تو کثرت سے اسے حجامتیں مل جاتی تھیں تو اس وقت تو ہم پلاؤ اور کباب کھاتے تھے لیکن جب وہ کاروان چلا گیا پھر وہی نوبت ہو گئی۔ اور بھکاریوں کی طرح سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ایک روٹی کا ٹکڑا۔ ایک پنیر کا پرزہ۔ ایک پیاز کی گٹھی۔ اور کچھ شوربہ بس یہ ہماری روزانہ خوراک تھی۔ اور ان ان حالتوں میں اے پیارے بیٹے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے روپیہ کے لیے پوچھو اور روپیہ بھی زر نقد شاباش۔ ”این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔“

دیکھو یہ گھر تو ہے جس کو تم دیکھ رہے ہو اور بخوبی جانتے ہو اس کی دکان بھی مع سامان کے موجود ہے۔ تم ٹھیک ایسے وقت پر اے میرے بیٹے پہنچے کہ اپنے باپ کے قدم بقدم ہو اور اس کا کام سنبھال لو اور انشاء اللہ تمھارے ہاتھ خوش نصیب ہوں پھر بھلا یہ تنگی کاہے کو رہے گی ایک ہی سال میں سب دلدر پار ہو جائیں گے۔

میں۔ بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ پچاس برس یا ان سے کچھ اونچے گذرے کہ اس نے سخت اور شدید محنتیں کیں اور پھر اس کے پاس کچھ بھی نہ نکلے تو اس بات پر ہمیں کسی رمال کو بلوانا چاہیے۔

میری ماں۔ ذرا بھونچکی ہو کر۔ رمال وہ کیا کام دے سکتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ جب کہیں چوری ہو جاتی ہے تو انھیں بلاتے ہیں۔ تم اپنی ماں کو چور تو نہ بناؤ گے۔ کیا حاجی بناؤ گے جاؤ اپنے دوستوں سے اس امر میں صلاح کر لو اور اپنے باپ کے دوستوں خصوصاً آخون سے۔

میں۔ اے میری ماں تو کیوں غلط بیانی کرتی ہے۔ غالباً آخون بھی نہیں جانتا کہ میرے باپ کی آخری خواہشیں کیا تھیں ہاں وہ یہ مجھ سے کہہ سکتا ہے کہ روپیہ اس نے چھوڑا ہے یا نہیں اور کہاں ملے گا۔

میں سیدھا اٹھا ہوا اس بوڑھے آخون کو تلاش کرنے چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اسی کہنہ مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے گرد شاگردوں کی جماعت موجود ہے جس میں بیس برس پہلے میں بھی تعلیم پاتا تھا۔

جونہی اس نے مجھے دیکھا خیر مقدم کہا اور سب شاگردوں کو رخصت کر دیا۔

میں۔ آہ اے آخون تم میری داڑھی پر نہ ہنسنا۔ میری خوش قسمتی مجھے چھوڑے جاتی ہے۔

آخون۔ (اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے ہوئے) واللہ جو کچھ تو ہے وہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ (پھر میری طرف مخاطب ہو کر) ہاں اے میرے بیٹے دنیا کا یہی حال ہے اور یہ ہمیشہ یونہی چلی جائے گی نہ کچھ چاہو نہ کسی شے کی تلاش کرو نہ تمھاری کوئی خواہش کرے گا۔ نہ تلاش کرے گا ورنہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ جب تک مرتا ہے اس وقت تک بھی اس کے دل کی خواہشوں کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔

میں۔ آپ کتنے دن سے صوفی ہیں کہ اس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ جب میری بری قسمت مجھے کوم (قم) لے گئی تھی تو میں بھی اسی قسم کی باتیں کر سکتا تھا لیکن چونکہ اب میں اور ہی مقام میں ہوں اس لیے یہ خیالات نہ ہوں گے۔ اس کے بعد میں نے اس وقت اپنے آنے کی غرض ظاہر کی اور اس سے کہا کہ میرے والد کی پوشیدہ جمع کی اگر آپ کو اطلاع ہو تو بتا دیجیے۔

یہ سن کر آخون ذرا کھنکارا اور بڑا عقل اور دانشمندی کا چہرہ بنا کر اور صدہا قسمیں وغیرہ کھا کھو کر وہی کہا جو میں اپنی ماں سے سن کر آیا تھا۔ اور اس نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی کہ تیرا باپ ہرگز کچھ نقد نہیں چھوڑ گیا اور سامان کی بابت حاجی جو کچھ تم پوچھتے ہو وہ تمھاری آنکھوں کے آگے موجود ہے۔ جس کو تم بخوبی جانتے ہو۔

میں نے اپنے دل میں کچھ مایوسانہ تفکر کر کے اپنا تعجب ذرا تیز لفظوں میں ظاہر کیا میں بخوبی واقف تھا کہ میرا باپ بہت ہی خوبی کا مسلمان تھا اور اس کی عمدگی یہ تھی کہ منافع پر اپنا روپیہ لوگوں کو قرض دے دیتا تھا کیونکہ مجھے

ایک حالت ایسی یاد آئی کہ جب میں بہت ہی بچہ تھا اور اس وقت یہ معاملہ ہوا تھا۔ اس بات نے پورا پورا ثبوت دے دیا۔ ایک دفعہ میرے پہلے مالک عثمان آغا نے میرے والد سے بطور قرض روپیہ طلب کیا تھا اور کہا کہ اس قدر زیادہ سود دوں گا۔ یہ سن کر میرے والد نے سود لینے کا مسئلہ ایک کٹ ملا سے دریافت کیا اس نے کہہ دیا کہ قرآن شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے اب یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس نے میرے باپ کے دل پر اثر کیا یا نہیں اور اس نے عثمان آغا کو روپیہ دیا یا نہیں۔ لیکن یہ مجھے بخوبی یقین تھا کہ جب میرا باپ کوئی کام کرتا تھا شریعت کو طاق پر رکھ دیتا تھا اور ہر گز اس نے کبھی یہ راستہ ہی نہیں چلا جب چلا بے قانون شریعت۔ مطلب یہ تھا کہ نفع ہو جس طرح سے پیدا ہوا تھا اسی طرح سے مر گیا اور خاصہ ایماندار مرا۔ کوئی بات بے ایمانی کی پائی ہی نہیں۔

میں بہت ہی آزردہ خاطری سے اٹھ کر سیدھا اس مقام کی طرف روانہ ہوا جہاں میں نے اپنی زندگی کا پہلا حصہ گذارنا تھا یعنی اپنے باپ کی دکان پر پہنچا اور راستہ میں یہ خیال کرتا جاتا تھا کہ آئندہ زندگی کیونکر گذارنی چاہیے اور وہ کون سا طریقہ اختیار کرنا زیبا ہے جس سے آئندہ قسمت درست ہو اصفہان میں ہی میں رہنا یہ تو محض بے سود تھا کیونکہ مجھے اس مقام اور اس شہر کے باشندوں سے سخت ہی نفرت تھی تو اس خیال نے مجھے اس طرف متوجہ کیا جو کچھ چیز میری ہے اس کو میں سنبھالوں اور سیدھا دارالخلافہ کی طرف چلا چلوں۔ "چلو چلو تو سہی جو کچھ کرے میرا مولی کرے۔"

وہاں آئندہ قسمت آزمائی کے لیے مجھے میدان ملے گا جس میں بخوبی راہ طے کر سکوں مگر یہ تو سب کچھ تھا یہ خیال اب بھی میری طبیعت سے نسیاً نسیاً نہیں ہوا تھا کہ میرا باپ ضرور زر نقد چھوڑ مرا ہے۔ اب مجھے اس امر کی کس قدر بیتابی تھی کہ توبہ ہے۔ اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ تجھ کو تو اس شہر میں کوئی جانتا نہیں روپیہ حاصل ہونے پر کامیابی ہو تو کیونکر ایک مصیبت میں جان ہے۔ دل میں آیا کہ چلو قاضی کے اجلاس میں مقدمہ پیش کر و جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہ خیال کرتا ہوا میں اپنے باپ کی دوکان کے قریب پہنچا۔ سامنے وہی بوڑھا دربان کھڑا تھا۔

دربان۔ سلام علیکم آغا۔

حاجی جیے ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اور اللہ کرے تمھاری بہتات کو ترقی ہو۔ تمھارے دیکھنے سے میری آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔

میں۔ اللہ کرے آپ کی عنایت مجھ پر یونہی ہمیشہ رہے اور خدا کرے آپ کا بول بالا ہو آپ مجھ سے اس طرح سے پیش آتے ہیں۔ بہتات کی نسبت جو آپ نے دعا دی تو بہتات ہاں بیشک غم و الم کی تو زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ دیکھیے میرا پتہ پانی ہوا جاتا ہے اور میری روح گھلی جاتی ہے۔

بوڑھا شخص۔ کہو تو سہی پیارے حاجی۔ کیا خبریں ہیں تمھارے باپ کا (خدا اس کو بہشت نصیب کرے) ابھی انتقال ہوا ہے وہ ہمارا بہت بڑا دوست تھا۔ تم اس کے خاصے وارث ہو ماشاء اللہ تم ابھی نوجوان ہو خوبصورت بھی ہو۔ تمھاری زیرکی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اب پھر اس سے زیادہ کیا چاہتے ہو۔

میں۔ میں اس کا وارث ہوں یہ تو سچ ہے لیکن پھر کیا۔ فرمایئے تو سہی مجھے نفع کیا ہوا جب میں نے صرف ایک مٹی کا مکان۔ ایک پھٹی ہوئی دری۔ چند ظروف۔ اور کچھ پرانا واہیات اسباب سامنے والی دکان میں کیا ہے صرف ایک پیتل کی کٹوری ہے اور کوئی بارہ استرے ہیں تو اس وراثت پر میں تھوکتا ہوں۔

بوڑھا شخص۔ لیکن اے حاجی تمھارا وہ زر نقد کہاں ہے تمھارا باپ (خدا اس کی مغفرت کرے) مشہور تو یہی ہے کہ وہ بہت ہی روپے والا شخص تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے بہت ہی کچھ اپنی زندگی میں فراہم کیا ہے اور کوئی دن ایسا ناغہ نہ جاتا تھا کہ جس میں وہ جوڑ تا نہ ہو۔

میں۔ یہ درست ہے اے بوڑھے مہربان لیکن مجھے اس روپیہ سے فائدہ کیا ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کہاں رکھا ہے پھر میرے ہاتھ کیونکر لگ سکتا ہے۔ میری ماں کا تو یہ قول ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا یہی آخون بھی رونا روتا ہے۔ میں کوئی افسونگر اور ساحر تو ہوں نہیں کہ سچ اور حق الامر ظاہر کر دوں۔ میرا یہ ارادہ ہے کہ قاضی کے پاس جاؤں۔

بوڑھا شخص۔ قاضی کے پاس توبہ توبہ خدا ایسا نہ کرے ہر گز اس کے پاس نہ جائیو نا بابا نا خدا اس کے سائے سے بچائے وہ تو بڑا بے ڈھب آدمی ہے۔ دیکھو تم ایسے موقع پر کاروانسرا کا دروازہ کھڑکاؤ کہ میں نہ ہوں اور پھر اس سے جا کر انصاف طلب کرو۔ مگر تمھارے معاملے میں مشکل تو یہ ہے کہ جو یہ جانتے ہیں کہ تمھارے باپ کے پاس بیشک جمع تھی وہ تمھارے دشمن ہیں تو کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ قاضی کو بھڑکانے میں کمی کریں گے تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ قاضی تمھاری جانب داری میں فیصلہ سنا دے۔

میں۔ تو پھر اب کیا کرنا چاہیے اور اس درد کا علاج کیا ہو گا۔ اچھا کچھ رمال بھی ایسے موقع پر کیفیت کھولیں گے۔
بوڑھا شخص۔ ہاں پیارے اس میں کچھ نقصان نہ ہو گا۔ میں جانتا ہوں جب سے میں یہاں ملازم ہوا ہوں انھوں نے کاروانسرا میں کئی کئی باتیں ایسی کی ہیں کہ واہ واہ۔ تجار کا اکثر روپیہ جاتا رہا ہے اور پھر جہاں رمالوں نے پانسا پھینکا اور روپیہ مل گیا۔ اور یہ بڑی بات تو جب ہوئی کہ جب ترکمانوں نے یہاں حملہ کیا تھا اور جس قدر کہ مال و اسباب برباد ہوا تھا سب پورا پورا ظاہر ہو گیا تھا۔ افسوس وہ ایک بہت بڑا عجیب موقع تھا مجھ پر تو ایک مصیبت نازل گئی تھی۔ چند بدمعاشوں نے کہیں مجھ پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ چوروں سے ملا ہوا تھا۔
اور ایک زیادہ عجیب تر بات یہ ہے کہ حاجی تم بھی قزاقوں میں تھے کیونکہ یہ صرف تمھارے ہی نام کی وجہ تھی کہ کتے کے بیٹے نے دھوکہ دے کر مجھ سے دروازہ کھلو لیا اور پھر تمام نقصان سہنا پڑا۔
میرے لیے بہت ہی خوش قسمت مقام سمجھیے کہ اول تو اس بوڑھے شخص دربان کو کچھ دکھائی بھی کم دیتا تھا دوسرے میرے چہرے میں کچھ ایسا تغیر و تبدل آ کر واقع ہو گیا تھا کہ وہ مجھے پہچان نہ سکا ورنہ سخت ہی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ غرض میری اور اس کی تقریر اس بات پر ختم ہوئی کہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں ایک ایسا رمال تمھارے پاس بھیجوں گا جو نہایت ہی مشہور و معروف شخص ہے اور جس کو اتنا بڑا علم ہے کہ اگر سونے کا ٹکڑا بیس گز کہ گہری زمین میں بھی مدفون ہو تو جب بھی وہ بتا دیتا ہے۔ اور وہ کاشانی مشہور ہے۔

تیسرا باب

حاجی بابا کا رمال سے تلاش زر کرانا

دوسرے دن علی الصباح نماز فجر کے کچھ ہی دیر کے بعد ایک چھوٹا سا شخص میرے کمرے میں آیا جس کو دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ رمال ہے۔ یہ ایک کوزہ پشت شخص تھا اور ایک بہت بڑا سر والا جس میں دو آنکھیں اس طرح سے چمکتی تھیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی نگاہ میں سب تاڑ لے گا اس کی صورت سے عقلمندی اور روشن دماغی ہویدا تھی۔ یہ ایک کلاہ درویشانہ پہنے ہوئے تھا جس پر کالے بالوں کا گچھا ٹکا ہوا اڑتا تھا اس کی آنکھیں جو پپوٹے کی پھرتی سے (جو اصلی تھی یا نہیں اس سے میں واقف نہیں) ستاروں کی طرح سے چمکتی تھیں جس سے یہ رمال دیو معلوم ہوتا تھا کہ ناک پر دو مشعلیں ہیں کہ روشن ہیں۔

مجھ سے اس نے بہت ہی تنگی سے سوالات کیے اور کہا کہ تم مجھ سے اپنی زندگی کے تمام واقعات بیان کرو اور خصوصاً وہ موقع بھی بیان کرو جب تم اصفہان میں واپس آئے ہو۔ تمھارے باپ کے بڑے بڑے ظاہراً دوست کون سے ہیں اور تمھارا شبہہ اصلی کیا ہے غرض جس قدر خاص خاص اور پتے کی باتیں تھیں سب اس نے پوچھ لیں اور اس طرح سے کھود کھود کر دریافت کیا جیسے کوئی طبیب مریض سے کیفیت مرض دریافت کرتا ہے۔

جب میں اس سے ساری باتیں کہہ چکا اور وہ پوری پوری حالت سے واقف ہو گیا تو اب اس نے مجھ سے یہ کہا کہ وہ احاطہ بتاؤ جہاں تمھارا باپ رہا کرتا تھا۔ میری ماں اس دن صبح کو حمام میں نہانے چلی گئی تھی میں موقع دیکھ کر خاص اس کے کمرے میں اسے لے گیا رمال نے مجھ سے یہ کہا کہ تم مجھے اکیلا چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ تاکہ میں کچھ تحقیق و تفتیش کی فکر کروں اور معلوم کروں کہ زر نقد کہاں رکھا ہوا ہے۔ میں باہر چلا آیا رمال پاؤ گھنٹے کے بعد باہر نکل آیا اور کہا کہ جب تک تمھارے والد اور والدہ کے جان پہچان مل کر مکان میں نہ بیٹھیں گے یہ کام نہیں ہو سکتا اور اسی وقت میں اپنا عمل بھی کروں جہاں اکٹھے ہوئے اور میں آیا۔ اب تو میں جاتا ہوں۔

میں نے اپنی ماں سے رمال کی بابت تو کچھ بھی نہیں کہا بلکہ صرف یہ کہا کہ تم ان عورات کو بھی بلا لو جو تم سے دوستی و تعارف رکھتی ہیں اور والد کے دوست آخون اور دربان کو میں خود کہہ آیا کہ کل آپ کی دعوت ہے۔ یہی میں نے اپنی ماں سے کہا کہ سب کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔

جب وہ عین وقت پر جمع ہو گئے تو کھانا وانا کھلانے کے بعد میں نے ان سے اپنی رائے ظاہر کی کہ شاید میرے اس درد اضطرابی کے لیے کوئی مسیحا نکل آئے مگر نہیں سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور صاف انکار کیا۔ جب یہاں سے بالکل امید منقطع ہو گئی اور یہ بات ذہن نشین کر لی گئی کہ اب عقدہ کشائی یوں ہونی مشکل ہے تو ناچار رمال تیز نگاہ نامے کو بلوایا۔ وہ ایک شخص کی ہمراہی میں جس کے ہاتھ میں کوئی چیز رومال میں لپٹی ہوئی تھی آیا۔ عورتوں کو حکم دے دیا گیا کہ سب اپنی اپنی گھونگٹیں ڈال لیں کیونکہ بہت جلد مردوں سے ان کا آمنا سامنا ہو جائے گا۔ اب میں نے رمال سے کہا کہ آپ اپنا عمل شروع کیجیے۔

تیز نگاہ نے پہلے تو سب کی طرف بہت نگاہ ٹھہرا ٹھہرا کر دیکھا لیکن سب سے زیادہ ٹکٹکی باندھ کر آخون کو دیکھتا رہا جب آخون نے دیکھا کہ میری طرف دیکھے جاتا ہے اور پلک جھکاتا ہی نہیں تب تو اس کے ہوش و حواس اڑے اور گھبرا کر بول اٹھا (آنکھیں اور داڑھی نیچی کر کے) اللہ اللہ (اپنے دونوں کاندھوں کی طرف پھونک کر) توبہ۔ خدائے تعالیٰ ارواح خبیثہ سے بچائے اس کی اس حالت پر لوگ خندہ زن ہوئے مگر آخون کو ذرا بھی ہنسی نہیں آئی۔

اس کے بعد تیز نگاہ نے اپنے ساتھی کو آگے بلایا اس نے اس لپٹے ہوئے رومال میں سے ایک پیتل کا پیالہ نکالا جس پر چاروں طرف آیات قرآنی کندہ تھیں اور جو چوری وغیرہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ یہ شخص تیز فہم صرف چند الفاظ سے زیادہ کہنا جانتا ہی نہیں تھا کیا تو یہ کہتا تھا۔ ان اللہ علیم خبیر۔ یا۔ ان اللہ سمیع بصیر۔ یعنی اللہ کو سب کا علم ہے اور سب سے باخبر ہے اور اللہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ پھر یہ پیالہ یا کٹوری تیز نگاہ نے آنگن میں رکھی اور کچھ اپنے کرتب کیے بڑبڑایا بھی اور ہاتھ پیروں سے بھی کام لیا۔

پھر اس تیز نگاہ نے تمام ناظرین سے کہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب یہ کٹوری از خود وہاں چلی جائے گی جہاں مرحوم و مغفور قرب حسین کی دولت مدفون ہے۔

یہ سن کر ہم سب ایک دوسرے کی طرف نظر کرنے لگے کوئی متعجب تھا کسی کو یقین نہ آتا تھا اور کوئی کچھ سمجھتا تھا۔ یہ تیز نگاہ اس کی طرف جھکا اور اس نے اسے ہاتھ سے کچھ ریل کر کے آگے کی طرف بڑھایا اور یہ کہتا رہا کہ دیکھو وہ چلی وہ چلی اب کوئی چیز بھی اسے نہیں ٹھہرا سکتی اب میری رہبری پر چلے گی۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔
ہم اس کے ساتھ ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ حرم کے دروازے پر پہنچی میں نے اندر آنے کے لیے دروازے کو کھٹ کھٹایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا۔ دیکھا کہ کثرت سے عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں اور بہت ہی بے صبر ہیں کہ دیکھیے عجیب و غریب کٹوری کیا سانگ کرتی ہے۔ جب یہ اس دالان کے کونے میں چلنے لگی تو رمال نے ان عورتوں سے کہا جو دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں کہ اس کٹوری کو راستہ دے دو۔ اس پر کمرے کی تمام کھڑکیاں کھل گئیں (رمال کہتا جاتا ہے) راستہ دو دیکھو میری راہنما کو کوئی بھی نہیں ٹھہرا سکتا۔
بار بار میں نے دیکھا کہ کوئی عورت رمال کو آگے بڑھنے سے مانع آتی ہے جب کئی دفعہ مانع آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ میری ماں ہے جو اسے آگے بڑھنے نہیں دیتی یہ دیکھ کے رمال نے نصیحتاً کہا مگر کچھ تلخی سے کہ میرا راستہ صاف کیوں نہیں کرتی۔
رمال۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ اس وقت ہم خدا کا کام کر رہے ہیں۔ انصاف ہو گا اور کیا تم چاہتی ہو کہ انصاف نہ ہو اور برائی ہو جائے۔
غرض وہ اس کونے میں اس کٹوری کی رہنمائی سے پہنچا جہاں یہ تو صاف ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین کچھ کھدی ہے اور یہیں حضرت یہ کہہ کر ٹھہر گئے۔
بسم اللہ آپ سب لوگ میرے ارد گرد کھڑے ہو جائیں۔ اور جو کچھ میں کروں اسے بغور ملاحظہ کریں۔
رمال نے اس زمین کو اپنی چھری سے کھودا اس کی مٹی الگ الگ اٹھا کر رکھی جب بہت کھدی تو چند برتن مٹی کے نکلے اور جگہ اس قدر خالی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں اور بھی برتن مٹی کے رکھے ہوئے ہوں گے۔
رمال۔ دیکھو دیکھو یہاں روپیہ تھا۔ لیکن اس وقت نہیں ہے۔
یہ کہہ کے اس نے اپنی کٹوری کو اٹھا لیا اور اس پر شفقت کرنے لگا اور اس کے چھوٹے چچا اور روح کو بلایا۔
یہ دیکھ کر ہر شخص بہت ہی چونکا اور سب غل مچانے لگے کہ عجائب عجائب اب اس بوڑھے کوزہ پشت پر نگاہیں پڑنے لگیں کہ بھئی یہ تو کوئی اور ہی شخص ہے آدمی تو ہرگز نہیں۔

دربان جو کہ ایسے مشاہدوں اور تحقیقات کا عادی تھا آخر اس دریافت کرنے کی دلیری کر ہی بیٹھا کہ جناب یہ تو بتائیے کہ چور کہاں ہے۔ یہ تو تم نے دکھا دیا کہ یہاں خزانہ مدفون تھا لیکن ہم تو اس شخص کو جس نے خزانہ اڑالیا ہے گرفتار کرنا چاہتے ہیں بس یہی ہماری خواہش ہے۔

رمال۔ بہت نرمی سے۔ اے میرے دوست دربان تو اس قدر جلدی جرم سے مجرم تک جست لگانے کی فکر نہ کر ہر مرض کی ہمارے پاس دوا ہے ہاں اس کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔ پھر اس تیز نگاہ نے اپنی نظر حاضرین پر ڈالی اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے سب کی طرف دیکھ کر کہا مجھے یقین ہے کہ ہر شخص شبہہ سے بالکل صاف ہو گا اور جس کام کرنے کا میرا ارادہ ہے اس کو پسند کرے گا۔ عمل بہت ہی سادہ ہے اور بہت جلد ختم ہو جائے گا۔

البتہ۔ بلے۔ این چہ حرف است ہر شخص کی زبان سے یہ حرف نکلے۔ اب میں نے رمال درویش سے آگے بڑھنے کی درخواست کی۔

درویش نے پھر اپنے خادم کو بلایا اور وہ کٹوری تو اس کے حوالے کی اور اس سے ایک تھیلی لی۔

درویش۔(رمال) اس تھیلی میں کچھ پرانے چاول ہیں تو تھوڑے تھوڑے چاول اس میں سے ہر شخص کو چبانے پڑیں گے۔ دیکھو کوئی صاحب اس کے توڑنے میں پرہیز نہ کریں کیونکہ ابلیس بہت ہی قریب موجود ہے۔

یہ کہہ کر اس نے تھوڑے تھوڑے سے چاول لے کر ہر شخص کے منہ میں بھرے اب وہ اسے چبانے لگے۔ میں چونکہ مستثنیٰ تھا تو مجھ کو یہ چاول نہیں چبانے پڑے مگر میری ماں بھی اس پھیر میں نہیں آئی یکایک درویش کی نگاہ اس پر جا پڑی وہ فوراً بول اٹھا کہ یہ زر نقد تمھارا نہیں ہے جو تم چاول نہیں چباتیں بلکہ تمھارے بیٹے کا ہے۔ ہاں اگر تمھارے خاوند کا مال جاتا تو یہ بات دوسری تھی۔

آخر میری ماں نے بھی پسند کر لیا اور چاول لے کر چبانے شروع کیے اس وقت سب کے جبڑے برابر چل رہے تھے بعض تو یہ دیکھ کر خندہ زن تھے اور بعض اسے ایک سخت اور شدید امتحان سمجھتے تھے۔ اور ان کے چہروں پر گونہ کدورت بھی تھی۔

جب ہر شخص نے چبا چبا کر وہ چاول پر زمین پر ڈالے تو اس وقت فقیر کو بلایا گیا کہ دیکھیے چاول کیا کہتے ہیں۔

سوائے میری ماں اور آخون کے سب بیگناہ ثابت ہوئے کیونکہ آخون نے تو وہ چاول چبائے ہی نہیں تھے اور منہ میں پُپلا رہا تھا۔ جب اس کے تھوکنے کی باری آئی تو اس نے ذرا آواز بدل کر کہا کہ آپ بھی عجیب ہیں مجھ ایسے

بوڑھے کو جس کے منہ میں دانت ہیں اور نہ پیٹ میں آنت یہ چاول چبانے کو دیے ہیں بھلا مجھ سے یہ کب چب سکتے ہیں۔ یہی میری ماں نے کہا کہ میرے دانت ایسے کمزور ہوگئے ہیں کہ مجھ سے یہ سخت چاول نہیں چب سکتے۔ یہ سن کر سب کی نگاہیں دونوں کے چہروں پر پڑنے لگیں اور اب انھیں لوگ اور ہی نظر سے دیکھنے لگے۔ میری ماں ایک زمانہ ساز اور بڑی ہوشیار بڑھیا عورت تھی باآواز بلند یہ کہنے لگی۔ یہ کیا بچوں کا کھیل کر رکھا ہے۔ کسی نے آج تک سنا ہے غضب خدا کا کہ ماں کی اس کا بیٹا یوں سر مجلس بے عزتی کرے اور اس کے علاوہ اپنے پرانے بوڑھے استاد کی۔ شرم شرم شرم معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی چور ہے۔

درویش۔ کیا ہم گدھے ہیں احمق ہیں کہ ہم اس طریقے سے اپنا عمل کرتے ہیں۔ آیا اس کونے میں روپیہ تھا یا نہ تھا۔ آیا دنیا میں چور ہیں یا نہیں۔(میری ماں اور آخون کی طرف اشارہ کرکے) اس عورت اور اس مرد نے نہیں چبائے اور سب نے چبا لیے ہیں۔ شاید یہی سچے ہوں۔ چونکہ یہ ضعیف ہیں اس سبب سے نہیں چبا سکتے ہوں یہ بھلا کون شخص کہتا ہے کہ انھوں نے روپیہ چرا لیا۔ یہ اپنی طبیعتوں میں اس کا بخوبی علم رکھتے ہیں مگر وہ مشہور رمال ہزار فن نامے جو فرس عظیم کو اپنا دلی دوست کہتا ہے اور سیارہ زحل پر اس کا بہت ہی بھروسہ ہے۔ وہ وہ شخص ہے جو بے تکلف جو کچھ آدمی نے پہلے خیال کیا یا جو کچھ اپنی طبیعت میں رکھتا ہے بخوبی بتا سکتا ہے اس کا یہ قول ہے کہ صرف ایسے موقع پر امتحانوں کے لیے چاولوں سے زیادہ کوئی چیز بھی مفید نہیں ہے۔ تو اب اے میرے دوستو یہ تو بہت ہی آسان بات تھی کچھ شیروں کا قتل کرنا تو تھا نہیں کہ تمھارے اندام میں رگ رگ ڈر پھیل گیا اگر تمھیں میرے ہزار فن اور عمل پر کچھ شبہہ ہے تو میرا ارادہ ہے کہ میں دوسرا عمل اس سے بھی زیادہ آسان تمھیں کرکے دکھادوں۔ تمھیں کچھ بھی نہ کرنا پڑے گا صرف تمھارے دماغوں پر کچھ افسوں پڑھا جائے گا اور وہ وہ افسوں ہوگا کہ چور سب کے آگے بڑھ کے کہے گا کہ میں نے وہ زر نقد یا مال و اسباب لیا ہے۔ رات بھر میں اس کونے پر اپنا عمل رکھوں گا مجھے یقین کامل ہے کہ کل علی الصباح اسی گڑھے میں حاجی (میری طرف اشارہ کرکے) اپنا گم شدہ روپیہ پالے گا۔ گو یہ بات عجیب ہے لیکن میں فی مثقال اپنی داڑھی کے بال دیتا ہوں اگر کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی۔

اب یہ اس کونے میں اپنا عمل کرنے بیٹھ گیا۔ لوگوں کی نگاہیں برابر مجھ پر اور درویش پر پڑ رہی تھیں بعض کا تو یہ خیال تھا کہ درویش اور حاجی بہت ہی نابکار اور نالائق ہیں اور بعض کا خیال میری ماں اور آخون کی طرف جاتا تھا۔

سب لوگ پھر رخصت ہو گئے ان میں سے بہت لوگوں نے وعدہ کیا کہ ہم مقررہ ساعت پر صبح کو آئیں گے کہ دیکھیں فقیر نے کیا کرتب کیا۔

چوتھا باب

درویش کا اپنے عمل میں کامیاب ہونا اور حاجی بابا کا اس سے نتیجہ پیدا کرنا

اگر اس وقت میرے دل کی کوئی حالت پوچھے تو میں اپنے روپیے سے ناامید ہی ہو چکا تھا مجھ کو یہ امر بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا کہ میں اس بازیچہء طفلاں سے اتنی رقم کثیر پر کامیاب ہو جاؤں گا۔ مگر خوش قسمتی سے رمال کے عمل نے وہ مقام بتا دیا جہاں روپیہ رکھا ہوا تھا اب مجھ کو دو صورتوں پر شبہہ ہوا کیونکہ بجز ان کے کسی کا بھی کام نہیں تھا اسی وقت تو وہ اپنا عمل ول کر کرا کر چلتا بنا۔ صبح کو رمال مع بوڑھے دربان اور سب ان لوگوں کے جو روز گزشتہ آ چکے تھے اسی مقام پر آیا آخون صاحب ندارد تھے اور نیز میری ماں بھی کسی مریض کی عیادت کے بہانے چلتی بنی تھی ہم سب اس عملی پشتہ کے پاس مع درویش کے پہنچے۔ درویش نے بڑی عزت اور تپاک سے پڑھ پڑھا کر اس پشتہ کو کھودنے کا ارادہ کیا۔

درویش۔ اب ہم دیکھیں گے کہ آیا جن اور پریوں نے شب کو اپنا کام پورا کیا یا نہیں۔ بسم اللہ کہہ کر اس پشتہ کھودا۔ جب کچھ مٹی کھد گئی تو ایک بڑا پتھر معلوم ہوا۔ جب یہ پتھر ہٹایا گیا تو ایک بیگ ولایتی ٹاٹ کا کھچا کھچ بھرا ہوا نکلا۔ سب کو اسے دیکھ کر تعجب ہوا لیکن مجھے جس قدر خوشی ہوئی ہے اس کا کیا عالم پوچھتے ہو۔

درویش۔ اے میری روح اے میرے دل (بیگ کو پکڑ کر) دیکھو اے حاضرین جلسہ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ اپنی داڑھی کا ایک بھی بال ضائع کروں۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔ اے حاجی (میرے ہاتھ میں دے کر) جاؤ اور شکر کرو کہ تمھاری ملک تمھیں مل گئی۔ دیکھو میرا حق سعی نہ بھولنا۔

جب میں اس بیگ کو لے کر اس کی مومی مہر کھولنے لگا تو سب لوگوں نے مجھے گھیر لیا کھولتے ہی اول میرے باپ کی مہر نکلی۔ میں یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ مگر یہ خوشی میری صورت غم میں دم بھر میں بدل گئی۔ جب میں نے بجائے اشرفیوں کے روپیے دیکھے۔ یہ تعداداً پانچ سو تھے۔ ان میں سے میں نے پچاس لے کر اس پونجی پیدا کرنے والے کو دیے۔

میں۔ لیجیے حضرت خدا کرے تمھارا گھر بھرا پرا رہے۔ اگر میں امیر ہوتا تو کچھ اور بھی زیادہ دیتا گو یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جو کچھ میرے والد کی پونجی تھی اس کا تو یہ بہت ہی تھوڑا حصہ ہے مگر میں پھر آپ سے یہ کہتا ہوں کہ خدا آپ کو بھرا پرا رکھے اور اس کے ساتھ میں نے بہت ہی شکریے کیے۔

یہ لے کر درویش مطمئن خاطر ہو گیا اور خوشی خوشی لے کر چل دیا۔ درویش کے جانے پر اور لوگ بھی سب کے سب چلے گئے مگر صرف میں اور بوڑھا دربان رہ گیا۔

بوڑھا دربان۔ دیکھو میں کہتا نہ تھا کہ یہ رمال بہت ہی چلتا ہوا ہے دیکھیے اس نے آپ کے گم شدہ زر نقد کو نکال دیا یا نہیں۔ کیوں کیسی تعجب انگیز بات ہے۔

میں۔ ہاں بیشک یہ بہت ہی تعجب انگیز بات ہے۔ مجھے تو ہر گز یہ خیال ہی نہیں تھا کہ اس کے عمل کوئی نتیجہ پیدا بھی کریں گے۔

مجھے تو اب بھی صبر نہیں آیا کیونکہ میرے دل میں تو یہ خیال تھا کہ اس کا روپیہ بہت تھا یہ تو کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا ہے گو چمکتا ہوا ڈھیر میرے آگے رکھا ہوا تھا لیکن میں نے بوڑھے دربان علی محمد کے آگے پھر اپنی شکایتیں شروع کیں کہ میں نے تو اپنے باپ کی پونجی میں سے کچھ بھی تو نہیں پایا۔ میں تو عدالت میں ضرور ہی اس مقدمے کو لے جاؤں گا۔ جب مجھے یہ پانچ سو روپیہ اپنے باپ کی ملک کے پہنچے تو باقیماندہ جو روپیہ ہے وہ بھی از خود میرا حق ہوا اور اس امر کو تم بھی بخوبی جانتے ہو کہ میرا باپ بہت ہی روپیہ والا تھا۔

نصیحت گوش کن جانان کہ از جان دوست تر دارند

جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

جو کچھ تجھے مل گیا ہے بس اسی کو اپنی گرہ میں رکھ اور شاد رہ۔ اول ہی جب تم قاضی کے پاس جاؤ گے تو پہلی بات تمھیں کیا کرنی پڑے گی کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے سب وہ رکھوا لے گا تو پھر لعنت ہے کہ ایک موہوم ملک پر ہاتھ سے رقم کھو دینی۔ یہ تو اس کا تم یقین کامل ہی کرو کہ چار سو پچاس روپے جو اس وقت تمھارے پاس ہیں وہ تشریف لے جائیں گے اور اس قدر فریق ثانی کے بھی خرچ ہوں گے اور پھر قاضی یہ کہہ دے گا۔ جاؤ باہم صلح کر لو۔ باہم جھگڑ کر شہر کو تکلیف و مصیبت میں نہ ڈالو۔ تمھیں تو اتنی مدت دنیا میں رہتے ہوئے گذر گئی کیا تم نے یہ مشہور قول بھی نہیں سنا۔

”ہر شخص کے دانت کھٹاس کھانے سے بیکار ہو جاتے ہیں مگر صرف قاضی کے دانت ہیں جو مٹھاس سے بیکار ہوتے ہیں۔“

غرض بڑی بحثم بحثا کے بعد میں نے علی محمد ہی کی رائے پر عمل کیا کیونکہ مجھ کو یہ خیال آیا کہ فرضاً باللہ میں نے اپنے استحقاق حاصل کرنے کے لیے تحریک بھی کی تو دقت تو یہی آکر واقع ہو گی کہ صرف میری ماں اور آخون صاحب ملزم گردانے جائیں گے۔ تو یہ بہت ہی سخت برائی کا باعث ہو گا اور لوگ میرے دشمن بن جائیں گے۔ چاروں طرف سے پھٹ پھٹ پڑے گی کہ دیکھو حاجی نے اپنی مامتا بھری ماں اور اپنے پرانے استاد آخون سے کیا سلوک کیا ہے پھر جان بچانی بھی مشکل ہو گی۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس قدر میری چیزیں اصفہان میں ہیں ان کا میں بخوبی بندوبست کر لوں اور پھر یہاں سے نکل کر چلا جاؤں اور جب تک کہ میری حالتیں درست نہ ہو جائیں ہر گز واپس ہو کر نہ آؤں۔ یہ شہر مجھے پھر کبھی بھی جانے کے بعد نہ دیکھے گا ہاں جب تک کہ میں اس کا حاکم بن کر نہ آؤں گا۔

جب یہ بیہودہ تقریر میرے دل میں سمائی تو مجھے کچھ اس کا بھی خیال آ گیا کہ حاجی تیرے کیا اچھے ستارے تھے اور تو کیسا خوش قسمت تھا کہ تیرے ہاتھ یہ بھی رقم لگ گئی ورنہ توبہ توبہ پتہ بھی نہ لگتا۔

میری رضامندی اور رائے سن کر علی محمد بہت ہی خوش ہوا۔ اور اس کو زیادہ خوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بھی ایک لڑکا نائی تھا تو اس کی یہ غرض تھی کہ جب حاجی بابا اصفہان سے چلا جائے گا تو وہ دکان جس میں میرا مظلوم و غریب باپ بیٹھ کر بہت کامیابی سے اپنی روزی پیدا کرتا تھا اس دکان پر بیٹے کو بٹھاؤں کیونکہ وہ دکان کاروانسرائے کے نکڑ پر ہی تھی اور وہاں آمد بہت ہوتی تھی۔

اس نے یہ تجویز پیش کی کہ تم اپنے یہ کل اوزار وغیرہ میرے پاس چھوڑ جاؤ میں نے یہ منظور کر لیا اور جس قدر سامان تھا سب اس کے حوالہ کر دیا۔

اب اپنے باپ کے گھر اور اسباب پر میں نے نظر کی گو مجھے میری ماں کا مجھ سے یوں آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا اور ایسی بے الفتی سے پیش آنا بہت ہی کھٹکا تھا مگر پھر مجھے یہ خیال ہوا کہ لوگ کیا کہیں گے بہتر ہے کہ نیک نام ہی ہونا چاہیے تو میں نے خود مکان اور جس قدر کہ مکان کا سامان تھا سب اپنی ماں کو بے کم و کاست دے دیا جس اسباب کا میں اصلی مستحق تھا۔

یہ سب باتیں باہم پسند خاطر ہو گئیں اور پھر ختم بھی ہو گئیں۔ اب میں نے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ اپنی دکان کے عوض میں بوڑھے دربان سے پانچ سو اطالیہ کے سکے چاندی کے لیے یہ شخص علی محمد نامی بھی بہت بڑا جوڑنے والا اور روپیہ کا جمع کرنے والا تھا اس کو ہر شخص نے یہی صلاح دی کہ یہ دکان ایسے موقع پر آکر واقع ہوئی ہے کہ اس میں برابر دولت اُمڈی چلی آتی ہے اس میں جو کوئی بیٹھے گا واقعی اس کا بہت بڑا کام پھیل سکتا ہے اس وقت میرے پاس ایک سو دس اشرفیاں سب ملا ملو کے ہو گئیں۔ تانبے کا جس قدر سکہ تھا اس کو میں نے روپیوں سے بدلوا لیا کیونکہ راہ میں اتنے وزن کا لے جانا یہ بہت ہی دقت تھا۔ کچھ روپے کے تو میں نے کپڑے خریدے اور ان میں سے کچھ روپیوں کا ایک خچر لیا کیونکہ اسباب کے لیے خچر کا ہونا ضرور تھا۔ فطرت کی ایک بہت بڑی ردو قدح کے بعد میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ صاحب شمشیر نہ بنوں بلکہ صاحب قلم بننے کو میں نے اس پر ترجیح دی تھی۔ گو صاحب شمشیر بھی میں بہت ہی رہا لیکن اپنی بد قسمتی اور نصیبے کی گردش سے جو میں کوم میں چلا گیا تھا وہاں مجھ پر اس صحبت نے اپنا جلوہ کیا تو اب میری طبیعت کا پیشہء قلم کی طرف بہت ہی رجحان معلوم ہوا میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے اب یہ صورت سزاوار نہ ہو گی کہ میں ہر طرح مسلح بنوں کہ ایک طرف شمشیر آویزاں ہو۔ کمر میں دو پستول گھڑسے ہوں۔ پیٹھ پر قرابیں پڑی ہوئی ہیں نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ پہلے کی طرز پر اپنی ٹوپی بھی ایک طرف سر پر بانکوں کی طرح سے رکھوں اور میرے کانوں پر بل کھاتی ہوئی میری زلفیں آویزاں رہیں۔ بجائے پستولوں کے تو میں ایک گڈا کاغذوں کا اپنی کمر میں گھڑسوں گا اور بجائے کارتوسوں اور توشدان کے بکس کے میں اپنے پہلو میں قرآن شریف لٹکاؤں گا۔ علاوہ اس کے میں اب کبھی پنجوں کے بھل نہیں چلنے کا اور نہ رفتار کے وقت اینٹھوں گا اور نہ سینہ تانوں گا اور نہ اپنے کاندھوں کو آگے کی طرف کروں گا۔ اور نہ چلتے وقت اپنے ہاتھ آگے پیچھے ہلاتا ہوا چھل قدمی کروں گا۔ غرض وہ باتیں سب اڑادوں گا کہ جب میں افسر جلاداں کا سب یا ماتحت ڈپٹی تھا اور اس وقت یہ باتیں کرتا تھا۔ نہیں بلکہ آئندہ یہ ہو گا کہ چلتے وقت گردن جھکی ہوئی ہے سر خم ہے۔ نظریں زمین پر پڑ رہی ہیں۔ ہاتھ پیٹی کے آگے پڑے ہوئے ہیں یا عمود کی طرح سے دونوں میرے پہلوؤں میں آویزاں ہیں اور میرا پیر بہت ہی سہولیت میں ایک کے بعد ایک اٹھے گا کہ کسی قسم کی تیزی اور پھرتی اس سے آشکارا نہ ہو گی۔ شاید اگر کوئی موقع پڑے تو میں کوئی بیوقوفانہ بات کہہ سکوں۔ کیونکہ جب کوئی بات ایک متین اور فروتن صورت سے نکلتی ہے جو وہ چاہے بیوقوفی کی کیوں نہ ہو لیکن جب بھی ایک عقلمندی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ ملاؤں کی طرح سے

سر پر ایک عمامہ شال کا باندھوں گا۔ اور خصوصاً اس عمامہ کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں نکلتی ہوں اور ہر دم صدائے اللہ ہو۔ اور اللہ اکبر آتی ہو پھر تو اور بھی اس عمامہ کی عزت بڑھ جائے گی۔ اور جس وقت میں سکوت اختیار کروں گا اور زبان کو بند کروں گا تو خواہ مخواہ عقلمند ہی عقلمند معلوم ہوں گا۔
علاوہ اس کے میں لکھ بھی سکتا ہوں اور جو طریقہ کہ میں نے پسند کیا ہے اس سے لکھنے میں بھی مجھے کامل مہارت پیدا ہو جائے گی اور وہ طریقہ یہ تھا کہ قرآن شریف کی نقل کر ڈالوں جس سے علاوہ خط صاف ہونے کے اسلامی دنیا کے نزدیک میری عزت بہت ہو گی۔
اس خوض و تصور میں جب میں نے اپنا وقت صرف کیا تو اب مجھے یہ بھی خیال آیا کہ اس امر کو بھی طے کرنا چاہیے کہ میں اصفہان سے کس طرف روانہ ہوں۔ تو اب میں نے یہ ارادہ کیا کہ کوم مجتہد کے پاس چلنا چاہیے کیونکہ جو کچھ یہ حال ہوا ہے سب اسی کا طفیل ہے اور یقیناً وہ بطور کاتب کے کسی ملا کے پاس مجھے رکھوا دے گا جس سے اس منزل کا راستہ معلوم ہو جائے گا جہاں میرا اس وقت قدم اٹھانے کا ارادہ ہے دوسرے جس وقت کہ میں کوم کے قید خانے سے روانہ ہوا تو ایسے اجڈ پن اور گنوار طریقے سے بھاگ کر آیا کہ اس کو صورت بھی نہیں دکھائی حالانکہ اور کچھ نہ تھا تو اس کی عنایتوں کا شکریہ تو واجب بلکہ اوجب تھا اب گویا مجھ پر اس کی شکر گزاری کا بھی تو ایک قرض ہے جو ادا کرنا فرض ہے۔ اور میں نے دل میں یہ بھی خیال کیا کہ ضرور اس کے لیے یہاں سے کچھ بطور تحفہ کے بھی لے چلوں تاکہ اسے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ شخص بہت ہی احسان فراموش ہے۔
پھر وہی خیال ایک جانماز پیش کرنے کا میرے دل میں آیا کیونکہ میرے خیال میں اس کے لیے اس سے بہتر کوئی تحفہ ہی نہ تھا۔ بہت ہی خوبصورت میں نے خرید لی اور تہ کر کے خچر کے پیچھے باندھ دی۔ چلو اس سے چھٹی پائی۔
اب میں گویا تقریباً پورا پورا تیار ہو گیا تھا۔ اور میں اپنے سفر کے لیے پورم پور مستعد تھا۔ اس وقت میں نے اپنی یہ صورت دیکھ کر ذرا بہت ہی دل میں تعریف کی کہ میں تو بالکل ایک جید یا کٹا ملا معلوم ہوتا ہوں۔ میں نے اپنے لیے کوئی لقب مقرر نہیں کیا اور اس کو صرف مختلف حالتوں پر چھوڑ دیا لیکن میرا بچپنے کا نام حاجی جو ایک معقول نام اور خصوصاً اس شکل کے لیے وہ گویا پورا پورا پھبتا تھا کافی تھا۔ پھر اور نام کی حاجت ہی کیا تھا۔
ہاں ایک فرض ابھی مجھے پورا کرنا اور بھی رہ گیا تھا۔ یعنی اپنے والد مرحوم کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کی ادائی پہلے تو میں نے اسے بہت ہی شدید اپنے اوپر خیال کیا کہ بھلا میرے پاس اتنی سی پونجی اور میں ہی تجہیز و تکفین

کا قرضہ چکاؤں۔ بہتر ہے کہ چپ چپاتے اصفہان چلا جاؤں تا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو اچھا جب میں چلا جاؤں گا تو ضرور ہے کہ اس کا بوجھ میری ماں اور آخون پر پڑے گا اور جو بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔

مگر میرے عمدہ خیالات اور صفائی قلب نے یہ گوارا نہ کیا کہ لوگ مجھے بعد میں پدر سوختہ کے نام سے یاد کریں۔ میں ہر ایک شخص کے پاس گیا کہ جس کا دینا واجب تھا۔ یعنی ملاؤں۔ واویلا وبکا کرنے والوں اور مردہ شوؤں۔ اور جو کچھ ان کو دینا تھا بطیب خاطر کوڑی کوڑی ادا کر دی۔

پانچواں باب

حاجی بابا کی ماں سے مفارقت اور ایک مشہور فاضل اجل کا کاتب ہونا

بغیر کسی اور صدمے کی میں اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہوا اور نہ میری ماں نے مادرانہ الفت و محبت سے میرے جانے پر کچھ افسوس کیا۔ میری ماں کے لیے اس کی تدابیر تھیں اور میرے لیے میری تھیں۔ نہ وہ میری محتاج تھی اور نہ میں اس کا تھا۔

دن نکلنے پر میں اپنے خچر پر سوار ہوا اور آفتاب جب تک نصف النہار تک ہو کر گذرے میں نے بہت کچھ کوم کا راستہ طے کر لیا تھا۔ میں نے اپنے سفر میں بہت ہی کم تساہل کو کام فرمایا گو کاشان میں کچھ دیر قیام سے مجھے بہت ہی دلچسپی ہوئی اور ہر چند اور بھی دل چاہا کہ یہاں قیام کروں لیکن پھر بھی پھرتی کر کرا کر میں نو دن میں کوم جا پہنچا۔

میں شہر کوم کی چھوٹی سی سرا میں اترا۔ اور میں نے اپنے خچر کو پوری طرح سے لدا پھندا پایا میں نے ارادہ کیا کہ نذرانہ لے کر مجتہد کے مکان پر چلوں۔ اس کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا تھا ڈیوڑھی پر نہ کچھ شوکت اور عظمت جتانے کے لیے پہرا تھا اور نہ اور کچھ سامان تھا جو فارس میں بڑے بڑے آدمیوں کی ڈیوڑھیوں پر ہوتا ہے مع اپنے جوتوں کے میں نے دروازے پر اپنی دری چھوڑ کر قدم رکھا۔ ایک کونے میں یہ نیک شخص بیٹھا ہوا تھا اس نے مجھے پہچان لیا اور میرے آنے پر مبارکباد دی پھر مجھ سے بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ میں بہت ادب سے بیٹھ گیا۔ مگر بچھے ہوئے غالیچے کے کونے سے پیر آگے نہ بڑھے تھے۔

مجتہد نے مجھ سے اس زمانے سے جب میں کوم سے روانہ ہوا تھا اب تک کے کل حالات دریافت کیے میں نے حرف بحرف جو کچھ مجھ پر آ کر واقع ہوا تھا سب سنا دیا کیونکہ میری قسمت کی تاریخ سے اسے گونہ دلچسپی تھی۔

مجتہد نے کچھ دیر تامل کر کے مجھ سے یہ کہا۔ علی الصباح طہران سے ایک قانونی مشہور شخص ملا نادان کا خط میرے پاس آیا ہے ان کو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہے جو نصف تو کتابت کا کام کرے اور نصف خدمت کرے تو ایسے شخص کو ملا ناداں آپ ہی اس کام میں جتنی ضروری چیزیں ہیں ان کی پورے طور سے تعلیم کر دے گا۔

یہ سن کر میرا دل مارے خوشی کے اور کئی انگل بڑھ گیا۔ میرا خاص یہی خیال تھا جب میں گھر سے روانہ ہوا تھا۔ اور پھر وہی شے بطور پیشکش کے از خود میرے روبرو پیش کی جائے تو پھر کیوں نہ خوشی ہو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک دفعہ نصف ملا بن جاؤں پھر کیا ہے پورا بننا تو بہت ہی سہل ہے۔

میں نے بغیر ایک بھی لمحہ کے تامل کے ان سے صاف اپنی خواہش ظاہر کی کہ آپ اس ملازمت کے لیے میری سفارش کر دیجیے اس نے اقرار کر لیا اور اسی وقت اپنے ہاتھ سے ایک خط اس نے ملا نادان کو لکھا۔ وہ خط لفافہ میں بند بھی نہیں کیا یوں لپیٹ لپٹا کر مجھے دے دیا۔ ہاں اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور وہ خط مجھے دے کر کہا کہ تم ابھی طہران چلے جاؤ اس میں شبہہ نہیں کہ وہ جگہ خالی ہو گی اور ملا نادان تمھیں اس جگہ پر مقرر کرنے کے لیے راضی ہو گا۔

میں اس قدر خوش ہوا کہ میں نے اس نیک شخص کے ہاتھ چومے اور اس کے جامہ کے دامن کو بوسہ دیا اور ہزاروں لاکھوں شکریے اور احسانات گوناگوں کی ممنونی ظاہر کی اور کہا "شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو" میں نے بہت ادب سے عرض کیا کہ پہلے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور پھر بہت ہی عاجزی سے جانماز پیش کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ میرا آقا اپنے غلام کی دلدہی کے لیے اسے قبول کرے گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جب تک یہ حضور کے برتنے میں رہے گی حضور ہرگز مجھے نہ بھولیں گے۔

مجتہد۔(بہت ہی مہربانی سے) خدا کرے حاجی تمھارا گھر ہمیشہ بھرا پرا رہے میں تمھارا بہت ہی مشکور ہوں کہ تم نے مجھے یاد تو رکھا اور یہ تحفہ خوشی خوشی میرے پاس لائے۔ اچھے پاک مسلمان ہو۔ ہمیشہ کفار کے خلاف دست بشمشیر رہو اور بدکاروں کو سنگسار کیا کرو اور تم حاجی شاد رہو کہ اس طرح سے تحفہ لانے سے تم ہمیشہ میری یاد میں رہو گے اور میں تمھیں کبھی فراموش نہیں کرنے گا۔

پھر میں نے پیشکش حاضر خدمت کی وہ لے کر بہت خوش ہوا اس کے بعد میں مرخص ہو کر اپنی کاروانسرا میں آیا کہ جہاں تک جلدی ممکن ہو میں دارالخلافہ کی طرف رخ کروں میں نے خود اپنے کو اتنی فرصت بھی تو نہیں دی کہ اپنے پرانے دوست سے کوم (قم) میں ملتا یا اپنے مقبرے میں ناخوش کوٹھری کو دیکھتا۔ میں نے کاروانسرا میں آتے ہی اپنے خچر کو کسا اور اسی شب کو طہران کی طرف روانہ ہوا۔

شام کو میں طہران پہنچا۔ تا کہ مجھے وہ مقام نہ ملے جہاں مظلوم خون آلود زینب مدفون تھی میں سیدھا بلند سڑک پر ہو کے شہر میں کیسپین دروازے سے داخل ہوا۔ میں اس امر سے بہت ہی خوش ہوا کہ مجھ کو دروازے پر پہرہ دینے والوں نے ذرا بھی نہیں پہچانا کیونکہ اگر وہ پہچان لیتے تو بیشک بہت ہی چونکتے۔ لیکن واقعی یہ کچھ تعجب انگیز بات نہیں تھی کہ ایسا خونخوار دل کڑا جلاد ایک عاجز اور مظلوم مجاور یا پجاری یا ملا بن جائے گا۔ جیسی کہ اب میری حالت تھی۔ میں بہت دلیری سے طہران کے بازاروں میں آیا اور شہر کے بہت ہی مشہور مقام میں میرا گذر ہوا۔ جہاں پہلے صرف میرا چہرہ دیکھا گیا تھا۔ میں بہت ہی خوش ہوا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہر شخص مجھے بھول گیا۔ میں نے اپنا سیدھا رخ ملا نادان کے مکان کی طرف کیا۔ ملا نادان ایک مشہور و معروف شخص تھا اس کا مکان بخوبی ہر شخص جان سکتا تھا لیکن دوسرا خیال اپنے آرام اور راحت کا میری طبیعت میں یہ آیا کہ بہتر ہے پہلے ایک چھوٹی سی کاروانسرا میں ٹھہروں جو میرے پہلے مالک کے مکان کے پاس ہے اور بہت دن چڑھے ملا نادان کے مکان پر چلوں کیونکہ میرا یہ بھی خیال تھا کہ شب کو میری صورت و شکل کچھ اچھی طرح معلوم نہ ہو گی اپنے خچر کی پوری نگہداشت کر کے میں سناٹے میں سویا کہ سفر کی تکان تو اتر جائے۔ صبح اٹھتے ہی میں حمام میں گیا۔ وہاں خوب نہایا دھویا اپنی داڑھی درست کرائی اور ہاتھ پیروں میں حنا ملی۔ اور اب اپنی صورت دیکھ کر مجھے امید ہوئی کہ حاجی تو کامیاب ہو جائے گا۔

ملا نادان کا مکان شاہی مسجد اور شتر خانے کے قریب واقع تھا اور بازار میں داخل ہوتے ہی معلوم ہوتا تھا۔ مذکورہ بالا مسجد کے دروازے سے اس میں راستہ جاتا تھا اور دوسرا دروازہ شاہی کھائیں کی طرف کھلا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک بہت ہی کمینہ مقام تھا۔ اس لیے کہ جونہی کورٹ کے احاطے میں قدم رکھو تو سامنے کی جگہ صاف اور چھڑکاؤ کی ہوئی معلوم ہو گی کچھ دری وغیرہ کا سادہ فرش بھی کیا ہوا ہو گا لیکن جب اس کمرے کی طرف نظر پڑتی تھی جو اس کے اندر بنا ہوا تھا۔ گو اس میں صرف سفیدی پھری ہوئی تھی اور ایک جوڑا دری وغیرہ کا بچھا ہوا تھا۔ مگر مجموعی صورت سے افلاسی کے آثار معلوم ہوتے تھے۔

اس کمرے میں ایک شخص مرضین شباہت کا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر اتنا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ اس گھر کا مالک ہے لیکن مجھ سے غلطی ہوئی۔ مکین تو اپنے اندرون میں تھا لوگوں نے کہا کہ وہ ابھی آتے ہوں گے۔

ذرا اپنے کو ایک خادم سے زیادہ ادنیٰ ظاہر کرنے کے کو میں نیچے بیٹھ گیا اور میں اس شخص سے جو وہاں بیٹھا ہوا تھا باتیں کرنے لگا۔ اس نے چاہا کہ مجھ سے یہ دریافت کرے کہ ملانادان سے تیرا کام کیا ہے۔ لیکن وہ مجھ سے اچھی طرح اس کا پتہ نہ لگا سکا۔ اگرچہ اس نے نہایت ہی متعجبانہ اور حیرت انگیز سوالات مجھ سے کیے۔

شخص۔ تم معلوم ہوتا ہے نئے نئے طہران میں آئے ہو۔

میں۔ ہاں حضور والا۔ بجا درست ہے۔

شخص۔ تم کچھ دن یہاں قیام کروگے۔

میں۔ یہ کچھ ٹھیک نہیں بتا سکتا۔

شخص۔ (کچھ دیر تامل کرکے) یہ شہر کچھ ایسا سست ہے کہ اس میں تو ایک ہفتہ بھر بھی بیکار رہنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ شہر تو خوشیوں کا بھرا ہوا ہے اگر یہاں کوئی خدمت مل گئی پھر کیا ہی مزے ہیں اب جیسے میں ہوں کہ خوب کیفیت اڑاتا ہوں۔

میں۔ آپ کی عنایتیں کبھی کم نہ ہوں میرا کام تو صرف ملانادان سے ہے۔

شخص۔ مجھ میں اور ملانادان میں کوئی فرق بھی نہیں۔ جو کچھ کام تمھارا ہو وہ میں بھی نکال سکتا ہوں اور الحمدللہ تم اپنے دل کی مرضی کے موافق اسے راست پاؤ گے۔ ہمارے اختیار میں سب قسمیں بھی ہیں اور ہر طرح کی قیمت بھی ہے۔

میں۔ جناب میں سوداگر تو ہوں نہیں۔

شخص۔ یہاں تاجر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ کیا کافی نہیں ہے کہ تم ایک آدمی ہو اور پردیسی ہو تمھیں معلوم ہو گا چاہے ایک سال۔ ایک مہینہ۔ ایک ہفتہ۔ ایک دن۔ نیز ایک گھنٹہ بھی تم نے اپنا وقت بہت ہی پسندیدگی سے گذارا۔

میں اس کی اس عاجزانہ تقریر سے بہت ہی حیران ہوا اور میرا ارادہ ہوا کہ میں اس سے یہ التجا کروں کہ آپ ذرا اس سے مجھے واقف کردیں کہ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ملا خود آموجود ہوئے۔

یہ شخص نہایت ہی خوبصورت جوان اور لانبے قد کا تھا۔ اور تقریباً چالیس برس کی عمر ہو گی۔ سیاہ چمکتی ہوئی گھندار داڑھی تھی اور دو آنکھیں بہت ہی تاباں اور روشن معلوم ہوتی تھیں سفید ململ کا عمامہ سر پر بندھا ہوا تھا اور ایک

عراقی یا عربی چغہ پہنے ہوئے تھا کہ جس پر آگے پیچھے کاندھوں یعنی مداخل و مخارج سفید سوتی کام کی پٹی لگی ہوئی تھی گو اس کی مجموعی ہیئت پر سپہ گری خوب پھبتی تھی اور شرعی کپڑے زیادہ زیب نہ دیتے تھے۔ لیکن برخلاف اس کے اس کے چہرے پر ذرا کچھ بردباری اور فطرتی مادہ بہت پایا جاتا تھا مگر اس مادہ میں ایک تہ خوش طبعی کی بھی برابر جھلک رہی تھی۔

اس کے آتے ہی میں اٹھ بیٹھا اور فوراً وہ رقعہ جو مجتہد نے مجھے دیا تھا اس کے آگے پیش کیا اور رقعہ دے کر پھر بھی میں کھڑا ہی رہا۔ جب اس نے رقعہ لے کر کھولنا شروع کیا تو کبھی تو میری طرف سر تا پا دیکھتا تھا اور کبھی رقعہ کی طرف۔ اور وہ حیران تھا کہ دیکھیے یہ کہتا کیا ہے۔ مگر جونہی اس کو کھول کر پڑھا اور مجتہد کی مہر دیکھی۔ نہایت ہی خوش و مسرور ہوا اور مجھ کو خندہ پیشانی سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

ملا نادان۔ مبارک ہو۔ کہو ہمارے قبلہ و کعبہ جناب مولانا مقتدانا مجتہدنا کی طبع مبارک کیسی ہے۔

میں۔ حضور بہت ہی اچھی طرح سے ہیں۔

ملا نادان کو مجتہد سے دلی عقیدت تھی۔ بہت ہی توجہ سے مجتہد صاحب کے رقعہ کو تو پڑھا لیکن اپنی مرضی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پھر ملا نادان نے بہت ہی معذرت کی اور اس امر کی معافی مانگی کہ میرے پاس آپ کے پیشکش کرنے کے لیے قلیان نہیں۔ اور سبب یہ ہے کہ میں تماکو نہیں پیتا۔ ہم لوگ جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی خاص ودیعت عنایت کی یعنی سچا دین۔ تو اس لیے ہمارے ہاں جس قدر دنیاوی عیش و نشاط اور مسکرات کی چیزیں ہیں سب حرام ہیں۔ ہمارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروان دین سے ہدایت کی ہے کہ جس قدر نشیلی چیزیں ہیں سب حرام ہیں۔ مگر تماکو جو تمام ایران میں اسی طرح سے شدت جاری ہے جیسے ٹرکی میں لیکن مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ قوت مدرکہ کو یہ تیرہ و تار کرتا ہے اس لیے میں نے اسے بھی چھوڑ دیا ہے۔

غرض وہ یونہی بڑی دیر تک اپنے روزہ رکھنے کفارہ دینے اور اپنی ریاضت کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح سے یہ کہتا ہے یوں زندگی کی کیفیت اڑاؤں اور جو ارادہ پہلے ہوا تھا کہ مولویانہ زندگی بسر کروں وہ خیال جاتا رہا۔ جب میں نے اس کی صورت دیکھی کہ سرخ و سفید بن رہا ہے جسم ہے کہ اٹھا آتا ہے بازو خوب بھرے ہوئے ہیں سینہ ابھرا ہوا ہے میں نے اپنی اس امید سے ڈھارس بندھوائی کہ یہ اپنی شریعت میں بہت توضیح کے ساتھ غلو رکھتا ہوگا اور شاید مجھے بھی ایسا مکان دستیاب ہو جائے کہ جیسا ملا نادان کے پاس تھا۔ دو

کمرے تھے ایک تو دربار عام کے لیے اور ایک وہ کمرہ تھا جس میں وہ تنہا کیفیت اڑایا کرتا تھا۔ اور یہ کمرہ مکان کے اندر کی طرف بنا ہوا تھا۔

چھٹا باب

ملا نادان کا دولت پیدا کرنے کی نئی تدبیر بیان کرنا

جب میں اور صرف ملا نادان رہ گئے اور وہ شخص مجاور جس سے میری پہلے باتیں ہوئی تھیں اٹھ کر چلا گیا تو ملا نادان نے وہ خط اپنی چھاتی پر سے نکالا اور کہا کہ ایسی اچھی سفارش پر میں نے تمھیں اپنی ملازمت پر رکھنا بہت ہی خوشی سے منظور کیا۔ پھر اس نے میری خاص خاص کچھ لیاقت و قابلیت کی بابت حالات پوچھے ان کا میں نے اس کو جواب اس عمدگی سے دیا کہ وہ مطمئن خاطر ہو گیا۔

ملا نادان۔ مجھے تم جیسے شخص کی مدت سے تلاش تھی لیکن اب تک مجھے کامیابی نہیں حاصل ہوئی تھی جو شخص ابھی اٹھ کر گیا ہے یہ میرے چند فرائض میں میری مدد کرتا رہتا ہے۔ لیکن یہ ہرگز میرے مطلب کا نہیں کیونکہ ناپاک بہت ہے مجھے تو ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کی نظر میرے فوائد پر ایسی ہو جیسے اس کی اپنے فوائد پر ہو وہ شخص بطمانیت میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہے اور جس قدر کہ اس کے قابل ہے اس سے بھی زیادہ مزا پائے گا۔

میں۔ گو میں نے بہت کچھ دنیا کا دیکھا ہے لیکن میں امید دلاتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے کام اور خدمت میں ایماندار پائیں گے۔ اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ میں اپنے فرائض کس طرح ذہن نشین کرتا ہوں اور اس کے بجالانے کے لیے کیسا مستعد ہوں۔ جب میرے دل میں یہ آیا کہ نئی زندگی کے میدان میں بھی قدم زن ہوں تو میں سیدھا مجتہد صاحب کی خدمت میں چلا گیا انھوں نے مجھے اس قدر تعلیم کی اور میرے دل کو دنیاوی کدورتوں سے ایسا صاف کیا کہ اب میں گویا سچے مسلمان کا ایک آئینہ بن گیا۔

ملا۔ خوش ہو کر۔ تو اب اے حاجی تم خیال کرو کہ میں خوش قسمتوں میں ایک خوش قسمت ہوں کیونکہ میں محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سچے پیروانوں کی ایک مثال ہوں۔

غرض کہ میں متواتر کلام اللہ پڑھتا ہوں۔ جس طرح سے کہ میں حمام میں جاتا ہوں اور ناپاکی سے بچتا ہوں اور ہر وقت صفائی میرا اوڑھنا بچھونا رہتی ہے ایسی کوئی بھی پابندی نہیں کرتا۔ دیکھو نا نہ تو تمھیں یہ معلوم ہو گا کہ میری پوشاک میں کہیں بھی ریشم کا نام ہے اور نہ تمھیں کچھ انگوٹھیاں میری انگلیوں میں دکھائی دیں گی۔ دیکھو میرے وضو اس تقلید کے ساتھ ہوتے ہیں کہ طہران بھر میں کوئی کرنا نہیں جانتا نہ تو میں آدمیوں کے آگے حقہ پیتا ہوں اور نہ پانی پیتا ہوں اور نہ میں گنجفہ اور اسی قسم کا کھیل کھیلتا ہوں۔ وہ بازیاں جو شریعت میں منع ہیں میرے پاس ہو کر نہیں گزریں میں روزوں کا بھی ایک سانچا ہوں جب رمضان شریف آتا ہے تو ہر قسم کے لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ کسی طرح سے قانون شریعت کی اس سختی سے پناہ ملے لیکن میں ہرگز انھیں کسی آسانی کی رخصت نہیں دیتا۔ بلکہ میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ اگر ایسے ہی اکل شرب پر جان دیتے ہو تو مر جاؤ رمضان میں کھانے پینے سے مرنا اچھا ہے۔ میری طرح زندگی بسر نہیں کرتے کہ یہاں جمعہ سے جمعہ تک منہ بند ہی رہتا ہے اور ایک ٹکڑا غیر شریعت حکم زبان پر نہیں رکھا جاتا۔

اگرچہ میں نے یہ سن کر اس کی روزوں سخت گیری کی تعریف نہیں کی لیکن ہاں جو کچھ اس نے کہا وہ میں نے بدل پذیرا کیا اس وقت کچھ ایسا سماں بندھ گیا تھا کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس قدر یہ اپنے آپ خوش ہے ایسا ہی مجھ سے ہے۔

یہاں پر ملا نے اپنی گفتگو ختم کی اور اس امر کا امیدوار ہوا کہ دیکھوں یہ جواب میں کیا کہتا ہے۔ لیکن میں کاموں کے اس وسیع میدان سے جو اس نے میری نظر کے آگے کھولا تھا ایسا حیران و سرگردان تھا کہ توبہ۔ لیکن اس سے چند منٹ میں مجھے اپنی حالت یاد آگئی۔ میں جس نے یہ امید کی تھی کہ اپنی باقیماندہ زندگی کو گوشہ نشینی۔ قرآن کی تلاوت۔ تسبیح پھرنے۔ مدرسوں اور مسجدوں میں وعظ و پند سننے میں صرف کروں گا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ پھر وہی کیفیت نظر آتی ہے کہ اس دنیا کی نیکیوں سے حقارت کی جائے اور خواہشات کی طرف طبیعت متوجہ ہو اور اچانک مجھ سے خواہش کی گئی کہ گذشتہ زمانے کی طرح سے میں پھر بہت گہرے دل سے زندگی کے کام میں مشغول ہوں اور ایسے شخص کے قدم بقدم چلوں کہ جو کٹا دنیادار ہو اور اسے سوائے روپیہ جمع کرنے کے اور کچھ بھی خیال نہ ہو مگر میں کوشش کر سکتا ہوں۔ لیکن میری حالتیں اس طرح بے تحاشگی سے زیادہ سوچ و فکر کو قبول کر لیتی تھیں کہ جس کی کوئی بھی حد نہ تھی غرض ان سب باتوں کے بعد میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے مشہور و

معروف شخص کا شاگرد ہونا جو طہران میں بہت بڑا نامی ہے کچھ برا اور قابل حقارت نہیں ہے۔ یہ خیال کرتے ہی میں نے ملانادان کی نوکری کو قبول کر لیا۔

پھر اس نے مجھ سے کہا کہ ابھی مجھے چند باتیں تم سے اور بھی کرنی ہیں۔ لیکن اس وقت اس نے یہ باتیں ملتوی رکھیں کیونکہ افسر العلما کا ایک شخص اس کے بلانے کے لیے آ گیا تھا جانے سے پیشتر اس نے مجھ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میں دنیاوی شوکت جتانے کے لیے زیادہ نوکر نہیں رکھتا ہاں جن کی بہت ہی ضرورت ہو وہ رکھے جاتے ہیں۔

اس کے پاس صرف ایک باورچی اور ایک آدمی تھا جو سارے کام خدمتگاری کے کرتا تھا۔ اور اس کے اصطبل میں صرف ایک ہی خچر سواری کے لیے تھا۔

ملانادان کہنے لگا کہ جب مجھے بہت ہی تکلیف ہوئی تو میں نے ایک سرنگ گھوڑے کے مول لینے کا بندوبست کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ تم بخوبی جانتے ہو کہ جانور ایسا ہو کہ سوار پر لوگوں کی نگاہیں پڑیں اچھا جوں جوں میری ترقی ہو گی اور میرا عہدہ بڑھے گا میرا ارادہ ہے کہ میں ایک خچر اور بھی خریدوں گا۔

میں نے اس سے اس امر کی اطلاع دہی میں ذرا بھی توقف نہیں کیا کہ میرے پاس ایک خچر ہے غرض کچھ دیر کی تقریر کے بعد یہ امر طے پایا کہ ملانادان دونوں خچر اور گدھا اپنے ہی ہاں رکھے گا ملانادان تو خچر پر چڑھا کرے گا۔ اور اگر کبھی ضرورت پڑی تو حاجی بابا غریب گدھے پر سوار ہوا کرے گا۔

ساتواں باب

حاجی بابا کا بازار میں جانا

جب میں اپنے عہدے ملنے کی کیفیت سے واقف ہو گیا اور سارے فرائض ذہن نشین ہوئے تو میں نے پہلے بازار جا کر اپنے مولویانہ کپڑوں کا بندوبست کیا۔ ایک چغہ خریدا جس کے بٹن چھاتی پر سے بھی عبور کیے ہوئے تھے۔ ایک سفید ململ کا دوپٹہ لیا اور اس کو عمامہ بنا کر سر پر باندھا۔ اتفاقاً وہاں مجھے میرے پہلے آقا کی خانم ملی۔

میں نے اپنے دل میں کہا کچھ جنوں کا تو تصرف نہیں ہے کہ مرزا احمق کی بیوی یہاں آئے۔

خانم۔ ہاں جی ہاں۔ تم وہی شخص ہو کہ تم نے میرے خاوند کو قتل کروادیا اور اب تم یہاں ملا بن کے آئے ہو۔

میں۔ آپ کے خاوند کو مار ڈالا۔ یہ آپ مجھ سے کہتی ہیں۔ بھلا اس قدر بیجا جس کی کوئی بھی انتہا بھی نہیں ایسی باتیں تو زبان سے بھی نہیں نکالنی چاہیں۔ میں نے بھلا آپ کے خاوند کی مرگ میں کیا کیا۔ ایک زمانے میں وہ میرا مالک تھا۔ مجھے اس کے ضائع ہونے پر بہت ہی صدمہ ہوا۔ جو کچھ واقعہ ہوا ہے اس کا جلدی پورا پورا حال تشریحاً بیان کرو تاکہ میری خاطر جمعی ہو میں اس وقت بہت ہی فکر میں ڈوبا ہوا ہوں۔

خانم۔ تم ایسے انجان کیوں بنے جاتے ہو یہ تمھیں بخوبی علم ہے کہ صرف تمھارے ہی سبب سے شاہ نے زینب کو فنا کر دیا اور اس کی موت سے طبیب بیچارے کی داڑھی اکھیڑی گئی اس کی داڑھی اکھیڑنے سے اس کی سخت توہین ہوئی اور توہین سے پھر موت اس لیے آپ ہی وہ حضرت ہیں جو سب باتوں اور نقصانوں کے سبب ہیں۔

میں۔ اے خانم تم میرے سر پر کیوں خاک ڈالتی ہو بھلا یہ بھی کوئی بات ۔ بھلا میں ایسے نام سے کیوں نامزد کیا جاؤں کہ میں کسی کا سبب مرگ ہوں۔ جب میں اس سے ہزاروں کوس دور ہوں یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تمھارا خاوند بدہضمی سے مر گیا اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو یہ سمجھ لو یہ اس شخص کا گناہ ہے جس نے اس کے آگے چانولوں کو لا کر رکھا۔

یونہی خانم سے بہت دیر تک باتوں میں گتھم گتھا ہوتی رہی۔ خانم جو کہ ظاہراً بہت ہی غمگین معلوم ہوتی تھی اور اپنے خاوند پر بہت ہی آنسو بہاتی تھی مجھ سے کہنے لگی کہ تم میری پہلی شان وشوکت اور تروتازگی پر نظر نہ کرو۔

تاہم ایک عزت اور توقیر کی راہ سے میں نے خانم سے یہ کہا کہ آپ اپنے کچھ حالات بیان فرمائیں۔

خانم۔ اسی طرح سے بخوبی جانتے ہو کہ ایک دن وہ تھا کہ میں شاہ شاہاں کی بیوی تھی اور میں اس کی حرم میں اول نمبر کی حسین تھی اور صدہا اپنی سوکنوں کے باعث رنج و ملال میں مبتلا رہتی تھی۔ لیکن بھلا ایک حالت پر کس کا قیام رہ سکتا ہے۔ ایک نئی عورت شاہ کی حرم سرا میں آئی وہ کچھ مجھ سے بھی زیادہ دل کھینچنے میں قوی معلوم ہوئی بس اس نے شاہ کو اپنی طرف کھینچا اور اب میری طرف سے شاہ کا رخ پھر گیا۔ یہاں تک کہ میں بالکل خارج ہو گئی ۔لیکن پھر بھی اس عورت کو چین نہیں آیا اور وہ میری دلربائیوں سے ڈرتی ہی رہی یہاں تک کہ شاہ نے افسر الاطبا کو مجھے دے دیا۔

ہائے میں کبھی وہ سکرات موت نہیں بھولوں گی جو اس وقت میرے دل کو حاصل ہوا تھا جب شاہانہ شوکت اور جاہ وجلال سلطانی کی عظمت چھوڑ کر ایک طبیب کی ہمکنار ہوئی اور مجھے نسخوں اور مرتبانوں میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب میں بیچاری زینب کی تاریخ نہ دہراؤں گی۔

جب طبیب کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس امر کی کوشش کی کہ شاہ مجھ پر توجہ کریں اور میری طرف نظر التفات سے دیکھیں۔ لیکن اس کے کانوں کے دونوں راستے بند ہو گئے۔ اب میں گویا ایک مصیبت و آفت سے دوسری ایک قہر آلود آفت میں پھنسی اب اللہ تعالیٰ میرا معاون ہے۔ اے حاجی اب میں وہ ہوں کہ خاوند کی تلاش کرتی ہوں۔

یہ کہہ کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی اور اپنی اس حالت پر اس نے خون کے آنسو بہائے مگر میں نے اسے اطمینان دلایا کہ تم مطمئن خاطر ہو انشاء اللہ تعالیٰ میں تمھارے لیے کوئی پسندیدہ خاوند تلاش کروں گا۔

خانم۔ تم دیکھو کہ اب تک میں خوبصورت ہوں اور میرے بچپن کا دورہ ختم نہیں ہوا ہے میری آنکھوں کی طرف نگاہ ڈال کر دیکھو کیوں کیا ان میں روشنی باقی نہیں ہے۔ میری کمان ابروؤں کی تعریف کرو تمھیں مجھ سا ثانی کہاں ملے گا۔ جو پورم پور میری نظیر ہو سکے گا۔ میری کمر دیکھو جو ایک بالشت سے زیادہ چوڑی نہیں ہے۔

غرض یونہی اپنے حسن اور خوبی کی خانم تعریف کرتی رہی لیکن جب میں نے دیکھا تو بڑھیا کھپڑ چہرے کی معلوم ہوئی جس سے میں نے چاہا کہ زینب کے ساتھ اس کے ظالمانہ برتاؤ کا بدلہ لوں جو مظلومہ مقتولہ کے ساتھ اس ظالمہ نے کیا تھا۔

غرض خانم نے مجھے یقین دلوانے کی کوشش کی کہ میں بہت ہی خوبصورت اور جوان ہوں میں نے بھی اس کے حسن اور جوانی کا اس طرح سے یقین کیا کہ وہ خوش ہوگئی۔ میں نے اس سے اقرار کیا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ان کے نفع کے لیے کوشش کروں گا۔

خانم۔ دیکھو مجھے نہ بھولنا۔

میں۔ یہ کہہ کے میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔

آٹھواں باب

حاجی بابا کا ایسے شخص سے ملنا جس کو اس نے مردہ تصور کر لیا تھا

میں یہاں سے شہر کی مشہور کاروانسرا کی طرف روانہ ہوا جب میں اس کے قریب پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ دونوں طرف راستوں پر خچر اور اونٹ اسباب سے کھچا کھچ بھرے ہوئے کھڑے ہیں ان میں آدمی بھی بہت کثرت سے ہیں بعض کی حاجیوں کی سی پوشاک ہے کہ سر سے پاؤں تک سفید پوشاک پہنے ہیں جیسے مشہد میں امام رضاؑ کی قبر پر زیارت کرنے کے لیے آتے ہیں لیکن دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کاروان خراسان سے آیا ہے پہلے تو بڑی دیر تک دیکھتا رہا۔ تنگ شاہراہوں سے یہ ہجوم گذر رہا تھا لیکن جب خچر ہنکانے اور خچر ہنکانے والوں کی کریہہ الصوتی میرے کانوں میں آنے لگی تو میں نے چاہا کہ مربع عمارت کاروانسرا میں چلوں۔

میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید مجھے خوش قسمتی اور نیک طالعی سے وہ لوگ مل جائیں جن سے میری مشہد میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے ہر ایک مسافر کو بہت ہی غور کر کر اور ٹکٹکی باندھ باندھ کر دیکھا۔ یہ تو درست تھا کہ اس زمانے کو جب میں نے مشہد میں پیروں پر لکڑیاں کھائی تھیں ایک مدت گزر گئی تھی اس سے لوگوں کی شکل میں بہت تغیر و تبدل بھی پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن میں جو ہر شخص کی اصلی ہیئت اپنے دماغ میں رکھتا تھا اور جنھوں نے کہ مجھ سے لے کر حقہ پیا تھا ان کو بخوبی جانتا تھا مجھے امید ہوئی کہ اگر ان میں سے کوئی صورت بھی نظر پڑ گئی بھولوں گا تو نہیں۔

ایک نئی تحقیق کرنے کا موقع تو مجھے حاصل ہوا۔ جب میری نگاہ ایک جانی ہوئی ناک ایک شناسا چوکور پیٹھ۔ اٹھی ہوئی توند پر پڑی تو یکایک میرا خیال اس طرف ہوا۔

میں۔ یہ شکلیں تو مجھے کچھ کھٹکتی ہیں اور شناسا معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں میرے اوائل عمر کے خیالات شامل ہیں۔ اور واقعی یہ اس کی ملک ہیں کہ جس کی شکل کے ساتھ میری واقفیت کا زیادہ سرمایہ شامل ہے۔ فوراً میرے خیال کرتے ہی میرا سب سے پہلا مالک عثمان آغا یاد آیا۔ لیکن اس کے تمام خیالات میرے دل سے فوراً نکل گئے۔

کیونکہ اس کی ترکمانوں کی قید میں رہ کر عجیب حالت ہو گئی تھی اور یہ گوناگوں حوادث سے بہت ہی چور ہو گیا تھا۔ وہ تروتازگی اور وہ حالت خواب میں بھی نہیں رہی تھی۔

تاہم میں اس کی طرف نظراں رہا میں نے خیال کیا کہ شاید یہ کوئی اس کا بھائی ہو گا۔ میں اس کے قریب گیا کہ اس کی کچھ باتیں سنوں۔ مگر یہ گم صم بیٹھا ہوا تھا میرے شبہہ کو اور بھی دونی ترقی ہوئی میں کچھ دیر تک راہ دیکھتا رہا کہ یہ باتیں کرے تو اس کی آواز پہچانوں۔ لیکن یہ خاموش ہی بیٹھا رہا مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد صاف آواز میں اپنے ایک سوداگر سے کہ دریافت کرنے لگا کہ قسطنطنیہ میں بھیڑ کے چمڑے کی کیا قیمت ہے۔

میں اب تو اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا اور کہا او ہو قطعی تم عثمان آغا ہو۔ میں نے ہر گز غلطی نہ کی تھی۔ میں فوراً اس کے پاس پہنچا اور اپنے کو ظاہر کیا۔

جب ہم باہم بہت دیر تک تعجب اور حیرت میں مبتلا رہے تو کچھ کچھ ہر ایک دوسرے کا شناسا بنا۔ میں نے اس کی داڑھی کی سفیدی پر کہا کہ بالکل پہچانے ہی نہیں جاتے اور اس نے میری خوبصورتی اور سیاہی پر حیرت کی۔

اس نے بہت ہی نرمی سے انقضائے وقت اور بے ثباتی دنیا کا ذکر کیا اس کی تقریر سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ کبھی مصیبت بڑھتی ہے کبھی گھٹ جاتی ہے۔ غرض دنیا کی حالت یکساں نہیں رہتی۔ مصیبت اور راحت یہ توامان پیدا ہوئی ہیں خوشی کے ساتھ رنج اور رنج کے ساتھ ہر جگہ خوشی ہے جب سے کہ میں اس کے پاس سے جدا ہوا تھا اور ہم دونوں آقا خادموں میں مفارقت ہوئی تھی تو اس نے معمولی طریقے سے ساری کیفیت بیان کی۔

جب مجھ پر مصیبت آفت قید میں پڑی مگر یہ بعد ازاں جاتی رہی اور میرا وقت خیال سے زیادہ بھی بہت ہی پسندیدگی سے گزرنے لگا۔ کیونکہ میرا سوائے اس کے اور کام ہی نہیں تھا کہ اونٹوں کے پاس بیٹھا رہوں اور ان کی بے شر فطرتی شکل کو تکا کروں۔ میری خوراک مختلف تھی لیکن پانی بہت عمدہ مجھے میسر ہوتا تھا ہاں اگر مجھے تکلیف تھی تو صرف تماکو کی تھی۔ کیونکہ اس کا مدت سے عادی تھا اور پھر یکایک نہ ملنا تکلیف کا باعث ہے اسی طرح سالہا سال گذر گئے۔ میں نے تو یہ سوچ ہی لیا تھا کہ اپنی زندگی کا باقی حصہ بھی انھیں اونٹوں کے ساتھ صرف کروں گا کہ یکایک میری قسمت نے دوسرا پلٹا کھایا اور اب مجھے خوشنما امید ہونے لگی کہ میں رہا جاؤں گا جو شخص کہ اپنے کو ولی بتاتا تھا ان ترکمانوں میں بھی آیا۔ معمول کے موافق جیسا کہ اس قسم کے اشخاص کرتے ہیں اس نے دو تین

کرامتیں دکھائیں۔ ان سریع الاعتقاد لوگوں نے تو ان کرامتوں کو بہت ہی کچھ سمجھا اور ان کو تسلیم کر لیا اس کا ایک ایک لفظ کرامت ہو گئی۔ بڑے بڑے مشہور اور تجربہ کار ڈاکوؤں نے بڑی عاجزی سے اس کے قدم چومے اور اس کے جھنڈے کے نیچے آ گئے جو کچھ اس نے کہا اس پر سر تسلیم خم کیا۔ میں بھی اس کے آگے گیا اور میں نے سننے کے استحقاق حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور میں نے یہ بھی اس سے بیان کیا کہ میں امیر ہوں غرض وہ وہ باتیں ہوئیں کہ جس سے مجھے آزادی حاصل ہوئی۔ اور مجھے کچھ فدیہ بھی نہ دینا پڑا۔

بس جونہی میں نے وہاں سے رہائی پائی میں فوراً مشہد چلا گیا۔ خوش قسمتی سے میری چند بغداد کے تجار سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک میرے متعلقین میں سے بھی تھا اس سے میں نے کچھ روپیہ پیشگی لیا تھا کہ اس سے تجارت کروں۔

مجھے ترکی بازاروں کی پوری پوری کیفیت اور ماہیت معلوم ہو گئی تھی کہ بخارا سے مال جاتا ہے اور وہاں جا کر بکتا ہے تو میں اس لیے خریداری کے لیے وہاں چلا گیا تاکہ ترکی بازاروں میں جا کر فروخت کروں۔ چونکہ ترکمانوں میں رہتے ہوئے ایک زمانہ مدید گذر گیا تھا اس لیے میں ان کے طرق اور عادات سے بخوبی واقف ہو گیا تھا خصوصاً خرید و فروخت کے معاملے میں تو ید طولیٰ حاصل ہو گیا تھا اور صرف اسی سبب سے میں نے بخارا اور فارس میں بہت ہی کامیابی سے تجارت کی یہاں تک کہ مجھے اس قدر منافع ہوا کہ میں اپنے ملک واپس جانے کے قابل ہو گیا جب میں قسطنطنیہ کی طرف چلا میرے ساتھ بہت سے خچر بخارا سمرقند اور مشرقی فارس کی تجارتی اشیا سے کھچا کھچ لدے ہوئے تھے تو راہ میں مجھے اپنا پیارا شہر بغداد آ گیا۔ تو اب میرا یہ ارادہ ہے کہ میں جب تک کہ موسم بہار کا کاروان جمع نہ ہو جائے گا میں یہیں قیام کروں گا۔ کیونکہ اب ذرا اس شاہانہ شہر میں رہنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ وحشیوں میں رہتے رہتے تو دم اکتا گیا۔ تو اب تم یہ بتاؤ کہ میں اپنا وقت دلچسپی اور پسندیدگی سے کیونکر صرف کروں۔

یہ سنتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص شادی کا بہت خواہشمند ہے۔ میں نے اس کہنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا کہ آپ کے لیے بیوی موجود ہے۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کیا خدا کی شان ہے تقدیر ہے معاملے ہیں یہ کہیں پلٹتے تھوڑی ہی ہیں بھلا کیا قضاء و قدر کا کام ہے کہ میرا ایک مالک کتنی دور دراز سے آتا ہے کہ میرے دوسرے آقا کی بیوہ سے شادی کرے جس کو انتقال کیے ہوئے بھی تو کچھ زمانہ نہیں گذرا۔ اور مجھے دیکھو جنوبی اطراف سے آنا اور اس میں شامل ہونا۔

حکیم کی بیوی بڑی ڈبل عورت تھی کہ تین عورتوں کے برابر اس کا گھیر تھا وہ عثمان آغا ہی کے لیے موزوں بھی تھی جس نے سنتے ہی میری درخواست کو قبول کر لیا کچھ میں نے اس کی تعریف کی کچھ ابرو کی صفتیں بیان کی۔ غرض وہ باتیں بنائیں کہ عثمان آغا کے مذاق کی تھیں اور اس کو پسند کر کر باتوں ہی باتوں میں منظور کر لیا۔

میں نے یہ خوشخبری جاتے ہی خانم سے بیان کی۔ خانم سنتے ہی بہت خوش ہوئی اب خانم کا کیا کہنا یہ سمجھی واقعی میرا حسن ہی ایسا ہے کہ سب سے افضل ہوں اور خمدار بھویں تو اس غضب کی ہیں کہ ممکن نہیں جو ان کو دیکھے سر تسلیم خم نہ کرے۔

خانم کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ خانم بہت ہی خوش ہوئی اور اسے ترک کے ساتھ متعہ کرنے میں کسی طرح کا بھی کلام نہیں ہے۔

میں خانم کے پاس سے عثمان آغا کے پاس چلا گیا جو اس امر کے لیے مستعد تمام تھا اس کی حالت دیکھ کر معلوم ہوا کہ چونکہ وہ اونٹوں کے ساتھ مدت تک رہا ہے اس لیے اسے مشک اور عنبر کی خوشبو بہت ہی دل آویز معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کے سونگھنے کا بہت بڑا عادی تھا۔

عثمان آغا حمام میں نہانے گیا۔ اپنی بھوری داڑھی پر خضاب کیا۔ ہاتھوں کو سنہرے رنگ سے رنگا اور اس کی زلفوں کی رخساروں پر ہلال نما صورت بن گئی۔ بجائے اس کے کہ پڑی لٹکا کرتیں۔ اب انھوں نے وہیں کلوں کے اوپر دائرہ بنایا۔

غرض عثمان آغا بن سنور کر میرے ساتھ ملا نادان کے مکان پر آیا۔ چونکہ اس وقت ذرا نہایا دھویا تھا اور کپڑے وپڑے بدلے تھے اس لیے اس کی اصلی عمر سے دس برس اور کم ہو گئے تھے جب دونوں دولھا دلھن کا سامنا ہوا تو اس وقت وہ سماں تھا کہ بیغرض پاس کھڑے ہوئے کو ان دونوں کے دیکھنے سے بہت ہی لطف آتا تھا۔

دولھا تو اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح سے یہ معلوم ہو جائے کہ جس سے میرا متعہ ہوتا ہے یہ کیسی صورت کی ہے۔ دلھن نقاب ہی نقاب میں کچھ وہ ناز و انداز اور کرشمے کر رہی تھی جس سے دولھا کو یہ یقین ہو جائے کہ عجیب و غریب چہرہ نقاب میں ہے۔ لیکن ادھر تو یہ رہا تھا اور ادھر میں یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔

میرے خیال میں فیس کے پچاس ڈیوکیٹ آئے اور یہ وہ تعداد تھی جو اس نے مجھے دی تھی اور پھر ہم ترکمانوں کی قید میں چلے گئے تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر پچاس ڈیوکیٹ کہے اور یہ خفا اور ناخوش ہو گیا تو کون جانتا ہے کہ عثمان آغا کتنی خاک میرے سر پر ڈالے گا۔

مگر ان کی شادی ہو گئی اور اس کا مجھے کامل یقین تھا کہ جب تک میں نے یہ لفظ نہیں کہا کہ میں نے پسند کر لیا اس نے خانم کے حسن کا ایک چمکارہ بھی نہیں دیکھا۔ تو اس بے صبری کے عالم میں اس نے اس کی نقاب الگ سرکا دی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ خانم کی صورت دیکھ کر اسے کس قدر صدمہ ہوا ہو گا۔

جب عثمان آغا نے دیکھ لیا کہ میری دلربا زلیخا صفت نہیں ہے تو اس نے مجھے پاس بلایا اور کہا حاجی میں نے تو یہ خیال کیا تھا کہ یہ نوجوان ہو گی اس پر تو اونٹ کی طرح سے جھریاں پڑ رہی ہیں۔ یہ بات کیونکر ہے۔

میں نے ہر حیلہ اور حوالہ سے اسے یقین دلایا کہ آپ اسے جانتے نہیں یہ ایک زمانہ میں شاہی حرم کا ایک پھول تھی یہ تو تقدیر کی بات ہے کہ اس کو آپ کی دلھن بننے کا اتفاق ہوا۔ صرف یہ تقدیری بات ہے۔

عثمان آغا۔ افسوس اے حاجی کیا لفظ تقدیر ہر بات کا پورا جواب ہو سکتا ہے۔ چاہے تقدیر یا قسمت کا کچھ ہی اثر کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ تو کبھی نہیں ہوتا کہ کہیں قسمت نے ایک نوجوان عورت کی ایک کھپڑ بڑھیا بنا دی ہو۔

پہلے تو مجھے بڑا خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو عثمان آغا خفا ہو اور اپنا روپیہ واپس پھیر لے لیکن نہیں وہ خانم کو سرا میں ساتھ لے گیا اور کہا کہ نیک بخت جب تک تیرا جی چاہے میرے یہاں رہو اور جب جی میں آئے چاہے جہاں چل دیجیو۔

نواں باب

ملاناداان کی ہوسناکی

جب ملاناداان کی بہت قریب سے میرے مالک سے ملاقات ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ یکایک اس کی طبیعت ہوسناکی کی طرف رجوع ہوئی اور اس کا اصلی منشاء یہ تھا کہ طہران کا افسر العلماء میں ہو جاؤں۔
اس خیال میں اس نے بہت بہت جانکاہیاں کیں یہاں تک کہ یہ بات روشن ہو گئی اور لوگ اس کے دشمن ہونے لگے۔ خصوصاً افسر العلما تو جانی دشمن اور خون کا پیاسا ہو گیا۔ خاص مسجد میں ملاناداان امام تھا یہ شاہی مدرسہ میں وعظ بھی دیا کرتا تھا اور گاہے گاہے فیصلے بھی اس کے یہاں لوگوں کے جھگڑوں کے برابر ہوتے تھے ہر موقع پر اور خصوصاً نوروز کی تقریب میں جب تمام ملا نے شاہ کے آگے جا کر نماز پڑھتے اور اس کی ترقی دولت اور سرسبزی ملک کی دعا کرتے تو وہاں ملاناداان بھی سب میں ممتاز ہوتا اور اس کی لہکتی ہوئی آواز سب میں سنائی دیتی۔
ان ان وسائل سے اسے لوگوں میں پوری شہرت ہو گئی تھی اس کی اچھی طرح تعظیم و توقیر بھی نہیں کرتے تھے ایک موقع ہوا جس سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی اور یہیں سے پھر میری قسمت نے پلٹا کھایا۔
موسم سرما گذر چکا تھا۔ ہنوز موسم بہار اپنا خوش جلوہ دے رہا تھا کہ یکایک دارالخلافہ میں یہ خبر آپہنچی کہ جنوبی حصص ملک اور خصوصاً لار اور فارس میں مینہ کی اس قدر ضرورت تھی کہ توبہ لیکن چونکہ پانی نہیں ملا اس بلا کا کال پڑا ہے جس نے تباہ کر دیا ہے۔ جب سال گذر گیا تو شمالی حصص میں بھی وہی آفت آ کر واقع ہوئی اور امساک باراں کا یہاں بھی وہی حال ہوا شاہ نے حکم دیا کہ مساجد میں عبادت کی جائے اور مینہ کے لیے دعائیں مانگی جائیں ملا باشی اس حکم کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔
ملاناداان نے یہ موقع اچھا دیکھا کہ اپنے مذہبی جوش کو دکھائے۔ اور اس کام میں اپنے کو معروف و مشہور کرے۔ غرض اس نے ذرا اپنی نمود دکھانے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا۔

ذرا اپنا اثر اور دباؤ ڈالنے کے لیے اس نے افسر العلما کی طرح سے چھوٹی قوم کے لوگ بہت جمع کیے اور ان سب کو سمیٹ کر ایک کھلے ہوئے میدان میں پہنچا اور وہاں آپ ان کا امام بنا۔ پانی کا پھر بھی پتہ نہیں شاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے لوگ بھی اس کے شریک ہوں اور اس کے پیچھے بلک بلک کر دعائیں مانگیں۔

ہر چند سب نے پھڑک پھڑک کر دعائیں مانگیں لیکن تو بہ مینہ کا کہیں نام تک بھی نہیں تھا پھر اس نے تمام مسیحیوں یہودیوں گبریوں کو بلایا اور ان سے ان کے مذہب کی نماز پڑھوا کر دعا منگوائی مگر آسمان کچھ ایسے لوہے کا بنا ہوا تھا کہ اس پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی معلوم نہیں ہوتا تھا ایک بہت بڑی مایوسی سی چھاگئی۔

جب یہ صورت ملا نادان نے دیکھی تو ایک دن صبح کو اپنے مکان کے پاس ملا نادان نے لوگوں کا ہجوم کیا اور مجمع کی طرف مخاطب ہوا۔

اے طہران کے لوگو اس بلائے بے درماں کے دفع کرنے کے لیے اور بھی کوئی بات باقی ہے۔ وہ بلائے بے درماں جو عراق پر چھانے کو مستعد ہے۔

یہ تو صاف ہے کہ آسمانوں نے ہمارے خلاف کاروائی اختیار کی ہے کہ ایک قطرہ نہیں برساتے اور یہ صرف ان لوگوں کی وجہ سے ہے جو سخت گناہگار ہیں اور جن کے سبب سے ہم پر خدا نے یہ بلا نازل کی ہے۔ اچھا وہ کون لوگ ہیں یہی کافر ہیں جو ہمارے قانون شریعت کو توڑنے والے ہیں یہ وہ کمبخت ہیں جو کھلم کھلا شراب پی کر ہماری دیواروں کی صفائی کو کھوتے ہیں۔ اور جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع فرمادیا ہے وہی کرتے ہیں اور ہماری شاہراہوں کو اپنی برائیوں سے مخزن بدی بناتے ہیں۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم سب مل کر ان کے میخانے میں چلیں اور تم میری تقلید کرو اور وہاں چل کر ان کی شراب کے خم دم سب توڑ ڈالیں۔ بس پھر اللہ کا غضب جاتا رہے گا اور نہیں بھائیو یوں تو جانا معلوم نہیں ہوتا۔

یہ سنتے ہی سب کو اس قدر جوش آیا جس کا کوئی ٹھکانا نہیں مجھے یہ کبھی امید نہ تھی کہ وہ یکایک اس طرح بھڑک اٹھیں گے مگر وہ تو بپھر پڑے اور چلنے پر آمادہ ہوئے۔

ملا نادان نے اپنے کو ان کا پیشوا بنایا مجھے ساتھ لیا میں بھی اوروں کی طرح سے دیوانہ ہو گیا۔ اب ہم شہر کے اس حصہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں آرمینین رہتے تھے۔

آرمینیوں نے جب یہ دیکھا کہ اس قدر غصیلے مسلمان پلے چلے آتے ہیں وہ بیچارے حیران ہو گئے اور انھوں نے ان کے امنڈنے کا کچھ بھی سبب نہ جانا۔ بعض نے تو اپنے دروازے بند کر لیے اور بعض بھاگ گئے اور بعض وہیں موجود رہے۔ یہ شبہہ انھیں بہت دیر تک نہ رہا کیونکہ جب مسلمان قریب آ گئے تو ان پر پتھر برسنے شروع ہوئے اور ہر طرح سے ان کی برائی کی گئی اور ان کی توہین میں کوئی بات اٹھا کر نہیں رکھی۔ پھر تو انھیں معلوم ہو گیا کہ شاید قتل عام کا حکم ہوا ہے کہ تمام مسیحی قتل کر دیے جائیں۔

ملا مع تمام بہیر و بنگاہ کے خاص خاص آرمینیوں کے مکان میں گھس گیا اور بہت تشدد سے شراب تلاش کرنے لگا اس نے نہ تو مرد کے کمرے میں فرق کیا اور نہ عورت کے بلکہ بہت آزادی سے اندھا دھند سب کے دروازے چوپٹ کھول دیے آخر کار جب ملا کو وہ خم ملا جس میں شراب بھری ہوئی تھی تو اب میں ناظرین پر آئندہ واقعہ کو چھوڑتا ہوں کہ پھر ملا کی غضبناکی اور اشتعالک کا کیا حال ہوا ہو گا۔ جس قدر خم تھے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور شراب لنڈھا دی گئی۔ غریب و مظلوم مالک سوا اس کے اور کیا کر سکتے تھے کہ اپنی روزی کو اس طرح سے ویران ہوتا دیکھیں اور ہاتھ سے ہاتھ ملیں۔ سب کی مایوسانہ نظریں پڑ رہی تھیں اور سب ہاتھ سے ہاتھ مل رہے تھے۔

اس وقت جب یہ معرکہ ہر ایک گھر میں ہو گیا تو اب اور بھی گروہ مسلمانوں کا غصہ بھڑکا گھروں سے وہ سیدھے ان بیگناہوں کے معابد یعنی گرجاؤں کی طرف چلے۔ جبراً انھیں کھلوایا اور جو چیز وہاں تھی سب ویران کر دی۔ وہاں کتابیں۔ زیورات۔ اسباب غرض کوئی چیز ایسی نہیں بچی تھی کہ تباہ نہ ہوئی ہو۔ چونکہ کثرت سے لوگ نہیں تھے کہ ہر شے کو لے جاتے اس لیے یہ رائے قرار پائی کہ جو قیمتی قیمتی چیزیں ہیں وہی لے جائی جائیں۔

گویا اب پورے طور سے بربادی کر دی گئی۔ کچھ بھی سلامت نہیں چھوڑا صرف وہ مظلوم تو ان کی دست برد سے بچ گئے جن کا یہ مال لوٹ کر لائے تھے۔ ان پر تو پھر دوبارہ حملہ ہوتا اگر وہاں چند خاص خاص آرمینین کے ہمراہ شاہی فراش نہ ظاہر ہوتا۔

جب ملا نادان کے پیروان نے یہ صورت دیکھی اس قدر ہڑبڑا کر بھاگے کہ نہ یہ خبر تھی کہ کہاں جاتے ہیں اور کہاں آتے ہیں سر پر پاؤں رکھ کر جو فرار شدن کا صیغہ گردانا تو پھر کر نہیں دیکھا۔ صرف میں اور ملا نادان رہ گئے۔ جس وقت انھوں نے کہا کہ شاہ نے آپ لوگوں کو ابھی حاضر ہونے کا حکم دیا ہے تو اوسان باختہ ہو گئے۔ ملا نادان

نے تو میری طرف دیکھنا شروع کیا اور میں اس کی طرف تکنے لگا۔ اور ایک دوسرے کی صورت کو اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور اس نظر سے ایسی حماقت برستی تھی کہ دنیا میں آج تک دو داڑھی بازوں نے کبھی اس طرح سے نظر نہ کی ہو گی۔ یہ زمانہ سازی کی باتیں کرنے لگا اور سرکاری آدمیوں سے کہا کہ آپ ہمیں اتنی فرصت دیں اور ہمارے ہمراہ ہمارے مکان پر چلیں کہ میں اپنا سرخ درباری جامہ پہن لوں۔

فراش۔ حضرت جامہ یا سرخ جرابیں پہننے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ بس آپ سیدھے چلے چلیے۔

یہ سن کر ملانادان کے چھکے چھوٹ گئے اور گھبرا کر یہ کہنے لگا۔ لیکن یہ تو بتاؤ خدا کے لیے میں نے کیا ہی کیا ہے۔ (فراش کی طرف مخاطب ہو کر) کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم اپنے ایمان کے دشمنوں کی زیر وزبر کریں۔

فراش۔ خیر آپ وہاں چلے چلیں آپ کو خود کیفیت روشن ہو جائے گی۔

آخرکار ہم محل کے دروازے پر پہنچے۔ معلوم ہوا کہ وزیر اعظم افسر جلاداں کی بیٹھک میں مع افسر العلما بیٹھا ہوا ہے۔

جب ہم دروازے پر جا کر کھڑے ہوئے تو وزیر اعظم نے ملانادان سے مخاطب ہو کر کہا۔ خدا کے لیے یہ تو بتاؤ کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ اصل میں کیا معاملہ ہے۔ کیا تمھاری سمجھ پر پردہ پڑ گیا تھا تمھیں یہ معلوم نہ تھا کہ طہران میں شاہ بھی موجود ہے۔

ملاباشی۔ (یعنی افسر العلما) میں کون ہوں کہ تم نے کفار کے خلاف بلوہ کیا اور ان پر چڑھ گئے آخر میں بھی تو موجود ہوں۔

افسر جلاداں۔ (اپنے محکمہ کی جریب یا سوٹا ہاتھ میں لے کر) انھیں شاہ کے آگے پیش کرو شاہ انتظار ہی کر رہے ہوں گے۔

بس اب یہ حال ہوا کہ جان ہی نکل گئی اور موت آنکھوں کے آگے گردش کرنے لگی۔ غرض اسی حالت میں ہم محل کے اندر دو طرفہ درختوں والے راستہ سے روانہ ہوئے پہلے ایک چھوٹے دروازے میں پہنچے پھر وہاں سے ایک باغ میں گئے سامنے سے دیکھا کہ ایک کمرے میں خود شاہ جلوہ افگن ہیں۔

جب ہم قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ شاہ اپنی موچھیں مروڑ رہے ہیں یہ گویا شاہ کے بہت ہی غضبناک ہونے کی نشانی تھی کہ جب وہ بہت ہی غضب میں بھرتے تھے تو موچھیں مروڑا کرتے تھے۔ میں نے ایک نظر سے ملانادان

کو بھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ سر سے پاؤں تک ہر مسام سے ندیاں کی ندیاں بہہ رہی ہیں ۔ جونہی ہم سے شاہ کی نظریں ملیں ہم نے اپنے جوتے اتار ڈالے اور ہم سنگ مرمر کے حوض کے پاس بڑھے اس وقت شاہ کے آگے ملا باشی یعنی افسر علما۔ افسر جلاداں ۔ آرمینین ۔ اور ملانادان اور میں کھڑے ہوئے تھے۔

افسر جلاداں نے اپنے محکمہ کے ڈنڈے کو زمین پر رکھ کر ایک فراشی سجدہ نما سلام کیا اور یہ زبان پر لایا۔ پہلے جو کچھ شاہ کی معمولی تعظیم کے الفاظ تھے وہ ادا کیے گویا ہر بات کی تمہید میں انھیں کہا کرتے ہیں اور پھر یہ کہا کہ ملانادان حاضر ہے۔(میری طرف اشارہ کر کے)اور یہ اس کانوکر بھی موجود ہے۔

شاہ۔ (بہت ہی کڑاکے کی آواز میں) اے ملانادان بتا کہ تو کتنی مدت سے میری رعیت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ تمھیں یہ قوت کس نے دی ہے کیا تم پیغمبر ہو گئے ہو یا تم اپنے کو شاہ بنانے یہاں نازل ہوئے ہو۔ بتا کہ یہ تو کیا کر رہا ہے۔

یہاں ملانادان کے چھکے چھوٹ گئے تھے تمام اندام میں لرزہ پڑ رہا تھا اور ہر گز ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکل سکا ۔ صرف بہت مشکل سے کچھ کپکپاتے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے الفاظ میں کافروں کی برائی کی۔ شراب کو برا کہا اور مینہ کے برسنے کی خواہش ظاہر کی اور پھر گم صم کا مضمون ہو گیا۔

شاہ۔(ملا باشی کی طرف مخاطب ہو کر) یہ کیا کہتا ہے۔ میں نے اصلاً نہیں سنا کہ یہ کیا کہہ گیا۔

ملا باشی۔ میں حضور پر سے قربان ہو جاؤں یہ یہ عرض کر تا ہے کہ میں نے یہ صرف حضور کی رعیت کے آرام کے لیے کاروائی کی تھی۔ کیونکہ جب تک کفار شراب پییں گے مینہ ہر گز نہ برسے گا۔ اور طہران میں کال پڑ جائے گا۔

شاہ۔ تو کچھ آدمیوں کے بچانے کے لیے تم نے میری رعیت کا بہت بڑا جزو تباہ کر دیا یہ تو بتا کہ میری دارالخلافہ میں میری کچھ بھی ہستی نہیں رہی کیا ایک گروہ کفار کا میرے ہی ناک کے نیچے برباد کیا جائے اور مجھ سے کچھ نہ دریافت کیا جائے کہ آیا حضور کی مرضی بھی ہے یا نہیں کہ ایسا کیا جائے۔ اے شخص بول کہ تو کس خواب خرگوش میں مخمور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے دماغ میں خلل آ گیا ہے۔ یہ کہہ کر شاہ نے زور کی آواز میں گرج کر یہ کہا(اپنے ملازمین کو بلا کر) اس کی پگڑی سر سے اتار لو اور اس کا چغہ اس کی پیٹھ پر سے علیٰحدہ کر لو۔ اس کی ٹھوڑی پر سے داڑھی اکھیڑ لو۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کس دو الٹے گدھے پر اسے سوار کرو اور تمام

شاہراہوں میں اسے یوں ہی گردش دو اور پھر دھکے دے کر اسے شہر بدر کر دو اور ساتھ ہی اس کے نوکر کو بھی لے جاؤ۔

میں بہت بڑا ہی خوش قسمت تھا کہ مجھے کسی نے وہاں یہ شناخت نہیں کیا کہ یہ زینب کا عاشق ہے اگر ذرا بھی معلوم ہو جاتا تو جان کا بچنا یہ محض ناممکن تھا۔ میری اور میرے مالک کی قسمت گویا جنت تھی کہ جو کچھ اور جتنا شاہ نے حکم دیا تھا اسی قدر ہمارے ساتھ عمل میں آیا۔

نادان کی داڑھی ٹھوڑی پر سے لوگوں نے اس آسانی سے اکھیڑ لی کہ جیسے پرند کو صاف اس کے پر ادھیڑتے ہیں اس کے بعد میرے آقا ملا نادان کو گدھے پر الٹا سوار کیا اور تمام شاہراہوں میں گردش دی میں بھی گدھے کی پیچھے بہت ہی غم کی حالت میں جا رہا تھا کیونکہ میرا مولویانہ شالی عمامہ اتار لیا تھا اور چغے سے جدا مجھے برہنہ کر دیا تھا۔

جب شہر کے دروازے پر پہنچے تو ملا نادان کو گدھے پر سے اتار لیا اور مشکل سے ہماری پشتوں پر ایک چیتھڑا چھوڑا ہو گا۔ جب ہم شہر بدر ہوئے ہیں تو یہ بات قابل تحریر ہے کہ جونہی ہم نے شہر چھوڑا اور جنگل کی طرف روانہ ہوئے تو اس قدر مینہ برسا کہ جل تھل کھڑے ہو گئے۔ گویا خود آسمان ہماری بے عزتی کا منتظر تھا۔ جب اس طرح سر بازار توہین ہو جائے تو مینہ برسائے۔

دسواں باب

حاجی بابا کا حمام میں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھنا اور اپنی اس مصیبت سے رہائی پانا

جب ہم کو سرکاری آدمیوں نے چھوڑ دیا تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کاش اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ مجتہد کی سفارش یہ یہ نتائج پیدا کرے گی اور یہ صورت دکھائے گی تو آپ حاجی بابا کو تو کبھی بھی نہ دیکھتے۔ بھلا آپ کو اس سے غرض ہی کیا تھی کہ مینہ برسے یا نہ برسے۔ آرمینین شراب پیتے ہیں یا نہیں پیتے۔ یہ آپ کے دخل در معقولات نے خراب نتیجہ دکھایا ہے۔

ملانادان کی اس وقت وہ نوبت تھی کہ اس نے اس کا اصلاً جواب نہ دیا ہم برابر خاموش ایک دوسرے کے پہلو میں چل رہے تھے کہ اسی حالت میں ہم پہلے ایک گاؤں میں پہنچے جو اول اول ہمارے راستے میں آیا یہاں ہم نے قیام کیا تاکہ اس بات کو سوچیں کہ اب کیا کریں گے اور آئندہ ہمیں کیا کرنا زیبا ہے۔

میرا بدقسمت ساتھی تو شہر بدر کر دیا گیا تھا اس لیے یہ محض ناممکن تھا کہ جب تک کامل یہ طوفان نہ جاتا رہے اور غلغلہ نہ ٹھنڈا پڑ جائے وہ شہر میں جا سکے۔ لیکن جب ہم دونوں یہ خیال کرتے تھے کہ ہماری ملک کے ساتھ کیا بیتی اور جائداد اور روپیہ کی کیا نوبت ہوئی تو ایک سانپ سا کلیجے پر لوٹ جاتا تھا۔ ملا تو اپنے گھر اور اس بے عزتی پر خون کے آنسو روتا تھا اور میں اپنے کپڑے اور خچر جانے پر گریبان چاک کرتا تھا۔ یہ ارادہ ہوا کہ میں ہی شہر میں واپس جاؤں اور خبر لاؤں کہ کیا گذری۔

شام کو میں شہر میں داخل ہوا اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا میں نے اپنے کو چھپایا اور سیدھا شاہراہوں میں ہوتا ہوا ملانادان کے مکان کی طرف چلا۔ اول ہی نظر میں اتنا معلوم ہو گیا کہ ہمیں بالکل تباہ کر دیا تھا۔ وہاں یہ صورت دیکھی کہ جس کا جو داؤ چڑھا ہتھیا کر بیٹھ رہا۔ اول ہی مجھے وہ شخص نظر پڑا جو نادان نے مکان سے آ رہا تھا کہ جس نے ہمیں پکڑ کر شاہ کے پاس حاضر کیا تھا یعنی وہی فراش جو میرے خچر پر سوار تھا۔ اس کے آگے ایک بقچی رکھی ہوئی تھی جس میں شاید میرے اور میرے مالک ملانادان کے کپڑے ہوں گے۔

اسے دیکھ کر میں اس قدر چکرایا اور یہ خیال کیا کہ اگر اس وقت تم شناخت کر لیے گئے تو ظلم ہی ہو جائے گا میں نے بہت ہی جلدی میں اس مقام کو چھوڑا اور ایسا بولایا ہوا تھا کہ میں یہی مشکل سے جان سکا کہ اپنے قدم کس طرف اٹھاؤں کہیں جگہ نہ ملی تو میں گھبرا کر ایک حمام میں گھس گیا۔ ملا باشی کے بہت ہی قریب مکان کے یہ حمام واقع تھا۔ یہ ملا باشی ظاہر ہے ہمارا جانی دشمن تھا۔

اس وقت اندھیرا بہت ہو گیا تھا اب میں حمام میں چلا گیا شاید ہی مجھے ان لوگوں نے خیال کیا ہو گا جو حمام میں تھے۔ میں پہلے کمرے میں سے ہو کر سب سے گرم کمرے میں چلا گیا اور ایک اندھیری جگہ پر بیٹھ گیا کہ کوئی مجھے نہ دیکھ سکا اور اب مجھے خیالات کرنے کا آزادی سے راستہ ملا۔

میں نے دل میں خیال کیا اب میں اپنے ہاتھوں کو زندگی بسر کرنے کے لیے کس کام کی طرف مائل کروں۔ کیونکہ خوش قسمتی نے مجھے معلوم ہوتا ہے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے اور بد قسمتی نے مجھے اپنا دل لبھانے والا کھلونا بنا لیا ہے کہ ہمیشہ میرے ہی ساتھ بازی کیا کرتی ہے۔

میں نے اپنے دل میں ذرا مسکرا کر کہا۔ اول دیکھو مجھے عشق ہوا ہی تھا کہ شاہ میرا رقیب بن گیا اور میری دلربا کو قتل کر ڈالا اور میری ملازمت سے مجھ کو چھڑا کر میرا عہدہ چھین لیا میں ایسے شخص کا وارث ہوں جو غیر مشتبہ دولت رکھتا ہے۔ مدت سے وہ شخص صرف میری آگاہی کے لیے زندہ ہے ہر شخص مجھ سے یہی کہتا ہے کہ تجھے دولتمند ہونا چاہیے۔ مگر یہاں اور مفلسی گھیرتی جاتی ہے اور اب بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی۔ بھلا کس امید اور آرزو سے میں ایک قوی اور حامی قانون شریعت کے پاس پہنچا جس سے مجھے امید تھی کہ اپنی زندگی میں میں بہت کچھ چین اڑاؤں گا وہاں نوبت ہی اور ہوئی اس کو اور الٹا دیس نکالا ملا۔ میرا آقا ہمیشہ بری ساعت میں خدا سے دعا مانگا کرتا تھا کہ اپنی رحمتوں کو مجھ پر نازل کر وہاں اور الٹی بات ہو گئی کہ وہ ایسا ذلیل و خوار ہو کر شہر بدر کیا گیا۔ بھلا جس قدر کہ مجھ پر مصائب اور آلام پے در پے آ کر واقع ہوئے ہیں آج تک کسی پر بھی یہ نوبت نہ ہوئی ہو گی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ تک کیفیت رہے گی تو پھر اس سے تو مرنا ہی بہتر ہے تو میں نے چاہا کہ جہاں بیٹھا ہوا ہوں وہیں مر کر رہ جاؤں کہ اس عذاب سے تو جان بچے گی۔

چونکہ رات بہت گذر گئی تھی اس لیے لوگ حمام میں سے نکل نکل کر جانے لگے تھے میں اپنی اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک شخص چلا آتا ہے اور ذرا پر شوکت ہے جب وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ یہ خود

ملا باشی ہے نہ تو اس نے اور نہ اس کے ہمراہیوں نے میرا خیال کیا جب یہ افسر العلما اکیلا رہ گیا تو یہ گرم حوض میں چلا گیا۔

جب یہ چلا گیا تو میں نے چھپ چھپ اور پانی کے چھینٹوں اور پوری طاقت والی سانس کی آواز سین جیسے کوئی ہانپ رہا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ جیسے کوئی پانی پر چھپکے مارتا ہے اور گلا پھلا پھلا کر ہانپ رہا ہے۔ میں سمجھا کہ شاید یہ کچھ جسمانی کثرت کر رہا ہے اس تعجب میں بہت آہستہ آہستہ وہاں سے اٹھا اور اس طرح سے پنجوں کے بل چپکے چپکے سے چلا کہ اس کے کان میں میرے پیروں کی اصلاً آواز نہ آئی کیونکہ مجھے یہ بھی تو ڈر تھا کہ اگر اس نے دیکھ لیا تو قہر ہو جائے گا۔

جونہی میں وہاں تو مجھے معلوم ہوا کہ افسر العلما کو دورہ آیا ہے اور اب وہ سر کے بل ڈبک ڈوں ڈبک ڈوں کر رہا ہے۔ اس بد قسمت ساعت کا ڈر تمام میرے رگ و ریشہ میں بیٹھ گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ حاجی اب تم کیونکر چھپ سکتے ہو اب تو لامحالہ اس کے قاتل تمھیں گردانے جاؤ گے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ میرا آقا ملانادان افسر العلما کا کیسا مخالف تھا اور پھر میں اس کا خادم ہوں تو گویا آلہء قتل میں ہی قرار دیا جاؤں گا۔

میں حوض کے پاس یہ کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ملا باشی کا ایک ملازم حمام والے کو ساتھ لے کر ایک کتان لیے ہوئے آیا۔ اس نے جونہی دیکھا کہ ایک شخص حوض سے نہا دھو کر باہر نکلتا ہے اس نے اپنے متوفی آقا کی جگہ مجھے اپنا ہی آقا سمجھا کچھ نہ کہا خوب میرا جسم اس کتان سے پوچھا اور مجھے وہی کپڑا اُڑھا دیا۔

اب مجھے یہ موقع اچھا ملا جس نے مجھے اس بد قسمتی سے باہر نکال لیا جہاں میری تقدیر نے مجھے جھونک دیا تھا میں بھی نہ بولا اور کچھ دیر کے لیے افسر العلما بننا مبارک سمجھا۔ صرف ایک دھندلا چراغ کپڑے پہننے کے کمرے میں ٹمٹمار رہا تھا جس سے صاف صاف نہیں معلوم ہوتا تھا۔ نوکروں کو ہرگز شبہہ نہ ہوا کیونکہ میں قد ڈیل ڈول میں ملا باشی کے کچھ کچھ مساوی تھا۔ انھوں نے مجھے بہت اچھی پوشاک پہنائی چونکہ میں ملانادان کے پاس رہا تھا اور جب تک میرا وہاں قیام رہا تو میں نے ملا باشی کی بہت کچھ کیفیت دیکھی تھی اور میں اس کے اطوار و عادات سے بخوبی واقف تھا اور میں صرف اپنی واقفیت کی وجہ سے اس کا پورا نقل بن سکتا تھا یہاں تو ہمیں کچھ ہی دیر ٹھہرنا پڑا یہاں تک کہ اب ہم سب گھر آئے مگر یہ بہت ہی سخت اور مشکل کام تھا جب میں اندرون میں داخل ہوں تو کیا طریقہ برتوں جس سے کسی کو شبہہ نہ ہو کیونکہ اس سے تو میں محض نابلد تھا کہ وہ حرم میں کیونکر پیش آتا تھا مگر ہاں اس کی

نسبت بہت کچھ سنا تھا کہ یہ خدا کی مخلوق پر مظالم بہت ہی توڑتا ہے اور اس کا قاعدہ ہے کہ اول تو خاموش رہتا ہے اور جب کبھی بولتا ہے تو بہت ہی ٹوٹے ہوئے فقرے اس کی زبان سے نکلتے ہیں۔

جب یہ اپنی زبان میں کچھ عربی الفاظ کی بھی آمیزش کرتا ہے تو اس وقت الفاظ حلق سے نکالتا ہے اور یہ آوازیں اس کی مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔

جب تک میں کپڑے پہنتا رہا میں نے ایک بھی لفظ زبان سے نہ کہی جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا میں نے اپنے چہرے کو سائے میں رکھا۔ جب قلیان میرے آگے لایا گیا تو میں نے اس طرح سے پیا جیسے گویا خود ملاباشی پی رہا ہے۔ اور بہت آہستہ آہستہ میں نے دو تین گھونٹ لیے۔

جب میں نے حمامی کو خدا حافظ کہا تو ایک شخص نے نوکروں میں سے مجھ میں ایک غیر معمولی بات دیکھی اور اس سے وہ چونکا مگر جس وقت انھوں نے مجھے گھوڑے پر سوار کیا تو میں نے ان پر اتنا وزن ڈالا کہ سارا شبہہ ان کا دور ہو گیا۔

متوفی ملاباشی کے دروازے پر جا کر گھوڑے سے اترا گو میں نے ادھر ادھر پھرنے یا جانے سے بہت پرہیز کیا مگر اتنے میں ایک شخص آیا اور مجھے سیدھا اندرون یعنی زنانے میں لے گیا میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر میں اسے کچھ کام کرنے کو کہتا ہوں اور وہ ایک غیر معمولی بات ہوئی تو دقت پڑے گی جو کچھ یہ کرے اسے کرنے دو تاکہ بھانڈا نہ پھوٹے جب وہ مجھے اندر کے دروازے میں لے گیا تو اس نے آواز دی کہ چراغ بیار۔ اور پھر یہ چل دیا۔

عورتوں کی جوتیوں کی آوازیں لگیں میں نے دیکھا کہ دو نوجوان لونڈیاں میری طرف لپک کر آرہی ہیں اور اس قدر تیز ہیں کہ ہر ایک کی یہ کوشش معلوم ہوتی ہے کہ پہلے میرے پاس آکر پہنچے مکان کا بڑا درجہ خوب روشن تھا اور مجھے ایک سے زیادہ اس میں عورتیں معلوم ہوئیں۔

اب میں گویا بجائے ملاباشی کے اس کی بیوی کے کمرے میں جاتا ہوں مجھے خوف ہوا کہ آخر کار یہ لونڈیاں مجھے وہاں لے جائیں گی لیکن مجھے چاہیے کہ میں اس طرح سے جا کر پڑ رہوں کہ جیسے میاں بیوی میں جب لڑائی ہوتی ہے وہ اٹھواری کھٹواری لے کر پڑ جاتے ہیں خدا کی شان کہیں میری اس حالت اور اس منشا کو لونڈیوں نے پہچان لیا وہ مجھے روشن مکان میں تو نہ لے گئیں بلکہ مجھے ایک دروازے کی طرف لے کر پہنچیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو یہ کمرہ خلوت کا دیکھا یہاں میں بیٹھ گیا۔

اب یہ میری دوسری ہوشیاری تھی کہ ان سے کیونکر محفوظ ہوں کیونکہ وہ برابر میرے آگے پھر رہی تھیں ضرور کبھی نہ کبھی تو میرے چہرے پر ان کی نگاہ پڑ ہی جائے گی اور پھر سوائے موت کے چارہ نہیں میں نے ایک لونڈی کے ہاتھ میں سے تو چراغ لے لیا اور دوسری کو سر کے اشارے سے رخصت کر دیا۔ مجھے سخت اندیشہ تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی لونڈی پہچان تو نہیں لیتی مگر للہ الحمد کہ وہ دونوں لڑکیاں پیٹھ موڑ کر دروازے کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئیں۔

میری قسمت میں گذشتہ ساعت جو کچھ تغیر و تبدل ہوا تھا اس سے تو میں ایسا مایوس ہو گیا تھا کہ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ اب حضرت عزرائیلؑ آئے اور انھوں نے مصافحہ کیا لیکن جب میں اتنی اہم راہیں طے کر کے یہاں پہنچا تو اب مجھے اپنی زندگی کی کچھ امید معلوم ہوئی صرف یہی موقع میرے فخر اور خوشی کا تھا اور جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا یہاں تک تو جان بچ گئی۔

گیارہواں باب

اس سرگذشت کے نتائج ان سے خطرہ پیدا ہونا مگر آخر کار خوش قسمتی کا حاجی بابا کا ساتھ دینا

جونہی وہ لڑکیاں اکیلا مجھے چھوڑ کر چلی گئیں میں نے دروازہ کو اندر سے خوب پیوست کر دیا اور موم بتی کو کمرے کے دور کے کونے میں اٹھا کر رکھ دیا کہ شاید اگر کوئی دروازوں کے شیشوں میں سے دیکھنا بھی چاہے جب بھی میری صورت اسے صاف نہ معلوم ہو۔
جب یہ سب کام ختم ہو گیا تو مجھے ایک بات کا خیال آیا کہ یہ تو ضرور ہی کرنی چاہیے یعنی پہلے ملا باشی کی جیب ٹٹولوں دیکھوں کیا نکلتا ہے اور ان کاغذوں کو دیکھوں جو بستہ میں بندھے ہوئے تھے شاید ان کاغذوں سے میری آئندہ تدابیر کی کوئی تاریخ نکل آئے۔ اس کی داہنی جیب میں تو مہر اور تسبیح تھی۔ بائیں طرف کی جیب میں ایک دوات ایک چھوٹا سا شیشہ اور کنگھا پڑا ہوا تھا۔ اس کی گھڑی چھاتی کی اوپر والی پاکٹ میں رکھی ہوئی تھی اور اس کی بغل کے پاس ایک تھیلی تھی۔
جب میں نے اس تھیلی کو کھولا تو اس میں سے پانچ اشرفیاں اور دو روپے نکلے گھڑی سونے کی اور انگریزی ساخت تھی۔ اس داوات پر بہت ہی خوبصورت نقش و نگار ہو رہے تھے اور وہ بھی بہت قیمتی تھی۔ ان کے ساتھ ایک مقراض۔ ایک قلمتراش اور کچھ قلمیں پڑی ہوئی تھیں۔
یہ سب چیزیں میں نے اس طرح سے دیکھیں کہ گویا میری نج کی ہیں اور میں نے ہر ایک کو اپنے جسم پر موقع موقع سے لگایا اب وہ کاغذ ملاحظہ میں آیا۔ یہ دو کاغذ ساتھ ہی لپٹے ہوئے دائیں طرف کی جیب میں برآمد ہوئے تھے ایک رقعہ میں تو یہ لکھا ہوا تھا۔
"اے میرے جگری دوست اے میرے بھائی۔"
"آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو کس الفت و محبت سے لکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ہماری باہم دوستی بڑھے گی اور اس کو دن بدن قوت ہو گی میں آپ کو چھ اصفہانی سردے بھیجتا ہوں جو ہر روز نہیں ملتے اور میں آپ سے

ملتمس ہوں کہ مجھے شربت روح افزا پینے کے لیے غیر محدود اجازت دے دیں کیونکہ اطبا نے مجھے یقین دلایا ہے کہ جب تک تو کثرت سے اسے نہ پیے گا زمانہ ء غیر محدود تک ایمان کے دشمنوں کی بیخ کنی نہیں کر سکتا یعنی بہت دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا۔"

مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ خط تو افسر جلاداں کا معلوم ہوتا ہے۔ ایران میں صرف وہی شخص ہے جس نے اپنے اطوار کھلم کھلا ظاہر کر دیے۔ مثلاً مے نوشی اور شیخی بگھارنا اور خواہ مخواہ دون کی لینا۔ یہ اسی کا طریقہ ہے۔ میں نے اسے رکھا کہ اس کو تو میں پھر دیکھوں گا۔ آؤ دوسری چٹھی تو دیکھو۔ میں نے اس کو بھی کھولا۔ اس میں مفصلہ ء ذیل لکھا ہوا تھا۔

اے میرے مالک اور میرے آقا۔

"آپ کا ادنیٰ خادم حضور کی خدمت میں جو حامی دین مبین ہیں اور کفار کے لیے ایک بہت بڑا خوف اور گنہگاروں کی پناہ ہیں یہ عرض کرتا ہے کہ بعد ایک سخت محنت اور بے تعداد مشکلات کے میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور میں نے بہت مشکل سے کسانوں سے سو اشرفیاں نقد حاصل کی ہیں اور ان اشرفیوں کے علاوہ پچاس خر دار بھی ان سے لیے ہیں (خر دار غلے کے بھرے ہوئے گدھے کو کہتے ہیں) حسین علی نے کچھ بھی نہیں دیا اگرچہ دو دو بار میں نے اسے بندھوا بندھوا کر لکڑیوں سے پٹوایا ہے مگر اس کو کچھ بھی اثر نہیں ہوا آخر میں نے بمجبوری اس کی دو گائیں لے لی ہیں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہو گا ان کا خوب کھایا ہوا اگلواؤں گا۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ حضور حکم دے کر اپنا کوئی آدمی بھیج دیں تو میں نقد روپیہ اسے دے دوں۔"

اس خط کا اختتام ان ہی معمولی فقروں پر تھا جیسے چھوٹے درجے کے بڑے آدمی کو لکھتے ہیں اور آخر میں ایک چھوٹی سی مہر لگی ہوئی تھی جس میں عبد الکریم راقم کا نام کھدا ہوا تھا۔

میں نے سوچا اگر میرے خوش قسمت ستاروں نے مجھے بچا دیا تو میں تلاش کروں گا کہ یہ عبد الکریم کون شخص ہے اور وہ گانؤں کون سا ہے جہاں سے اس نے یہ نامہ لکھا ہے۔ پھر کیا ہے سو تمن یعنی اشرفیاں میری ہو جائیں گی میں نے اسے تو اس وقت رکھ دیا کہ ذرا سہولت سے کام کرنا چاہیے جس سے نتائج خیر نکلیں۔ پہلے میں نے قلم داوات اٹھائی اور افسر جلاداں کو یہ لکھا۔

اے میرے دوست اے میری روح

تمھارا خط میرے پاس پہنچا اور اس کا مضمون میں نے سمجھ لیا ہے۔ جب اسلام کے پاک جھنڈے کے نیچے سے شیروں کا شیر وہ دو دھاری تلوار والا جوان مرد قلعہ قوت جس کی حفاظت پہلے فرض ہے کھویا جائے گا تو پھر بات ہی کیا ہو گی اس لیے تمھیں بہت خوشی سے اجازت دی جاتی ہے کہ اے میرے دوست شربت روح افزا پیو بلکہ بشدت پیو پیو اور سچے دین کے تمام دشمنوں کو دہلاؤ خدا کرے تمھارا گھر بھرا پرا رہے کیونکہ تم نے مجھے نایاب سر دے بھیجے ہیں جس قدر تم نے مہربانیاں کی ہیں ان میں ایک اور بھی مہربانی کرو کہ مجھے سواری کے لیے عاریتاً ایک گھوڑا اور بھی عنایت ہو اور میں اقرار کرتا ہوں کہ جب میری تقدیر مجھے گھر واپس لے جائے گی تو میں تمھارا وہ گھوڑا واپس دے دوں گا۔

یہ رقعہ لکھ کر اس پر میں نے مہر لگا دی اور میں نے ارادہ کیا کہ علی الصباح اس کے پاس اسے لے کر چلو۔

دوسرے خط کا میں نے یہ جواب لکھا۔

میرے پیارے عبدالکریم

ہمیں تمھارا خط پہنچا اور تمام حال معلوم ہوا۔ یہ خط تمھیں ہمارے معتمد علیہ حاجی بابا بیگ سے ملے گا جو کچھ تمھارے پاس زر نقد ہو سب ایک ایک کر کے اسے دے دینا۔ اور جو کچھ لکھنا ہو گا پھر تحریر ہو گا۔ لیکن اب تو صرف یہی ہے کہ لوگوں کو خوب ہی لکڑیوں سے ادھیڑو اور ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ تمھیں اپنی پاک حفاظت میں رکھے گا۔

یہ تو میں نے سارا کام مکمل کر لیا اب میں اس خیال میں ہوا کہ کوئی مناسب ساعت آئے تو بچنے کی کوئی صورت نکلے کیونکہ یہ مقام جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں ایسا پر خطر ہے جہاں سوائے مرگ کے چارہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔

اس وقت ٹھیک آدھی رات تھی اور میں یہاں سے بچنے کے لیے تیار تھا کہ اتنے میں دروازے پر کسی نے بہت ہی ملائمت اور آہستگی سے دستک دی جیسے کوئی اندر آنا چاہتا ہے۔ یہ دستک سنتے ہی میری روح نکل گئی اور میں یہ سمجھا کہ شاید داروغہ یعنی سپرنٹنڈنٹ پولیس میری گرفتاری کے لیے آ گیا ہے اب جو کچھ مجھ پر صدمہ پڑا وہی شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے جو ایسے خطرے میں پڑ چکا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد سنا کہ ایک عورت چپکے چپکے کسی عورت سے باتیں کر رہی ہے۔ خبر نہیں کہ ان عورتوں کے اندر آنے سے کیا نتیجہ ہوتا میں نے تو سوا اس کے اور کچھ جواب نہ دیا اور واقعی کیا جواب دیتا کہ میں تو زور زور سے خراٹے لینا لگا وہ یہ سمجھیں کہ ملا باشی سو گئے اب

دروازہ نہیں کھل سکتا کچھ دیر تو میں منتظر رہا جب میں نے دیکھا کہ ہر متنفس مکان میں چلا گیا اور اب کسی کا پتہ نہیں تو میں نے خاص راستہ سے بہت آہستگی میں باہر کی طرف قدم اٹھائے یہ راستہ گویا داخلہ کا تھا اور پھر میں سر پر پانوں رکھ کے بھاگا کہ ایسا نہ ہو میرا کوئی تعاقب کر کے گرفتار کر لے۔

میں نے اس سے بہت ہی ہوشیاری کی کہ کہیں پولیس مجھے نہ دیکھ لے او پھر میری یہ تمام کوشش بیکار ہو جائے۔

دن آخر کار نکل آیا تھا اور بازار رفتہ رفتہ سب کھل چکے تھے۔ اس وقت میں ملا باشی کے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اول مجھے خیال اسی کا آیا کہ میں ان کی وہ تبدیلی کروں کہ کوئی پہچان نہ سکے اور نہ میں مشتبہ گردانا جاؤں۔ ان کپڑوں کو تو میں نے پرانے کپڑے بیچنے والے کی دکان کے بھینٹ چڑھایا اور میں نے پرانے کپڑے زیب تن کیے لیکن اس وقت کپڑوں کے اتارنے چڑھانے میں میں نے اپنی قیمتی اشیا کا پورا خیال رکھا کہ کہیں ظاہر نہ ہو جائیں۔

یہ صورت بنا کر میں سیدھا افسر جلاداں کے مکان پر گیا اور ایک شخص کو جس سے میں اصلاً واقف نہ تھا وہ رقعہ دیا اور اس سے میں نے یہ کہا کہ یہ ملا باشی نے بھیجا ہے تم اپنے آقا کو ابھی دو اور یہ عرض کرو کہ ملا باشی نے ابھی اس کا جواب مانگا ہے کیونکہ ایک خاص کام کے لیے وہ شہر کے باہر جانے کو ہیں۔

بڑی خوشی تو مجھے یہ بات سن کر ہوئی کہ افسر جلاداں اپنے اندروں میں تھا وہیں سے اس نے رقعہ کا جواب لکھ دیا اور اندرون ہی سے حکم دے دیا کہ اس شخص کو ایک گھوڑا خاصہ گھوڑوں میں سے دے دیا جائے۔

اوہو اس وقت میری خوشی کا کچھ عالم نہ پوچھیے کہ جب میں نے اس جانور کو اصطبل سے آتا ہوا دیکھا۔ سنہری پاکھر پڑی ہوئی تھی۔ گلے میں سونے کی زنجیر۔ پیشانی پر سونے کی چمپاکلی۔ پاؤں میں جھانجن غرض وہ گھوڑا سر سے پاؤں تک زرق برق تھا اسی وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ یہ سب چیزیں عنقریب میری تقدیر میں ہوں گی یعنی میری ملک بنیں گی۔ اور بہت ہی جلد میں ان پر قبضہ کر لوں گا۔ میں نے پہلے اپنے دل میں سوچا کہ اس سے کچھ اس کی بابت سوال کروں پھر میں نے خیال کیا اگر ذرا بھی توقف کیا تو یہ تساہل ہی میری بربادی کا باعث ہو گا اس لیے میں بہت جلدی آنکھیں بند کر کے اس پر جا بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہوا۔ آن کی آن میں شہر کے دروازے سے باہر نکل گیا اور اب میں اس سے بہت ہی دور تھا۔

میں گھوڑے پر سوار اس بے تحاشگی سے جاتا تھا کہ نہ تو میں نے یہ پھر کر دیکھا کہ میرے پیچھے کیا ہو رہا ہے اور نہ میں کسی جگہ ٹھہرا یہاں تک کہ میں دریائے برج کی ریتی میں پہنچ گیا ہاں یہاں میں نے قیام کیا۔

میں نے یہ سنا تھا کہ ملا باشی کا گانؤں ہمدان کی ادھر ادھر سیدھ میں کہیں واقع ہے تو میں نے یہ سوچ کر سیدھا وہیں روانہ ہونے کا قصد کیا۔ میں جانے ہی کو تھا کہ یکایک اپنی تقدیر کے پلٹا کھانے سے میں بہت خوف زدہ ہوا۔ مگر پھر میں نے اسے سوچا اور اپنے اطمینان کے موافق اس میں رائے زنی کرلی میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ایک چور سے نہ کم ہوں نہ زیادہ غرض خاصہ ایک چور بنا بنایا ہوں ظاہر ہے اگر میں پکڑا گیا تو ضرور ہاون یا او کھلی میں میرا سر کچلا جائے گا۔ لیکن اس کے بر خلاف خیال کیا جائے کہ یہ حالت میری کس نے بدلی ہے اور مجھے ایسا کس نے بنایا ہے یقیناً یہ عجب کام صرف تقدیر کے ہیں یہ میرا قصور نہیں ہے میں تو اس خطا و گناہ سے بالکل مبرا ہوں۔ میں نے ملا باشی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کے مرنے کی خواہش کی اگر ایسا ہوتا کہ میں اس کے بچانے کے لیے چلا جاتا اور اس کا آخری دم میری گودی میں نکلتا تو چاہے واقعی میں کیسا ہی ہوتا بیشک میں پکڑ لیا جاتا اور لوگ یہی کہتے کہ حاجی بابا نے اسے قتل کر ڈالا تو اب یہ ایک بدیہی اور صاف امر ہے کہ تقدیر نے مجھے اس کا وکیل گردانا ہے اب جو کچھ میں کروں وہ خلاف قانون اور قاعدہ نہیں ہے۔ یعنی اس کے کپڑے میرے کپڑے ہیں اس کے سو تمن (اشرفیاں) میرے تمن ہیں اور علاوہ اس کے جو کچھ میں نے اس کے نام سے لکھا ہے وہ حق بجانب ہے۔ یہ خیال خوب دل میں جما کر اب میں سوار ہو کر چلا اور یہ دریافت کرتا جاتا تھا کہ افسر العلما کا گانؤں کہاں ہے اور یہاں کوئی ادھر ادھر عبد الکریم ہے۔

مجھے دوسرے ہی گانؤں کی حدود میں قدم رکھتے ہی معلوم ہوا کہ جس کو میں دریافت کرتا ہوں وہ شخص یہیں ہے۔ عبد الکریم یہاں موجود ہے اور اپنے آقا ملا باشی کی تحصیل وصول کر رہا ہے اور وہ مولوی ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب وہ مولوی کے لقب سے مشہور ہے تو مجھے بھی اپنی تحریر کی طرز پلٹ دینی چاہیے اور اس کو مولوی کے نام سے پکارنا زیبا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں گھوڑے سے اتر پڑا میں نے اپنی پاکٹ میں سے داوات نکالی۔ اور بستہ میں سے ایک کاغذ لیا اور پھر نئے طرز سے نامہ کو تحریر کیا اور پھر میں سوار ہو کر وہاں چلا کہ میں سو تمن لوں۔

بارہواں باب

حاجی بابا کا ایماندار نہ بننا۔ ملا نادان کی سرگذشت

غرض میں اس نامہ کو بدل کر سید آباد پہنچا۔ یہی گانوں کا نام تھا۔ سیدھا میں دروازے کی طرف چلا اور اس میں ایک حاکمانہ صورت بنا کر داخل ہوا جس کسان نے مجھے دیکھا جھک کر ضروری آداب بجالایا۔

میں۔(گھوڑے سے اتر کر اور ایک شخص کو باگ پکڑوا کر) عبدالکریم کہاں ہے۔ دم بھر میں لوگوں نے اسے جا کر اطلاع کی اب وہ فوراً حاضر ہوا۔

میں۔(معمولی سلام و دعا کے بعد) میں آیا ہوں۔ افسر العلمانے مجھے ہی اس خاص کام کے لیے بھیجا ہے جس کو تم بخوبی جانتے ہو اور اس گفتگو کے ضمن میں میں نے اسے وہ رقعہ بھی بڑھا دیا۔

عبدالکریم بہت ہی تیز نظر تھا کیونکہ اس نے اپنی تیز آنکھ کے ایک کونے سے بہت ہی ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیکھا تھا۔ لیکن جب اس نے وہ خط پڑھ لیا تو یہ الفاظ کہے۔ بچشم روپیہ تیار ہے لیکن آپ تازہ دم ہو لیں۔ آیئے آپ اندر تشریف لایئے۔

میں تو بہت ہی جلدی میں تھا اور یہ جلدی نہ صرف اس لیے تھی کہ میں اس کی تیز چمکتی ہوئی آنکھوں کے نیچے زیادہ دیر نہ رہوں بلکہ یہ تیزی اور تعجیل اس لیے تھی کہ مجھ پر کسی قسم شبہہ نہ ہو جائے میں نے دودھ اور میوے وغیرہ جا کر کھائے۔

عبدالکریم۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے تمھیں افسر العلما کے پاس کبھی دیکھا ہو۔(یہاں اس وقت منہ پھاڑے ہوئے سر دانگل رہے تھے) میں جس قدر ان کے نوکر و ملازم ہیں سب سے بخوبی واقف ہوں۔

میں۔ نہیں مجھے افسر العلما سے تعلق نہیں ہے میں افسر جلاداں کے خاص الخاص حاضر باشوں میں سے ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ملا باشی نے کچھ روپیے کا ان سے لین دین کیا ہے۔

جب میں نے یہ کہا اس نے سب مشکلیں حل کر دیں۔ اسے کامل اطمینان ہو گیا پھر کسی قسم کا سوال نہ ہوا۔ کیونکہ قیمتی گھوڑے زریں زین ولجام۔ اب ان سب چیزوں سے کوئی کھٹکا نہیں رہا۔

میں نے سو تمن لے کر بہت حفاظت سے چھاتی میں رکھے اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ظاہراً جو راستہ شہر کی طرف جاتا تھا اس پر ہو لیا میں جس خوشی کے ساتھ اس گانوں میں داخل ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ خوشی میں اسے الوداع کہا۔ لیکن جونہی میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہوا میں نے اپنا خلاف راستہ اختیار کیا اور گھوڑے کو مہمیز کر کے زور سے ہانکا یہاں تک کہ وہ اس وقت پوری تیزی میں تھا۔

میں نے ارادہ کیا کہ سیدھا کرمان شاہ چلا جاؤں اور وہاں اپنے گھوڑے اور زریں زین ولجام کو فروخت کر ڈالوں اور پھر سیدھا بغداد ہو لوں تا کہ ہر آفت سے محفوظ ہوں اور پھر وہاں مجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔

میں راہ پر تقریباً پانچ فرسنگ گیا ہوں گا کہ میں نے راستہ میں ایک خوبصورت شخص کو کچھ گاتے ہوئے دیکھا۔ یہ خاصی صاف اور نفیس پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھا سلیپر پاؤں میں تھی اور ململ اس کے تمام چہرے پر لپٹی ہوئی تھی بس اور کچھ نہیں صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ بھی کوئی راہگیر ہے۔ جب میں اس کے قریب آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کی صورت پہلے کبھی دیکھی ہے۔ یہ لانبا قد تھا۔ چوڑے چوڑے اس کے کاندھے تھے اور بہت ہی پتلی کمر تھی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ ملا نادان ہو لیکن پھر میں نے دل میں سوچا کہ چاہے جو کچھ ہو جب بھی وہ بہت بڑا مولوی ہے بھلا وہ گانے کیوں لگا یہ تو اس کی شان سے بعید ہے۔

رفتہ رفتہ میں نے اسے دیکھا گو اب بھی پوری اس کی صورت نہیں دیکھی تھی لیکن ہاں اتنا معلوم ہو گیا کہ میں غلطی پر نہ تھا واقعی یہ ملا نادان ہی ہے۔

میں نے اپنے گھوڑے کو ٹھہرایا کہ میں اپنے سے اسے آگاہ کروں یا نہ کروں یہ میں سوچنے لگا کہ اس سے صاف نکل جانا اور اس سے خبر نہ ہونا یہ تو ایک بہت ہی بے رحمی ہو گی اچھا اگر اس کو ساتھ لیا جاتا ہے تو پھر اس کا بوجھ بھی مجھ پر ہی پڑے گا اور بھی زیادہ بے آرامی ہو گی۔

اور اگر یہ بھی ہوا کہ میں اس سے بچ کر نکل گیا اور اسے معلوم ہوا کہ میں کون تھا تو ضرور یہ مجھے چور کے نام سے مشہور کرے گا۔ گو میں اس سے اس وقت بچ جاؤں گا یہ بھی سہی لیکن میں نے ہمیشہ کو اس کو اپنا جانی دشمن بنا لیا۔

ہم دونوں ایک گانؤں کے بہت ہی قریب تھے جہاں ہمیں رات کو قیام کرنا زیبا تھا کیونکہ میرا گھوڑا ایسا شل ہو گیا تھا کہ جب تک اسے شب کو آرام نہ ملتا تو وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ میں اسے آگے ہانکتا۔

میں نے اپنے گھوڑے کو بیچ کے راستہ میں ڈالا اور دل میں خیال کیا کہ اگر اس نے مجھے پہچان لیا تو خیر اور جو نہ پہچانا تو میں ظاہراًاور غیر پوشیدہ اس کی نظروں کے آگے سے بڑھا چلا جاؤں گا۔

ملانادان۔ او آغا خدا کے لیے اس کمبخت شخص پر بھی ایک نظر ہو کیونکہ مجھے سوا تمھارے اور خدائے عزوجل کے اور کوئی پناہ نہیں ہے۔

اس کے اس دردناکی کے کہنے اور میری جناب میں اپیل کرنے نے میرے دل پر اصلاً اثر نہ کیا اور میں چپکا دو چار قدم اور بھی بڑھائے چلا گیا۔ کچھ دور تو خاموش گیا ہوں گا لیکن پھر مجھے ہنسی آ گئی اور میں کھکھلا کر ہنس دیا۔ میرا ہنسنا ایسا ہی بے محل معلوم ہوا جیسا اس کا گانا۔ لیکن جب میں نے باتیں کرنی شروع کر دیں تو سارا شبہہ اس کا جاتا رہا اور اب وہ اس خوشی اور شادمانی سے میری طرف لپکا جس سے بالکل دیوانہ پن پایا جاتا تھا جیسے بہت خوشی میں کوئی دیوانہ ہو جاتا ہے۔

ملانادان۔ اے حاجی۔ میری روح۔ میرے چچا۔ میری آنکھوں کی روشنی۔ (میرے گھٹنے چوم کر) کس آسمان سے تم نے نزول کیا ہے۔ اس عمدگی ٹیپ ٹاپ اس گھوڑے اس سونے اس زریں زین ولجام کے کیا معنی۔ کیا جنات اور دیوؤں سے تمھارا سابقہ پڑ گیا انھوں نے تمھاری مدد کی ہے یا کسی جنی سے عشق ہو گیا کہ اس نے یہ سب سامان مہیا کر دیا۔

چونکہ مجھ کو بہت ہی خوشی تھی اور میرا دل بہت ہشاش بشاش تھا ملانادان کی اس تعجب آمیز گفتگو سے مجھے ہنسی آ گئی۔ اور جب وہ یہ کہنے لگا تو میں بے اختیار مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔

یہ بات کیونکر ہو گئی کہ تم نے اپنے خچر کو ایسے نفیس زرین زین ولجام والے گھوڑے سے بدل لیا۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ میری ملک کا کیا ہوا تم نے میرا گدھا بھی نہ بچایا بھائی میں تو پیدل چلتے چلتے بالکل تھک گیا۔ تمھیں پیغمبرؐ کی ریش مبارک کی قسم کہ مجھ سے ساری کیفیت کہو کہ یہ معاملہ کیونکر ہو گیا۔

میں نے یہ سوچا کہ اگر اپنی پوری پوری سرگذشت اس سے بیان نہیں کرتے تو یہ شبہہ کرے گا کہ شاید میری کل املاک پر قبضہ کر کے اس کو اس نے کھڑے کھڑے بیچ ڈالی ہے اور پھر یہ نفیس اور عمدہ سامان مول لایا ہے۔

میں نے اس سے اقرار کیا کہ تم گھبراؤ نہیں میں تم سے پوری کیفیت مشرح بیان کروں گا۔ پہلے ہم باہم گانوں میں چل کر ذرا سانس لے لیں پھر ساری سرگذشت اول سے آخر تک کہہ دی جائے گی۔

ہم دونوں گانوں کی طرف بڑھے اور وہاں جا کر مہمان خانے میں اترے مہمان خانے تمام ایران میں تقریباً ہر جھونپڑے والے گانوں میں بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں پردیسی مسافر آزادی سے قیام کر سکتا ہے۔ یہاں گویا رات کے رہنے کی جگہ ہم نے اپنے لیے مقرر کی۔

میری جیسی شکل وصورت کا آدمی ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ کدخدا یعنی جمعدار زمینداراں آیا اور اس نے ہماری راحت کے لیے ہر شے جو ممکن ہو سکتی تھی مہیا کر دی۔ جب ہم نے ذرا آرام لے لیا تو میں جو کچھ میری اصلی اصلی سرگذشت تھی سب کہنی شروع کی اور اول سے آخر تک بے کم وکاست کہہ دی۔

جب ملا نادان نے یہ سنا کہ میرا پرانا اور جانی دشمن مر گیا تو اس قدر خوش ہوا کہ کیا عجب جو شادی مرگ ہو جاتا کیونکہ اس نے اس کے مرنے سے سب کچھ بھر پالیا۔ جب ہم باہم کچھ ایک دوسرے پر بھروسے کے معاملے میں گفتگو کرنے لگے تو میں نے اس سے یہ کہا کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں معلوم کیا تھا کہ تمھاری طبیعت اس قسم کی صاف ہے اور تم یوں صاف باطن ہو۔ بھلا ایسا خوش مزاج شخص جیسے تم ہو اور ہو کون سکتا ہے۔

ملا نادان۔ افسوس اے حاجی میری تقدیر ہمیشہ نامساعدت بخت سے کمبخت پلٹا کھاتی رہی ہے میں صرف اس پھرکی کے موافق ہوں جو ہمارے بازاروں میں نوروز کے دن گردش کناں ہوتی ہے اور جو آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق لٹکائی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے میں ان اشخاص میں سے ہوں جنھوں نے یہ مقولہ کبھی پسند نہیں کیا کہ۔ "اپنی چادر ایک گیلی جگہ میں نہ پھیلاؤ۔"

میں۔ آپ اپنی سرگذشت بیان کریں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنا وقت خوش گزاریں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھ پر بھروسہ کرنے سے انکار نہ کریں گے۔

ملا نادان۔ آپ میری تاریخ میں کچھ بھی نہ سنیں گے سوائے انھیں معمولی واقعات کے جو اکثر ایرانیوں پر آ کر پڑتے ہیں جو ایک دن تو شہزادے ہیں اور ایک دن بھکاری ہیں لیکن چونکہ تم میری سرگذشت سننے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہو اور بہت ہی متعجبانہ دریافت کرتے ہو اس لیے میں تم سے اپنی سرگذشت بیان کرتا ہوں۔ غرض ملا نادان نے مفصلہء ذیل اپنی تاریخ بیان کرنی شروع کی۔

ملا نادان۔ میں ہمدان کا رہنے والا ہوں۔ میرے والد کو وہ مرتبہ اور بلندی حاصل ہوئی کہ وہ ایران کے مجتہد بن گئے۔ مگر بد قسمتی سے مذہب کی چند خاص خاص باتوں میں مباحثہ ہو گیا اور اس مباحثے نے ایسا طول کھینچا کہ ایک گروہ دشمن ہو گیا اور اس کی دشمنی نے ان کو بلندی پر چڑھنے نہ دیا۔ میرے والد کے خاص سر بر آوردہ اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی تھا کہ خلاف مذہب والوں کی حقارت کریں اور عموماً وہ ان پر ادھار کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔

کہ ہمارے باپ داداؤں میں سے کوئی صاحب فارس میں آئے تھے ان کو مذہب شیعہ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ شیعہ کے بچوں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔

میں یہ امر دلیری سے کہتا ہوں کہ آپ کو ہر گز اس قسم کا اتفاق زندگی میں نہ پڑا ہو گا جیسا مجھے پڑا ہے کہ جب ہوا ہے کسی غلیظ اور مکدر مقام میں کبھی میں نے بزرگان دین کا نام نہیں لیا ہے۔

میرا باپ ان لوگوں کو حقارت سے دیکھتا تھا۔ کفار پر بہت سختی سے حملے ہوتے تھے۔ میرے باپ کا کنبہ جس میں میں بھی شریک تھا کٹے دیندار ہو گئے اور سب کے دلوں میں سختی کے اصول جم گئے وہ سمجھ گئے کہ اسلام کے دشمنوں کو گالیاں دینا یہی عین ایمان کی نشانی ہے۔

اس کے بعد تمھیں میری اس کاروائی سے تعجب نہ ہو گا جو میں نے طہران میں کی۔ اور آرمینین کی مئے رنگین کے خم کے خم لنڈھا دیے اور برباد کر دیے۔ لیکن یہ جوش کا جلوہ جو تم نے مجھ میں ملاحظہ کیا صرف مجھے اپنی زندگی میں یہی پہلا نہیں اٹھا۔ شروع جوانی میں جب میں طالب علم تھا اور ہمدان میں تعلیم پاتا تھا تو مجھ سے ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا تھا اور بہت ہی درہمی برہمی اور ہنگامہ کھڑا ہو گیا تھا اور جس کا ترقی دینے والا میں تھا۔ پاشا بغداد کے پاس ایک ایلچی دربار شاہ میں جاتا تھا۔ چونکہ ہمارے شہر میں ہو کر گذرا تھا اس لیے اس نے مع اپنے ساتھی کے کچھ روز یہاں بھی قیام کیا تھا۔ یکا یک ان سبقوں سے جو میرے والد نے دیے تھے میری طبیعت بھڑک اٹھی اور اب میں نے ان کو عملی طور پر برتنا چاہا۔ میں نے چند نوجوانوں کو مجھ جیسے تھے جمع کیا اور ان سے میں نے خاص خاص اس قسم کی باتیں کہیں۔ میں نے اس قسم کی باتیں کر کر کے ان کو اس قدر جوش دلائے کہ ہم سب اس امر پر آمادہ ہوئے کہ اپنے مذہبی اصول کے موافق کام کریں ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے مہمان ترکوں پر حملہ آور ہوں اور ان کے آگے ان کو برا بھلا کہیں اور ان کو اپنے مذہب پر لے آئیں۔ ہم اس بات سے محض نابلد تھے کہ ایلچی

سے کیونکر پیش آتے ہیں ہم نے تو صرف یہ دیکھ لیا کہ سلیمان آفندی چونکہ ہمارے خلاف ہے اس لیے ہمارا جانی دشمن ہو گا۔

ایک دن وہ اپنے مکان سے گورنر ہمدان کی ملاقات کے لیے نکلا تھا کہ ہم کئی آدمی جمع ہو گئے اور ہم نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ یہ سن کر انھیں سخت غصہ آیا۔ اور انھوں نے اس کا جواب گھونسوں سے دینا شروع کیا۔ ہم نے یہاں سے تیر مارے۔ غرض یہ معاملہ بہت بڑھ گیا اور عوام میں اس کی آگ بہت ہی مشتعل ہو گئی۔ پاشاء بغداد کے وکیل کی پگڑی سر پر سے نوچ لی گئی جس سے اس کی توہین ہوئی اور اس کے کپڑے قریب قریب سب ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے گئے تھے۔

اس امر سے ایلچی بہت ہی خشمگین ہوا اور اس کا ارادہ ہوا کہ شاہ کے پاس ایک قاصد بھیج دے اور وہ اپنے آقائے بغداد کے پاس پھرنے کو تھا کہ گورنر ہمدان کو اس کی اطلاع ہوئی یہ سنتے ہی اس کا دم نکل گیا کہ پاشاء بغداد کے ایلچی کے ساتھ اس طرح ہمدان کے لوگ پیش آئے اس نے ان سے اقرار کیا کہ آپ بغداد واپس نہ جائیں میں سب طرح سے آپ کا یہیں اطمینان کر دوں گا فوراً جو لوگ کہ اس ہنگامے کے بانی اور رہنما تھے گورنر کے آگے بلائے گئے۔

مجھے اپنے باپ کی منزلت اور رتبہ پر بہت بھروسہ تھا اور یہی تمام شہر کا حال تھا کہ انھیں کسی بات کی پرواہی نہیں تھی لیکن گورنر ہمدان کا تو اس سے دم نکلتا تھا کہ اگر یہ خبر طہران کو جائے گی تو میں فوراً موقوف کر دیا جاؤں گا اس نے فوراً مجھے اور دوسرے ساتھیوں کو پکڑ کر ایلچی کے حوالے کر دیا۔

میں اپنے دل کی وہ حالت کبھی نہ بھولوں گا کہ جب میں ان لوگوں کے منہ بہ منہ آیا جن سے میں سخت متنفر تھا۔ اب یہاں میں نے اس دشنام دہی کی ندی کو اپنے دل میں بند کیا جو ابھی ان پر ڈالی گئی تھی اور جس کی بوچھار نے ان کو بھڑکا دیا تھا۔

اس وقت معلوم ہوا کہ وہ ہمیں اس کی مکافات دینے کو تیار ہیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم بھی واقف ہو گئے کہ ہمیں ہماری ہرزہ درائی کی یہ سزا ملے گی انھوں نے ہمیں خالی نہیں چھوڑا بلکہ ٹکٹکی میں باندھ کر لکڑیوں سے پٹنے کی ہمیں سزا دی۔ اب ہم پر جو پیر بندھ کر لکڑیاں پڑنی شروع ہوئیں الامان تمام مذہبی جوش کافور ہو گیا تھا۔ غرض ترکوں نے اپنا بدلا لے لیا اور ہم چھوڑ دیے گئے۔

اس سر گذشت سے برسوں تک میرا مذہبی جوش ٹھنڈا رہا۔ جوش کی بھڑکتی ہوئی آگ لکڑیوں کی مار سے سرد ہو گئی۔ ہاں یہ بات تو اب بھی تھی کہ جیسا میرے والد نے تعلیم کیا تھا میں مذہبی ردوبدل اور مباحثہ برابر کیا کرتا تھا۔ جب میری پچیس برس کی عمر ہو گئی اور میری داڑھی بھی نکل آئی تو میں اصفہان چلا گیا تاکہ میں اپنے مشہور علما کا فیض صحبت اٹھاؤں اور ان کی صحبت میں قابل مدح لیاقتیں پیدا کروں کہ جو مجھے زیبا ہیں میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور میں نے بڑی ناموری حاصل کی میں صرف یہ موقع ڈھونڈھتا تھا کہ کسی طرح سے میں اپنے کو ممتاز بناؤں۔ چنانچہ مفصلہء ذیل صورتیں جب آکر واقع ہوئیں تو میں کامیاب ہوا۔

اسی زمانے میں مشہور شاہ صفی جو غیر متعصب تھا اصفہان میں اپنا قیام بہت ہی رکھتا تھا کہ تجارت کو کچھ ترقی دے۔ اس نے تمام مسیحی علما کو آزادی دے دی تھی کہ وہ بہت دل کھول کر اپنے ارکان دین کو ہر جگہ اور ہر مکان پر ادا کریں۔ اس نے گرجے بنانے کے لیے بھی انھیں حکم دے دیا کہ وہاں پادری رہا کریں۔ اور اس کے علاوہ یہاں تک حکم دے دیا کہ وہ عبادت کرنے والوں کے بلانے کے لیے گرجاؤں میں گھنٹے بھی بجایا کریں۔ ان فرانسیسیوں میں گرجا کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا ہے وہ بھی خلیفہ ہی کی قسم سے ہے جس کو یہ لوگ پاپا کہتے ہیں۔ اس کا فرض یہ ہے کہ تمام دنیا میں اپنے مذہب کی تلقین کرے۔ مختلف مقامات پر ان کے مذہبی مشن مقرر ہیں کچھ خود اصفہان میں اور کچھ جلفا آرمینین میں۔

ان میں سے بہت لوگ چھوڑ چھوڑ کر چل دیے اور ان کی عمارتیں پرانی ہو ہو کر گر پڑیں لیکن وہ شخص کہ جس کا خاص فرض تلقین دین مسیحی ہے وہ اب بھی موجود ہے اس کی بربادی کے لیے میری اور میرے ہم پیشہ چند ملانوں کی بہت ہی کوشش ہوئی اور خدا کی قدرت ہے باوجودیکہ خود گورنمنٹ ان کی مخالف ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ دین مسیحی کی ایران میں بنیاد جمے لیکن اس پر بھی یہی لوگ بہت دولتمند نظر آتے ہیں اور ان کی تجارت کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہے۔

اس خانقاہ میں دو پادری رہتے تھے ان میں سے ایک تو گویا خود ایک آفت تھا جس نے دینا کو خوب سمجھا تھا۔ اس کی تدبیر بہت ہی صائب تھی اور اس کی فہم ایسی تیز تھی کہ اپنا آپ ہی نظیر تھا۔ یہ شخص بلند قامت دبلا اور قوی تھا اس کی دونوں آنکھیں خوب روشن تھیں اور اس کی آواز چلتی ہوئی اور تیز ہوا کے مانند تھی۔ یہ ہمیشہ ہمارے بڑے بڑے علما سے مذہب کی خاص خاص باتوں پر خوب بحث کیا کرتا تھا اور خوب للکار کر دلیری سے اپنے

مطالب کو ادا کرتا تھا۔ اور شیر کی طرح سے یہ ڈکارتا تھا اور یہاں تک دریائے تعصب میں ڈوب گیا جیسے نوح اس کا کشتی بان ہے اور صرف اس ہرزہ سرائی ہی پر اس نے تکیہ نہ کیا جو وہ کہا کرتا تھا بلکہ اس نے ایک کتاب بھی اسی مضمون کی شائع کی۔

بد قسمتی سے اس کتاب کا ہمارے علما میں سے ایک عالم نے جواب دینے کی کوشش کی جس نے یہ نہ سمجھا کہ آتش کے ساتھ بازی کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔

جب میں اصفہان میں پہنچا تو ایسی ہی باتوں کا بہت ہی چرچا ہو رہا تھا۔ اور خاص اس معاملے پر بہت بحث تھی چونکہ مجھے تردد اس بات کا ہوا کہ میں بھی کچھ مباحثہ کرلوں تو میں نے یہ تجویز دی کہ پادری صاحب کو کہلا بھیجا جائے کہ آپ تن تنہا علمائے اسلام سے مدرسئہ جدید میں روز مقررہ پر ملیں وہاں کامل طور پر مناظرہ ہو گا۔

پادری نے اس کو منظور کر لیا اول تو خوب خوب مباحثے ہوئے آخر کار پادری کو کہیں معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ آمادہءفساد ہیں تو وہ پوشیدہ چھپ چھپا کر چل دیا اور ہماری کوششیں خوب کامیاب ہوئیں کیونکہ ایک مدت مدید کے بعد وہ پھر وہاں آیا تھا۔ میں نے اس موقع پر اپنا جوش و خروش ظاہر کیا تھا اور مختلف طرق سے وہ پیر نکالے تھے کہ میں گویا مولویوں کے گروہ میں سربر آوردہ بن گیا۔ سربر آوردہ تو بن گیا۔ لیکن اس شہر میں رکھا ہی کیا تھا جو مجھے کچھ حاصل ہوتا۔ اب میں نے یہ چاہا کہ طہران چلو وہاں ضرور فائدہ بخش اور مستقل صورت نکل آئے گی اب میں اس طرف متوجہ ہوا۔ جب یہ معاملہ ختم ہو گیا تو میں قم چلا گیا کہ وہاں مجتہد سے جا کر سفارش کراؤں کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کی سفارش دس برس کی عبادت اور روزہ رکھنے سے بھی زیادہ ہے یعنی صوم و صلوٰۃ کا اس قدر اثر نہ پڑے گا جتنا اس کی سفارش کام دے جائے گی۔ میں پورے طور سے کامیاب ہو گیا کیونکہ جب میں نے ذرا جا کر کافروں پر اناپ شناپ ہاتھ پھینکنے شروع کیے تو وہ مجھ سے بہت ہی مہربانی سے پیش آیا اور وہ یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا کہ یہ میرا ذہین متعلم ہے۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا میں نے صوفیوں پر خوب ہی جھاڑنا شروع کیا اور اس بات میں اس کی خوب ہی ہاں میں ہاں ملائی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس کی سفارش علمائے طہران اور وزیر اعظم کے پاس لے گیا۔ جب میں اس کے پاس سے جدا ہونے لگا تو اس نے بہت ہی رنج ظاہر کیا مگر میں نیک ساعت دیکھ کر روانہءطہران ہوا۔

میں آپ کو اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ اگرچہ یہاں اور آدمیوں سے زیادہ سب ہی کچھ شائیں شوں تھی اور رائیں بھی صائب تھیں لیکن جس قسم کی میں نے امید کی تھی کہ دربار میں مجھے باریابی ہو گی نہ ہوئی۔ مجھ جیسے اور بھی بہت سے ترقی کی امید میں پڑے ہوئے تھے اور بہ نسبت میرے دنیا کے کاموں میں بہت ہی پڑے ہوئے تھے ان کی طرح سے میں بھی درباری کرنے لگا اور میں نے بھی ان لوگوں کی امیدواری کی کہ جو درباری تھے مجھے مجلس علما میں بیٹھنے کا جب استحقاق حاصل ہو گیا تو میں نے رفتہ رفتہ وزیر اعظم اور وزیر خزانہ سیکرٹری اسٹیٹ اور افسر جلاداں سے روشناسی حاصل کر لی۔ میں ان کے صبح اور شام کے دربار میں حاضر ہونے لگا مگر کیا کچھ بھی نہیں میں رہا صرف وہی غریب ملا کا ملا مگر میں نے یہ کوشش کی کہ عوام الناس کے مجمع سے اپنے کو نکالوں اول میری وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی کیونکہ ایک بار مرثیہ خوانی کرنے کا اس کے مکان میں مجھے موقع مل گیا تھا میں نے لہک لہک کر مرثیے پڑھے کہ سب کو رولا رولا دیا۔

اس سے اتنا تو فائدہ کہ حضار مجلس اور وزیر اعظم واقف تو ہو گئے غرض میں نے لوگوں کی نگاہوں میں بہت ترقی کی اور ان کی نظروں میں توقیر ہونے سے مجھے بہت کچھ فائدہ ہوا۔ لیکن تم خود انصاف کرو کہ بھلا یہ لوگ کیا کر سکتے اور ان کی طرفداری کیا کام دیتی کہ جب خود شاہ برگشتہ ہے۔ صرف ان لوگوں پر یہ بھروسہ کر کے کہ میرا اثر ان پر بہت ہے افسوس میں نے اپنے کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب جو کچھ میری مصیبت ناک حالت ہے وہ تم دیکھ رہے ہو جس طرح کہ بھوکے بنگالیوں کی صورت سے اپنے گھر سے نکلا تھا اسی طرح خراب و خستہ پھر اپنے مکان کو جاتا ہوں۔

تیرہواں باب

حاجی بابا اور ملاناداں کا باہم مشورہ کرنا

جب ملاناداں اپنی رام کہانی ختم کر چکا تو میں نے اس سے یہ کہا کہ جس قسمت نے آپ کو ایسی ذلیل جگہ سے وہاں پہنچایا تھا اور ایسا اعلیٰ عہدہ دلوایا تھا اور جس قسمت نے پھر ایسے نامعلوم غار ذلت میں جھونکا ہے تو پھر اسی قسمت سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ پھر بھی ایک بار اسی گمشدہ ممتاز جگہ پر پہنچاوے۔

گو کہ شب آخر ہوئی اے شمع توزاری نہ کر

پھر وہی محفل وہی تیرا شبستان غم نہ کھا

کیونکہ ہم دونوں نے ایران کی زندگی کو بہت کچھ دیکھا ہے۔ وہاں سوائے ناپائیداری اور تلون کے اور کچھ بھی نہیں ہمیشہ ایک شے کو کبھی قیام ہی نہیں رہتا۔

جس شخص نے تمھاری داڑھی جڑ سے اکھڑوائی جس نے تمھیں جلاوطن ہونے کا حکم دیا۔ ایسے بھی مواقع پڑ جاتے ہیں کہ وہ پھر تمھیں بلالے اور تمھیں تمھاری جگہ پر ممتاز کرے اسی بد قسمتی میں سرسبزی اور فراخی پوشیدہ ہے دیکھو جب سنار جلتی ہوئی اور شعلہ دیتی ہوئی آگ پر پانی چھڑک دیتا ہے تو ظاہراً وہ بجھ جاتی ہے مگر اس میں سے کچھ کچھ دھواں اٹھتا رہتا ہے۔ جہاں پھر اس نے اپنی نلی سے ذرا سا پھونکا پھر اسی طرح سے آگ بھڑکنے لگی۔

ملاناداں۔ بھائی اسی قسم کے خیالات سے تو میں اپنے کو ڈھارس دیتا ہوں تم نے جو مجھے سڑک پر گاتے ہوئے دیکھا تھا اسی قسم کے اشعار گا رہا تھا۔

غالباً شاہ نے اسے بہت ہی ضروری کیا ہے کہ وہ ایک نمائشی انصاف کریں اس خیال سے کہ مسیحی تجار پر ان کی عنایت ہائے گوناگوں مبذول ہوئے وہ دن اب آئے گا کہ جب اسے ارکان مذہب اسلام کے زیادہ دوست بنانے کی ضرورت ہو گی چونکہ لوگ مجھ سے بہت ہی محبت کرتے ہیں اور میں سب کا پیارا ہوں تو اس لیے مجھے امید ہے کہ مجھ جیسے لائق شخص کی نیک رائے کی خواہش ہو۔

مجھے پہلے یہ خیال آئے تھے کہ میں اس مولویانہ مکر و فریب کو چھوڑ دوں اور تاجر بن جاؤں لیکن پھر مجھے یہی خیال آیا کہ نہیں اپنی اصلی ہی قسمت کو آزماؤں۔ اب میں تو شہید ہونے کو بیٹھا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ شہادت میری دنیاوی نیکیاں۔ میرے گھر اسباب میرے سفید گدھے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

میں۔ تو اب تمھارا کیا ارادہ ہے آیا میرے ساتھ بغداد چلتے ہو یا اسی دن کے امیدوار ہو کہ جب شاہ تمھیں یاد کرے گا۔

ملاناداں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے وطن ہمدان چلا جاؤں جہاں میرا باپ جو ابھی زندہ ہے بہت ہی نیک نام ہے اور اس کی بہت ہی شہرت ہے تو میں اس کے وسیلے سے دارالخلافہ تک کچھ تحریک کراؤں گا اور پھر میں امید کرتا ہوں کہ مجھے ضرور میری جگہ مل جائے گی۔ لیکن تم نے بھلا کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ جب انشاء اللہ میں اپنی جگہ پر پھر بحال ہو گیا تو پھر تمھاری وہی ملازمت موجود ہے۔

ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ

قائم جو زمین و آسمان ہے

میں۔ افسوس اے میرے دوست اس بدیہی فیروزمندی سے جو تمھیں دکھائی دیتی ہے میں تم سے بھی زیادہ جلا وطن کیا گیا ہوں۔ وقائع نے میری گود میں بہت ہی خراب اور برے طریقے سے بازی کی اور میں اس وقت گویا ایک چور کی صورت میں ہوں میں سوا اس کے کہ اپنی قسمت کی پیروی کروں اور کچھ نہ کروں گا جس قسمت نے کہ مجھے افسر العلما کے کپڑے پہنوا دیے جس قسمت نے کہ اتنا زر نقد دلوا دیا جس قسمت نے کہ ایسا عمدہ زرین زین و لجام والا افسر جلاداں کا گھوڑا دلوا دیا۔ اسی قسمت نے مجھے میرے ملک سے نکالا اب میں نہیں چاہتا کہ یہیں رہ کر اپنی شامت بلواؤں اور اپنے ٹکڑے کرواؤں نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ کئی دن کے بعد میں ترکی عملداری میں پہنچ جاؤں گا اور وہاں پھر میں اپنے کو حفاظت میں سمجھوں گا۔ جب یہ بات طے پائی تو میں نے اس سے کہا کہ تم مجھ سے کچھ لے لو تا کہ سفر میں تمھارے کام آئے اب تم مفلس بھی ہو۔ یہ درخواست اس نے میری قبول کر لی اور مجھ سے دس تمن لیے اور یہ اقرار کیا کہ میں اپنی جگہ پر ممتاز ہونے کے بعد تمھیں تمھارے تمن دے دوں گا۔ جب مجھ سے یہ تمن لے چکا تو اس نے پھر مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ ہمدان چلو۔ اس نے بہت ہی خطرے مجھے دکھائے اور حد سے زیادہ ڈرایا اور یہ کہا کہ تم جانتے کیا ہو پیشتر اس کے تم شاہ کی حدود سے گذرو گے فوراً شاہ کے

آدمی گرفتار کرلیں گے اور ساتھ ہی اس کے وہ یوں کہنے لگا۔ اسی لمحہ ملا باشی کی موت تو مشہور ہو گئی ہو گی اور جونہی افسر جلاداں کو یہ معلوم ہو گا کہ گھوڑا ہاتھ سے نکل گیا وہ ایک لمحے کا بھی توقف نہ کرے گا اور سیکڑوں آدمی ادھر ادھر بھیج دے گا کہ تمھیں تلاش کر کے گرفتار کریں تو یہ تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہو گا کہ تم میرے ساتھ پناہ لو۔ ہاں جب یہ ہنگامہ اور طوفان بے تمیزی فرو ہو جائے گا اس وقت آزادی سے تم اپنی آرا کا استعمال کر سکتے ہو ہمدان سے کچھ دور کے فاصلے پر میرے باپ کا گانؤں ہے وہاں تم بآرام تمام رہ سکتے ہو اور پھر تم پر کوئی شبہہ بھی نہ کرے گا اور ہم تمھارا گھوڑا اور اس کا سارا سامان اس طرح سے پوشیدہ کر دیں گے کہ خبر بھی تو نہیں ہو گی۔ ہمدان یہاں سے کچھ بہت دور نہیں ہے اگر آدھی رات کو یہاں سے روانہ ہوں تو ہم علی الصباح وہاں پہنچ سکتے ہیں اور یہ بہت ہی آسان ترکیب ہے کہ ہم دونوں گھوڑے پر سوار ہو لیں اور آناً فاناً میں منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ یہاں سے ترکی عملداری بہت دور ہے اگر گھوڑا تکان مان گیا اور نہ چل سکا تو بھئی پھر کیا کرو گے۔

ملا نادان کی گفتگو سے یکایک میرے خیالات بدلے اور مجھے معلوم ہوا کہ بات تو عقل کی کہتا ہے فارس کے حصہ سے میں محض نابلد تھا اور میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ میری حفاظت کے لیے نہ صرف یہی ضروری ہے کہ میں بڑے بلند راستوں سے واقف ہوں بلکہ ان راستوں کا بھی مجھے علم ہونا چاہیے کہ جہاں آمد و رفت کم ہو تو میں نے دیکھا کہ جیسا میں خیال کیا ہے کہ بہت جلدی سرحد ایران سے پار ہو جاؤں گا یہ کچھ ویسا آسان نہیں ہے۔ اگر ملا نادان مجھے دغا سے گرفتار کرانا چاہتا ہے تو یہ دونوں طرح سے کرا سکتا ہے خواہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں خواہ اس کی رائے تسلیم کر کے اس کے ساتھ ہمدان چلوں تو ان دونوں باتوں میں بہتر ہے کہ اسی پر بھروسہ کروں۔

"چلو چلو تو سہی جو کچھ کرے مرا مولیٰ کرے۔"

میں نے اس کی تدبیر کو پسند کر لیا۔ ہم دونوں خوب کھا پی کر تازہ دم ہو گئے اور آدھی رات کو ہمدان روانہ ہوئے کہ جلدی سے آفتاب نکلنے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں جب ہم ایک بلند سڑک پر پہنچے جہاں سے شہر ہمدان دکھائی دیتا تھا ہم نے وہاں قیام کیا کہ جو کچھ اس وقت عمل کرنا ہے اس کا مشورہ کر لیں ملا نادان نے انگلی سے ایک گانؤں کی طرف جو ایک فرسنگ کی دوری پر تھا اشارہ کر کے یہ کہا۔ دیکھو وہ گانؤں ہے جہاں تم رہو گے اور جب تک ملا باشی کا معاملہ ٹھنڈا نہ پڑ جائے گا تمھیں یہیں رہنا پڑے گا لیکن ہاں نہ تو تم یہ فوق البھڑک کپڑے پہنے رہو اور نہ اس شاندار گھوڑے پر سوار ہو جس سے خوامخواہ لوگوں کا تم پر شبہہ آکر واقع ہو۔ لو آؤ ہم اپنی پوشاکیں تبدیل کر لیں

اور تم مجھے اپنا گھوڑا سپر د کر دو۔ جب تمھاری یہ صورت ہو گی اور اس صورت سے تم میرے باپ کے گائوں میں جاؤ گے وہاں تم پر کوئی شبہہ نہ کرے گا پھر میں تمھاری پورے طور سے خبر گیری کروں گا اس انتظام سے بہت ہی نیک صورت پیدا ہو گی۔ تم پر کسی قسم کا شبہہ آ کر واقع نہ ہو گا اور جیسی حقارت آمیز اور توہین خیز میری صورت ہے میں ویسا نہ رہوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ میری جیسی طہران میں گت بنائی گئی ہے اس کی خبر ضرور میرے کنبے میں پہنچ گئی ہو گی اور شاید وہ دنیا کی نظروں میں محقر ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس ملک میں جہاں ظاہراً ٹیپ ٹاپ بہت کچھ کام دیتی ہے جب وہ یہ دیکھیں گے کہ ملا نادان ایسی قیمتی پوشاک بھی پہنے ہوئے ہے کمر سے دوشالہ لپیٹے ہوئے ہے ران کی نیچے ایک زرین زین ولجام اور سنہری سامان کا گھوڑا بھی ہے تو وہ سمجھیں گے کہ یہ اپنی جگہ پر بحال کر دیا گیا۔ بس اس صورت میں میری بہت بڑی عزت ہو گی۔ جب میں کچھ دن تک یونہی اس گھوڑے پر سواری کروں گا اور یہ پوشاک زیب تن کروں گا تو پھر اس سامان کو بہت آسانی سے فروخت کر ڈالوں گا اور جو کچھ اس کی قیمت ہو گی وہ میں تمھیں دے دوں گا۔

اپنے ساتھی کی یہ تجویز سن کر میں بہت ہی چونکا کیونکہ میرے ساتھی نے مجھ کوئی پر اس قسم کا الہام والقا تو بھجوایا نہیں تھا جس سے میں یہ ملک صرف باتوں ہی باتوں میں اسے سونپ دیتا اور کچھ خیال دل میں نہ لاتا۔ لیکن پھر بھی جو کچھ اس نے کہا وہی میں نے سچ جانا کیونکہ یہ میرے لیے ناممکن تھا کہ دس دن تک بھی یا ایک پندرھواڑا اس جاہ و جلال کے ساتھ گذاروں اور مجھ پر لوگ شبہہ نہ کریں قطعی میں مشتبہ گردانا جاؤں اور جاؤں یہ سچ ہے کہ اس وقت میں بالکل ملا کے دست قدرت میں تھا جو کچھ اس نے کہا ہے اگر ایسا ہی انتظام کیا جائے تو گویا یہ بھی میرا ساتھی ہوتا ہے اور جب تک اس پر کوئی آفت آ کر نہ واقع ہو گی یہ مجھ کو ملزم تو نہیں بنا سکتا۔

میں۔ اچھا خیال کرو کہ کوئی افسر جلاداں کا آدمی گھوڑے کو پہچان لے تو پھر اس وقت کیا حال ہو گا۔ جس طرح سے کہ میں پکڑا جاتا فوراً تم بھی یونہی گرفتار کر لیے جاؤ گے۔

ملا نادان۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔ جس طرح سے کہ ہم نے جلدی سفر کیا ہے کوئی شخص اتنی جلدی سفر نہیں کر سکتا اور جب تک کوئی افسر ہمدان پہنچے گا میں اپنے باپ کے گھر میں پہنچ جاؤں گا اور پھر تمام تدبیریں عمل میں آ جائیں گی۔ پھر یہ بہت ہی آسان ہو گا کہ ہم گھوڑے اور اس کے سنہری سامان کو بہت اچھی طرح پوشیدہ کر دیں گے اور میں تمام بلا اپنے سر لے لوں گا۔

بس سوا اس کے اور کچھ بھی میرے لیے نہ خیال کیا گیا۔ ہم نے فوراً باہم کپڑوں کی تبدیلی کر لی اس نے متوفی ملا باشی کے مجھ سے کپڑے لے لیے۔ قبا۔ شال جو کمر پر باندھا جاتا ہے اور اس کا چغہ جو بہت سبز کپڑے کا بنا ہوا تھا اور میں نے اس کے عوض میں اس کے پرانے کپڑے لیے وہ کپڑے کہ جب وہ جلا وطن کیا گیا ہے تو لوگوں نے اس کے ٹکڑے اڑا دیے تھے۔ میں نے اسے اپنی کالی ٹوپی بھی دے دی جس کے ارد گرد اس نے ملا باشی کا شال لپیٹ لیا اور اس کے بدلے میں اس نے اپنی وہ پھٹی پھٹائی ٹوپی دے دی۔

میں نے ملا باشی کی تھیلی۔ باقیماندہ زر۔ گھڑی۔ مہر کو تو دبائے رکھا مگر نادان کو آئینہ۔ جیبی تسبیح اور کنگھا دے دیا۔ اس نے بستہ کاغذوں کا اپنی کمر سے کس لیا اور جب وہ کپڑے پہن پہنا کر تیار ہوا اور گھوڑے پر سوار ہوا تو ملا باشی معلوم ہوتا تھا میں اس کی یہ شان و شوکت اور صورت دیکھ کر چونکا۔

ہم دونوں ظاہراً بہت ہی خوشی خوشی علیحدہ ہوئے۔ اس نے مجھ سے اقرار کیا کہ تم بہت جلدی میری خبر سنو گے اور اس نے مجھے یہ بھی سمجھا دیا کہ شہر پہنچ کر یہ یہ باتیں بنائی جائیں اور اس کے علاوہ جیسی تمھاری عقل گواہی دے وہ کرنا۔ ملا نادان پھر سوار ہو کر چل دیا اور مجھ کو تن تنہا ایک مضطرب حالت میں چھوڑ دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ میں اکیلا رہ گیا تو اس وقت مجھے بڑا یہ تردد تھا کہ دیکھیے میری آئندہ قسمت کیا ہو گی اور حال کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ وہ متردد تو یہ مشتبہ۔

میں سیدھا گانوں کی طرف چلا اب میں یہ متفکر تھا کہ وہاں جا کر میں اپنے کو کس صورت سے ظاہر کروں اور کیا کہوں۔ اور اس کے باشندوں سے وقت تعارف کیا بیان کروں۔ غرضکہ صورت میری ایسی تھی کہ جیسے خدا رسیدہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ نہ تو میری کمر سے شال لپٹا ہوا تھا اور نہ قبا تھی اور نہ پاؤں میں جوتیاں سر پر ایک دریدہ ٹوپی۔ بہت سوچ سمجھ کر میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنے کو یہ مشہور کروں تو بہتر ہو گا کہ میں ایک سوداگر ہوں مجھ کو راہ میں کرد قوم نے لوٹ لیا اور پھر میں ان کو مریض ہونے کا دھوکا دوں گا۔ جس بہانے سے جب تک ملا میرے پاس آئے گا اور مجھے کچھ خبر دے میں رہ سکتا ہوں اور اس سے مجھے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اپنی پوشیدہ جگہ میں کب تک رہوں گا۔

یہی بات ہے کہ جس سے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور بخوبی کامیاب ہوں گا گانوں کے نیک آدمی اپنے بہت بڑی ستی کے حصہ میں اس شخص کی رام کہانی بگوش دل سنیں گے جس کو خدا نے ان کی طرف بھیجا ہے اور مجھ کو اپنی پناہ میں لے لیں گے۔

یہ تو سب کچھ تھا مگر بڑی بے آرامی یہ تھی کہ ایک ضعیفہ عورت جو اس گانوں میں بہت بڑی طبیب تھی میرے لیے بلائی گئی اور مجھ کو اس کے نسخے پینے کی ضرورت ہوئی۔

چودہواں باب

حاجی بابا کی آفت میں ملا نادان کا پھنسنا

میں نے اپنی پوشیدہ جگہ میں دس دن بڑے قہر کے گذارے اور اس وقت تک ملانادان کی کوئی خوشخبری نہیں معلوم ہوئی۔ مجھے شبہہ ہوا کہ اس کا ستارہ اب تک پستی کی طرف مائل ہے کیونکہ جیسی امید کی گئی تھی یہ معاملۂ ملا باشی فرو نہیں۔ شہر اور گانوں میں بہت ہی کم آمدورفت ہوتی تھی میں بہت ہی مایوس ہوا کہ دیکھیے میں کیونکر اپنے گھوڑے اس کے دولتمند زرین زین و لجام اور کپڑوں کی خبر پاؤں گا کہ اسی رات کو ایک کسان ہمدان سے اس گانوں میں واپس آیا۔ یہ کسان ہمدان اپنے کام کے لیے گیا تھا۔ یہ وہاں سے مایوسانہ واپس آیا اور مجھے میرے مطلب کی یہ خبر دی۔

اس نے کہا کہ ایک بہت بڑا غضب نازل ہوا کہ ایک شخص افسر جلاداں کی طرف سے ظاہر ہوا اس نے ہمارے آقا کے بیٹے کو پکڑ لیا اور اس کا گھوڑا چھین لیا اور اس کو گرفتار کر کے طہران لے گیا اور اس کو ملا باشی کا قاتل گردانا۔

اب میں اپنے ناظرین پر اس امر کو چھوڑتا ہوں کہ وہ میرے خیالات کا اندازہ کریں کہ اس خبر کے سننے سے میری طبیعت کا کیا حال ہوا ہوگا ملا کی طرف سے جو خاموشی ہوگئی تھی اس سے تو مجھے اطمینان ہوا گو اس وقت میں نے اپنے کو امن میں سمجھا لیکن اب یہ خیال ہوا کہ میں اس حالت میں کب تک رہوں گا۔

میں نے یکا یک یہ مشتہر کیا کہ میں اچھا ہوں۔ اور فوراً میں اس گانوں سے ہمدان کی طرف چلا تاکہ اس امر کو بخوبی تحقیق کروں کہ آیا جو کچھ کسان نے کہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔

نادان کا باپ شہر میں ایک مشہور و معروف شخص تھا مجھے اس کے تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں سیدھا اس کے مکان میں تو نہیں گیا اور نہ اس سے اپنے دوست کی خبر سنی لیکن وہیں اس کے مکان کے پڑوس میں ایک حجام کی دکان میں ٹھہر گیا سبب یہ تھا کہ یہ شخص مجھے مطلق نہیں پہچانتا تھا اور دوسرے یہ بات بھی تھی کہ مجھے اس نائی سے ضرور پوری پوری خبر نادان کی ملے گی۔

یہ نائی ایک زیادہ گو اور ہر کام سے باخبر ملا۔ اور یہی میری خواہش تھی چنانچہ جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ آج شہر میں کیا گذری۔ اور میں نے اس خبر سے جس نے ہر فرد بشر کو متعجب و حیران کر دیا تھا اپنی جہالت ظاہر کی تو اس نے ذرا قدم آگے اٹھایا اور مجھ سے یہ کہنے لگا۔

تم کہاں سے آتے ہو کہ اس ملانادان کی تمھیں اصلاً خبر نہیں۔ وہ صرف افسر العلما کو قتل کر کے مطمئن نہیں ہوا بلکہ اور بھی طرہ یہ ہوا کہ اس کے کپڑے پہن لیے خیر کپڑے پہن لیے تو اسی پر صبر کرتا بلکہ اس نے طرہ پر طرہ یہ کیا کہ افسر جلاداں کا گھوڑا چرا لیا۔ اور اس کا سامان وغیرہ لے آیا۔

میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ آپ جو کچھ گذری ہے بتا دیجیے کیونکہ میں اس سے محض نابلد ہوں۔ کیونکر ملانادان گرفتار کیا گیا اور کیا ہوا۔ اس نے یہ سن کر ایک لمحہ کا بھی توقف نہیں کیا اور یہ مفصلہ ءذیل کہنے لگا۔

دس دن کا عرصہ گذرا کہ یہ نادان ایک پُرشان و شوکت گھوڑے پر سوار اپنے باپ کے دروازے پر نمودار ہوا۔ بالکل صورت سے ایک خان معلوم ہوتا تھا یا ایک بہت بڑا امر د شمشیر۔ بھلا اپنی سیدھی سادی مولویانہ صورت کو چھوڑ کیا شکل بنائی تھی یہ بہت ہی قیمتی شال پہنے ہوئے تھا اور افسر العلما معلوم ہوتا تھا۔ اس کی اس صورت اور فیشن سے تمام ہمدان میں ایک تحریک پھیل گئی کیونکہ تھوڑے وقت پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ اس پر شاہ کا سخت عتاب ہوا اور وہ طہران سے بہت ہی خستہ اور یونہی صورت میں جلاوطن کیا گیا ہے۔ جب وہ گھوڑے پر سے اترا تو اس نے بہت کچھ دون کی لی اور اپنی بہت کچھ بڑائی کی اور جب اس سے یہ سوال کیا کہ ہم نے سنا تھا کہ تمھاری طہران میں یوں آبروریزی ہوئی اور شاہ کا یہ عتاب نازل ہوا تو اس نے یہ جواب دیا کہ ہاں صرف ایک شبہہ میں میری یہ صورت پیدا ہو گئی تھی لیکن بعد ازاں جب یہ ظاہر ہوا کہ یہ محض مجھ پر بہتان تھا تو میں پھر اپنے عہدے پر ممتاز ہوا اور اس بے عزتی کے عوض میں شاہ نے مجھے یہ گھوڑا بخشا جس پر میں سوار ہوں۔

ہر شخص نے اس کی اس رام کہانی کو یقین کر لیا اور جب وہ اپنے باپ کے مکان پر پہنچا ہے تو بہت ہی عزت سے اس کا استقبال ہوا لیکن دوسرے دن بدقسمتی سے ملانادان گھوڑے پر سوار ہو کر صبح کو شہر میں ذرا اپنی شوکت دکھانے کے لیے جاتا تھا کہ اتنے میں ایک شخص افسر جلاداں کا آدمی دروازہ ءشہر میں داخل ہوا یہ بھی طہران سے آیا تھا وہ ٹھہر گیا اور اس نے بہت غور سے گھوڑے کو دیکھا۔ اس کے زرین زین و لجام پر خیال کیا جب خوب ٹکٹکی باند کر

دیکھ چکا تو اس نے یہ کہا لا الہ الا اللہ خدا ایک ہے۔ اس نے آس پاس کے کھڑے ہونے والوں سے دریافت کیا کہ یہ گھوڑا کس کا ہے انھوں نے کہہ دیا کہ یہ گھوڑا ملا نادان کا ہے۔

افسر پولیس۔ بہت غصے میں۔ ملا نادان کون شخص ہے یہ گھوڑا تو میرے مالک کی ملک ہے جو افسر جلاداں ہے۔ تو پھر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں ہے چاہے اس میں ملا ہو یا اور کوئی ہو۔ محض جھوٹا ہے۔

جب یہ معاملہ ہوا تو ملا نادان نے اپنے کو مجرم از خود ظاہر کیا کیونکہ اسی حالت کے درمیان اس نے چاہا کہ اس شخص کی نگاہ سے پوشیدہ ہو جاؤں۔ یہ وہ افسر تھا جس نے طہران میں جلاوطن ہوتے وقت اس کو الٹے گدھے پر سوار کیا تھا تو دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے بھی تھے۔

مگر پھر بھی یہ افسر ملا نادان کو یکایک شناخت نہ کر سکا کیونکہ اس نے افسر العلما کی ٹوپی اور کپڑے سب زیب تن کیے ہوئے تھے یکایک ہوا ؤنہ پڑا۔ اگر ملا نادان اس جگہ سے نیچے چلا جاتا تو ہرگز وہ شخص اسے نہیں پہچانتا۔ لیکن جب برابر آنکھیں ملیں اور افسر نے پہچان لیا تو وہ غل مچانے لگا اسے پکڑو اور اس کی روح لے لو کیونکہ یہ وہی شخص ہے۔ کیا ہی میری نیک اختری نے کام کیا ہے۔ قسم ہے کہ یہ تو وہی بدمعاش دیوالیہ شخص ہے کہ جس نے افسر العلما کو قتل کر ڈالا اور افسر جلاداں کا گھوڑا چرا کر بھاگ آیا۔ اس وقت یہ مدعی افسر گھوڑے پر سے نیچے اترا اور اس نے اور اپنے ساتھیوں اور پاس کھڑے ہوؤں کی مدد سے ملا نادان کو گرفتار کر لیا ملا نے قسموں پر قسمیں کھانی شروع کیں کہ نہ میں چور ہوں نہ قاتل ہوں اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو لاؤ میں قرآن شریف بھی اٹھا جاؤں۔

نائی نے غرض ملا نادان اور اس مدعی افسر میں جو کچھ گذری تھی بہت ایمانداری سے صاف صاف کہہ دی۔ اس نے بیان کیا کہ نادان کے دوستوں اور باپ نے ہر چند چاہا اور بہت کچھ منہ بھرائی بھی دینی چاہی کہ یہ ملا نادان کو گرفتار کر کے طہران نہ لے جائے لیکن اس نے نہ مانا اور اسے پکڑ کر طہران کی طرف لے چلا۔

جس وقت میں نے اپنے ساتھی ملا نادان کی یہ کیفیت سنی تو میری چھاتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے کہ خدا کی شان ہے کیا اس کی قسمت آکر واقع ہوئی ہے۔

اول تو مجھے اپنے گھوڑے اور زرین زین و لجام کا بہت ہی صدمہ ہوا کہ کس ترکیب سے جان پر کھیل کر تو حاصل کیا اور یوں نکل گیا۔ اور پھر جب میں نے دوسرے پہلو سے نظر کی تو مجھے خوشی ہوئی کی اچھا ہوا یہ بلا ملا نادان ہی کے اوپر رہی اگر اس غریب کا سر کاٹا گیا تو پھر ظاہر ہے کہ مجھ سے تو کوئی باز پرس نہ کرے گا۔

اس وقت میں اپنے پر نظر کرتا تھا تو مجھے معلوم ہوتا تھا کہ نیک اختری میرے ساتھ ہے مگر ہاں ملا نادان کا ستارہ پھر گیا کہ وہ یوں بلائے بے درماں میں گرفتار ہوا بھلا ہم کیوں کپڑے بدلتے۔ وہ مجھے سے اپنا گھوڑا کیوں لیتا اور پھر ایسی صورت میں کہ میں اس کی تجاویز کو منظور بھی تو نہیں کرتا تھا۔ خدا کی قدرت ہے کرے داڑھی والا پکڑا جائے موچھوں والا۔ گو یہ ایک بدیہی بات تھی کہ وہ سزا بھگتے گا جس کا میں مستحق تھا لیکن پھر بھی میں نے یہ خیال کہ حاجی جب تک تم یہاں ہو یعنی ایران کی سرحد میں ہو اپنے کو ہرگز محفوظ نہ سمجھنا۔ اس لیے میں نے وہی اپنے سابق ادارے کو پورا کرنا چاہا۔ میں نے گھوڑے اور اس کے قیمتی سامان جانے پر اپنی ڈھارس بندھائی اور یہ کہا کہ اگر وہ جاتا رہا تو پچانوے تمن تو باقی ہیں جو میری حال کی احتیاجات کو کافی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بڑی ڈھارس میری اس فقرے سے بندھتی تھی کہ خدا بزرگ است کہ وہ مظلومین کی مدد کرتا ہے اور ان کو ہر آفت سے بچاتا ہے۔

اندھے کا دیا ہووے تو لنگڑے کا عصا ہو — رانڈوں کا ہو والی تو یتیموں کا خدا ہے

سنتا ہے اپیل اپنے ہاں وہ شاہ و گدا کی — دربار میں اس کے نہ سفارش کا پتا ہے

گل خار کو اور خار کو گل اس نے بنایا — بنجر کو اسی نے ہی تر و تازہ کیا ہے

جب ایسا ہے حاجی تو دعا کر تو اسی سے — شاید وہ سنے غور سے جو تیری دعا ہے

پھر نرگس خونبار کو اپنی تو دکھا دے

اور اپنے کلیجے کو جو صد پارہ ہوا ہے

پندرہواں باب

حاجی بابا کا اپنی حمامی سرگذشت کا ایک عجیب و غریب نتیجہ سننا

میں نے اپنے آپ کو تاجر قرار دے ہی لیا تھا اور مولویانہ طریقہ بالکل ترک کر دیا تھا کیونکہ اس مولویانہ صورت سے مجھ پر کیا کیا آفتیں نازل ہوئیں اور جان کیسے کیسے خطروں میں پھنسی۔ میں نے ایک خچر کا معاملہ کر کے آپ بھی اس قافلے کے ساتھ ہو لیا جو کرمان شاہ جاتا تھا۔ یہ بیکار خچر تھا کیونکہ طہران سے یونہی بے سامان آیا تھا اور چونکہ میرے پاس کچھ سامان وغیرہ نہیں تھا تو مجھے جانور نے بہت ہی آرام سے منزل مقصود تک پہنچا دیا۔
سات دن میں ہم منزل مقصود پر پہنچے اب یہاں میں نے اپنا مرکب بدلنا چاہا لیکن مجھے اس امر کی اطلاع ملی کہ ایک مہینے کے اندر اندر تمھارا کام نکلے گا کیونکہ جب تک کافی تعداد مسافروں کی نہیں ہو جاتی قافلہ نہیں روانہ ہوتا اور راہ میں کردش لوگوں کا بہت ہی ڈر ہے جو حدود فارس کو ہمیشہ زیر و زبر کرتے رہتے ہیں اور مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ کل ہی ایک گروہ لوگوں کا جنازہ کربلائے معلیٰ لے کر گئے ہیں اگر تم چاہو تو انھیں خوفناک اور پر خطر مقامات تک پہنچنے سے قبل لے سکتے ہو۔
یہ سنتے ہی میں نے تو چنداں بھی خیال نہ کیا اور نہ کچھ سوچا نہ سواری کا راستہ دیکھا پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ میرا زر نقد حفاظت سے میری کمر میں جکڑا ہوا تھا۔ میرے پاس سوائے میری جریب یا عصا کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ بس یونہی کرمان شاہ سے روانہ ہوا۔
تیسرے دن کی شام کو میں تقریباً ماندہ بھی بہت ہو گیا۔ میری نظروں کو دور سے جلتی ہوئی آگ کا خوش نظارہ معلوم ہوا جس آگ کا دھواں پہاڑی پر بل کھاتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ جب میں قریب گیا تو معلوم ہوا کہ گھانس کی زمین پر مویشی چر رہے ہیں۔ اس طرح سے میں نے یہ خیال کر کے کہ یہ کاروان ہے غلطی نہیں کھائی۔ جہاں اسباب سامان وغیرہ رکھا ہوا تھا جب اس طرف میں گیا تو میں نے دیکھا کہ ذرا دور کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا سفید ڈیرہ کھڑا ہوا ہے جب وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مستوراتوں کا ڈیرہ ہے کیونکہ اس کے پاس ایک تخت رواں اور

میانہ بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مہتمم کاروان میرے لیے مرکب کا سامان کر رہا ہے۔ میری تو ہرگز مرضی نہیں تھی کہ میں اپنی کسی کو اطلاع کرتا بلکہ میرا ارادہ تھا کہ میں چپ چپاتے چلا جاؤں کیونکہ میری حالت ہی ایسی تھی۔ مگر پھر بھی پچانوے تمن کا مجھے خیال آتا تھا کہ ایسا نہ ہو اکیلا دیکھ کر کوئی یہ بھی سنگوا لے اس لیے مجبوراً یہی ارادہ ہوا کہ اپنے ملک والوں کے ساتھ سفر کیا جائے۔

سامان میں مربع سے کچھ دور کے فاصلے پر جہاں میں بیٹھا ہوا تھا چند بڑے بڑے اور تنگ صندوق رکھے ہوئے تھے جو اونٹوں پر سے اتار کر زمین پر رکھے گئے تھے چونکہ میں نے آج تک یہ نہیں دیکھے تھے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ ان میں کیا چیز ہے تو انھوں نے کہا کہ یہ تابوت ہیں جن میں جنازے رکھ کر کربلائے معلیٰ کو لے جاتے ہیں۔

مہتمم کاروان۔ یہ ظاہر ہے کہ تم ایک پردیسی معلوم ہوتے ہو اس لیے تمھیں واقف ہونا زیبا ہے۔ ہم ایک شنگرف چیز کربلائے معلیٰ لیے جاتے ہیں۔

میں۔ ہاں میں تو ایک پردیسی اور انجان شخص ہوں۔ میں پیچھے سے آکر ملا ہوں اور میں اس شخص کے موافق ہوں جو پہاڑوں سے اترتا ہو خدا کے لیے آپ اس میں کیا لے جا رہے ہیں۔

مہتمم کاروان۔ کیا تم نے ملا باشی کی طہران میں عجیب و غریب موت کا حال نہیں سنا کہ وہ حمام میں کیونکر مر گیا۔ اور پھر کس طرح سے اس کا ہمزاد گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر اس کے حرم میں چلا گیا اور پھر وہ کس طرح سے افسر جلاداں کا گھوڑا لے کر چلتا بنا۔ تم کہاں تھے جب اس معاملے کا وقوع ہوا (دونوں ہاتھ تھرتھرا کر اور دونوں کاندھے سکیڑ کر۔)

میں یہ سن کر بہت ہی خوفزدہ ہوا مگر میں نے صاف انکار کیا اور میں نے اس سے درخواست کی کہ آپ اس سرگذشت کو تفصیل وار بیان کر دیں تو وہ اس طرح سے بیان کرنے لگا۔

خچر والا تمھیں اس سے آگاہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں کہوں گا وہ وہ واقعہ ہے جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس لیے کہ میں خود وہاں موجود تھا اور یہ بہت ہی صحیح ہے کیونکہ سارا میرا چشم دید واقعہ ہے۔

افسر العلما آفتاب غروب ہونے کے بعد۔ بعد نماز مغرب حمام میں گیا اور بعد اس کے وہاں سے مع اپنے ملازمین کے گھوڑے پر سوار ہو کے اپنی حرم سرا میں تخلیہ کے کمرے میں چلا گیا۔

اس امر کے تو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایران میں اکثر عام حمام علی الصباح ساعت مقررہ تک عورتوں کے لیے مخصوص رہتے ہیں اور پھر اس وقت کے بعد سے مرد نہانے دھونے آنے لگتے ہیں۔ صبح ملاباشی یعنی افسر العلما کی بیوی عوتوں کو لے کر حمام میں نہانے گئی۔ اول اول یہی عورت مع اپنی لونڈیوں کے بہت ہی فجر کے تڑکے نہانے گئی۔ اس دن اس سے پہلے اور کوئی حمام میں نہیں آیا تھا۔ چونکہ یہ بہت بڑا ادب ہے کہ بیگم کی لونڈیاں باندیاں ساتھ ساتھ حوض میں نہانے نہیں جاتیں اس لیے وہ تو سب باہر رہ گئیں اور صرف افسر العلما کی بیوی اندر گرم حوض میں نہانے کو بڑھیں اس وقت ایسا اندھیرا تھا کہ صاف نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہ اس حوض میں کوئی دو قدم گئی ہو گی کہ یکایک حد سے زیادہ ڈری کیونکہ اس کا ہاتھ ایک گوشت کے لوتھڑے پر پڑا۔

اول ہی تحریک میں تو اسے کچھ تعجب ہوا لیکن دوبارہ اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ بیہوش ہو گئی۔

اس کی حالت کی کیفیت بہت آسانی سے عورتوں کو معلوم ہو گئی وہ یکے بعد دیگرے موم بتیاں ہاتھوں میں لے کر دوڑیں کہ بیگم صاحبہ کیوں ڈریں اور یہ نوبت ان کی کیوں ہو گئی مگر ان میں ایک عورت نے اس اصلی واقعہ کو دیکھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اصل میں یہ بات تھی آخر ایک بوڑھیا عورت نے جو بیگم صاحبہ کی پاسبانہ تھی بہت دلیری سے اس حوض کی طرف دیکھا جب معلوم ہوا کہ یہ کسی شخص کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھتے ہی بہت کچھ غل و شور مچنے لگا جس سے بیگم صاحبہ ہوش میں آئیں اور ناظر گروہ کے ساتھ مل کر دیکھنے لگیں اور اس تیرتی ہوئی نعش کو کچھ یونہی سا پہچانا اور نظروں میں اب وہ مختلف طرح سے سمانے لگی اور کچھ کچھ صورت دکھائی دی غرض کہ سر اور چہرہ معلوم ہوا وہ بڑھیا عورت جب چراغ لائی اور اس نے پاس سے دیکھا تو ایک غل و شور مچ گیا اور یہ سب شور مچانے لگیں۔

ارے یہ تو ملاباشی ہے۔ ملاباشی ہے۔

یہ دیکھتے ہی افسر العلما کی بیوی پھر بیہوش ہو گئی اور لونڈیوں باندیوں نے واویلا کرنا شروع کیا اور اتنا غل مچایا کہ گویا قیامت کا صور پھکنا شروع ہو گیا۔ ممکن ہے کہ کسی کے کان میں آواز جائے اور وہ اسے صور قیامت نہ سمجھے۔

اسی حالت میں کہ سب عورتیں نالہ وبکا کر رہی تھیں اور اس نعش پر اپنا سینہ چاک کرتی تھیں کہ ایک عورت غل مچانے لگی کہ یہ ہمارا آقا نہیں ہے اس لیے کہ وہ تو شام کو حمام سے غسل کر کے آ گئے تھے میں نے ان کے لیے بچھونا کر دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک آرام کرتے ہوں گے یہ کوئی اور شخص ہو گا۔

اس سے اور بھی سب میں حیرت و پریشانی پھیل گئی کیونکہ انھوں نے یہ یقین کیا کہ جو کچھ یہ لونڈی کہہ رہی ہے واقعی وہ صحیح ہے مگر وہ ضرور ملاباشی کا ہمزاد ہو گا۔

بیگم۔ بھلا زندہ دوبارہ کون ہو سکتا ہے (نعش کی طرف اشارہ کر کے) یہی تو میرا خاوند تھا وہ نشان کھر تیچ کا اس کے موجود ہے جو میں نے کل اس کے چہرے پر کیا تھا۔

ایک لونڈی۔ دیکھو اس کی داڑھی میں ایک طرف کی جگہ بھی تو خالی ہے یہیں سے تو تم نے مٹھی بھر کے بال اکھیڑے تھے۔

اس قسم کی محبتی یاد دہانیوں نے بیگم صاحبہ کو بے تاب کر دیا اور وہ خون کے آنسو رونے لگیں اور بہت ہی نالہ و زاری کی مگر ہنوز لونڈیاں اطمینان دیتی جاتی تھیں کہ آپ ناحق روتی ہیں ملاباشی ابھی زندہ ہیں۔ ورنہ وہ میرے ہاتھ سے موم بتی جلتی ہوئی کیونکر لے لیتے۔ وہ دروازہ کیونکر بند کر دیتے اور پھر خراٹے کیونکر لینے لگتے۔ مجھے تو یقین ہے اگر وہاں چل کر دیکھا جائے گا تو بستر پر سوتے ہوئے ملیں گے میں ابھی جا کے ان کی خبر لاتی ہوں۔

ایک عورت بولی (نعش کی طرف اشارہ کر کے) اگر ملاباشی وہاں ہیں تو پھر یہ کیا چیز ہے۔

دوسری بولی۔ یہ اس کا ہمزاد کیوں ہونے لگا کسی شخص کے دو دو جسم نہیں ہوتے کہ ایک تو وہ جسم ہو جس میں وہ زندہ رہے اور ایک بدلنے اور تبدیل کرنے کے لیے موجود رہے۔

تیسری بولی۔ (مسخرے پن سے) نہیں کیوں نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قصبہ اور شہر کے مکانوں کی طرح سے اپنے جسموں کا بھی استعمال کرے۔

یہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں اور مختلف عورات بھی نہانے اور دھونے کے لیے آ گئیں جب وہ لونڈی جو ملاباشی کو گھر دیکھنے گئی تھی واپس آئی اور کہا کہ وہاں تو ملاباشی کا پتہ نہیں ہاں صرف بستر پر نشان پڑے ہوئے ہیں تو بیگم صاحبہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئیں کہ توبہ۔ اس کی آہ و زاری بڑی زبردست تھی کہ اس نے اچانک اپنے خاوند کو مردہ پایا۔

یہ سانحہ تمام لوگوں میں آناً فاناً پھیل گیا اب لوگوں کے مجمع نے حمام کو گھیر لیا۔ اس قسم کی سراسیمگی پھیلی اور ایسا غل و شور مچا کہ آج تک طہران میں تو یہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا ادھر تو ملاباشی کی عورتوں کی آہ و زاری اور ادھر ان لوگوں کا غل و شور جو خواہ مخواہ اندر گھسے چلے آتے ہیں۔

آخر کار ملا باشی کے رفقا اور رشتہ دار مردہ شوؤں کو لے کر آئے اور نعش کو غسل کرانے کی جگہ پر لے گئے اور جنازہ تیار کر کے تابوت میں رکھا اور کربلائے معلیٰ جانے کے لیے ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

یکایک اس کی بیوہ نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں بھی نعش کے ساتھ کربلائے معلیٰ جاؤں گی تو میرے خچر سب کرایہ کر لیے گئے۔ سامنے جو تم ڈیرہ کھڑا ہوا دیکھتے ہو اس میں متوفی کی بیوی اور اس کی لونڈیاں موجود ہیں اور سامنے جو تابوت رکھا ہوا ہے اس میں اس کے خاوند ملا باشی کی نعش ہے۔ اور یہ مختلف تابوت جو تم رکھے ہوئے دیکھتے ہو یہ ان لوگوں کے ہیں جو اسی دن طہران میں مرے تھے تو ان کے رشتہ داروں نے ملا باشی کی نعش کے ساتھ اس لیے کر دیا ہے کہ اس کے سبب سے کیونکہ یہ امیر اور مولوی شخص تھا انھیں بھی بہشت میں جگہ مل جائے گی۔

یہاں اس مہتمم یعنی خچر والے نے اس عجیب سانحے کو ختم کیا میں اس کی اس آخری گفتگو سے بہت ہی خوفزدہ ہوا کہ یہاں اس کے رفقا اور رشتہ دار بھی ساتھ ساتھ آئے ہیں میں نے سوچا کہ یہاں تو یہ کوشش ہے کہ خطرے سے بچو اور اس کے منہ میں آ کر پڑے ہو اگر مجھے اس افسر العلما کے بعض ملازم پہچان لیں کیونکہ ان میں سے کئی مجھے بخوبی جانتے ہیں بس یہی میرے ظاہر ہونے کا سبب ہو جائے۔

میں۔ لیکن جب اس نعش کو حمام کے باہر لے گئے ہیں تو پھر کیا واقعہ ہوا۔ یہ سوال میں نے اس سے اس لیے کیا تھا کہ کہیں ان کپڑوں کی تو کسی کو خبر نہیں ہوئی جو میں نے وہیں حمام کے دالان کے کونے میں چھوڑے تھے۔

خچر والا۔ حضرت علیؑ کے سر مبارک کی قسم مجھے یہ تو اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ ہاں یہ میں جانتا ہوں کہ افواہیں بہت اڑی تھیں اور ہر شخص اپنی نئی داستان دہراتا تھا۔ بعض کا تو یہ مقولہ ہے کہ افسر العلما نہا دھو کر اندرون گیا اور وہاں جا کر بستر پر لیٹ رہا بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ صبح ہی افسر جلاداں کے گھوڑے پر سوار ہو کر چلتا بنا۔

افسر جلاداں خود اس کا ایک خط دکھاتا ہے جس پر اس کی مہر لگی ہوئی ہے اور جس میں اسے عرق روح افزا پینے کی اجازت دی ہے۔ غرض اسی قسم کی مختلف روایات مشہور ہیں لیکن کوئی ایسی نہیں ہے کہ قابل یقین ہو۔

سب کو حیرانی تو بہت بڑی ہوئی کہ وہ حمام سے زندہ کیونکر نکل آیا اور پھر اس میں مردہ کیونکر پڑا رہا۔ کیونکہ اس کا حمام سے زندہ نکلنا مالک حمام اور اس کے گھر کی کل عورات کہتی ہیں۔

جب باہم لوگوں کے بحثم بحثا ہونے لگی تو اور بھی مشکلیں پڑتی گئیں کیونکہ ایسے موقع پر تو معاملہ ہی یہ تھا جتنا چھانو اسی قدر کر کرا ہوتا تھا۔ مگر ان مشکلوں کو حل کرنے والی ایک شے نکل آئی اور وہ۔ وہ کپڑے تھے جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ بہت ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ کپڑے حاجی بابا کے ہیں جو ملا نادان کے پاس نوکر تھا اور وہ ملا نادان جو افسر العلما کا کھلم کھلا جانی دشمن تھا اور اپنی حماقت سے وہ جلاوطن کر کے نکالا گیا۔

یہ دیکھ کر ہر شخص بولا تو حاجی بابا اس کا قاتل ہے بے شبہہ وہی اس پاک شخص کا قاتل ہے۔ اس سے ضرور خونبہا لینا چاہیے اب تمام شہر حاجی بابا کی تلاش میں سرگرم ہے۔

بہت لوگوں نے کہا کہ نہیں نادان مجرم ہے۔ غرض برابر چاروں طرف ہرکارے اور پیامبر دوڑ گئے کہ جہاں کہیں یہ دونوں ملیں کیا تو انھیں زندہ پکڑ کر لاؤ اور یا ان کے سر اتار لاؤ۔ میں خود یہ چاہتا ہوں اور میری دعا ہے کہ کاش ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھ پڑ جائے تو میں پکڑ کر لے جاؤں تو پھر مجھے مقرر شدہ انعام ملے جو ان سب خچروں کی قیمت سے بھی زیادہ ہو گا۔

میں نے اس کی ایک ایک بات کو بہت ہی غور سے سنا۔ اب کتنی مشکل کی بات تھی یہ ایک بدیہی امر تھا کہ یہاں قیام کرنا آگے بڑھنے سے بہت ہی خوفناک تھا اور یہ مجھے یقین کامل تھا کہ میں بہت جلد دوسری گورنمنٹ کی حدود میں پہنچ جاؤں گا اور پھر وہاں سے مجھے اس خوف جانکاہ سے نجات ملے گی۔

سولھواں باب

حاجی بابا کا شناخت ہو کر پکڑا جانا مگر اپنی خوش نصیبی سے رہائی پانا

دوسرے دن صبح ہوتے ہی کاروان روانہ ہوا۔ میں نے خچر والوں میں اور پچھ لگوؤں میں ہو کر اپنا راستہ طے کیا محافہ مع افسر العلما کی بیوہ اور اس کی لونڈیوں کے سامنے سڑک پر پہنچا۔ اونٹ جن پر جنازے لدے ہوئے تھے اور کاروان کے باقیماندہ جن میں لدے پھندے خچر بھی شامل تھے سڑک کا بہت دور تک راستہ گھیرے ہوئے تھے۔

جس شخص کی قطاع الطریق اور جلادوں کی سی صورت تھی اس پر میری نظریں برابر لڑ رہی تھیں یا جو کوئی بہ نسبت میرے ڈھٹ کوٹ پہنے ہوئے تھے ان سے میں بہت چونکتا تھا اور مجھے اور بھی اس امر سے ایسا ڈر تھا کہ میں ان میں اچھے چہرے کا ہوں۔

میں بیوہ کے ملازمین سے بہت ہی خوفزدہ تھا کیونکہ مجھے یہ یقین کامل تھا کہ اگر ذرا بھی کسی نے دیکھ لیا تو پھر حضرت عزرائیلؑ سے مصافحہ کرنا پڑے گا۔ جہاں ان میں سے کسی کی نگاہ میری طرف پڑی اور میں نے گردن پھیری۔

پہلے دن کا سفر تو امن میں گذرا۔ رات کو میں اسباب کا سہارا لگا کر لیٹ رہا اور رات بھر خوب سناٹے کی نیند میں سویا۔

دوسرا دن بھی بخیر و عافیت گذر گیا اور اب خوش قسمتی سے مجھ پر اتنا بھروسہ ہو گیا تھا کہ میں بہ نسبت عام خچر ہانکنے والوں کے ممتاز نظر سے دیکھا جاتا۔ اور ذرا آگے والی جگہ میں چلتا میں نے ایک شخص سے باتیں کرنی شروع کیں یہ میں نے سنا تھا کہ آرمینین بشب ہے۔ میں اس سے یہ کہنے کو تھا کہ میں آپ سے ملنے پر آپ کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ اتنے میں میں وہ شخص جو اول ہی میں نے ملاناداں کے مکان پر بیٹھا دیکھا تھا اور جو متعہ کراتا تھا اپنے آگے سے سوار جاتا ہوا دیکھا۔ بس دیکھتے ہی کلیجہ منہ کو آیا۔

یہ بالکل افسر العلما کا ہمزاد معلوم ہوتا تھا۔ میں نے صورت دیکھتے ہی جلدی سے اپنی گردن دوسری طرف پھیر لی کیونکہ اس وقت یوں بہت چونکا تھا کہ وہ میرے آگے سے گذرا چلا گیا۔ میں نے کہا یہاں پر ٹھہرنا بہتر نہ ہو گا مجھے اپنی اصل جگہ پر چلنا چاہیے۔ میں نے بشب کو اس کی جگہ پر چھوڑا گویا دوسرے دن ہم ان گھاٹیوں میں ہو کر سفر کریں گے جہاں کردش گروہ کے قزاق راستہ لوٹتے ہیں جہاں ہر شخص نفسی نفسی پکارتا ہے اور اپنی حفاظت سب سے مقدم جانتا ہے۔ جہاں ان حدود میں سے گذرے اور ہمیں ایرانی حدود سے نجات ملی تو اس وقت مجھے یہ خیال تھا کہ اگر میں پہچانا بھی جاؤں یا گرفتار ہو جاؤں تاہم ترکی حفاظت میں آنے کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔

اس سانحے کے دن جو دن کہ میری تمام سرگذشت میں ایک معرکے کا اور مشہور دن ہے۔ تمام کاروان نے جنگی لباس دربر کیا۔ جن لوگوں کے پاس ہتھیار کی صورت جو شے ہوئی وہ آگے لایا اور اس نے سب کو ظاہر کر کر ذرا اپنی نمود دکھائی مجھے اس قسم کی صورتیں بخوبی معلوم تھیں جن سے میری تاریخ کے شروع ہی صفحے پر ہیں کہ جب میں اول ہی عثمان آغا کے ساتھ نکلا تھا اور ترکمانوں نے ہم پر حملہ کیا تھا تو ہماری کیا کیفیت ہوئی تھی۔ کسی نے بھی تو چوں تک نہیں کی تھی وہ ہی ان میں بھی خطرہ بیٹھا ہوا تھا اور سب نے اپنا انتظام خوب خوب کر لیا تھا۔

تمام کاروان بہت ہی اکٹھا ہو کر سفر کر رہا تھا۔ چاؤش اور مہتمم مع افسر العلما کی بیوی کے نوکروں کے سب کے آگے آگے جاتے تھے گویا ایک کثیر التعداد گروہ کے ہراول بنے ہوں۔

میں جس کو اپنی حفاظت خود کرنی پڑی تھی اس غول میں چھپا ہوا تھا اور میں صرف یہ خیال کر کر کے خوش ہوتا تھا کہ تیرے پاس تو کچھ کھٹکا ہی نہیں صرف کچھ زر نقد ہے جو کمر سے بندھا ہوا ہے۔

ہم چپ چاپ میں اور خاموش چل رہے تھے سوائے کاروان کی گھنٹیوں کے اور کچھ بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ بغداد کے پہنچنے تک میں اپنے پچانوے تمن کیونکہ محفوظ رکھ سکوں گا۔ جب میں ادھر ادھر آنکھیں پھیرتا تھا تو مہتمم اور ایرانی سوار کے سوا اور مجھے کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

مہتمم۔ (میری طرف اشارہ کر کے اور اپنے ایک ساتھی کی طرف خطاب کر کے) ''ہم این است۔''

قسم ہے خدائے بزرگ کی کہ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میری خوش قسمتی الٹی مجھ پر پلٹ پڑی۔

جب میں نے مہتمم کے ساتھی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھ کو معلوم ہوا آہا یہ تو وہی عبد الکریم شخص ہے جس سے سید آباد گانؤں سے جا کر میں سو تمن لایا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے رقعہ لکھ کر دیا تھا اور اس پر ملا باشی کی مہر لگا دی تھی۔

میں یہ سن کر کافور ہونے کو تھا کہ مہتمم نے مجھے یہ کہہ کر ٹھہرا لیا۔ تم تو وہی شخص ہو نا جو سب سے پیچھے ہمارے کارواں سے آ کر ملے تھے۔ شاید تم کلب علی خان کی حدود کے حصے کی بابت کچھ کہہ سکو جو آج کل بہت بڑا ڈاکو اور قزاق ہے۔

میں نے اس کو اس کے سوال کا جواب بہت ہی گھبراہٹ اور پریشانی میں دیا مگر اس عرصے میں عبد الکریم کی طرف بھی خوب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔

اس کی بھی برابر کلیجے میں بیٹھنے والی نظریں مجھ پر پڑ رہی تھیں جن سے میرا دل برابر نکلا چلا جاتا تھا۔ اب وہ مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا میں نے چاہا کہ نظر بچا کر نکل جاؤں کہ وہ یہ کہنے لگا۔ میں نے اسے پالیا۔ میں نے اسے پالیا۔ یہی تو وہ شخص ہے جو میری داڑھی پر خندہ زن ہوا اور سو تمن چرا کر لے گیا۔ یہ کہہ کر اس نے پاس کھڑے ہوؤں کو کہا کہ اگر تمھیں کی خواہش ہے تو یہ موجود ہے۔ خدا کے لیے اس کو پکڑ لو میں رد و بدل کرنے لگا اور میں نے شکایت آمیز گفتگو کی کہ جس کو تو بتاتا ہے وہ شخص میں نہیں ہوں شاید میں اس معاملے میں کامیاب بھی ہو جاتا اور جو آس پاس کھڑے ہوئے تھے انھیں یقین دلوا دیتا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں مجھ پر غلطی سے الزام قائم ہوا ہے۔ مگر ایک شخص جو ملا نادان کے ملازموں میں سے تھا وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے فوراً پہچان لیا اور میرا نام لے کر مجھے آواز دی۔

پھر میری تمام تاریخ اجالے میں آئی۔ اب میرا قاتل افسر العلما کے نام سے شہرہ ہو گیا تمام کاروان میں اس کا وہ غل مچا کہ قزاقوں کا خوف بھی ان لوگوں کی طبیعت سے جاتا رہا اور اب ہر شخص میری صورت دیکھنے کے لیے دوڑا۔

فوراً میں گرفتار کر لیا گیا اور میری مشکیں کس لی گئیں اور میں عنقریب افسر العلما کی بیوہ کے پاس حاضر ہونے ہی کو تھا کہ میری نیک اختری نے میری مدد کی۔

دور سے غل و شور کی آوازیں سنائی دیں اور میں نے دیکھا کہ ایک سواروں کا گروہ پہاڑیوں سے نیچے اترا چلا آتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت کچھ خوشی حاصل ہوئی۔ یہ وہ کردش لوگ تھے جن کا اس قدر خوف بیٹھا ہوا تھا۔ اور جو بہت خوفناک تھے۔ سب میں پریشانی اور گھبراہٹ پھیل گئی اور تمام کاروان کے چھکے چھوٹ گئے اور کھلابلی پڑ گئی۔ جو لوگ سوار تھے وہ تو بھاگ گئے۔ خچر والے کہاں جاتے یہ یوں متردد تھے کہ ہمارے جانور ہاتھ سے نکل جائیں گے تو انھوں نے یہ کیا کہ اسباب کی وہ رسیاں کاٹ جن سے اسباب خچروں پر بندھا ہوا تھا اور پھینک پھکا کر جنگل کی طرف چل دیے۔ اونٹ بھی اپنے بوجھ سے سبکدوش ہو گئے تھے اور سارے میں بس قزاق ہی قزاق معلوم ہوتے تھے۔ افسر العلما کا جنازہ ایک نالے میں گر گیا ان کے لیے وہی مقام زیبا ہوا۔ اس وقت سڑک پر کافی اژدہام ہو گیا تھا۔

میں خود بخود آزاد کر دیا گیا تھا کہ اپنے بچنے کے وسائل پیدا کروں۔ مجھے معلوم ہوا کہ کردش سیدھے محافہ کی طرف چلے کہ یہاں ان کے مطلب کے قیدی ملیں گے۔ اور میں یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا کہ وہ لوگ جن کی صورت دیکھ دیکھ کر میں کانپا جاتا تھا اور مجھے ان میں سے ہر ایک بصورت عزرائیل معلوم ہوتا تھا۔ اب انھیں کو اپنی لعل سی جان کے لال پڑ گئے ان میں وہ شخص بھی گرفتار ہو گیا جس نے مجھ غریب کو گرفتار کیا تھا۔

ہر چند بیوہ کی لونڈیوں نے قسمیں بھی دیں اور کچھ دھمکی بھی دکھائی مگر ان کے وحشی دلوں پر ذرا اثر نہ ہوا اور نہ انھوں نے اس کی کچھ پروا کی۔

اب اس وقت میری نیک اختری شامل حال تھی کیونکہ تمام قزاق اسی طرف زیادہ رجوع ہوتے تھے جس کو لدا پھندا اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھتے تھے۔ میں بیچارہ نہ میرے پاس کچھ سامان تھا نہ کچھ کپڑے لتے ہی اچھے پہنے ہوئے تھا اپنے برہنہ خچر پر سوار تھا خاصہ بچا نکلا چلا گیا کسی نے بھی تو خبر نہیں لی کہ کہاں جاتا ہے۔ اور کون ہے نہ تو میرے ساتھ کوئی نعش تھی اور نہ مجھے متوفی کے رشتہ داروں میں ہو کر کچھ سوگ ادا کرنا تھا۔ مجھ سے تو کسی کا تعلق ہی نہیں تھا میں تو محض ہوا کی طرح سے ایک آزاد شخص تھا جب میں نے دیکھا کہ تیری ان ہزاروں مصیبتوں اور سختیوں سے نجات ہو گئی ہے جو تھوڑی دیر پہلے تیرے محیط تھیں اور اس وقت یہ ایسا کام ہوا ہے جیسا کسی نے جادو کر دیا ہو تو میں نے یہ کہا۔ بارک اللہ اے طالع من۔

سترہواں باب

حاجی بابا کا بغداد پہنچنا اور اپنے پہلے مالک سے مل کر اپنی توجہ تجارت کی طرف پھیرنا

ملاباشی کی بیوہ اس کی لونڈیوں اور ہمراہیوں کو کردش کے قبضے میں چھوڑ کر سیدھا منزل مقصود کی طرف رخ کیا۔ اور میں نے ذرا اس کا لحاظ بھی کیا کہ جو شخص راستہ میں ملے اس سے بہت گفت و شنید بھی نہ ہو۔ اور میں نے ایسی صورت میں سفر کیا کہ کسی کی توجہ زیادہ تر میری طرف مائل نہ ہو۔

بہت سے آوارہ گرد جو کردش کے ہاتھوں سے بچ کر بھاگ آئے تھے راہ پر پھرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن چونکہ انھیں کاروان کی قسمت سے کچھ نہ کچھ کم زیادہ دلچسپی تھی اس لیے وہ آگے نہیں بڑھے تھے اور وہ ادھر ادھر منڈلاتے ہوئے گردش کر رہے تھے کہ شاید کوئی ایسی تدبیر نکل آئے کہ ہمیں اپنے مال و متاع کا پھر قبضہ مل جائے میں اس وقت آپ ہی تنہا تھا جب میں نے اس موقع خطرے سے دو تین فرسنگ کا فاصلہ طے کیا تو اس وقت سڑک پر سوا میرے اور کوئی بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جو کچھ سانحہ ہو گیا تھا وہ بار بار میرے دماغ میں گذر کرتا تھا تو اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا تھا کہ یہ صرف میری تقدیر کی قوت تھی جس نے مجھے صرف اس خطرے سے یوں نجات دی تو اس سے مجھے امید پڑتی ہے کہ میں آگے کچھ ترقی کر سکوں اور مجھے اپنی خوش قسمتی کا ایک نفیس اور خوشگوار پھل ملے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ پچانوے تمن میری گرہ میں بندھے ہوئے ہیں اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ تمام دنیا اس وقت میرے آگے ناچیز ہے اگر ملانادان کا اوکھلی میں سر کچلا گیا اور افسر العلما کی بیوہ کو کردش نے تباہ و برباد کر دیا تو پھر میں ایک طرف سر پر اپنی ٹوپی کیوں نہ رکھوں گا اور میں کیوں نہ ان آدمیوں کی طرح ہوں گا جو ایران میں سب سے اعلیٰ ہیں۔

آخر کار بغداد کی دیواریں دور سے معلوم ہونے لگیں اور میں شہر میں نہایت اجنبی اور پردیسیوں کی طرح سے داخل ہوا۔ میں اس جگہ اور موقعوں سے محض نابلد تھا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ کاروانسرائیں ہر موقع و محل پر پاؤں گا

اب یہ تو میں جانتا نہیں تھا کہ اپنا قدم کس طرف اٹھاؤں اور کہاں اتروں۔ میں نے تو خچر کو چھوڑ دیا کہ بھئی جدھر تیرا جی چاہے چلا چل۔

خچر چونکہ ہر شاہراہ سے واقف تھا مجھے ایک بہت اچھی کاروانسرا میں لے گیا جہاں کثرت سے اژدہام تھا اور برابر آمدورفت جاری تھی اور لوگ برابر چلے آرہے تھے میں بڑا خوش قسمت تھا اور خوش قسمت میں اپنے کو اس لیے کہتا ہوں کہ میں نے یہاں اپنے ملکی بھائی کئی آدمی دیکھے جن کا یہاں جمع رہنا ایک معمولی کام تھا۔

یہ مجھے ایک بہت بڑے فخر کرنے کا مقام تھا کہ میری وہ صورت تھی جس نے کسی کے دھیان کو بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھ بہت صدمہ ہوا کہ جونہی میں خچر پر سے اترا میرے اوپر سوالوں کی بھر مار کر دی اور سوال بھی ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں سوال۔ الٰہی توبہ۔

کاروان کی متواتر امیدوں پر امیدیں ہو رہی تھیں تاجر اپنے اسباب پہنچنے کے بہت ہی شائق تھے مجھ سے وہ یہ خبریں دریافت کرتے تھے جو اس مطلب کی ہوں میں نے جیسا بھی موقع دیکھا اس کا ویسا جواب دیا۔ لیکن نے اپنے دل میں یہ ارادہ کیا کہ بس اب بالکل تاریکی جہالت میں غرق ہو جانا چاہیے اور کسی کو زیادہ پوست کندہ حالات بتانے کچھ ضرور نہیں ہیں۔ میں نے خچر کو تو یہ سوچ کر اس کی قسمت پر چھوڑا کہ اس کا مالک آتا ہو گا وہ خود اسے ڈھونڈھ لے گا اور میں نے کاروانسرائے سے نکل کر شہر میں اور طرف کا رخ کیا۔

جونہی میں نے قدم اٹھایا تو اول تو میں نے اپنی بیٹھی ہوئی چمڑے کی ٹوپی ملک کے سر کی پوشاک سے بدلی یعنی ایک بڑے سرخ کپڑے کا بیگ خریدا جو میرے پیچھے لٹکتا جاتا تھا اور سر پر ریشمی عمامہ باندھا۔ میں نے ایک برتا ہوا چغہ بھی خریدا کہ جس کو ترک اکثر پہنتے ہیں۔ اس سے میری شکل عثمانیوں کی سی معلوم ہونے لگی اور پھر میں قرمزی چمڑے کی سلیپر پہن کر اپنی وردی کو مکمل کیا۔

جب یہ صورت ہوئی تو اب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عثمان آغا کے کنبے سے چل کر ملنا چاہیے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی حاصل ہو گا۔ میں ذرا تجارت کی بھی ان سے خوب دون کی لوں گا۔

میں سیدھا بڑے بڑے بازاروں کی طرف چلا کہ عثمان آغا کا کسی سے کچھ پتہ لگاؤں اور جہاں بھیڑ کے چمڑے کی دکانیں آتیں میں ٹھہر جاتا کیونکہ یہی تجارت میرے آقا کو بہت پسند تھی۔ مجھے وہ خاص خاص باتیں بھی یاد آئیں جو بغداد کی نسبت تعریفاً اپنے راستہء سفر میں کیا کرتا تھا۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں بغیر پوچھے گچھے اپنے کو سیدھا اس کے دروازے پر کھڑا دیکھوں گا۔
مگر میری یہ مشکل بہت ہی جلدی اختتام پذیر ہوگئی۔ جب میں نے بخارا کے خاص سوداگر کی دکان میں اپنا سر ڈالا اور میں نے پوچھا کہ عثمان آغا کی کوئی خبر یہاں پہنچی ہے تو میں نے اس کے جواب میں ایک وہ آواز سنی جس کو میں بخوبی پہچانتا تھا اور وہ آواز یہ تھی۔ پیغمبر کے لیے مجھے کون چاہتا ہے میں موجود ہوں۔
یہ آواز سن کر میں اس قدر خوش اور متعجب ہوا جس کا میں بیان نہیں کر سکتا یہ وہی بوڑھا شخص تھا۔ میں اسے بغداد میں دیکھ کر اس سے بھی زیادہ متعجب ہوا تھا کہ جب میں نے اسے طہران میں دیکھا تھا اور یہی اس کا حال تھا۔
میں نے اس سے اپنی تاریخ اسی قدر دہرائی جتنی میں نے اس کو آگاہ کرنے کے لیے ضروری سمجھی۔ اور اس نے پھر مجھ سے اپنی سرگذشت بیان کی جو مفصلہ ءذیل ہے۔
میں طہران سے اس ارادے سے روانہ ہوا تھا کہ قسطنطنیہ میں اپنی چیزیں فروخت کروں۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ایراوان اور ارض روم کے درمیان قزاقی کا ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا ہے اس لیے ہنوز وہاں کا ارادہ تو ملتوی کر دیا اور میں نے ایسے موقع پر یہی مناسب سمجھا کہ اپنے وطن مالوفہ بغداد ہی میں ہو تا چلوں جس میں کئی برس کے بعد یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے یہاں آکر دیکھا کہ میرا لڑکا خاصہ جوان ہو گیا اور خوب اس نے ہاتھ پیر نکالے ہیں۔ اچھا مرد بن گیا۔ چونکہ میں مدت مدید سے غائب تھا تو یہاں سمجھ لیا گیا تھا کہ میں مر گیا اس لیے جو کچھ میری ملک تھی سب قانون شریعت کے موافق بہن بھائیوں نے باہم تقسیم کرلی اور قاعدے کے موافق میرا سوگ ادا کیا۔ لیکن جب انھوں نے اپنے باپ کو دیکھا تو یہ نہیں کہ وہ کچھ منہ سکیڑتے اور سر اطاعت خم نہ کرتے۔ نہیں بلکہ انھوں نے کلام اللہ کی نصیحت کے موافق عمل کیا کیونکہ اس میں لکھا ہے اپنے والدین پر مہربانیاں کرو۔ اس نے اسی طرح سے اطاعت کی۔ میں نے اپنی بیوی کو بھی زندہ دیکھا اور میری بیٹی جو بہت ہی چھوٹی تھی بیاہنے کے قابل ہوگئی تھی۔
ان مختصر الفاظ میں اپنی ساری سرگذشت ختم کر کے وہ مجھ پر پلٹ پڑا اور ذرا تیز طریقے سے جو اس کی ایک معمولی عادت تھی یہ کہا۔

حاجی میرے دوست تو یہ تو بتا کہ تو نے وہ جو شیطانی عورت میرے پلے باندھ دی اس سے تیرا کیا فائدہ ہوا۔ کیا تو نے یہی طہران میں سمجھا تھا کہ میں اس سے اپنا وقت کچھ پسندیدگی میں گذاروں گا۔ اس نمک کی قسم جو ہم نے تم نے برابر کھایا ہے کہ وہ چند دن جو میں نے اس کی ہمراہی میں گذارے ہیں ان تمام برسوں سے زیادہ مصیبت ناک اور تکلیف دہ تھے جو میں نے ترکمانوں کی قید میں گذارتے تھے۔ کیا ایک پرانے دوست سے پیش آنے کا یہی حق ہے جو تم نے کیا۔

میں نے اسے یقین دلایا کہ مجھے تو صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح سے آپ کے اوقات خوشی میں گذریں اور آپ ہی کی شادمانی مدنظر تھی۔ میں یہ سمجھا تھا کہ اس عورت نے شاہ ایران کے محل میں اپنا زمانہ بہت گذارا ہے تو وہ ضرور آپ کو دلچسپی دے گی اور یہ اس شخص کی جان ہو گی جس نے اپنا زمانہ مدید اونٹوں کی صحبت میں گذارا ہو۔

عثمان آغا۔ اونٹ۔ واقعی اگر اس ڈائن سے مقابلہ کیا جائے تو اونٹ فرشتے ہیں۔ یہ میرے لیے بہت ہی بہتر ہوتا کہ اگر تم اس کمبخت چڑیل کے بجائے ایک اونٹ سے بیاہ دیتے وہ غریب جانور کھڑا تو چپکا رہتا۔ کچھ بات تو نہ کرتا اور مجھے اپنا راستہ چلنے دیتا۔ یہ افعی کثر دم عورت تو ہر وقت مجھے یہ کہا کرتی تھی اور اس نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا کہ تم بہت بڑے عزت والے اور تمھاری توقیر بہت بڑھ گئی کیونکہ تمھیں ایسی بیوی مل گئی ہے کہ جو شاہ ایران کی چاہیتی تھی۔

یہ کہہ کر اس بوڑھے شخص نے اپنے دونوں ہاتھ کلوں سے ملے اور افسوس کیا۔ اس کے بعد عثمان آغا نے یہ کہا کہ تم کچھ ان باتوں کا خیال نہ کرنا خیر گذشت انچہ گذشت اب مجھے صرف تمھاری خوشی کا خیال ہے اور پھر بہت ہی عنایت اور الفت سے مجھ سے دریافت کیا کہ تم بہت خوشی سے جب تک میر ابغداد میں قیام رہے میرے مکان پر ٹھہرو میں نے اس کو بہت ہی خوشی سے منظور کر لیا۔

ہماری یہ باتیں چیتیں بخارا کے تاجر کی دکان کے پشت کے کمرے میں ہوئی تھیں جب یہ ختم ہو چکیں تو آغا پاس کے کافی گھر سے ایک پیالہ کافی کا لے آیا اور مجھے بطیب خاطر پینے کو کہا پھر مجھ سے کہنے لگا کہ چلو میرے بیٹے کی دکان پر چل کر جو اسی بازار میں ہے اور یہاں سے دو چار دروازہ پرے ہے قیام کرو۔ اس کے بیٹے کا نام سلیمان تھا۔ اپنے باپ کی غیر موجودگی میں اس نے کپڑے کی دوکان کر لی تھی اور اس سے اپنی زندگی بہت آسائش میں گذارتا تھا اور یہ سوائے اوقات نماز پنجگانہ کے ہر وقت اپنی دکان کے چھوٹے سے پلیٹ فارم پر بیٹھا رہا کرتا تھا۔

چاروں طرف اس کی تجارتی اشیا چنی ہوئی تھیں جو زیادہ تر دیوار سے لگی ہوئی اور چسپاں الماریوں میں چنی ہوئی تھیں۔ یہ ایک موٹا خنگا اور چھوٹا سا آدمی تھا۔ گویا بالکل اپنے باپ کی صورت تھا جب اسے معلوم ہوا کہ یہی حاجی بابا ہے تو اس نے میرا خیر مقدم کیا اور وہ حقہ جو وہ خود پی رہا تھا فوراً اس نے اپنے منہ سے لے کر میری طرف پھیر دیا۔

یہ گویا اصلی الفت اور محبت کا مقدمہ تھا جس سے مجھے امید ہوئی کہ میں اپنی چند روزہ اقامت بغداد میں بہت خوشی اور آرام سے گذاروں گا۔ اور ان نیک اشخاص کی صحبت میں مجھے بہت ہی فرحت اور آسائش ملے گی۔ لیکن میں نے ان پر یہ ظاہر کر دیا کہ میں آپ پر ہی دھنا دے کر نہیں پڑا ہوں بلکہ میرے پاس پچانوے تمن ہیں جن سے میں چاہتا ہوں کہ تجارت میں ترقی کر لوں گا۔ اور میں ان سے یہ بھی کہا کہ میں نے بہت کچھ مصائب جھیلے ہیں اور ٹھوکریں کھائی ہیں اب چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی بآرام آزادی سے گذاروں اور اپنی محنت سے روپیہ پیدا کر کے آسائش کے سامان بہم پہنچاؤں اکثر لوگوں نے تھوڑے سے سرمایہ سے بہت کچھ اپنی دولت کو ترقی دی ہے۔ یہ سن کر دونوں باپ بیٹوں نے پسند کیا اور عثمان آغا نے ایک فارسی کا شعر پڑھا جس کا یہ مطلب تھا کہ چٹان سے پہلے صرف ایک ایک قطرہ ٹپکتا ہے اور وہی جمع ہو کر سمندر ہو جاتا ہے۔

پھر میں اور عثمان آغا دونوں آغا کے مکان پر گئے جو بازار سے بہت ہی کم دوری کے فاصلے پر واقع تھا۔

اٹھارہواں باب

حاجی بابا کا حقے کی نے خریدنا اور اپنے پرانے مالک کی لڑکی کا ایک مایوسانہ جوش چھاتی میں اٹھنا

عثمان آغا کا مکان بہت ہی تنگ گلی میں واقع تھا اور یہاں سے ایک شاہراہ کو راستہ نکل جاتا تھا جہاں سے سیدھا آدمی ایک خاص بازار کی طرف بے تکلف چلا جائے۔ سامنے ہی دروازے پر جو نظر پڑی تو ایک کوڑے کرکٹ یا ملبے کا ڈھیر دیکھا اس پر بلی کے بچے کئی تازہ تازہ معلوم ہوتے تھے اور کچھ دور آگے چل کر دیکھا تو اور ہی کیفیت ہوئی کہ ایک خارشی کتیا نے بچے دیے ہیں ان کی آوازیں جس وقت مل کر نکلتی تھیں توبہ۔ ہمیں راستہ کاٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان دونوں کے بیچ میں میرے آقا عثمان آغا کے گھر کا دروازہ واقع تھا جس میں ہم داخل ہوئے۔ اس میں بہت ہی چھوٹی عمارت بنی ہوئی تھی جس میں چند زدہ کمرے تھے جو نہ صاف تھے اور نہ جن سے کچھ امیری برستی تھی۔ چونکہ میرے پاس سوائے ایک چادر کے اور کچھ سامان تو تھا ہی نہیں تو میں نے ایک کونے میں اپنا بستر جما لیا۔ یہیں آغا بھی سویا کرتا تھا۔

میری عثمان آغا نے بہت خاطر کی ایک رکابی میں کباب ایک میں چانول جس میں خرمے اور پنیر۔ پیاز بھی شامل تھے آگے لا کر رکھی۔ حرم میں یہ کھانا پکا تھا اس کی بیوی اور لڑکی نے بشمول لونڈی کے پکایا تھا۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ جب میں گھر پر پہنچا ہوں تو اندھیرا ہو گیا تھا۔

علاوہ میرے اور اس کے بیٹے کے عثمان آغا نے اپنا ایک ہم پیشہ بھائی بھی بلایا تھا جو بھیڑ کے چمڑے کی تجارت کرتا تھا اور سفر بخارا میں اس کا بہت ہمدم رہا تھا اب تجارت پر باتیں ہونے لگیں جن سے میں بھی مطلق جاہل نہیں تھا۔ چونکہ میرا خود ارادہ تھا کہ میں بھی اس میدان تجارت میں قدم زن ہوں اس لیے میں نے بہت خوشی سے کان کھول کر ان کی گفتگو گوش گذار کی۔

وہ بہت ہی گھبراہٹ سے اس مضمون میں گفتگو کرنے لگے اور تجارت کی ہر ایک شے پر گفتگو ہوئی۔ ان کی گفتگو سے ایک سامع اتنا استنباط نکال سکتا ہے کہ دنیا کے اختتام کا زمانہ بس ختم ہونے کو ہے کیونکہ وہاں یہ گفتگو ہونے

لگی کہ پیاری چیز کا مول قسطنطنیہ کے بازاروں میں گر گیا ہے۔ تو انھوں نے مجھے اپنا روپیہ چمڑے کی خریداری میں تو لگانے سے روکا بلکہ اس کے عوض میں مجھے یہ صلاح دی کہ میں حقے کی نلیاں خریدلوں کیونکہ یہ مال ایسا نہیں ہے کہ اگر جلدی نہ نکلے تو دیر ماند ہو جائے۔ اور قسطنطنیہ کے بازاروں میں اس کی قیمت بھی اچھی اٹھ آئے گی۔

دعوت تو ختم ہو گئی۔ مہمان چلے گئے اب میں بہت دل سے اور توجہ سے اس تجارت کی طرف متوجہ ہوا جو میرے لیے منتخب کی گئی تھی اور میں نے اپنے خیال کا کل وزن اسی طرف جھونک دیا۔

سارے دن کونے میں بیٹھا ہوا میں یہ سوچا کیا کہ میرے تمنوں کے پائپ کتنے آئیں گے اور قسطنطنیہ میں وہ کس قیمت سے بکیں گے اور مجھے کس قدر نفع ہو گا۔ لیکن جب مجھے ایک نفع کثیر کی امید ہوئی کہ اس قدر دولت حاصل ہو گی بس پھر کیا ٹھکانہ تھا خیالات وہ بلند پروازیاں کرتے تھے کہ توبہ اور وہ وہ آرزوئیں اور امیدیں ہوئی تھیں کہ جن کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

اس سوداگر کی رائے جو سعدی سے جزیرہ کیش میں ملا تھا بالکل ایسے شخص کے مقابل ہو سکتی ہے کہ جو مجھ ایسا ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جب اس میں مجھے پورم پور نفع ہو جائے گا تو میں سمرنا میں انجیر خریدوں گا اور ان کو یورپ میں فروخت کرنے کے لیے لے جاؤں گا۔ اور وہاں سے نفع کثیر اٹھا کر اس روپیے سے ٹوپیاں خریدوں گا جن کو میں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں ان کو فروخت کر کے جب زر نقد پیدا ہو جائے گا تو اس کو بحفاظت رکھ کر ایبیو تھیا چلا جاؤں گا اور وہاں سے لونڈی غلام خرید کر کے مکہ شریف لے جا کر فروخت کروں گا۔ اور مکہ شریف سے مدینہ منورہ کی زیارت سے فیضیاب ہوں گا۔ مکہ سے کافی فارس لے جاؤں گا جو بڑے نفع میں فروخت ہو گی اور اس کی بڑی قیمت اٹھے گی اور پھر میں اپنے وطن مالوفہ میں آرام کروں گا یہاں تک میں دربار میں ایک اعلیٰ عہدہ خرید کروں جس عہدے سے میں شاہ شاہان کا وزیر اعظم بن جاؤں۔

اپنی بہتری کے اس قسم کے آئندہ خیالات کر کے اور ان سے اپنے دل کو بہت ہی شاد اور خوش دیکھ کر میں نے بہت ہی چالاکی اور مستعدی سے اپنی تجارتی اشیا کے پھیلانے میں کوشش کی۔ ایک پسندیدہ قاعدے کے موافق میں نے ایک لکڑی کاٹنے والے سے معاملہ کیا جو لور اور نج ترائی کے پہاڑوں پر جانے کو تھا کہ وہاں جا کر وہ اپنی پسند کے موافق لکڑیاں چھانٹ کر کٹوائے اور بغداد میں واپس ہو کر اسے درست کر کرا کر قسطنطنیہ کے بازاروں کے لیے تیار کرے۔

خیر یہ معاملہ تو سب طے ہو گیا۔ لیکن اس عرصے میں جس میں کہ میں لکڑی کاٹنے والے کی انتظاری کر رہا تھا مجھ پر عجیب مرض نے حملہ کیا۔ جو اکثر پردیسیوں کی دعوت کیا کرتا ہے اور اس مرض کا اختتام ایک ایسے پھوڑے پر ہوتا ہے جو خشک تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نشان تا زیست جلد سے نہیں جاتا۔ اب میرے حزن و ملال پر خیال کیجیے کہ دائیں رخسارے میں بیچوں بیچ یہ پھوڑا نمودار ہوا۔ لیجیے پہلے تو اس نے داڑھی کو چھدرا کیا اور پھر اس پر ایک غمناک نشان کر دیا اور میرے بہت سے پیارے داڑھی کے بالوں کو برباد کر دیا اور اس جگہ کہ جہاں یہ کمبخت نمودار ہوا تھا بہت ہی کھر دھرا اور خراب کر دیا اب میں اپنی تقدیر سے کیا جنگ و جدل کرتا کیونکہ میں نے جگہ ہی اپنے رہنے کی خود یہی تجویز کی تھی۔ تو اس کا تحفہ ہی سہی۔ جس وقت کہ میں اس کا افسوس کر رہا تھا تو ایک عقلمند شخص نے بہت ہی اچھا کہا کہ تمھیں اس کا اتنا ناحق خیال ہے جب بغداد میں اکثر چہروں پر دکھائی دیتا ہے اور اس کے علاوہ میں اپنی ڈھارس اس بات سے اور بھی بندھوا تا تھا کہ عثمان آغا کے چہرے پر بھی کئی جگہ اسی پھوڑے کا داغ تھا۔ جب اس نے یہ داغ میرے چہرے پر دیکھا تو غم و افسوس کرنے کے بجائے وہ مجھے خوش معلوم ہوا۔

عثمان آغا۔ حاجی اگر تمھیں اپنی تمام زندگی میں اس سے زیادہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی جب بھی اس کو خدا کی بہت بڑی رحمت خیال کرو کہ اگرچہ تمھارے چہرے کا ایک رخ بدصورت ہو گیا مگر دوسرا تو ابھی درست ہے۔ کیونکہ اگر ایک کلے پر سیاہ داغ ہو گیا این ہم غنیمت است کہ دوسرا تو صحیح و سالم موجود ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا افسوس خوبصورت شخص کو بدصورت آدمی نہیں دیکھ سکتا جیسے بد نیک بخت کی برداشت نہیں کر سکتا۔ شہری اور دیسی کتے شکاری کتوں کو دیکھتے ہیں دور سے بھونکتے ہیں مگر کیا مقدور ہے جو پاس آ سکیں۔ یہی بدصورتوں اور بدسرشتوں کا خوبصورتوں اور نیکوں کے ساتھ میں حال ہے۔ باوجودیکہ میرے رخسارے پر ایسا بدنما داغ ہو گیا تھا کہ میں خود اپنی طبیعت میں چھپتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس بدصورتی پر میرے آقا کی لڑکی مجھ پر عاشق ہوئی اور میری محبت نے اس کے دل پر وہ اثر کیا کہ اس نے بڑے بڑے چلتروں سے مجھے یہ دکھایا کہ میں تجھ پر مرتی ہوں۔ اس پری کا نام دل آرام تھا دل آرام اور اس کی ماں دونوں اس پھوڑے کا علاج جانتی تھیں اور انھوں نے میرے پھوڑے کا بھی معالجہ کیا تھا۔

میرا پھوڑا اور دل آرام کی محبت ایک ہی وقت میں بڑھنی شروع ہوئی تھی اور ان کی ترقی گویا دوطرفی تھی۔ اور اسی وقت میں جب دل آرام کی الفت حد درجے پر ترقی کر گئی تھی پھوڑے کی تکلیف بھی بہت ہی زیادہ تھی۔ مجھ پر

اس کی محبت نے کچھ بھی اثر نہیں ڈالا تھا۔ نہ میں اس پر اصلاً فریفتہ تھا کیونکہ اس کی اور اس کے باپ بغدادی اونٹ کی ایک صورت تھی جونہی میری نگاہ اس پر پڑی مجھے وہ صورت ایسی زبوں معلوم ہوئی کہ میری طبیعت اور بھی خراب ہو گئی۔

جس وقت کاروان قسطنطنیہ روانہ ہونے کا موسم آیا تو بہت ہی تخفیف ہو گئی تھی اور دوسرے یہ بھی بہت بڑا افضل تھا کہ میری اس سے طبیعت نہ لگی تھی۔ میری تمام حقے کی نلیوں اور نیچوں کے پیکٹ مناسب بنڈلوں میں احسن طریقے سے بندھ گئے تھے۔ میرا معاملہ قرض خواہوں سے طے ہو گیا تھا۔ پوشاک وغیرہ سب تیار تھی۔ اور جب میں نے یہ سنا تو بہت ہی خوش ہوا کہ جب دوسیارے باہم آ کر ملیں گے تو کاروان قسطنطنیہ روانہ ہو گا۔ مگر بیچاری دل آرام بہت ہی مایوسانہ نظروں سے میری طرف نگران تھی اور بہت ہی حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی کہ اب میرا وہ دلبر چلا جو میرے کلیجے کی تسکین اور قلب کا آرام تھا۔

انیسواں باب

حاجی بابا کا تاجر بننا اور بغداد سے کاروان کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ ہونا

جب ہم بغداد سے روانہ ہوئے ہیں تو بہت ہی بسنتی صبح تھی میں اپنے لدے ہوئے اسباب پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے بیگ میرے ارد گرد تھے میں نے بہت ہی خوشی سے خچروں کی گھنٹیوں کی آواز کو سنا اور میں نے اپنے کو بھی ایک قلیل بضاعت کا تاجر خیال کیا۔

میرے مخصوص ساتھیوں میں عثمان آغا اور اس کا وہی ساتھی جس کا ذکر میں نے دعوت میں کیا تھا اور جو بھیڑ کے چمڑے کا ذکر کرتا تھا۔ اور اسی طرح سے ایک دو بغداد کے تاجر تھے۔ ان کے علاوہ میرے ملکی تجار کثرت سے تھے جو ایران کے مختلف حصص کے رہنے والے تھے سب صرف تجارت ہی کے لیے قسطنطنیہ جاتے تھے جن سے کم زیادہ میری واقفیت تھی۔ جو کچھ افسر العلما سے میرا معاملہ ہوا تھا وہ خوب روشن ہو گیا تھا اور سب میں پھیل گیا تھا۔ لیکن میری شکل تو پوشاک اور کلے پر داغ سے ایسی بدل گئی تھی کہ میں بالکل بغدادی معلوم ہوتا تھا۔ اور اب میرا وہ چہرہ مہرہ ہو گیا تھا کہ ایرانی تو مجھے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

میں اپنے ناظرین کو ترکی حدود کے سفر کا حال سنا کر تو تصدیعہ نہ دوں گا کیونکہ تمام راستہ وہی قزاقوں کی شکایت۔ خچر والوں کا تکرار کرنا۔ کاروان سراؤں میں لڑائی دنگا غرض یہ ایک معمولی صورتیں ہیں جو پیش آتی ہیں۔ یہی کہنا کافی ہو گا کہ ہم بحفاظت تمام اور صحیح و سالم قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ لیکن جو کچھ میں قسطنطنیہ میں دیکھا ہے اس کو ہرگز فروگذاشت نہ کروں گا۔

میں ایک ایرانی اور اصفہانی تھا ہمیشہ اپنے شہر اصفہان کو دنیا میں سب سے بہتر گنا کرتا تھا۔ یہ کبھی میرے ذہن ہی میں نہیں آیا تھا کہ اور بھی اس سے بہتر کوئی شہر دنیا میں ہے کہ میں اپنے شہر سے مقابلہ کروں بلکہ اس سے بھی کچھ کم درجے کا سمجھوں۔ لیکن جب میں نے قسطنطنیہ کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ایران کا کوئی شہر بھی اس کی برابری اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اول ہی مجھے اس ترو تازہ اور پر تکلف شہر کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ پژمردگی ہوئی میری نظروں میں تو ہمیشہ سے اصفہان کی شاہی مسجد جو بڑی مربع زمین میں بنی ہوئی ہے سمارہی تھی لیکن یہاں اس سے بدرجہا عمدہ صدہا نظر آئیں۔ ہر مسجد اپنی خوبصورتی اور شان و شوکت میں دوسری مسجد کو مات کرتی تھی۔ میں نے تو کبھی نہیں خیال کیا تھا کہ اصفہان سے زیادہ کشادہ بھی کوئی شہر دنیا میں ہوگا مگر یہاں وہ خیال باطل ثابت ہوا یہاں تو یہ حال تھا کہ جہاں نظر پڑتی تھی چٹانوں پر اور پہاڑیوں میں کثرت سے بیشمار عمارتیں ہی عمارتیں پٹی پڑی تھیں اگر اصفہان کو نصف دنیا کہو تو قسطنطنیہ پوری دنیا تھی۔ قسطنطنیہ کہ جو شہروں میں ایک گوہر شہوار تھا ہر طرح سے اصفہان پر فوقیت رکھتا تھا۔ کیونکہ قدرتی یہ مختلف دریاؤں کے کنارے پر آکر واقع ہوا تھا۔ اور شہر کی چاروں طرف بل مارتا ہوا دریا ہی دریا معلوم ہوتا تھا۔ بجائے ناہموار پہاڑوں اور چٹانوں کے فاس فورس جیسے دریا بہتے تھے۔ اس کی خوبی اس کی وسعت سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن مجھے کہاں ٹھہرنا زیبا ہوگا جہاں سے میں ان حرکت زدہ چیزوں کو بخوبی ملاحظہ کرسکوں جو میری توجہ اور دھیان کو جبراً کھینچے لیتی ہیں۔ ہزاروں بڑے بڑے بوٹ مختلف شکل اور قد کے آنکھوں کے سامنے گردش کناں رہتے تھے اور صدہا جہازات جن کی وسعت ایک ایک جنگل سے کم نہیں تھی ترکوں کی عظمت اور جاہ و جلال کو دکھاتے تھے۔

میں۔ (ان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر جو میرے ارد گرد تھے) یہ تو جنت ہے میں تو اسے مرتے دم تک بھی نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر پر حکمران وہ لوگ ہیں جو حد سے زیادہ مکروہ ہیں اور ملحد ہیں تو مجھے بڑا تعجب آیا کہ ان کو ایسے نایاب اور نفیس مقام کو کس نے آرام اور آسائش کرنے کے لیے دے رکھا ہے ذرا جب تفکر میں سر جھکایا اور یہ لاینحل عقدہ بھی حل ہو گیا کہ انھیں یہ پسندیدہ مقام صرف اس لیے ملا ہے کہ یہ وہ خوف اور ہنگامہ برداشت کریں گے جو ان کے لیے آئندہ تیار ہو رہا ہے۔

جب راہداری وغیرہ کے امتحان سے نجات ہوئی تو ہم اسکیترائی بوٹ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور قسطنطنیہ پر ہوتے ہوئے ایک کاروانسرا میں مقیم ہوئے اور وہیں اپنی تجارتی اشیا کو بھی لے جاکر رکھا۔ یہ کاروانسرا ایرانی تجار کے لیے مخصوص تھی اور جو خاص خاص بازاروں اور شہر کے وسط میں واقع تھی۔

جب میں نے دیکھا کہ میں ایک عظیم الشان آبادی میں ہوں جہاں لوگ شاہراہوں میں گشت لگاتے پھرتے ہیں تو بے شبہہ میں نے ان میں اپنے کو ایک نہایت ہی قلیل اور خفیف شخصیت کا دیکھا۔

جب میں نے دیکھا کہ دکانیں کس قدر قیمتی مال ومتاع سے پر ہیں جس شخص کو دیکھو نہایت قیمتی پوشاک زیب تن کیے ہوئے ہے۔ جدھر نظر ڈالو آغا اور لارڈ ہی معلوم ہوں گے جن کی رانوں کے نیچے وہ وہ قیمتی اور نایاب اژدہا پیکر گھوڑے کہ دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں خیال کیا بھلا کہاں قسطنطنیہ اور اس کی شان وشوکت اور کہاں ایران اور اس کی فلاکت۔

میں نے عثمان آغا کی شرکت میں کاروانسرا میں ایک کمرہ کرایہ پر لیا اور وہاں اپنی تجارتی اشیا لے جا کر رکھیں۔

میں نے تو یہ ترکیب کی کہ دن کو اپنے تمام نیچے اور گٹے جو میں لے گیا تھا پلیٹ فارم پر بہت ہی ترتیب سے لگائے چونکہ میری ترتیب اچھی تھی میں نے فروخت کرنا شروع کیا اس کثرت سے بکا کہ مجھے دگنا تگنا نفع ہوا۔ جب میں نے اپنی جیب میں ذرا زر منافع کھنکتا ہوا دیکھا تو آرائش اور آرام طلبی کی سوجھی۔ میں نے اپنی پوشاک کے حسن کو اور بھی زیادہ کیا۔ میں نے اپنی کمر سے لپیٹنے کا نہایت ہی نفیس اور فوق البھڑک شال لیا۔ میری وہ تھیلی جس میں تماکو رہتا تھا ریشم کی بنی جس پر سلمے ستارے کا جگمگاتا کام ہو رہا تھا۔ میری سلیپر زرد رنگ کی روشن تھی اور میری کمر میں ایک قیمتی چھری بھی گھڑ سی ہوئی تھی۔ اخراجات کی تحریص دینے والی چیزیں مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔ میں دل میں یہی خیال کرتا تھا کہ اس دنیا میں کچھ عیش سے زندگی گزارنا ہی قیمتی چیز ہے۔

آن بہ کہ زجام بادہ دل شاد کنیم — وزماندہءوز گذشتہ کم یاد کنیم

دین عاریتی روانی زندانی را — یک لحظہ زبند عقل آزاد کنیم

اس قدر مقامات بے شمار کثرت سے تھے کہ جہاں ہزاروں جمع ہوتے تھے مختلف قہوہ خانوں میں جانے سے میں اپنے کو باز نہ رکھ سکا۔ جہاں بنچوں پر جن پر مسند اور گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا میں بیٹھ کر اس شان سے اپنا پائپ قہوہ پیتا تھا کہ جیسے بڑا امیر کبیر پیتا ہے۔

چونکہ ایران میں مجھ پر طرح طرح کی مصیبتیں گذری تھیں اور میں نے اپنے ملکی بھائیوں سے بہت ہی بے آرامی پائی تھی اس لیے ان سے نفرت ہو گئی تھی اور اب میں ان پر بھروسہ نہ کرتا تھا۔ جب میری ترکوں سے ملاقات اور واقفیت ہو گئی تو میں ان سے بہت ہی پرہیز کرتا تھا۔

میرے ملک والے ایرانی کچھ ایسے پیٹ کے ہلکے اور کینہ پرور ہیں کہ لوگوں کے سامنے میری اصلی حالت کہہ دی کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں ہے تاکہ میں ان لوگوں کی آنکھوں سے گر جاؤں اور وہ میری توقیر نہ کریں۔ مگر

میں ان کے ساتھ اچھاہی برتاؤ کرتا تھا۔ جب میری اور ان کی تجارت کا مقابلہ ہوا تو بہت ہی فرق تھا تو پھر انھوں نے مجھ سے کچھ مزحمت نہ کی اور مجھے بخش دیا۔

اب میں نے عام مجمعوں میں اپنے کو بغداد کا دولتمند تاجر مشہور کرنا شروع کیا مگر اس داغ نے جس نے مجھے بہت ہی تکلیف دی تھی اس وقت بہت کام آیا اور سب نے مجھے زیادہ تر اس کے سبب سے بغدادی تاجر مان لیا۔ ترکوں کو دھوکا دینا بھی کچھ مشکل نہیں تھا۔ صرف اپنی ظاہراً صورت بنانی کافی ہے۔ ان کے طریق اور وضع اور عادات میں ان کی خموشی۔ متانت۔ استقلال۔ منزلت۔ ان کا آہستہ آہستہ قدم اٹھانا۔ غرض میں نے تھوڑے ہی وقت میں ان کے سے طرق اور طرز معاشرت اختیار کر کے ان کو خوب گانٹھ لیا اور ان سے سلسلہء اتحاد یہ خاصہ بڑھ گیا۔

اب تو شب و روز یہ کیفیت ہو گئی کہ صدائے اللہ ہو بلند ہے۔ اور تسبیح پھر رہی ہے اور اسی حالت میں میں قہوہ خانوں میں جاتا تھا۔ اور اکثر مجھ پر لوگوں کی توجہ مائل ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ قہوہ خانے کا مالک میرے لیے اپنے ہاتھ سے قہوہ بناتا تھا۔ اور جہاں اس نے میری صورت دیکھی اور یہ کہنے گا اے میرے آغا میرے سلطان۔ ”اے آمدنت باعث آبادیءما۔“

میرا کچھ ایسا اثر ہو گیا اور میری اس شکل نے لوگوں کو میرا ایسا معتقد بنا دیا تھا کہ جہاں قہوہ خانے میں گھوڑوں۔ کتوں۔ ہتھیاروں۔ تماکو پر جھگڑا ہونے لگتا اور کچھ بحث آکر واقع ہوتی تو میں منصف قرار دیا جاتا تھا جو کچھ میں فیصلہ کر دیتا وہ فریقین تسلیم کر لیتے اور پھر جھگڑا نمٹ جاتا۔

بیسواں باب

حاجی بابا کا ایک امیر کی بیوہ کو ہتھے چڑھانا پہلے اس سے خوف کرنا مگر آخر بہت ہی خوشی میں پھولنا

کچھ مدت تک میرا وقت یونہی صرف ہوا۔ میں جس وقت کہ قہوہ خانے سے شام کو گھر جاتا تھا تو مجھے ایک دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ میں نے متواتر ایک بڑھیا کو شاہراہ کے کونے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ یہ عورت ہمیشہ ٹکٹکی باندھ کر خوب غور سے میری طرف دیکھتی تھی اس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ میرے مکان کے پائیں میں کھڑے ہو کر کھڑکیوں کی طرف بہت دیر تک نظر کرتی تھی۔

پہلے پہل تو میں اس سے بہت ہی مشکل سے خبردار ہوا کیونکہ شاہراہ کے کونے میں ایک بڑھیا عورت کا کھڑا ہونا اس قابل نہیں ہے کہ کسی کی دھیان اس طرف پھرے دوسری دفعہ میں بہت چونکا۔ تیسری بار مجھے سخت تعجب ہوا۔ چوتھی شام کو میں نے یہ ارادہ کر لیا اگر وہ بڑھیا مل گئی تو اس سے ضرور دریافت کروں گا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اگر تجھے مجھ سے کچھ کام ہے تو کہتی کیوں نہیں۔ اور دنوں سے میں نے اس دن بہت ہی اچھی پوشاک پہنی کیونکہ مجھے یہ خیال تھا کہ میری خوش منظری کے ضمن میں میری نیک اختری بھی شامل ہے۔ اور یہی خوش منظری گویا میری نیک اختری کی محافظ ہے۔ میں نے قہوہ خانہ سے پھرتے وقت اس بعید الفہم مخفی بڑھیا کی طرف آہستہ آہستہ قدم اٹھایا۔ میں اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے ہی کو تھا اور میں شاہراہ کے زاویہ سے مڑا ہی تھا کہ میں نے سامنے کے مکان کی کھڑکیوں سے چلمن اٹھی ہوئی دیکھی اور پھر جو نظر کی تو ایک ماہ رو نے اپنا بے نقاب چہرہ اس میں سے نکالا۔ مجھے اس کی ادا اور حسن بھا گیا۔ ایک گلاب اس کے ہاتھ میں تھا۔ جونہی میری اس کی چار نگاہیں ہوئیں اس نے وہ پھول مجھے دکھایا پھر اپنے سینے پر رکھا اور بعد ازاں میری طرف پھینک دیا وہ پھر چلمنیں اور پردے پڑ گئے اور وہ غائب ہو گئی۔ میں منہ کھلا کا کھلا اور اوپر دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا مگر پھر میں نے دیکھا کہ اس بڑھیا عورت نے بہت آہستگی سے پھول کو اٹھایا اور میرے آگے لائی اس وقت میری نگاہیں اس بڑھیا پر جھک رہی تھیں۔

میں۔ از برائے خدا یہ کیا معاملہ ہے۔ کیا اس سر زمین پر جن اور پریاں بستی ہیں۔

بڑھیا۔ تم ایسے اناڑی ہو کہ تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس پھول سے کیا غرض ہے تمھاری داڑھی تو خاصی بڑی ہے تم بچہ تو ہو نہیں تمھاری پوشاک سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سفر بھی کیا ہے۔ مگر تمھارا سفر محض بیکار ہوا جس سے تمھیں اتنا نہیں معلوم ہوا کہ جب ایک بیگم تمھاری طرف پھول پھینکے تو اس سے کیا غرض ہوتی ہے۔

میں۔ یہ تو میں آپ کی ترکی سمجھ گیا کہ پھول سے یہ غرض ہے لیکن ساتھ ہی اس کے میری لانبی داڑھی نے مجھے یہ بتا دیا ہے کہ ایسی صورتیں خطرہ خیز ہوتی ہیں اور ایسے موقعوں پر سر دھڑ سے ندارد ہو جاتے ہیں۔

بڑھیا۔ ڈر کس کا ہے اور ڈر چیز ہی کیا ہے۔ پاک اور مقدس حضرت محمدؐ کی قسم کہ ہم بالکل صاف ہیں اگر تم ہمیں نا مسموع کرو گے تو یہ تمھاری بد قسمتی ہے۔ تم کیا گدھے ہو کہ صرف سایہ سے بھڑکتے ہو اور اس سے تمھیں اس قدر خوف ہیں۔

میں۔ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ جن کو میں نے ابھی دیکھا ہے یہ کون سی بیگم ہیں۔ اور اب میں کیا کروں۔

بڑھیا۔ اس قدر جلدی نہ کرو۔ آج کی رات کچھ نہیں ہو سکتا تمھیں ذرا صبر کرنا چاہیے یہ وقت اور مقام اس وقت آسائش اور آرام کا نہیں ہے کل دوپہر کو تم مجھ سے ایوب کی درگاہ میں ملو اس وقت جن باتوں کو تم جاننا چاہتے ہو تمھیں وہاں سب معلوم ہو جائیں گی۔ میں قبر کے پائیں میں تمھارے داہنے ہاتھ پر بیٹھوں گی اور تم مجھے اس امتیاز سے پہچان لینا کہ میرے بائیں کاندھے پر سرخ دوشالہ پڑا ہوا ہو گا۔ جاؤ اور اللہ تمھارے ساتھ ہو۔

یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور میں اپنے مقام قیام کاروانسرا میں آیا اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ معاملہ کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہو گا۔ گو یہ تو میں بخوبی جانتا تھا کہ اس میں کچھ نہ کچھ میری بہتری کی صورت نکلے گی لیکن ساتھ ہی اس کے مجھے ترکی خاوندوں کے سخت حسد سے بھی تو خوف لگتا ہے۔ کہ اگر خبر ہو گئی تو غضب ہی برپا ہو جائے گا۔ زینب اور اس کا گنبد۔ مریم اور اس کا یوسف۔ دلارام اور اس کا پھوڑا یہ سب میرے دل میں گذرتے تھے اور بدنصیب عشاق کے نمونے ہو کر میری آنکھوں کے آگے گردش کرتے تھے جو خواہش اور آرزو اس سرگذشت کے درپے ہونے کے لیے پیدا ہوتی وہ ان خیالات سے کہ عشق کا نتیجہ برا ہوتا ہے افسردہ پڑی جاتی تھی۔ مگر میرا خون ابھی تک جوان اور گرم تھا اور وہ ایسا کافی تھا کہ میرے قدموں کو خود بخود آگے کی طرف اٹھائے۔ گو میرا آگے بڑھنے کا ارادہ بہت ہی چار ناچاری سے ہوا تھا۔

مقررہ دن کی دوپہر کو میں نے ایمانداری سے اپنا وعدہ ایفا کیا۔ میں نے سبز مقبرے کی طرف رخ کیا جو میرے داہنے ہاتھ کی طرف واقع تھا۔ وہاں نے میں نے اس بڑھیا عورت کو بائیں کاندھے پر شال ڈالے ہوئے دیکھا۔ ہم نے سڑک کو چھوڑ دیا اور ایک تنہا مقام میں شمشاد کے درختوں کے نیچے جو مقبرے ہی میں لگے ہوئے تھے زمین پر جا بیٹھے یہاں سے خوبصورت اور عظیم الشان قسطنطنیہ کا بندر گاہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہم نے بہت آہستگی میں معاملہ کی گفتگو شروع کی۔

پہلے اس بڑھیا عورت نے میرے حفظ سخن کی بہت ہی تعریف کی اور پھر اس نے مجھے یقین دلایا کہ جو معاملہ تجویز ہوا ہے اس میں کسی قسم کی بھی خطرے کی بات نہیں ہے پہلے اس بڑھیا عورت نے عمر پر ہرزہ درائی کرنی شروع کی اور بھی اس کے علاوہ جو باتیں کیں وہ کچھ زیادہ مطلب خیز نہیں تھیں میں نے جو ان باتوں پر خیال کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اور کچھ نہیں صرف یہ میرے نیچوں اور گٹوں کا نفع کم کرائے گی۔ میں نے مجبور ہو کر اس کی اس یاوہ گوئی کی بڑھتی لین ڈوری کو تو روکا اور اس سے یکایک یہ درخواست کی کہ جس بیگم کو میں نے کھڑکی میں سے دیکھا تھا مجھ سے تو اس کی تاریخ بیان کرو۔

جب یہ اپنی رام کہانی گا چکی تو اس بیگم کا حال یوں بیان کرنے لگی۔

وہ بیگم جو تم نے کھڑکی میں دیکھی ہے اور جس کی میں خادمہ ہوں یہ ایک دولتمند تاجر کی لڑکی ہے جس کے اس کے علاوہ اور بھی دو بیٹے ہیں۔ اس کے باپ کا بہت زمانہ نہیں گذرا کہ انتقال ہو گیا۔ اس کے دو بیٹوں نے اس کا کاروبار سنبھال لیا اور اب وہ بھی بہت بڑے تاجر ہیں جو یہیں رہتے ہیں۔ میری بیگم جس کا نام شکر لب ہے اٹھتی ہوئی جوانی کی حالت میں ایک بوڑھے سے بیاہی گئی تھی مگر یہ شخص دولتمند بہت تھا اور بہت ہی امیر کبیر مشہور تھا جس کی صرف یہی ایک بیوی تھی کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر کئی بیویاں کروں گا تو رات دن تھکا فضیحتی رہے گی۔ اور گھر دوزخ بن جائے گا۔ اس لیے اس نے صرف میری بیگم ہی پر قناعت کی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ دلی آرزوئیں اسی سے پوری ہوں گی اور گھر داری کی کیفیت بھی میں اسی سے اٹھاؤں گا۔ اس کے مقابل میں ہماری بیگم نے بھی ہمیشہ اس کا دل ہاتھ میں ہی رکھا اور کبھی اس کا دل آزردہ نہ ہونے دیا۔ غرضکہ وہ بہت ہی خوش قسمت تھا کہ اس کو میری بیگم جیسی شریف خلیق فرمانبردار بیگم ملی صرف ایک بات میں باہم کچھ ناچاقی سی رہتی تھی اور جو امیر کبیر کی موت کا بھی سبب ہوئی۔ جو ابھی واقع ہوئی ہے۔ ہماری بیگم تو ان سموسوں کو پسند کرتی تھیں جو بالائی

کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور اس کو ہمیشہ پنیر کے بنے ہوئے بھاتے تھے۔ صرف اتنی سی بات پر جہاں وہ کھانا کھانے بیٹھے اور جھگڑا ہونا شروع ہوا یہ جھگڑا برابر پانچ برس سے ہوتا ہوا چلا آتا تھا کوئی دن ناغہ نہیں جاتا تھا۔ ایک دن اس بوڑھے شخص نے اپنی چاہتی خوراک بہت کھالی اس سے اس کو سوء ہضمی ہوئی اور وہ اسی میں مر گیا۔ وہ اسے مرتے وقت اپنی جائیداد کا ایک چوتھائی حصہ اسلامی قانون کے بموجب اپنی بیوی شکرلب کو دے مرا ہے وہ گھر ہے جس میں تم نے اسے بیٹھا ہوا دیکھا تھا۔ اسباب ہے۔ غلام ہیں غرض جس قدر کہ شریعت کے موافق اس کے حصے میں آیا ہے وہ بیوہ کی ڈھارس بندھوانے کے لیے کافی ہے۔

اپنے بچپن۔ حسن۔ اور دولت کے سبب سے یہ تو تم یقین ہی کرنا کہ وہ بغیر مداح ساتھیوں کے نہیں رہ سکتی یعنی مدح سرا ضرور ہی اس کے شباب اور حسن۔ دولت کو دیکھ کر پیدا ہو جاتے ہیں مگر میری بیگم اپنی ہم عمروں میں بہت ہی عقلمند اور دور اندیش ہے۔ صرف اس کی یہ مرضی ہے کہ جو اسے پسند آجائے اس سے وہ شادی کر لے جس سے نہ بدنامی ہوگی اور نہ کوئی عیش میں دخل دے گا۔

چونکہ اس کا مکان بہت ہی نام آور و مشہور قہوہ خانے کے پاس ہے اس لیے اسے جھلملیوں میں سے ان لوگوں کو نظر کرنے کا بہت ہی اچھا موقع ملتا ہے جو کثرت سے اس میں آتے جاتے ہیں۔ تو میں تم سے بے لاگ لپیٹ کے کہتی ہوں کہ اس نے تمھیں ان تمام لوگوں میں ممتاز سمجھا ہے اور تمھیں وہ بہت ہی جوان رعنا خیال کرتی ہے۔ جس قدر کہ اب تک اس کی نظر پڑے ہیں سب میں تمھارا اول نمبر ہے۔ میرا بھائی (یعنی بڑھیا کا بھائی) اس قہوہ خانے کا مالک ہے اور چونکہ اکثر بار تمھیں دیکھنے کے مواقع پڑے اس لیے میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ تم ذرا اس شخص کی حالت دریافت کرنا کہ یہ کون ہے اور کیا پیشہ کرتا ہے اور اس کی طرز معاشرت کیسی ہے۔ اس نے جو کچھ تمھاری نسبت بیان کیا اس سے ہماری بیگم بہت ہی شادمان ہوئی اب ہمارا ارادہ ہوا کہ تم سے تعارف پیدا کریں۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ہم کس طرح سے کامیاب ہوئے ہیں اور تم خود انصاف کر لو کہ آیا میں نے ایک قابل خدمت ادا کی ہے یا نہیں۔

جب اس بڑھیا عورت نے مجھ سے باتیں کرنی شروع کی تھیں تو میں نے اس کی گفتگو سے یہ نتیجہ جو اب نکالا ہے ہر گز نہ سمجھا تھا۔ میں نے اپنے کو ان لوگوں میں شمار کیا جو ایسے وقت میں قتل کیے جانے سے نجات پاتے ہیں کہ ان پر فتوء قتل دے دیا جاتا ہے۔ میں نے بجائے ان مصائب اور تکالیف اور جانوں کے ہلاکت میں ڈالنے کے کہ جو

ترکی حرم سراؤں میں ہوتی ہیں اپنے آگے دولت۔ آرام۔ عیش و عشرت کا ملاحظہ کیا۔ رحمت ہو تجھ پر اے میرے ستارے کہ آخر کار میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ میں نے جب یہ گفتگو سنی تو کچھ ایسا از خود رفتہ ہو گیا کہ بے لگاؤ جملے اس سے کہنے شروع کیے۔ میں نے اس بیگم کی محبت کا مدامی اظہار کیا اور اس سے اقرار کیا کہ اگر یہ معاملہ ہو جائے گا تو میں تمھیں معقول معاوضہ اس کا دوں گا۔

بڑھیا۔ صرف ایک بات اور رہ گئی ہے جس کی نسبت میری بیگم کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس کے کہ تم اس کے پاس چلو وہ دریافت ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی دولت اور عالی خاندانی کی نسبت بیان کرو۔ تمھیں یہ بھی معلوم رہے کہ اس کے بھائی بہت ہی مغرور ہیں اگر ان کی بہن نے کسی ایسے ویسے سے نکاح کر لیا تو وہ اسے بہت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور بہت درشتی اور خشونت سے اس کے ساتھ پیش آئیں گے۔ اگر وہ اسے اس کے خاوند کے ساتھ برطرف نہ کر سکیں گے مگر بری طرح سے تو پیش آئیں گے۔

گو میں اس جواب دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن جب مجھ پر اس سوال کے جواب دینے کا بوجھ آکر واقع ہوا تو میں نے بغیر سوچے یہ جواب دیا۔ خاندان۔ خاندان کی تم کہتی ہو۔ ایسا کوئی شخص ہے کہ جو حاجی بابا کو نہیں جانتا۔ یمن سے عراق اور دریائے ہند سے کاسپین سے بحر اسود تک پوچھ جاؤ ہر فرد بشر مجھ سے واقف ہو گا۔

بڑھیا۔ تمھارا باپ کون تھا۔

میں۔ (کچھ توقف کر کے) وہ بہت بڑا طاقت و عزت والا تھا بہت سے سر اس کے انگوٹھے کے نیچے تھے۔ میرا باپ وہ تھا جو نہ صرف وہابیوں بلکہ ان کے سردار کی بھی بے مضرتی سے داڑھیاں پکڑتا تھا۔

اس وقت بڑھیا بہت غور سے جو کچھ میں کہہ رہا تھا گوش گذار کر رہی تھی اس لیے مجھے اپنا نسب نامہ ترتیب دینے کا کافی وقت ملا۔ اور میں نے خوب اپنے دل میں گڑھ کر اس سے یوں کہنا شروع کیا۔

اگر تمھاری بیگم صاحبہ اعلیٰ خون چاہتی ہیں تو وہ صرف میری طرف نگاہ کریں۔ تم اپنی بیگم کو یہ یقین دلواؤ کہ وہ یا ان کے بھائی جیسے بڑھے چڑھے اور عالی نسب ہوں لیکن مجھ سے کسی طرح فوقیت نہیں حاصل کر سکتے۔ میری رگوں میں عرب کا خون ہے اور وہ بھی بہت ہی پاک صاف۔ میرا جد منصوری عرب تھا جس کو بعض عراق کی سرسبز چراگاہوں میں شاہ اسمٰعیل والیءفارس نے لا کر بسایا تھا جہاں اب تک وہ بستے ہیں۔ میرا جد امجد قطیر بن

خر بن اسپ بن المبید ان قریش کے خاندان میں سے تھا جو ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں جس صادق اور مقدس نبی سے تمام خون اسلام بر آمد ہو تا ہے۔

بڑھیا۔ اللہ۔ اللہ۔ بس بس کافی کافی۔ اگر واقعی یہی امر ہے اور آپ ایسے ہی عالی خاندان ہیں تو پھر ہماری بیگم صاحبہ کو اور کیا چاہیے۔ اور اگر تمھاری دولت بھی عالی خاندانی کے مساوی ہے تو پھر کیا کہنا ہم تو بالکل مطمئن ہو جائیں گے۔

میں۔ میری دولت کی نسبت جو آپ پوچھتی ہیں تو بندہ پرور زیادہ نقدی کا تو فخر نہیں کر سکتا نہ میرے پاس اس قدر زر نقد ہے لیکن ہاں جس قدر کہ ایک تاجر کی گرہ میں ہمیشہ زر نقد رہتا ہے وہ ہے۔ تم میری طرح اس سے تو بخوبی واقف ہو کہ تاجر کے پاس رز نقد کبھی نہیں رہتا اس کا روپیہ تو تجارتی اشیا میں لگا رہتا ہے اور مختلف شہروں میں پھیلا رہتا ہے جو ایک وقت مقررہ پر مع نفع اس کے ہاتھ لگتا ہے۔ میری ریشمی اشیا اور مخملیں اس وقت خراسان میں سفر کر رہی ہیں جب وہ وہاں فروخت ہو جائیں گی تو بخارا کا بھیڑ کا چمڑا ان کے روپے سے خرید ہو کر لایا جائے گا اس وقت میرے ایجنٹ کشمیری شال اور جواہرات ہند کی مشہد میں خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ استر خون میں میرے روئی کے سامان کا شیشے کے برتنوں۔ کپڑوں اور اسی قسم کی اشیا سے تبادلہ ہو رہا ہے۔ اور ہندوستانی اشیا جو میں نے بصرے سے خریدی ہیں اور البیو بھیجی ہیں اس کی عنقریب ٹوپیاں اور شال آنے کو ہیں۔

غرض اپنی اصلی اصلی دولت کی کیفیت صاف صاف کہنا اتنی مشکل ہے کہ جتنا گیہوں کے کھیت میں بالیوں کا گنا۔ لیکن تم اپنی بیگم کو یہ اطمینان دلا دو کہ تمھارا چہیتا شخص جس وقت کہ اپنی دولت جمع کرے گا تو تمھیں اور تمھارے سارے کنبے کو حیرت میں ڈال دے گا۔

بڑھیا۔ الحمد للہ۔ جو کچھ کہ ہونا چاہیے تھا اور خواہش تھی وہ سب اس وقت موجود ہے اب صرف باہم ایک تعارف پیدا ہونا رہ گیا ہے۔ جس وقت کہ آفتاب غروب ہو اور شب اپنی گھپ گھاپ اور اندھیاری چادر عالم پر پھیلائے اس وقت تم شاہراہ کے کونے پر ضرور ہی کھڑے ہونا۔ پھر ضروری دیکھ بھال اور دور اندیشانہ خیالات کر کے تمھیں میں شکر لب سے ملوا دوں گی۔ اگر تم اس کی نگاہ پر چڑھ گئے اور اس نے تمھیں پذیرا کر لیا بس پھر شادی ہونی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چپڑی اور دو دو لیکن ہاں ایک بات نصیحت کی ضروری ہے اور وہ تم خوب سمجھ لو کہ ہمیشہ بالائی کے سموسوں کو تو پسند کرنا اور پنیر کے سموسوں سے نفرت کرنا۔ صرف اتنی سی بات ہے اور ہر بات

میں وہ لاجواب ہے۔ خلیق ایسی ہی ہے۔ ہر لاگ لپیٹ سے آزاد ہے۔ خدا کرے تم امن اور صلح میں رہو۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے منہ پر سے نقاب اٹھادی۔ میں نے دو اشرفیاں اس کی ہتھیلی پر رکھیں وہ لے کر چلتی بنی اور مجھ کو اپنی فکر و تردد میں چھوڑا۔

اکیسواں باب

حاجی بابا کا شکر لب سے ملنا اور اس کا ترکیب سے خاوند بننا

جب وہ بڑھیا چلی گئی تو میں زیادہ دیر تک درخت شمشاد کے نیچے نہ کھڑا رہا کیونکہ ملاقات کے پہلے مجھے اور بھی بہت کچھ کام کرنا تھا۔ یہ تو ضرور ہی تھا کہ میں ایک امیرانہ صورت بناتا ایک تھیلی بھی ایسی رکھتا کہ جس میں کھچا کھچ زر نقد ٹھسا ہوا ہو اور ایک پوشاک بھی ایسی چاہیے تھی کہ جو میری صورت اور وضع کو زیب تھی۔ اور جہاں تک ہو سکے مجھے حمام میں جا کر اپنے کو خوب بنا سنوارنا تھا اور خوب خوشبوؤں سے معطر ہونا تھا۔

جب میں وہاں سے نکلا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے حاجی دوست حاجی تمھارے باپ اور تمھاری روح کی قسم اس دفعہ ہی تم نے بیوقوف اور عقلمند میں فرق کیا ہے۔ کیا خوب آپ منصور کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کی نسل بھی قریش کے خاندان سے ملی ہے۔

اپنی آئندہ قسمتوں کے خیالات میں غلطاں و پیچاں میں کاروانسرا میں پہنچا میں نے دیکھا کہ بوڑھا عثمان آغا کے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنی تجارتی اشیا کے منافع کو شمار کر رہا ہے۔ اور میں نے اپنے نیچوں وغیرہ کے بنڈل کو بھی ایک طرف رکھا ہوا دیکھا۔ صرف ان کمینہ چیزوں نے جو میرے آگے رکھی ہوئی تھیں مجھے سربلندی حاصل کرنے کا موقع دیا تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آیا عثمان آغا کو اس کی خبر ہے یا نہیں میں نے فوراً اس سے یہ درخواست کی کہ آپ پچاس اشرفیاں نفع کی دلوائیے اور میرا سارا اسباب لے لیجیے۔

یہ سن کر وہ بہت ہی چونکا جب میں نے اچانک اس سے پچاس اشرفیاں بڑھتی کی طلب کیں۔

عثمان آغا۔ میرے بیٹے یہ کیا خبریں ہیں۔ تم اس روپیے کو لے کر کیا کرو گے اور پھر اتنی جلدی کیا تم دیوانے ہو گئے یا جواری بن گئے۔

میں۔ اللہ پناہ میں رکھے توبہ ہے۔ نہ تو میں دیوانہ ہوں اور نہ میں جواری ہوں میرا دماغ درست ہے اور دنیا نے اپنے فیور یعنی مہر میں مجھے لے لیا ہے۔ اب مجھے آپ روپیہ دلوائیے پھر جو کچھ ہو گا بعد ازاں سن لیجیے گا اس نے

میری خواہش برلانے میں کچھ بھی توقف نہیں کیا کیونکہ وہ میرے اسباب کی بخوبی قیمت جانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس سے بہت کچھ نفع حاصل ہو گا۔ بغیر پس وپیش کے اس نے روپیہ گن دیا اور میں لے لوا کر چلتا بنا۔

میں نے فوراً ایک نفیس اور عمدہ پوشاک خریدی اور سیدھا حمام کی طرف چلا جہاں میں نے ساری ضروریات اور پاکی کی حجتوں کو پورا کیا اور میں نے اعلیٰ درجے کے آدمی کی طرح سے اپنی تزئین کی۔

میری یہ تمام حاجتیں پوری ہو گئیں اور اب وقت وعدہ بھی آپہنچا اور میں دھکڑ پکڑ کرتے ہوئے دل سے وہاں پہنچا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بڑھیا عورت میری پہلے ہی سے منتظر ہے۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہ کوئی ہے تو نہیں مجھے ایک دروازے میں سے جو بہت ہی دور کے کونے میں واقع تھا ایک گھر میں لے گئی۔

تمام مکان میں جو میں نے آرائشی سامان دیکھے تو میں بہت ہی خوش ہوا کیونکہ اس وقت جو کچھ میں نے دیکھا تھا یہ خیال کرتا تھا کہ میں ہی ان کا مالک اور لارڈ ہوں۔

ہم یکایک ان کمروں میں پہنچے جو عورتوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں کیونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ جب سے کہ امیر کا انتقال ہوا ہے تو گھر میں آنے کے خاص دروازے کا راستہ بند تھا۔ مگر اب بھی وہی چھپواں اور دوراندیشانہ اندر داخل ہونے کی تدبیر کی جاتی تھیں جیسے کہ وہ نیک شخص یعنی امیر زندہ ہی ہے۔ دروازے کی شاہراہوں سے گذر کر ہم ایک احاطے میں پہنچے جس پر بنگلہ یا سائبان پڑا ہوا تھا۔ پھر ہم ایک پردے کے پاس پہنچے جو رنگا رنگ کا تھا اور جب ہم وہاں گئے تو یہ اٹھا دیا گیا تھا۔ میں ایک اور بھی اندر والے کمرے میں داخل ہوا جہاں لیمپ اور عورتوں کے سلیپر رکھے ہوئے تھے چار دروازے جو اسی کے قریب تھے اس وقت کھل گئے تھے اور اب میں تنہا رہ گیا تھا۔ اس وقت وہی بڑھیا یا مشاطہ اپنی بیگم کو میرے پاس لانے کے لیے بنا سنوار رہی تھی۔ مجھے مختلف کمروں میں سے آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں یہ انھیں کی آوازیں تھیں جن کی جوتیاں باہر پڑی ہوئی تھیں سب کی آنکھیں مجھ پر تلی ہوئی تھیں کیونکہ یہ ساری کیفیت مجھے درازوں میں سے معلوم ہوتی تھی غرضکہ دروازہ کھلا اور مجھے اور پاس ہونے کا اشارہ ہوا۔

جب میں اندر بڑھا تو میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے اپنے کو چغہ سے جو پہنے ہوئے تھا سرتاپا ڈھانک لیا تھا اور یہ صرف پاس غیرت رکھنے کا باعث تھا۔ اسی روش سے میں کمرے میں داخل ہوا جہاں صرف ایک ہی لیمپ جل رہا تھا جس کی کمرے کی چیزوں پر بہت ہی دھندلی اور مکدر روشنی پڑ رہی تھی۔

اس کمرے کے محیط ایک دیوان خانہ تھا جس پر نیلی اطلس منڈی ہوئی تھی اور اس پر سنہری کام ہو رہا تھا کھڑکی کے ایک کونے میں آرزوئے دل اور امید جان بیٹھی ہوئی تھی شکر لب نے بہت ہی ہوشیاری سے اپنی نقاب سر سے پاؤں تک ڈال رکھی تھی صرف اس کی وہ سیاہ سیاہ آنکھیں تو چمکتی تھیں جو میری شکل و شباہت کو نظر حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے باصرار انکار کے ساتھ کہ معلوم ہو کہ میں بہت ہی ادب اور تعظیم کے گہرے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔ مگر جب زیادہ انکار کرنا غیر مناسب تھا میں نے اپنے سلیپر اتار ڈالے اور الگ پلنگ کے ایک کونے میں اپنے ہاتھوں کو اپنی قبا میں ڈھانک کر دوزانو بیٹھ گیا۔ اور اپنی ایسی باتکلف صورت بنائی کہ مجھے اپنے پر خود ہنسی آتی تھی۔

کچھ دیر تک ہم ایک دوسرے کے مقابل میں بیٹھے رہے کچھ باہم نہ باتیں ہوئیں سوائے معمولی سلام وغیرہ کے۔ میری دلربا دلبر نے میری مشاطہ کو حکم دیا کہ کمرے سے چلی جا۔ شکر لب اپنا مور کے پروں کا مورچھل جو گاؤ تکیہ پر رکھا ہوا تھا اٹھانے کے لیے ذرا آگے کی طرف جھکی اور پھر اپنی نقاب گرادی اور میری بے صبر آنکھوں کو ایسی صورت کے لیے پریشان و مضطر چھوڑا کہ جس کو نیچر نے اور صورتوں میں ممتاز بنایا تھا۔

یہ گویا ایک حجاب کا نشان تھا میں اس حسینہ کے آگے بہت ہی جھکا اور میں نے بے ربط کلام سے اس کی تعریف کرنی شروع کی اور جس قدر کہ حسن اور خوبی اس میں تھی اس کو بہت ہی اچھے پیرایہ میں ادا کیا۔ اور اس انداز سے گفتگو کی کہ میری عمدگی اور میری لیاقت اس کے دل میں کھب گئی۔ غرضکہ امیر الامرا کی بیوی اپنے چاہیتے سے پوری مطمئن ہو گئی اور جو بھروسہ کہ اس نے مجھ پر کیا تھا وہ فوراً ظاہر کیا اور مجھے اپنی سب پوشیدہ باتوں سے اچانک آگاہ کر دیا۔

شکر لب۔ میں بہت ہی مشکل کی صورت میں ہوں۔ وہ بری آنکھ جو مجھ پر تلی ہوئی ہے اس نے میری جان کو گھلا دیا ہے۔ تم خیال کرو کہ صرف اس دولت سے جو مجھے اپنے متوفی خاوند (اللہ اس پر رحمتیں نازل فرمائے) سے پہنچی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی جو کچھ میرا مال و متاع ہے اس نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے اور صرف اسی کے سبب سے مجھے وہ وہ دور اندیشانہ خیالات کرنے پڑتے ہیں کہ انھوں نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ اگر میں کنبے کی جاگیر سے علیٰحدہ ہو جاؤں تو مجھ پر رشتہ دار اپنی حقیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میرے بھائیوں کی بڑی چاہت ہے کہ وہ

میرے لیے خاوند تلاش کریں کیونکہ وہ ایک ادنیٰ لبادا چانولوں کے بوروں سے بدلنا چاہتے ہیں۔ میرے متوفی خاوند کا ایک بھتیجا مولوی ہے اس نے جدا ستم کر رکھا ہے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جب خاوند مر جاتا ہے تو اس کا کوئی رشتہ دار بیوہ پر دعویٰ کر سکتا ہے۔ دوسرے اور رشتہ دار ہیں انھوں نے عجب ناک میں دم کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اس وقت تیرے قبضے میں ہے اس پر تیرا دعویٰ پہنچتا ہی نہیں۔ غرض ان باتوں نے مجھے ایسا بے چین کیا اور ایسا پریشان بنایا اور ان سے میں ایسی زچ ہو گئی کہ میں نے اس پریشانی کے کھونے اور اس چپقلش سے نجات پانے کا اور اس سے بہتر کوئی طریقہ ہی نہیں دیکھا کہ میں دوسرا نکاح کر لوں قسمت نے تمھیں میرے راستہ میں پھینکا ہے خیر تو میں بھی موجود ہوں۔

پھر اس نے مجھے اس امر سے بھی مطلع کیا کہ اس نکاح کے لیے میں نے یہ یہ سامان کیا ہے۔ میں نے اس کے بندوبست کو بطیب خاطر پسند کیا۔ اور مجھے یہ بھی اطلاع دی کہ میں نے ایک قانونی شخص تجویز کیا ہے جو تمام مناسب کاغذ تیار کر لے گا۔ وہ یہیں اس وقت مکان میں موجود ہے۔

شکرلب بہت ہی بے صبر تھی اور یہ چاہتی تھی کہ ذرا بھی توقف نہ ہو۔ اس نے جلدی سے بوڑھی عورت سے کہا کہ تو حاجی بابا کو قانونی شخص کے پاس دوسرے کمرے میں لے جا۔ یہ کمرہ مکان کے بہت ہی دور دراز والے حصے میں تھا۔ علاوہ اپنے یہ قانونی شخص دوسرا بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا جس کی نسبت اس نے یہ بیان کیا کہ یہ تمھارا وکیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جس قدر کہ عورت کی جانب پر ایک وکیل کی ضرورت ہوتی ہے اسی قدر مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس نے پھر عقد نامہ میرے آگے پیش کیا جس میں ہنوز اس نے مہر لکھا تھا اور اس میں اس عورت کی ملک وغیرہ بھی شریک تھی اب مجھ سے درخواست کی گئی کہ تم اس میں کس قدر زیادہ کرتے ہو۔

یہ سن کر میرے کان ذرا کھڑے ہوئے اور پھر میں نے اپنی عقل کی طرف پلٹا کھایا سب سے عمدہ جواب جو میں دے سکتا تھا وہ یہی تھا کہ میں نے پھر اسی جواب کو دوبارہ دہرایا کہ میں پہلے بڑھیا سے کہہ چکا ہوں کہ تاجر کی دولت کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے جو دنیا کے مختلف حصص میں پھیلی رہتی ہے۔ لیکن جو کچھ میرے پاس تھا اس کو اپنی بیوی کے دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا کیونکہ اس قسم کا اقرار نامہ طرفین سے ہوتا ہے۔

میرے ضرر رساں کاتب نے کہا کہ یہ تو بہت ہی درست ہے لیکن کچھ چیز مصرح بھی ہونی چاہیے۔ مثلاً اس معاملہ میں یہ بتاؤ کہ قسطنطنیہ میں تمھاری جائداد منقولہ و غیر منقولہ کتنی ہے یہ تو ایک بدیہی امر ہے کہ تم اتنے دور دراز

کے فاصلے پر سوائے عظیم الشان اور معروف مطالب کے اور کسی کام کے لیے تو آئے نہیں۔ اس جگہ تمھارے پاس جس قدر دولت ہے اس کو طے کر لو۔ چاہے زر نقد ہو چاہے تجارتی اشیا ہوں۔ چاہے مکانات ہوں جس سے اس وقت ایک اطمینان ہو جائے گا۔

میں۔ (مطالبہ پر ذرا اچھا چہرہ بنا کر) یونہی سہی۔ یہ کہہ کر میں نے اپنے دل میں اندازہ کیا کہ کیا کہوں پھر ذرا دلیری اور بے جگری سے یہ بولا۔ اچھا تم لکھ دو کہ میں نے بیس تھیلیاں روپیہ کی اور دس کپڑوں کی دیں۔

اس پر امیر کی بیوہ اور اس کے ایجنٹ میں باہم گفت وشیند ہوئی تا کہ ایجنٹ اسے اطلاع دے کہ دولھا کی یہ تجاویز ہیں اور اس میں بیوہ کی مرضی حاصل کرے۔

غرض تھوڑی سی جھک جھک کے بعد تمام امور طے ہو گئے اور طرفین کا اطمینان ہو گیا۔ دستاویزوں پر ہم دونوں کی مہریں لگائی گئیں۔ معمولی قول و اقرار طرفین کے وکیلوں کی طرف سے ہوئے غرض شریعت کے موافق نکاح ہو گیا حاضرین جلسہ نے مبارکباد دی۔ جس وقت کاتب روانہ ہونے لگے میں نے ان کی اجرت دے دی اور ان کے علاوہ اپنی دلھن کے گھر میں جس قدر لوگ تھے سب کو انعام بانٹ دیا۔

بجائے عثمان آغا کے پاس واپس ہونے اور نیچوں کے پلنگ کے پاس لیٹنے کے یہاں ہوا ہی اور سما گئی۔ اور خاصے شاندار امیر تزک بن گئے اور ایسے سجے ہوئے حرم میں جا کر آرام کیا۔

بائیسواں باب

حاجی بابا کا حقے والے تاجر سے دولتمند آغا ہونا

مجھے یہ امر جلدی معلوم ہو گیا کہ مجھے بہت دشوار حصہ انجام دینا ہے۔ ایک چینی فلسفی کا مقولہ ہے کہ اگر کھانے کا عمل صرف منہ اور تالو تک ہی مقید رہتا تو اس سے بہتر کیا بات ہوتی اور پھر جھگڑا ہی کیا ہوتا۔ لیکن یہ صرف معدہ اور ہاضم آلہ جسمانی ہیں اور جسم کا باقیماندہ حصہ ہے کہ جو کس طرح سے خوراک ہضم کرنے میں مستعدی ظاہر کرتا ہے جس سے بہت کچھ صحت ہویدا ہوتی ہے۔ یہی شادی میں حال ہے کہ اگر صرف اسی پر انحصار رہے کہ جو کچھ بیوی اور خاوند میں آ کر واقع ہوا ہے تو۔ تو پھر کچھ بات ہی نہیں ہے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ہاتھوں پڑتا ہے اور کنبے کو اس معاملے سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہی اس معاملے کی مصیبت اور خوشی کا انفصال کرتے ہیں۔

میری خوبصورت بیوی نے شادی کے کئی دن تک مجھے اپنے کنبے کی تاریخ سنانے میں لگائے رکھا۔ ان کے باہمی تنازع کا بیان کیا۔ ان کے حسدوں اور بغض و عناد کا تذکرہ کیا اور خصوصاً اس نے یہ بھی بیان کیا کہ سب کا خیال میری طرف بہت ہی متوجہ ہے اور سب مجھ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اس نے مجھ سے اس امر کی بھی سفارش کی ہمیں اس شادی کی اپنے بھائیوں سے اطلاع کرنے میں بہت ہی مآل اندیشی اور خیال چاہیے۔ گو ہمارا باہم بہت جلدی نکاح ہو گیا ہے اور ہم قانونی ایک دوسرے کے میاں بیوی ہو گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری خوشی کا انحصار ان کی نیک مرضی پر منحصر ہے۔ کیونکہ وہ بہت ہی دولتمند ہیں اور ان کی توقیر سارا شہر کرتا ہے۔ تو جہاں تک ہماری قدرت میں ہو اور ہم سے ہو سکے ان سے ارتباط کرنا چاہیے۔

ایک دوراندیشانہ اس نے یہ اندازہ کیا اور وہ بیان کرنے لگی کہ شادی کے معاملہ میں جب میری ایک دولتمند تاجر سے ٹھہر رہی تھی اور اس میں میرے بھائی سے صلاح لی گئی تو اس نے کچھ انکار نہیں کیا تھا مگر میں نے ہی اس تاجر کو قبول نہیں کیا۔

تو اب ہمیں مناسب ہے کہ ہم اپنی شادی کی شہرت دے دیں اور گھر میں سب کی بلا کر دعوت کر دیں اور نمایاں اور شاندار دعوت کرنے میں خرچ کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے کیونکہ انھیں صرف یہ یقین دلانا ہے کہ شکرلب صرف ایک پردیسی پر ریجھ کر فریفتہ نہیں ہو گئی ہے اور اس نے بالکل اپنے کو اس پر مائل نہیں کر دیا ہے بلکہ اپنا معاون اور مددگار گھر کا منتظم بنانے کے لیے نکاح کیا ہے۔

میں نے اس کی خواہشات کی تائید کی اب میں ایسے موقع پر بہت خوش تھا کہ ہمارے اظہار اور نمود دولت کا موقع آئے گا۔ میں نے دو ملازم کرایہ پر لیے دونوں اپنا خطاب اور مخصوص قیامگاہ رکھتے تھے۔ میں نے اپنی بیوی کے متوفی خاوند کے سب پرانے حقے نئے حقوں سے بدلوائے جن کا اس وقت فیشن بھی تھا۔ اسی طرز پر میں نے اپنے لیے بھی ایک سٹ کا سٹ قہوہ نوشی کے پیالوں کا لیا طشتریوں میں بہت کچھ خرچ ہو گیا تھا بعض تو سونے کی تھیں اور بعض پر میناکاری کا کام ہو رہا تھا اور جو میں نے خاص اپنے استعمال کے لیے لیں ان میں قیمتی جواہرات جڑا ہوا تھا۔

جب میں نے اپنی بیوی کے پہلے خاوند کے جوتے کو زیب پا کیا تو اب میں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ اس کے کپڑے بھی ٹٹولنے چاہیں۔ یہ شخص کپڑے پہننے میں بہت ہی کشادہ دل تھا اور اس کے بڑے بڑے قیمتی کپڑے رکھے ہوئے تھے وہ بھی زیب تن کیے۔ بالجملہ دعوت کا وقت آنے کے قبل میں نے اپنا سامان آغا کی طرح سے سب کر لیا۔ گو یہ تو مجھے یقین تھا کہ میں پیدائشی نائی ہوں لیکن میری صورت شکل ایسی بنی ہوئی تھی کہ مجھے یہ کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ اس کی اصلیت یہ ہو گی بلکہ ایک امیرانہ صورت میری تھی۔

میں اس امر کے بیان کرنے میں فروگذاشت نہیں کر سکتا کہ دعوت سے پہلے میں اپنے رشتہ داروں سے بہت ہی لائق صورت میں ملا۔ اور اگرچہ اس امر پر میں بہت ہی متردد تھا کہ دیکھوں ہماری ملاقات کا نتیجہ کیا نکلتا ہے مگر جب میں امیر کے موٹے تازے گھوڑے پر شاہراہوں میں سوار ہو کر نکلا گھوڑے پر مخملی زین پوش جو زمین پر لگوان جاتا تھا۔ چاروں طرف اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے نوکر بچو بچو کرتے ہوئے ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ میری خوشی اور شادی کا کیا عالم ہو گا۔ لوگوں کو میں دیکھتا تھا کہ برابر راستہ کرتے چلے جاتے تھے اور مجھے دیکھ دیکھ کر اپنے اور گھوڑے کی آن بان پر نظر ڈال کر جو کس ناز و انداز سے مٹک مٹک کر چلتا تھا گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ

اسے مجھ جیسے سوار پر فخر ہے لوگ اپنے ہاتھ مجھے دیکھ کر برابر سینوں پر رکھتے جاتے تھے۔ ترکوں یا عربوں میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو سلام کریں گے تو اپنے ہاتھ ماتھے کی طرف نہ اٹھائیں گے بلکہ سینے پر رکھ لیں گے۔
میری اس شان و شوکت اور آراستہ و پیراستہ حالت سے اور کچھ نہیں تھا صرف ایک انسانیت ٹپکتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی مرد آدمی ہے۔ یہ تو سب کچھ تھا اب یہی دیکھنا چاہیے کہ میرے ان ہموطنوں پر کیا گذرتی ہے جو میرے ہمراہ کاروان میں آئے تھے اور جو اس وقت چمڑے کی ٹوپیاں اور موٹے روئی کے کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ صرف اتنا تھا کہ اپنی حسرت بھری نظریں تعجبانہ میری طرف اٹھاتے تھے اور مجھے اس جاہ و حشمت کا مزا لیتے ہوئے اور عثمانی پوشاک میں جلوہ دیتے ہوئے دیکھ کر منہ پھاڑے ہوئے سکتے میں رہ جاتے تھے۔ یہ میں نہیں بتا سکتا کہ اس حالت میں انھوں مجھے پہچانا یا نہیں لیکن ہاں جس شاہراہ میں میرا گذر ہوتا تھا میں ایک جانب اپنے سر کو پھیر لیتا تھا تا کہ میرا سر بڑے نمایاں عمامہ اور چھاج سی داڑھی کے ضمنی سایہ میں پوشیدہ ہو جاتا تھا۔
جیسا کہ میں نے امید کیا تھا کہ میری ملاقات دیکھیے کیا نتائج پیدا کرتی ہے وہ نہیں ہوا بلکہ کامیابی کے ساتھ وہ وقوع میں آئی۔ ان کا چال چلن کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن انھوں نے میرے ساتھ تو بہت ہی انسانیت برتی اور بہت ہی اخلاق و مروت سے پیش آئے۔ اور نیز وہ فخر کناں بھی اس امر سے معلوم ہوتے تھے کہ ہماری بہن سے تم نے شادی کر لی گویا ہمارا تمام خاندان نواز دیا۔ چونکہ وہ تاجر تھے ادھر ادھر سے پھر پھرا کر آخر تجارت ہی پر آپڑے میں نے بھی یہ کام کیا کہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا انھیں اس کا تیقن دلایا کہ میری تجارت کی اتنی وسعت ہے اور مجھے اس میں یہ غلو حاصل ہے۔
جس وقت کہ انھوں نے مجھ سے تجارتی ملکی حالات دریافت کرنے شروع کیے تو میں بہت چونکا اور مجھے خوف معلوم ہوا اور ذرا چوکنا ہو کر میں ہوشیار ہو گیا۔ انھوں نے مجھ سے بغداد اور بصرے کی تجارت پر سوالات کرنے شروع کر دیے اور مجھ سے عرب اور عموماً ہند کے شہروں کا تجارتی تعلق دریافت کرنے لگے نیز چین کے ملک کا بھی ذکر آیا۔ یہاں ان سب باتوں سے محض نابلد اگر کچھ رائے زنی کرتے ہیں تو مشکل پڑتی ہے آخر یہی رائے ہوئی کہ میں نے یکایک اس گفتگو کو پھیر کر ایک آدھ بات پر ختم کر دیا اور دو تین باتیں اور تجویزیں ملا کر انھیں ایسا راضی کیا کہ جس سے کوئی ایسی ویسی بات پیدا نہیں ہوئی۔

جب یہ بھی ملاقات اختتام پذیر ہوئی تو ایک خیال اور میرے دل میں آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ابھی ایک فرض اور بھی باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے پرانے منعم بوڑھے عثمان آغا کو بھی اس خوشی کا حصہ دار بنایا جائے اور جو دعوتی تقریب کہ ہمارے ہاں ہوگی اس میں اس کو بھی شریک کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ وہ میری اصل نسل سے بخوبی واقف ہے اور یہ سخت مقام خوف ہے اگر بھولے سے یا اشارتہً اس کی زبان سے کچھ نکل گیا تو غضب ہی ہو جائے گا تو اب یہ لازم ہے کہ نہ اس کو اور نہ اپنے کسی ہم وطن کو اس دعوت میں مدعو کروں بلکہ خبر بھی نہوں۔

جب یہاں میرا پورا جماؤ ہو جائے گا تو مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں رہے گا اس وقت کچھ مضائقہ بھی نہ ہو گا۔

تئیسواں باب

حاجی بابا کا اپنی بیوی سے نزاع

دعوت کا انجام بہت ہی کامیابی سے ہوا اور میں اپنے مہمانوں کو اس امر کے یقین دلوانے میں پورا پورا کامیاب ہوا کہ حاجی بابا اسی شخصیت کا شخص ہے کہ جو اس نے خود ظاہر کی تھی۔ اس کامیابی نے میرے نئے جوش اور خواہشیں پیدا کرنے کے لیے قدم بڑھائے اور اب میں شب و روز خوشی منانے لگا۔ خوش و خرم آدمیوں کے ساتھ بیٹھتا اور ان سے زندگی کی کیفیت اڑاتا۔ خوب خوب نفیس نفیس پوشاکیں زیب تن کرتا۔

یہ تو ایک بدیہی بات تھی کہ میرا ایک خوش قسمت دولتمند لیڈی کے ساتھ نکاح ہونا میری بے آرامی کا باعث ہوا کیونکہ یہ میں خوب جانتا تھا کہ جھگڑا صرف بالائی اور پنیر پر نہ اٹھانا تھا لیکن جن باتوں کا کہ میں نے بوڑھی عورت کو یقین دلایا ہے ان پر تو ضرور ہی کچھ نہ کچھ غلغلہ اٹھے گا۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ بوڑھا امیر یعنی میری بیوی کا مرحوم خاوند بہت ہی اچھا شخص تھا کہ تمام زندگی میں صرف ایک ہی شے پر جھگڑتا رہا دوسری کی نوبت نہ آئی۔

میں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ جب میری یوں تقدیر کھلی ہے تو میں زمانہ ءمدید تک اسی خوش اسلوبی اور عیش و عشرت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کروں گا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اب ذرا اپنی فوق البھڑک نمائش اور شان و شوکت اپنے ہموطنوں اور کاروانسرا میں چل کر دکھاؤں اور جو کچھ میرے بوڑھے ماسٹر کو میری صورت دیکھ کر تعجب اور حیرت ہو اس کا بھی مزہ چکھوں۔

اب اس وقت بالکل چاروں طرف امن و امان تھی تو یہ سمجھ لیا گیا کہ اب کچھ اغوا بھی اگر کوئی کرے تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی قیمتی کپڑے زیب تن کیے اپنے اصطبل کے نایاب اور بادر فتار گھوڑے پر سوار ہوا اپنے ملازمین کو اپنے ساتھ لیا اور میں کاروانسرا کی طرف بڑھا۔

جس کاروانسرا میں میں نیچے لے کر داخل ہوا تھا جب میں کاروانسرا کے دروازے میں داخل ہوا تو کسی نے بھی مجھے نہیں جانا لیکن سب یہ سمجھ کر کہ یہ ہم سے کچھ مال خریدنے آئے ہیں اور کوئی رئیس ہیں تعظیم بجالائے۔ میں نے جاتے ہیں عثمان آغا کو پوچھا۔ میرے خادم نے ایک نفیس ایرانی غالیچہ میرے بیٹھنے کے لیے بچھا دیا اور میرے آگے امیری قیمتی پیچوان پینے کو لگا دیا۔ عثمان آغا بہت ہی ادب سے آیا اور میرے غالیچے کے کونے کے پاس بڑے تکلف سے بیٹھ گیا لیکن ہنوز پہچانا بھی اس نے نہیں تھا۔ میں نے اس سے بغیر کسی بات چھپانے کے گفتگو کی کہ وہ ذرا غور سے میری طرف متوجہ ہوا اور دیکھے کہ میں کون ہوں عثمان آغا کو شبہہ تو ہو گیا تھا اور بیتاب ہوا جاتا تھا۔ آخر نہ رہا گیا اور یہ کہہ ہی اٹھا۔

بخدا اتم حاجی بابا ہو۔ یا کوئی متنفس ہو۔ یہ سن کر مجھے دل ہی دل میں بہت ہنسی آئی۔ جب طرفین سے باتیں ہوئیں اور وہ مجھے پہچان گیا کہ حاجی بابا ہی ہے تو میں نے اس سے ساری کیفیت بیان کر دی کہ میں اس طرح سے ان پچاس اشرفیوں سے جو آپ سے نفع کی لی تھیں اس شان و شوکت کو پہنچا۔ اس کا فلسفیانہ دماغ میری قسمت کے یکایک پلٹا کھا جانے سے کچھ خوش نہیں ہوا۔ لیکن ہاں جب میرے ہموطنوں نے جانا کہ یہ اس پوشاک اور جاہ و حشم میں حاجی بابا کا جلوہ ہوا ہے اور یہ گھوڑا نوکر چاکر قیمتی پیچوان یہ سب اسی کے لیے حاضر ہیں تو ان کے دل میں قومی حسد کی آگ بھڑکی اور میری یہ صورت انھیں سخت ناگوار گذری۔

مجھ سے اب بھی غلطی ہو گئی مجھے ضرورت ہی کیا پڑی تھی کہ میں اپنے کو اس تزئینی صورت میں ظاہر کرتا۔

ایک بولا۔ کیا یہ اصفہان کے نائی کا بیٹا وہی حاجی بابا ہے۔ خدا کرے اس کے باپ کی قبر ناپاک ہو اس کی ماں پر لعنت پڑے۔

دوسرا۔ اے ایران سرزمین کے اچھے لڑکے تو نے بہت ہی اچھا کام کیا۔ خدا کرے اور بھی یونہی کریں۔

تیسرا بولا۔ اس کے بڑے عمامے اس کے لمبے جامے اور اس کے بڑے پیچوان کی طرف تو خیال کرو اس کے باپ نے تو کبھی خواب میں بھی یہ چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔

میرے ہم وطن مجھ سے اس حاسدانہ گفتگو سے پیش آئے بجائے عزت کرنے کے انھوں نے میری اور توہین کی میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر انھیں ان کی حقارت آمیز گفتگو کرتے ہوئے چھوڑ آیا۔

پہلے تو مجھے یہ جوش آیا کہ ان پر غضب نازل کروں۔ اور پھر دوبارہ مجھے خود اپنے پر غصہ آیا۔

میں۔(آپ اپنے دل میں) بیشک تم نائی کے لڑکے ہو جو کچھ انھوں نے کہا قرب علی حسین نائی کی روح کی قسم سچ کہا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک موٹا تازہ شکاری کتا بھیڑیوں میں جائے اور وہ اس کے ٹکڑے نہ اڑا جائیں۔ کیا ایک بیوقوف شہری یہ ممکن ہے کہ جنگلی اور وحشی عربوں میں چلا جائے اور وہ اسے نوچ کھسوٹ کر برہنہ نہ کردیں۔ شاید حاجی بھی ایک دن عقلمند بن جائے لیکن اول ہی اول جو اسے زرخیزی حاصل کرنے کا موقع آیا ہے یہ تو اس کے لیے ضرر رساں ہوا۔(اپنی داڑھی اپنے ہاتھ میں لے کر) یہ کمبخت کس مطلب کی ہے ہائے ذرا بھی اتنی بڑی ہو کر عقل نہ آئی ایک بہت بڑے عقلمند کا قول بہت ہی درست ہے کہ اپنا ساتھی کبھی اپنے ساتھی کی سربلندی اور سرفرازی سے ہرگز خوش نہ ہوگا بلکہ اس کی خوشی اس وقت ہوگی کہ جب وہ اس کو پھانسی کی لکڑی پر لٹکا ہوا اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا۔

اسی خیال میں غلطاں و پیچاں میں اپنے گھر کی طرف پھرا یہ ارادہ میرا پہلے ہی سے ہو گیا تھا کہ تمام باقیماندہ دن ایک گوشہ میں آرام سے اپنی اس صورت پر خیال دوڑاتا رہوں گا مگر اس رنج و ملال میں یہ حزن اور بھی بڑھا کہ میری بیوی کو خبر نہیں کس پاجی اور پلید پدر سگ نے بہکا دیا کہ اس نے اس روپیہ کا مطالبہ کیا جو دلھن کے جوڑے بننے کے لیے اقرار کیا تھا۔ اس کی بیجا بیجا نامعقول استدعا سے مجھے وہ غصہ آیا کہ جس قدر طیش اپنے ہموطنوں کی طرف سے میرے دل میں اٹھ رہا تھا وہ سب اسی پر پلٹ پڑا اور میں نے اپنا غصہ اس پر اتارا۔ میں نے بہت ہی غضب کی حالت میں اور زور سے یہ الفاظ کہے۔ لعنت ہے ان پر اور تف ہے تجھ پر یہ میں نے حد سے طیش کی حالت میں کہا میں تو ہمیشہ بہت ہی ملائم اور نرم دل تھا لیکن اس وقت مازندانی شیر کی طرح سے بھڑک اٹھا۔

میری بیوی پہلے تو میرے اس غیظ و غضب سے بہت ہی حیران ہوئی اور اب وہ اپنی بوڑھی عورت اور لونڈیوں کو اپنی تائید کے لیے مستعد کر کے جواب دینے کے لیے بہت ہی بے صبر معلوم ہوئی اور موقع ڈھونڈنے لگی۔ پھر جو موقع پا کر اس نے جواب دینا شروع کیا تو وہ وہ الفاظ تیزی میں بولے کہ یہ تعجب ہوتا تھا کہ اتنے سے چھوٹے دہن سے اتنے بڑے الفاظ کیونکر سرزد ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اس کی طراری کے آگے بڑھیا عورت بھی گرد تھی اور تمام عورتیں بول رہی تھیں لیکن توبہ اس کے آگے کہیں چل سکتی تھیں۔ تاہم مجھ پر وہ سب مل کر ٹوٹی پڑتی تھیں اور ان کے غصے اور غضب سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مجھے مغلوب کرلیں گی میں نے ان کا مقابلہ کرنا چاہا مگر یہ تو محض ناممکن تھا۔ اس قدر دند مچا اور وہ طیشی شعلہ ہائے آتشیں بلند ہوئے اور اس قدر کہرام مچا کہ تمام

عالم سر پر اٹھالیا اور جس کمرے میں یہ آفت برپا تھی وہ اس قابل نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ہمیں اور ہماری اس صورت کو سنبھال لے۔

آخر میں نے یہ مصلحت سوچی کہ ان سے پناہ لینی چاہیے۔ میں حرم سے اس واویلا نالہ وبکا اور غل شور سے چلا گیا۔ میں اس غم والم اور محزونی میں اپنے کمرے میں جا کر بیٹھا اندر سے دروازہ مقفل کر لیا اس کمرے میں ہر قسم کا سامان عیش ونشاط جمع تھا جس سے میں اپنی طبیعت کو بطرز احسن شادمان کرتا تھا۔ مگر نہیں میں اس وقت وہ کمبخت اور آفتی تھا کہ جس کی تمام خوشیاں غم والم کے ساتھ بدل گئی تھیں اور سرمیدان دل پر حزن وملال کی افواج قاہرہ برابر تاخت وتاراج کرتی چلی آتی تھیں۔ یہاں تو یہ کیفیت تھی۔

نسل من از دودمان نوع انسانی مجو

حور غم رضوان درداست آدم وحواے من

اس وقت جو کچھ کہ بے آرامیاں اور مصائب تھے وہ سب میرے آگے پھر رہے تھے مجھے اس کا بار بار خیال آتا تھا کہ میں اپنے جال میں خود ہی پکڑا گیا۔ یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر اس بلائے بے درماں سے جھوٹی ہوا بندیاں کر کے اور غلط بول بلا کر اس وقت خلاصی بھی حاصل کروں تو پھر کیا بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ پھر اس کا آخر یہی ہو گا کہ مصیبت دوبارہ نازل ہو گی۔

اگر ایسا ہوا کہ اس وقت تو میں اچھا ہو کر چھوٹ جاؤں گا لیکن جب میری بیوی عدالت میں استغاثہ دائر کرے گی تو ظاہر ہے کہ اقرار نامے پر میری مہر ہے اور مہر بھی ڈبل مہر تو پھر اس وقت سوائے اس کے کہ ایک عالم کی نگاہ میں جھوٹے ثابت ہو اور دنیا کی نگاہ میں ذلیل ہو اور کیا ہو گا وہی ڈھاک کے تین پات موجود ہیں۔

چوبیسواں باب

حاجی بابا کا ٹھگ ثابت ہونا بیوی کو کھونا اور پھر وسیع دنیا کا اس کی آنکھوں کے آگے آنا

میں نے اپنی رات تپ گرفتہ کی طرح سے بہت بے چینی کی حالت میں گذاری اور جب تک کہ ملاؤں نے اپنی اذانوں سے دن نکلنے کی خبر نہ دی میں نہ سویا۔ شاید ہی ایک گھنٹے میں سویا ہوں گا کہ اتنے میں میرے کانوں میں کچھ غیر مانوس سی آواز آئی کہ میرے خادم نے مجھے آکر اطلاع دی کہ آپ کے نسبتی بھائی مع چند آدمیوں کے موجود ہیں۔

یہ سنتے ہی میرا تو دم فنا ہو گیا اور میرے تمام جسم پر ایک رعشہ سا چھا گیا اور تمام اوسان باختہ تھے کہ اب جو کچھ میں نے ان کے آگے جھوٹ بکا ہے دیکھیے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے پچاس خطرے جو ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا میرے دماغ میں آنے شروع ہو گئے اور میرے تلوؤں میں وہ سنسنیاں اٹھیں کہ برسوں ہو گئے تھے جب مجھے مشہد میں سبق ملا تھا اس وقت شاید ایسی حالت ہوئی ہو تو ہوئی ہو میں نے اپنی طبیعت میں پھر خیال کیا کہ کچھ ہو شکر لب آخر کو میری بیوی ہے اگر فرضاً باللہ یہ بھی سہی کہ میں نے حیلہ سازی کر کے انھیں اس دھوکے میں پھنسایا کہ میں امیر ہوں تو کیا نئی بات کی ہزاروں یونہی رات دن کرتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے نوکروں سے کہا کہ انھیں یہیں بھیج دو اور بہت جلدی قلیان اور کافی تیار کرو۔

میرا بستر اتو سمیٹ کر کمرے کے باہر چلا گیا تھا اور میرے مہمان بہت ہی خاموشی کی حالت میں یکے بعد دیگرے میرے دیوان خانے میں آکر بیٹھے۔ ان آدمیوں میں دو میری بیوی کے بھائی تھے۔ اس کے چچا اور ایک نہایت ہی درشت صورت کا شخص تھا کہ جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا یہ تو سب بیٹھے ہوئے تھے مگر پرے کی طرف خدام کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا جس میں دو آدمی ایسے جلادوں کی سی صورت تھے کہ مجھے تو ان کی صورت سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ یہ بڑے بڑے وزنی ہتھیار باندھے ہوئے تھے اور میری طرف ان کی آنکھیں برابر لڑ رہی تھیں۔

میں نے کوشش کی کہ میں اپنے کو بہت ہی غریب اور مسکین ثابت کروں۔ میں نے بطور مکر کے ان کے آنے پر بہت ہی خوشی ظاہر کی اور ان کی صورتوں کو دیکھ کر کھل گیا۔

میں نے ان سے بہت ہی مختصر یک تلفظی لفظوں میں باتیں کیں اور پھر میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ قلیان لاؤ اور قہوے کی پیالیاں حاضر کرو۔ مجھے خیال تھا کہ شاید اس کا ان کے دلوں پر کچھ اثر ہو۔

میں۔(بڑے بھائی کی طرف مخاطب ہو کر) خدا کرے تمھارے گھنٹے خوش قسمت ہوں۔ اس وقت علی الصباح مجھ سے کوئی بات کہنی ہے اگر تو ارشاد ہو۔

بڑا بھائی۔(بد شگوں توقف کے بعد) حاجی کیا تم نے بغیر فہم و ادراک اور سوجھ بوجھ کے ہم کو جانوروں کی طرح سے برتا۔ تم آج کے دن اپنے کو اس درجہ کا آدمی سمجھتے ہو کہ تمھارا کوئی مقابل نہیں ہے۔ خصوصاً کیا تمھیں یہ استحقاق ہے کہ تم آدمیوں کی داڑھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لو اور جو تمھارا جی چاہے ان کے ساتھ کرو اور پیش آؤ۔

میں۔ یہ کیا بات ہے جو آپ فرما رہے ہیں اے میرے آغا میں تو کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا میں تو ایک چٹکی خاک سے بھی تو کمتر ہوں۔

دوسرا بھائی۔(بہت ہی تیز اور گرم لہجے میں) اے شخص تو یہ کہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں لیکن یہ تو بتا کہ ہماری تو نے گت کیا بنائی ہے۔ کیا ہماری کچھ بھی حقیقت نہیں ہے کہ تو اتنی دور بغداد سے ہمیں بندر کی ڈگڈگی پر نچانے آیا۔

میں۔ اے اللہ بزرگ اور نیک۔ یہ سارا معاملہ کیا ہے۔ آپ کس معاملے میں گفتگو کر رہے ہیں میں نے کیا کیا۔ آپ فرمایئے اور سچ فرمایئے۔

میری بیوی کا چچا۔ آہ حاجی حاجی (اپنا سر اور بھوری داڑھی ہلا کر) تم یہ کیا بک رہے ہو۔ اور بھلا خیال تو کرو کہ تم جیسا شخص کہ جس نے دنیا کا بہت کچھ دیکھا ہے اور وہ یہ خیال کرے کہ اوروں کو اپنے ساتھ غلاظت کھلانے میں شریک کرے اور پھر اللہ شکر کرے۔ خیر ہم غلاظت تو کھالیں گے لیکن حضرت قصور معاف آپ کی بیجا باتوں کی برداشت نہ کر سکیں گے۔

میں۔ اے میرے معزز چچا آخر آپ بتائیں تو سہی کہ میں نے کیا کیا ہے۔ آپ کو میری روح کی قسم فرمایئے تو سہی۔

میری بیوی کا چچا۔ آپ نے کیا ہے۔ کیا آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔ کی آپ نے چوری نہیں کی۔ کیا آپ نے دھوکا دے کر ایک باعصمت عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ تو ایک ایسے شنگرف شخص ہیں کہ یہ سب کچھ کیا لیکن پھر بھی کچھ نہ کیا۔

بڑا بھائی۔ تم اسے بڑی عزت خیال کرتے ہو کہ اصفہان کے نائی کے لڑکے نے قسطنطنیہ کے دولتمند خاندان کی لڑکی سے شادی کی۔

دوسرا بولا۔ آپ دیکھیے تو سہی کہ صرف نیچے فروش شخص تاجر کے بھیس میں نمودار ہوا اور وہ اس امر کے قابل سمجھا گیا۔

چچا۔ بہت ہی شدت سے لیکن حاجی۔ الحمدللہ رب العالمین بہت ہی عظیم الشان تاجر ہے۔ اس کا ریشمی اور مخملی سامان اس وقت راستہ میں ہے اور اسکے تبادلے میں بخارا سے بھیڑی کا چمڑا آئے گا۔ اسکے دوشالے ہمارے لیے کشمیر سے آرہے ہیں۔ اور اس کے تجارتی جہازوں نے چین اور بصرے کے سمندروں کو پاٹ دیا ہے۔

چچا کا بیٹا۔ آپ اسے نائی کا بیٹا کہتے ہیں۔ نہیں نہیں خدانخواستہ یہ تو قریش کی نسل میں سے ہے یہ اولاد قریش میں سے تھوڑی ہے بلکہ اللہ کی عنایت سے یہ اس خاندان کے جد امجد میں سے ہے۔ بھلا منصوری عرب سے کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

میں۔ بار بار۔ یہ بات ہی کیا ہے۔ (تمام طوفان عظیم کو اپنے گرد برپا دیکھ کر) اگر آپ مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اینک تیغ و گردن۔ لیکن آپ سسکا سسکا کر مجھ غریب کو کیوں قتل کرتے ہیں۔

بدہیئت شخص۔ جو اب تک خاموش کھڑا ہوا تھا۔ اے بے ایمان شخص سن اصل یہ ہے۔ تم وہ کمبخت ہو کہ تمھیں زندہ چھوڑنا کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ اگر تو اپنی زندگی چاہتا ہے تو ابھی سب چیزیں جو اس مکان میں ہیں چھوڑ کر چلا جا۔ اور کیا تم ان آدمیوں کو دیکھتے ہو۔ (ان دونوں خوفناک شخصوں کی طرف اشارہ کرکے) وہ تمھاری روح جسم سے اس طرح بآسانی نکال لیں گے جیسے وہ اپنا تماکو پائپ سے پیتے ہیں۔

یہ سنتے ہی تمام مجلس کی مجلس بھڑک اٹھی اور وہ نادرست اور ناشائستہ الفاظ سے مجھے یاد کیا جو ہرگز میرے قابل نہ تھے۔

یہ غضبی شعلے بھڑکتے رہے میں چپکا سنا کیا۔ اس عرصے میں مجھے کچھ سوچنے کا وقت بھی مل گیا۔ اور اب میں نے ارادہ کیا کہ اگر ہو سکے تو کچھ اس کی روک کروں۔

میں۔ (بد ہیئت شخص کی طرف مخاطب ہو کر) تم کون شخص ہو۔ یہ کس کو دلیری ہے کہ میرے مکان میں چلا آئے اور مجھے اپنے کتے کی طرح سے برتے۔ اور اگر ان کی کہو (اپنی بیوی کے رشتہ داروں کی طرف اشارہ کر کے) یہ گھر ان کا ہے اور ان کا آنا یہاں مبارک ہے۔ لیکن تم نہ میرے خسر ہو۔ نہ نسبتی بھائی ہو۔ نہ چچا ہو۔ کچھ بھی نہیں پھر یہاں کیا کرنے کو آئے ہو۔ میں نے تمھاری لڑکی یا بہن سے شادی نہیں کی ہے اس لیے میں کوئی فرد بشر ہوں اس سے آپ کو کچھ غرض۔ مطلب۔

جب تک میں یہ کہتا رہا ان کا یہ عالم تھا کہ مارے غصے کے پھکے جاتے تھے اور وہ جلادی صورت اپنے گلچھے آنکھوں کے کونے پر لے جاتے تھے اور مجھ پر شیر غراں کی طرح سے خون کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ اگر بس چلے تو نگل جائیں۔

بد ہیئت شخص۔ (بہت ہی غصے کی آواز میں) میں کون ہوں اگر تم مجھے جاننا چاہتے ہو تو انھیں سے پوچھو جو مجھے یہاں اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ میں اور میرے یہ دونوں جلادی صورت آدمی حکام کی طرف سے ہیں۔ اگر تم ان کی ذرا بھی حقارت کرو گے تو یاد رکھنا کہ یہ تمھارے لیے بہتر نہ ہو گا۔

میں۔ بہت ہی نرم آواز سے (یہ دریافت کر کے کہ یہ پولیس کے افسر ہیں) اچھا اگر تم مجھے اپنی بیوی سے جدا کرنا چاہتے ہو جس سے میں نے شریعت کے بموجب نکاح کیا ہے تو مجھے کسی حاوی قانون شریعت سے مشورہ کر لینے دو۔ اسلام کا ہر ایک فرزند قرآن شریف اپنی پناہ کے لیے رکھتا ہے۔ اور تم ایسے کافر نہیں ہو کہ مجھے قرآن شریف سے علیٰحدہ کرو گے۔ علاوہ اس کے میں یہ بھی تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ تمھاری تجویز ہے وہ میری بیوی نے بھی پسند کر لی ہے یا نہیں۔ پہلے اسی نے مجھے تلاش کیا میں اس کا متلاشی نہ ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے اپنی حفاظت کے لیے نکاح کیا اور اپنی مرضی سے میری منکوحہ بنی۔ جب میں نے اس سے نکاح کیا میں اصلاً ناواقف تھا نہ اس کی دولت اور نہ اس کے کنبے کی امیری کی بشارت سنی تھی۔ جو کچھ یہ ہوا ہے سب تقدیری سرنوشت تھی۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو کیا تقدیر کے نوشتے کی مخالفت کرو گے۔

بڑا بھائی۔ شکر لب کی مرضی کی پوچھو تو اپنا منہ دھو رکھو وہ تو ہم سے بھی زیادہ یہ چاہتی ہے کہ تم سے علیٰحدگی ہو جائے۔

اس کے بعد عورتوں کے کمروں میں سے یہ یہ آوازیں میرے کان میں آئیں۔ ہاں ہاں برائے خدا اسے بامن یہاں سے جانے دو۔ خدا کی عنایت سے ہم آزاد ہو جائیں گے۔ جس کمرے سے یہ آوازیں آرہی تھیں جب میں نے اس طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ میری بیوی اپنی لونڈیوں باندیوں عورتوں کا سرغنہ بنی کھڑی ہے جو اس وقت اس لیے مستعد تھیں کہ میرے خلاف گواہی دیں۔ ان کی صورتوں سے برائی ہویدا تھی اور وہ سب غل مچا رہی تھیں اور سب کا عندیہ تھا کہ یہ بدبخت کہیں یہاں سے دفع ہو۔

جب میں نے یہ دیکھا کہ تمام طوفان بے تمیزی موجزن ہو رہا ہے اور اس وقت سب میری مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو ان سے بازی لے جانا یا ان کا مقابلہ کرنا امر محال ہو گا۔ ایک تو یہ ملک نیا دوسرے میرا کوئی یہاں ہاں میں ہاں ملانے والا نہیں۔ کیا ہو سکتا تھا۔ میں بہت اچھی طرح سے ذرا اپنی اچھی صورت بنا کے اٹھ بیٹھا اور اٹھتے وقت یہ کہا۔ اگر یہ یہی مرضی ہے تو یہی سہی نہ مجھے شکر لب کی حاجت ہے۔ نہ اس کے روپیے کی۔ نہ اس کے بھائیوں کی نہ چچا کی نہ ان چیزوں کی جن کا ان سے تعلق ہے لیکن ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ لوگ مجھ سے اسلامی طریقے سے پیش نہیں آئے۔ خیر۔ ایسا ایک مسلمان کو بہت ہی نازیبا ہے۔ کاش اگر میں کافروں کا کتا ہوتا تو یہ گت تو میری جب بھی نہ بنتی وہ مجھ سے اچھی طرح پیش آتے میں تہ دل سے یقین کرتا ہوں کہ جو سزا ان لوگوں کو ملے گی کہ جنھوں نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی ہے وہی اور اسی قدر بروز قیامت ان لوگوں کو ملے گی جنھوں نے اس وقت میری عزت ریزی کی ہے اور میرا دل دکھایا ہے۔ پھر میں نے ٹھنڈی سانس بھر بھر کر ان کے خلاف قرآن شریف کی یہ آیتیں جس قدر کہ مجھے یاد آئیں پڑھ کر سنائیں۔

وہ جلتی ہوئی اور مشتعل آگ کی پوشاکیں پہنیں گے۔ جو ان کے جسموں پر کسی ہوئی ہوں گی۔ کھولتا ہوا پانی ان کے حلقوں میں چوایا جائے گا۔ ان کی تمام روئیں اور چمڑا پگھل پگھل جائے گا۔ اور پھر اس حالت میں ان پر آگ کے بھرے ہوئے گرز پڑیں گے اور آتشین کوڑوں سے ان کی کھال ادھیڑی جائے گی اور جن کی آوازیں بجلی کی گرج کو بھی مات دیں گی۔

اس وقت بیچ کے کمرے میں کھڑے ہو کر میں بہت ہی زور و شور اور غصے میں یہ یہ آیتیں پڑھ رہا تھا اور میں نے اپنے کو اپنی پوشاک اور اس ہر ایک حصے سے برہنہ کر دیا تھا جو میری بیوی کا تھا یا اس کے روپے سے خرید ا گیا تھا ہر شے اس کی میں نے زمین پر پھینک دی تھی۔ میں نے اس کے بعد اپنا پرانا چغہ مانگا اور اس کو اپنے کاندھے پر ڈال کر سب پر لعنت ملامت کرتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔

پچیسواں باب

شاہراہ کے ایک واقعہ سے حاجی بابا کی کچھ کچھ مایوسی کم ہوتا اور عثمان آغا کی صلاح سے اس کی ڈھارس بندھنا

جب میں شاہراہ میں آیا تو بغیر سوچے اس امر کے کہ میں اپنا قدم کس طرف اٹھاؤں میں جلدی جلدی چلا۔ ہزارہا قسم کے خیالوں نے میرے دل میں اپنا گھر کر لیا تھا اور اس وقت میری یہ حالت ہو گئی تھی اور کچھ ایسی عقل خبط ہوئی کہ جب میں نے سمندر کو لہریں مارتا ہوا دیکھا تو یہ عزم کیا کہ اس میں گر کر مر جاؤں۔ کیونکہ حرمانی اور شکستہ دلی میری راہ نما بن گی تھی اور اس وقت جو کچھ میری طبیعت کی حالت تھی وہ قابل بیان نہیں۔

از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم

مگر ایک کھلے ہوئے میدان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک واقعہ ہوا جو بظاہر بے قدر اور بیہودہ تھا لیکن میرے لیے وہ بہت ہی نتائج خیز ہوا اور اس سے وہ مایوسی اور ناامیدی کہ جس سے میں اپنی جان کھونے پر آمادہ ہو گیا تھا جاتی رہی۔

میں نے کتوں کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا جو قسطنطنیہ کی شاہراہوں میں اکثر لڑا کرتے ہیں۔ ایک کتا دوسرے کتوں کی سرحد میں آ گیا تھا اور جس نے ان کے حقوق کو فسق کر دیا تھا اور ان کی ہڈیاں گڈیاں کھا گیا تھا۔ فوراً ہی ایک آتش فتنہ بھڑکی۔ سب دوڑتے تھے اور بے تحاشہ بھونکتے تھے۔ غیر کتا بہت صفائی سے ان کی سرحدوں سے گذر کر اپنی حدود میں چلا گیا اور وہاں سے اپنے چند ساتھیوں کو لے کر پھر ان کتوں پر حملہ آور ہوا جس وقت کہ میرا گذر ادھر ہوا تو آتش جنگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

میں اس جگہ کھڑا ہوا تھا کہ یکایک ایک خیال میرے دل میں آیا اور میں یہ کہنے لگا کہ اے باری تعالیٰ تیرے ارادے اور منصوبے بھی کیسے غیر ممکن التفتیش ہیں کوئی ان کا تفحص نہیں کر سکتا۔ انسان بھلا ضعیف البنبیان کم عقل کم نظر کیونکر تیری باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔

زمین سے آسمان تک اڑ کے جاویں نشان اس کی حقیقت کا نہ پاویں

ہزاروں مر گئے اس جستجو میں	نہ پایا بھید پر اس کا کسو میں
شہنشاہوں کو دیتا ہے گدائی	گدا کو بخشتا ہے پادشاہی

تو نے خود اس وقت میری راہ میں وہ سبق ڈالا ہے کہ جس سے میں اپنی راہ جدھر مجھے جانا چاہیے پوری پوری تلاش کر سکتا ہوں اور جو تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں ہمیشہ تو ان کا معاون و مددگار رہتا ہے تو تو نے مجھے کتے سے سبق دیا ہے مگر مجھے زیبا ہے کہ میں اس کو حقارت کی نظروں سے نہ دیکھوں۔ اب مجھے فرض ہے کہ میں وہاں چلا جاؤں میرا کوئی دوست ہو تا کہ اس کی نصیحت سے میں اپنی ڈھارس بندھواؤں۔

تو اس خیال پر میں نے اس مصیبت زدگی اور قہرناکی کی حالت میں اس طرف کا رخ کیا کہ جہاں میں اپنے پرانے دوست بوڑھے ناصح کو پاسکوں۔ باوجودیکہ وہ ترک تھا لیکن ہمیشہ میرے ساتھ اس طرح سے پیش آتا تھا کہ جیسے اپنا ہموطن یا میرے مذہب و ملت کا شخص پھر بھی جب میں اس حالت میں گیا تو وہ بہت ہی اچھی طرح سے پیش آیا اور اس نے اپنا قلیان مجھے پینے کو دیا اور بہت ہی ٹھنڈی اور افسوسناک لمبی لمبی سانس بھر کر یہ کہا۔ اللہ کریم۔ جو کچھ مجھ پر گذری تھی سب حرف بحرف اس سے کہہ دی۔

عثمان آغا۔ اے میرے دوست جب تم اس شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے اپنے ہموطن ایرانیوں میں مجھ سے ملنے آئے تھے تو مجھے کھٹکا ہوا تھا کہ ضرور کچھ نہ کچھ تم پر آفت آ کر واقع ہو گی۔ تم ابھی بچے ہو تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے کہ تمثیل کیسی عداوت انگیز چیز ہے۔ کیا تمھیں اس کا کبھی ایک لمحہ بھی خیال آیا تھا کہ تمھارے وہ ساتھی جن کے ساتھ تم نیچے اور شیراز کا تما کو فروخت کرتے تھے اور دن بدن نہایت ہی سختی سے محنت میں مصروف رہتے تھے اچھا جب وہ تمھیں اس شان و شوکت اور نمایاں ترقی جاہ و حشم میں دیکھیں گے تو ان کا کیا حال ہو گا اور وہ کیسے انگاروں پر لوٹے ہوں گے کہ تم اس درجہ پر پہنچ گئے جس کی کبھی خواب و خیال میں بھی کوئی امید نہیں کر سکتا تھا۔ جب تم اچھا قیمتی کوٹ اور بیش بہا ٹوپی اور ایک اسپ بادرفتار ران کے نیچے ان لوگوں کے آگے دبا کر آئے کہ جن کے پاس گدھا بھی نہیں ہے تو وہ بتاؤ کیا خیال کریں گے بس یہی سوچیں گے کہ اس کے ہاتھ کہیں سے مال لگ گیا ہے۔

جب ان کی نگاہیں تمھاری پر شوکت اور نمایاں پوشاک پر پڑیں۔ انھوں نے تمھارا امرتسر اوالا پائپ ملاحظہ کیا تمھارے ساتھ آدمیوں کی قطار دیکھی تمھارے جڑاؤ زیور پہنے ہوئے گھوڑے کو نظر کیا اور تمھاری عظمت اور

جلال پر نظر کی فوراً آتش حسد کے شعلے ان کی مجمر دل میں بھڑک اٹھے اور ان کی آنکھوں سے عداوت کا غبار نکلنے لگا تو اب انھوں نے چاہا کہ جہاں تک ہو سکے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ جس سے تمھارا تنزل ہو اور جو کچھ عزت تمھیں حاصل ہوئی ہے یہ سب برباد ہو جائے۔ تو یہ بدیہی امر ہے کہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے تمھاری بیوی کے بھائیوں سے جا کر کانا پھوسی کی کہ یہ شخص جس سے آپ کی بہن منسوب ہوئی ہے بغدادی تاجر نہیں ہے بلکہ یہ اصفہان کے نائی کا بیٹا ہے۔ انھیں لوگوں نے ان باتوں کو جھٹلایا جو تم نے شادی ہونے پر اپنی بیوی سے بنائی تھیں اور انھیں نے ہی بہت آزادی سے تمھارے خاندان وغیرہ کی بھی تردید کی جو تم نے قریشی بتایا تھا اور جو کچھ تم نے اپنی تجارتی دھوم دھام دکھائی تھی اور اس کے تروتازہ اسباب کا نقشہ ان کی آنکھوں کے آگے کھینچا تھا اور سب کو اپنی مالی حالت کا سبز باغ دکھا کر دھوکے میں لائے تھے اور بخارا کا بیوپار اور چین میں اپنے جہازات چلتے ہوئے لوگوں پر عیاں کیے تھے سب کی ان لوگوں نے اصلیت ظاہر کر دی۔

کاش اگر تم مجھ سے حاجی بابا تر کی آغا کے طور پر نہ ملتے بلکہ حاجی بابا اصفہانی کے لباس میں ملاقات کرتے تو میں تمھیں ہرگز یہ فضول نمائش نہ کرنے دیتا اور کبھی یہ رائے نہ دیتا کہ تم اپنے ہموطنوں کو یہ فلاحت اور سرسبزی اپنی دکھاؤ۔ لیکن اب تو جو کچھ معاملہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ ہوا کا رخ ہی پھر گیا اب اگر تم سے کہنے کی بات ہے تو یہ ہے کہ آئندہ کے لیے اس سے تم تجربہ حاصل کرو۔

اس نصیحت آمیز گفتگو کے بعد اس نے پائپ پھر پیا اور منہ میں سے دھوئیں کے بقے کے بقے نکالنے لگا۔

میں۔ یہ تو سب درست ہے جو آپ نے فرمایا ہے جو کچھ ہوا سو ہوا اور خدا اس کا نتیجہ بہتر کرے۔ مگر ان تمام باتوں کے بعد یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں اور انصاف جیسا دوسرے شخص کے لیے ہے ایسا ہی میرے لیے ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو طلاق دے دی ہو ہاں اس کے بر خلاف تو ہوتا ہے کہ مرد عورت کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ امر میری سمجھ میں نہی آتا کہ میری ایک کتے کی طرح سے بے عزتی ہوئی اور یہ بھی کہیں ہوتا ہے کہ ایک شب کو تو اس نے مجھے پسند کیا اور صبح کو مجھے نکال دیا۔

قاضی۔ مفتی۔ شیخ الاسلام اور مسلمانوں کے ممالک کی طرح سے یہاں بے شمار موجود ہیں پھر میں ان سے کیوں نہ داد خواہی چاہوں۔ وہ انصاف کرتے ہیں۔ جہاں بیٹھ کر وہ تسبیح پھراتے ہیں اور صرف عدل کرنے کے لیے اس جگہ پر آکر بیٹھتے ہیں تو میں ضرور ان کی عدالت میں استغاثہ پیش کروں گا۔

بوڑھا عثمان آغا۔ اے حاجی کیا دیوانے ہو گئے ہو۔ تم یہاں بیوہ اور اس کے رشتہ داروں سے جو کہ اسلام کے ایک قوی امیر ہیں حق رسی اور استغاثہ چاہتے ہو اور اس پر طرہ یہ کہ اس کے بھائی اس شہر میں بہت ہی دولتمند تاجر ہیں۔ تم نے اپنی زندگی کہاں گذاری کیا تم نہیں جانتے کہ جس کے پاس سونا ہے اسی کے پاس انصاف ہے اگر تم مفتی کے آگے استغاثہ دائر کرو اور یہ بھی فرض کرو کہ قرآن شریف کا ہر لفظ۔ ہر سطر۔ ہر ورق اور ہر سورۃ میں وہ باتیں بھری ہوئی ہوں جو تمھارے مفید مطلب ہیں مگر طرف ثانی یعنی مدعا علیہ امیر ہیں۔ اور ایسے امیر جیسے تمھاری بیوی کے بھائی ہیں تو یاد رکھو کہ ہر گز تم فائدہ نہ اٹھاؤ گے زرویوں اور فولاد و نرم کا معاملہ ہے وہاں تو نقدی چاہیے فیصلہ شد۔ یونہی ناکام پھر کر واپس چلے آؤ گے۔

میں۔ اے علیؑ۔ اے محمدؐ۔ اگر دینا میں نری غیر انصافی ہی غیر انصافی بھری ہوئی ہے تو تو بیشک حاجی نے اپنے معاملے میں خاک ڈالی اب میں چاہتا ہوں کہ میں پھر نیچوں اور حقوں کی تجارت کرنے لگوں لیکن نہ میں کر سکتا ہوں نہ کروں گا۔ کیونکہ اسی آسان طریقے میں میں سب کچھ گنوا چکا اور باتوں باتوں میں میری متاع خاک میں گئی۔ میں جاؤں گا اور اپنی بد قسمتی کو مکان کی چوٹی پر سے مشتہر کروں گا۔

اس پر میں ایک گہری مایوسی اور ناامیدی میں رونے لگا اور خوب نالہ و بکا کیا اور اپنی داڑھی کے چند بال جڑ سے اکھیڑ ڈالے۔

عثمان آغا نے مجھے تسلی دینے کی کوشش کی اور مجھ سے کہا کہ اپنی گذشتہ زندگی کی طرف خیال کرو اور اس نے طرفین کی اس سرگذشت کو یاد دلایا کہ جب ہم ترکمانوں کی قید میں تھے۔

عثمان آغا۔ ان اللہ عظیم کریم۔ جو کچھ ہماری تقدیر میں ہے اور جو لوح محفوظ پر لکھا گیا وہ انمٹ ہے ہر گز نہیں مٹے گا اور وہ ہمیں بھگتنا پڑے گا۔

میں۔ (ایک نیا خیال میرے دماغ میں پیدا ہوا) لیکن میں ایرانی اس طرح سے ہوں کہ جیسے ایک مسلمان تو پھر ایک ترک سے یہ حق تلفی جو اس نے میری کی ہے ضرور ہونی چاہیے تھی ان سب باتوں کے بعد ہم ایک ہی قوم تو ہیں۔ چنگیز خان۔ تیمور خان۔ نادر۔ یہ بھی تو ہم ہی میں سے ہوئے ہیں۔ صرف ان کے سبب سے دنیا میں ہمارا نام کس قدر روشن ہوا جنھوں نے ترکوں کے باپ داداؤں کو جہاں کہیں پایا جلا دیا۔ اب مجھے اپنے ملک کے ایلچی کے

پاس جانا چاہیے وہ ضرور اس امر پر زور دے گا کہ میرے ساتھ انصاف ہو۔ (ای خوش قسمت خیال) ہاں ہاں وہ ایلچی ضرور میری بیوی کو مجھے واپس دلوا دے گا اور پھر دیکھیں کہ ہم سے اسے کون واپس لے لیتا ہے۔

اس خیال سے گویا ایک نئی جان مجھ میں پیدا ہو گئی جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔ میں ذرا بھی اس سننے کے لیے نہیں ٹھہرا کہ عثمان آغا اس مضمون پر مجھ سے کیا کہتا ہے۔ میں نے فوراً ہی قدم آگے بڑھایا۔ نئی نئی امیدوں اور تازہ تازہ جراتوں کے دریا دل میں موج مار رہے تھے اب تلاش وکیل شاہ شاہان کی ہوئی جو نہایت ہی خوش قسمت اور ساعت سعید میں ابھی رفیع بندر گاہ میں ایک مشن کے ہمراہ پہنچا تھا۔

چھبیسواں باب

اپنے دشمنوں سے پیچھا چھڑانے اور مطمئن ہونے کے لیے حاجی بابا کو ایک دوست کا ہاتھ لگنا۔ مرزا فیروز کی کچھ کیفیت

دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ اسکوترائی میں ایلچی نے قیام کیا ہے۔ میں نے اپنا قدم اس طرف اٹھایا اب مجھے یہ سوچنے کا خوب موقع ملا کہ اس قسم کی زبردست شکایت اس سے جا کر کروں گا کہ مجھ پر یوں ظلم ہوا اور میری یوں گت بنائی گئی۔

خشکی پر اتر کر میں نے اس کے مکان کا راستہ دریافت کیا وہ راستہ جس کے دو طرف درخت لگے ہوئے تھے اس کے بے شمار ملازمین سے پر تھا ان کی صورت دیکھ کر مجھے اپنا ملک یاد آ گیا۔ (یہ ہم سے بہت ہی مختلف تھے) یعنی یہ اپنی زیادہ گوئی اور بک بک اور حرکات جسمانی میں ہم سے بڑا بل رکھتے تھے۔

میری گفتگو سے انھوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ بھی ہم ہی میں سے ہے گو میرا لباس ترکوں کا سا تھا اور پھر مجھے ان کے آقا تک پہنچنے میں بھی بہت دقت نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے قبل مجھے ذرا اس کی وضع پر تردد کرنا پڑا کہ جس قسم کا یہ شخص ہو اس سے اسی موافق گفتگو کرنی چاہیے۔ اس لیے پہلے میں نے اس کے خادم سے دو باتیں کیں اور اس کا کچھ حال دریافت کیا لیکن وہ جتنا میں چاہتا تھا نہ بتا سکا۔

میری دریافت اور تفتیش کا یہ نتیجہ مفصلہ ءذیل ہوا۔

ایلچی جس کا نام میرزا فیروز تھا پیدائشی شیرازی تھا اور یہ ایک معزز خاندان میں سے تھا گو نسباً اعلیٰ نہ ہو۔ ہاں اس کی ماں وزیر اعظم مرحوم کی بہن تھی جس نے شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا۔ مرزا فیروز کی مرحوم مذکور الذکر وزیر اعظم کی بیٹی سے شادی ہو گئی تھی۔ اور اسی سبب سے مرزا فیروز کو سلطنت میں بڑا عہدہ ملا تھا۔ چونکہ تغیر و تبدل مرزا پر آ کر زیادہ واقع ہوا تھا اس لیے اسے مختلف ممالک کے دیکھنے کا بھی بہت اچھا موقع ملا تھا اور تمام ملکوں میں گردش

لگانے کا یہی سبب تھا۔ یہی باعث تھا کہ شاہ نے غیر ممالک کے کام کی انجام دہی اور سفارت کے لیے اس کو منتخب کیا۔

یہ ایک پھرتیلے اور سریع الفہم دماغ کا آدمی ہے جیسا کہ میرے خبر رساں نے مجھ سے بیان کیا۔ مغلوب الغضب ہے لیکن کڑھی کے ابال کی طرح غصہ بہت جلد فرو ہو جاتا ہے۔ مزاج میں نرمی خدا ترسی اور سخاوت بہت ہے مگر یہ بھی ہے کہ حالت غضب میں ذرا تیزی سے بھی کام لیتا ہے۔ اس میں قوت بیانیہ بہت بڑی ہے اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ جب کبھی اپنی بے عقلی اور بے شعوری سے کشمکش میں پھنس جاتا ہے تو صرف اپنی زبان آوری سے اس میں سے بہت جلد نجات پا لیتا ہے اپنے خدام اور ہمراہیوں پر یہ مہربان بھی ہے اور بعض دفعہ قہرناک بھی ہو جاتا ہے۔ بعض وقت تو ایسا مہربان ہوتا ہے کہ ان سے یہ کہہ دیتا ہے کہ جو تمھارا جی چاہے کرو اور مجھ سے جو عرض کرنا ہے کرو۔ مگر دوسرے وقت ان کی صورت دیکھنے کا بھی آشنا نہیں رہتا۔ غرض اگر اس کی مجموعی حالت پر غور کیا جائے تو خلیق بھی ہے۔ اس کے طرق میں افسوں گری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور اس کی فطرت میں ملنساری بہت ہے۔ طبیعت بہت بڑی سلیم ہے۔

ان ان صفات کا شخص تھا جس کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے اتفاق ہوا تھا۔ یہ ایک مقام پر اسی ایرانی طریقے پر بیٹھا ہوا تھا۔ مزاج کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن صورت بہت پاکیزہ تھی۔ اس کے کاندھوں پر اس کے سر کا بہت ہی موزونیت سے جلوہ ہوا تھا۔ اس کی کسی ہوئی پوشاک ذرا اور بھی اس کے سینے کو چوڑا دکھاتی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا خوبصورت تھا کہ میں نے تو آج تک اپنے ملک والوں میں کوئی ایسا دیکھا نہیں۔ اس کی سوتواں ناک بڑی بڑی نکیلی چمکتی ہوئی آنکھیں۔ اس کی گوہر نما بتیسی اس کی تنگی دہنی اس کی متناسب داڑھی جس نے اور بھی چہرے کی رونق بڑھا دی تھی غرض یہ تھا کہ جس قدر اس میں صفات تھیں یہ اسی قابل تھا کہ دوسرے مقامات پر سفیر بنا کر بھیجا جائے اس سے بہتر ایران بھر میں کوئی منتخب نہیں ہو سکتا تھا۔ جب ہماری باہم آنکھیں چار ہوئیں اور دو سچے ایران والے ملے تو مجھ سے اس نے یہ سوال کیا۔ کیا تم ایرانی ہو۔

میں۔ جی ہاں حضور کی عنایت سے میں ایرانی ہوں۔

مرزا فیروز۔ اچھا تو پھر تم نے ترکی صورت کیوں بنائی۔ ہمارا بھی تو ایک شاہ ہے کہ جس کا ایسا ملک نہیں ہے کہ وہ کسی سے چھپے۔

میں۔ یہ درست ہے جو کچھ آپ نے ارشاد کیا ہے اس میں سر مو تفاوت نہیں مگر میں ترکوں کی وضع کر کے کتے سے بھی بد تر ہو گیا۔ میرے دن کس سختی پر صرف ہوئے ہیں اور میرا پتا پانی پانی ہو گیا۔ اور یہ کیفیت میری جب سے ہوئی کہ مجھے ان حقارت زدہ تحقیر آمیز ترکوں میں کچھ رشتہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ اب میرا خدا پناہ ہے یا حضور ہیں۔

مرزا فیروز۔ یہ بات کیونکر ہے کہو تو سہی۔ اصفہانی بچہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ترک اس سے شادی کریں۔ ہم نے تمام راستہ سفر کیا یہ نہیں کہ ہم ان کی غلاظت کھالیں بلکہ اور الٹا انھیں اپنا ہی کھلاتے آئے ہیں۔ یعنی ہم ان سے کسی حالت میں دبے نہیں بلکہ ان پر غالب ہی رہے۔

میں نے اس سے اول سے آخر تک جو کچھ گذری تھی سب کیفیت حرف بحرف کہہ دی میری رام کہانی کو تعجب آمیز دلچسپی سے گوش گزار کرتا جاتا تھا۔

جب میں نے اپنی شادی کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوا اور جس دھوکے سے کہ میں نے دولتمند بیوی حاصل کی تھی اس پر اس نے بہت ہی خندہ زنی کی۔ پھر میں نے تمام کیفیت دعوت کی بیان کی اور جس عزت سے کہ میں پیش آیا کیا تھا وہ بھی میں نے اس سے کہی اپنی شان و شوکت اور عظمت کا بھی حال کہا جس نے اسے اور بھی خوشی دی غرض جو کچھ پوست کندہ حالت تھی سب حرف بحرف کہہ دی۔ ترکوں کو دھوکا دینا اور اپنے کو امیر و کبیر تاجر مشہور کرنا جب میں یہ کہہ چکا تو اس نے کہا۔ اے اصفہانی تو نے غضب ہی ڈھایا واقعی بہت ہی اچھا کیا خوب کیا اگر میں تیری جگہ ہوتا تو مجھ سے یہ کارگزاری نہ ہوتی۔

لیکن جب میں نے یہ حال بیان کیا کہ دیکھیے میرے ہموطنوں نے میرے ساتھ یہ کیا اور مجھ سے یوں حاسدانہ طریقے سے پیش آئے اور میری بیوی اور اس کے رشتہ داروں نے مجھ سے یوں بدزبانی کی۔ میں سمجھا تھا کہ یہ سن کر ضرور اسے پاس ملکی کے لحاظ سے جوش آئے گا اور یہ کچھ انصرام اس کا کر دے گا۔ اس نے یہ سن کر پلنگ پر کروٹیں لینا شروع کیں لیکن اس حالت میں برابر ہنستا جاتا تھا۔

میں اے میرے آغا آپ یہ تو خیال فرمائیں کہ اس وقت میری کیا حالت ہے بجائے پھولوں کے بسترے پر سونے کے اب میرے پاس تکیہ بھی تو نہیں ہے کہ اس کا سرہانہ لگالوں نفیس گھوڑا اور مخملیں جو میں زیب تن کرتا تھا ان کے عوض میں اس وقت ایک مرا ہوا گدھا اور دریدہ کپڑے مل جائیں تو پھر بھی میں غنیمت ہی جانوں۔

جب میں اپنے ان عیش و عشرت پر خیال کرتا ہوں کہ جن پر میں زندگی بسر کرتا تھا۔ میری دولتمندانہ پوشاک۔ میرے پر شوکت اور فوق البھڑک گھوڑے۔ میرے ملازمن کی ٹرین۔ میرے سنگ مرمری حمام۔ میرے پائپ میرے قلیان۔ غرض اور میں کیا کہوں میری تمام چیزیں ایسی تھیں جو ایک امیر شخص کو سزاوار ہو سکتی ہیں سب خیر برباد ہو گئیں اور افسوس اب میں ایک بیچارہ فقیر اور بھک منگا رہ گیا۔ اب حضور غور فرمائیں کہ میں کن کن مصائب کا شکار ہوا ہوں اور جب یہ مجھے یاد آتی ہیں تو ایک ہنسی سی مجھ میں پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح سے جیسے یہ میری باتیں حضور کو خندہ زن کرتی ہیں۔

مرزا فیروز۔ ذرا گرج کر اور کڑک کر۔ وہ ترک کیا ڈبل ڈبل لوگ اب بھی قہقہہ اڑا رہے ہیں۔ الحمد للہ میں انھیں اب مع ان کی لمبی داڑھیوں کے دیکھ سکتا ہوں ان کی بڑی بڑی ٹوپیاں ان کے خالی دماغ یقیناً یہ سب ترک ایران کے دیوانے لوگوں کی طرح سے ہیں لیکن انھیں اس امر کا یقین ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نہیں ہم بعینہ ان کے مانند نہیں ہیں۔

لیکن میں اس معاملے میں کیا کروں نہ میں تمھارا باپ ہوں اور نہ چچا ہوں کہ تمھاری بیوی کے معاملے میں اس کے رشتہ داروں سے کچھ گفتگو کروں اور اس میں دخل دوں نہ میں قاضی ہوں نہ مفتی ہوں پھر بھلا فیصل مقدمہ کون کر سکتا ہے۔

میں۔ نہیں آپ میری جہاں پناہ ہیں اور آپ ظل اللہ کے سفیر ہیں اور آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ میرے ساتھ انصاف ہوا یا نہیں۔ آپ مجھے جس کا نہ کوئی دوست نہ یار غمسگار نہ ہمدم ہے صرف ایک پردیسی شخص اس کو تو اس ظلم کے حوالے نہ کیجیے۔

دست مرا بگیر دستم زکار رفت	در بحر رنج بس کہ نمودم شناوری
آغا منم کہ بعد ہزار آرزوے دل	بختم نمودہ سوئے جناب تو رہبری
آن چشم دارم از نظر بندہ پرورت	کز عین التفات بریں بندہ بنگری

مرزا فیروز۔ اچھا اگر تم نے دوبارہ اپنی بیوی کو لے لیا اور پھر تمھیں کسی بہانے سے مار ڈالا گیا تو بتاؤ وہ مال و متاع پھر کس غرض کا ہے کہ جب چند ہی روز کے بعد تم بستر پر مرے ہوئے معلوم ہو۔ نہیں نہیں ان سب باتوں پر خاک ڈالو اور میرا کہنا سنو اپنے ترکی کپڑے اتار ڈالو اور پھر ایرانی پہن لو اور جب تمھاری مناسب وضع ہو جائے گی تو

میں تمھیں اپنے دل میں جگہ دوں گا اور پھر تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ تمھاری رام کہانی سے مجھے بہت ہی دلچسپی ہوئی تمھاری عادتیں اور قابلیتیں پسندیدہ ہیں اور اس امر کا یقین کرو کہ سارے دن تکیے سے لگے ہوئے حقہ پینے سے اور بہت بہتر کام دنیا میں کرنے کے ہیں۔ یہ بھی کوئی اچھی زندگی ہے کہ پھولوں کے بچھونے پر سونا اور موٹے گھوڑے کی چڑھی توڑنا۔ اس وقت تو تم اپنا بسترہ یہیں جما لو۔ اور اپنے کو میرے ساتھیوں میں شمار کرو جب ذرا طبیعت بحال ہو گی تو میں تمھیں پھر بلاؤں گا تم اپنی کہانی پھر میرے آگے دہرانا۔

یہ سنتے ہی میں نے اٹھ کر اس کے پیروں پر بوسہ دیا اور وہاں سے میں چلا آیا۔ دل میں خیال کرتا تھا کہ دیکھیے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔

ستائیسواں باب

حاجی بابا کا ایلچی کے کاموں میں فائدہ مند ہونا اور ایلچی کا اپنی رازداری میں اس کو شریک کرنا

ایک شاعر کا قول ہے کہ ضرورت ایک ایسی شتاب رکاب سوار ہے کہ بعض وقت ماندہ اور تھکے ہوئے ناکارہ گھوڑے سے وہ کام لے لیتی ہے کہ جس کو بعض وقت ایک مضبوط گھوڑا نہیں کر سکتا۔

میں مایوس شکستہ دل اور ناامید ہو گیا تھا۔ اب وہ آس ہی جاتی رہی تھی کہ میں بھی اپنی زندگی کے دن خوشی میں بسر کروں گا۔

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس

ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارمان ہوں گے

اس وقت ہاں اتنا تو ہو گیا تھا کہ فاقہ کشی کے دفعیہ کی ایک معقول صورت تو میں نے نکال ہی لی تھی۔

میں نے سوچا کہ اگر میں نے اپنا گھر کھو دیا تو اس کے بدلے میں مجھے اپنا ایک دوست مل گیا اور مجھے اس کی پناہ میں آرام کرنے کا بہت اچھا موقع ملا۔ جس قوی اور پر زور قسمت نے مجھے قدم بقدم زندگی کی بھول بھلیاں میں پھرایا ہے بے شبہہ یہی قسمت جو کچھ میں چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے مجھے آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقع دے گی اور جس صورت عیش وراحت کو کہ میں نے اب تک نہیں دیکھا ہے اس کا جلوہ میری آنکھوں کے آگے کرے گی۔

میں نے یہ ارادہ کیا کہ ایلچی سے خوب رسائی پیدا کروں لیکن میں یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا کہ اول ہی ملاقات میں میرا گھر اس کے دل میں ہو گیا اور وہ میری ملاقات سے دلشاد ہوا اور کئی ملاقاتوں میں میرا اس کا بہت بڑا ربط ضبط بڑھ گیا مگر رفتہ رفتہ یہ سب باتیں مجھے حاصل ہوئیں۔ وہ مجھ سے خبریں دریافت کرنے لگا اور گورنمنٹ کے کاروبار پر مجھ سے آزادانہ گفتگو آئی۔ اور نیز ان اسباب کا بھی ذکر آیا کہ جن کے لیے اس کی سفارت آئی تھی۔

میں نے یہ دیکھ کر پبلک و قائع کی طرف اپنا خیال پھیرا دنیا کی قوموں میں سے میں سوائے اپنے یا ترکوں کے اوروں کو نہیں جانتا تھا۔ ہاں صرف چینی۔ ہندی۔ افغان۔ کردش۔ عرب۔ ان قوموں کے نام سے آگاہ تھا کہ یہ بھی کہیں بستی ہیں۔ ہاں کچھ افریقہ والوں سے بھی مجھے واقفیت تھی کیونکہ وہ بطور غلاموں کے ہمارے ہاں رہتے تھے۔ فرانسیسی اور روسی ان کی نسبت میں اتنا ہی جانتا تھا کہ جو کچھ ان کا حال مجھے ایران میں معلوم ہوا تھا۔ اور میں نے انگلش کا بھی کچھ حال سنا تھا۔

جب میں قسطنطنیہ پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ علاوہ ان قوموں کے جن کا میں نے ذکر کیا ہے فرانسیسی یہاں کثرت سے بستے ہیں چونکہ اب تک میں اپنے کاموں میں تھا اس لیے مجھے ان کا بہت ہی کم علم تھا۔

لیکن جب مجھے ایلچی کی صحبت ہوئی تو میرے خیالات اور ہی طرف رجوع ہو گئے اور انھوں نے اپنی دیرینہ جگہ کو چھوڑ دیا۔ اور جب میں نے ان معاملات کی گفتگو کو سنا جو اب تک میرے خیال میں نہیں آئے تھے میں بہت بڑا محقق بن گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میری پولٹیکل باتوں میں اسے دلچسپی ہوتی ہے تو وہ بہت ہی خوش ہوا اور اب اس نے مجھ پر پورا پورا بھروسہ کیا۔

ایک دن صبح کو ایرانی دربار سے اس کے پاس چند خطوط آکر پہنچے اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ میں کچھ پوشید باتیں کرنا چاہتا ہوں سوائے میرے سب لوگوں کو اس نے کمرے کے باہر نکال دیا۔

اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بہت ہی دبی آواز سے کہا۔ حاجی میں تم سے بہت دنوں سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ جو میری ہمراہی میں ہیں انھیں کسی بات کا بالکل سلیقہ ہی نہیں نہ جس قدر کہ میں چاہتا ہوں ان کی سمجھ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ایرانی ہیں اور بہ نسبت تمام دنیا کے لوگوں کے انھیں ہی قابلیت کا حصہ بھی ملا ہے۔ ”عقل و دانش ہمہ بامردم ایران زیبد۔“

لیکن باایں ہمہ وہ معاملات سلطنت میں بالکل کورے ہیں اور جس کام کے لیے میں یہاں بھیجا گیا ہوں اس میں وہ محض نابلد ہیں۔ مگر الحمدللہ میں دیکھتا ہوں کہ تم ان میں سے نہیں ہو۔ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جس نے دنیا کا بہت کچھ دیکھا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم سے کوئی احسن کام انجام پذیر ہو گا۔ تم وہ شخص ہو کہ ایک شخص کے دل میں بیٹھ کر اس کا کل راز دریافت کر سکتے ہو اور اس سے باتوں ہی باتوں میں وہ اڑا سکتے ہو کہ جس سے بعد ازاں بہت کچھ مطلب بر آمد ہو سکتے ہیں۔ تم اسی قسم کے آدمی ہو جس کی مجھے خواہش تھی یہ سمجھ لینا کہ اگر تم نے اپنے کو مجھ

پر شاہ شاہاں پر قربان کر دیا تو تمھیں بہت فائدہ حاصل ہو گا اور تمھارا چہرہ تمھاری رائے کی طرح دھو دیا جائے گا تمھیں سر خروئی حاصل ہو گی اور ہماری خوش قسمتیوں کی برکت سے ہمارے سر آسمان پر ٹکر کھائیں گے۔

میں۔ جو کچھ میرے دست قدرت میں ہے اس میں کسی طرح کمی نہیں ہو سکتی حاضر ہوں میں آپ کا غلام اور خادم ہوں اور آپ کا ہمہ تن وقف ہوں۔ آپ مجھے حکم عنایت فرمائیں میں اپنے سر اور آنکھوں سے تیار ہوں۔

مرزا فیروز۔ شاید تم نے یہ سنا ہو گا کہ میری سفارت یہاں صرف شاہ کے لیے لونڈیاں خریدنے کی غرض سے آئی ہے اور یہ غرض ہے کہ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ آیا انھیں ناچنا گانا اور چکن کا کام آتا ہو اور شاہ کے لیے نہایت قیمتی کپڑے اور دوسری وہ اشیا جن کا تعلق عیش و نشاط سے ہو خرید کی جائیں۔

میں ان مصیبت ناک مطالب کے لیے ایلچی نہیں ہوں۔ نہیں بلکہ میرے کام بڑے پایہ کے ہوتے ہیں لیکن شاہ جو کہ بہت ہی عقلمند ہے کبھی اپنے معاملات سر براہی کے لیے بغیر ذاتی قوت مدرکہ کے کسی کو منتخب نہیں کرتا۔ تو اس نے مجھے خاص اس کے لیے چھانٹا ہے تو اب اسے گزار کر لو جو کچھ کہ اب میں تم سے کہتا ہوں۔

چند ماہ کا عرصہ گذرا کہ یورپ سے ایک ایلچی سلطنت کے دروازے پر پہنچا اور اس نے یہ بیان کیا کہ مجھ کو شہنشاہ فرانس بونا پارٹ نے ایک چٹھی اور تحفے دے کر بھیجا ہے۔ اس وقت اس میں پوری پوری قوتیں تھیں جس کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کا آقا شہنشاہ کہہ رہا ہے۔ یعنی اس کی گفتگو شہنشاہ کی گفتگو خیال کی جاتی تھی اور علیٰ ہذا القیاس اس کے کام بھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مجھ کو عہد نامہ کرنے کے لیے ہدایتیں ہوئی ہیں۔ یہ خود بہت بلند قد تھا اور جیسے کہ اور فرانسیسی گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی گفتگو کرتا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ گفتگو کیا کر رہا ہے گویا غلیظ کو جوتیوں سے مل رہا ہے۔

اس نے اقرار کیا کہ روسیوں کو جارجیا میں اپنی فتوحات واپس کرنی پڑیں گے اور جس قدر اس میں سے تمھارے حصے لیے ہیں وہ سب دلوا دیے جائیں گے۔ اور ہم شاہ کے قبضے کو طفلس۔ بدکو۔ درہنت۔ پھر دے دیں گے اور جو شہر کہ فارس کے قبضے میں پہلے زمانے میں تھے غرض وہ سب واپس آ جائیں گے۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ ہم تمھارے لیے ہندوستان فتح کر دیں گے اور انگلش کو اس میں سے نکال باہر کریں گے۔ غرض جو کہ ہم نے کہا وہ سب اس نے اقرار کر لیا۔

اب یہ درست ہے کہ ہم نے پہلے سنا تھا کہ فرانسیسی اچھے کپڑے اور زربفت بنانے میں استاد ہیں۔ لیکن ہم نے پہلے یہ کبھی نہیں سنا تھا جس کی نسبت کہ ان کے ایلچی نے ہم سے کہا ہے۔

ان کے مصر پر حملہ آور ہونے کی ہم نے کچھ خبر سنی تھی اور حملہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ قہوہ اور خنیا انھیں ایک فائدہ مند شے معلوم ہوئی تھی۔ ہمارے بوڑھے خان جو خاندان صفی میں سے ہیں اس امر کو بخوبی یاد رکھتے تھے کہ شاہ حسین کے دربار میں لوئیس شاہ فرانس کی طرف سے تو آیا تھا لیکن بوناپارٹ کیونکر بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ کوئی نہیں بتا سکتا ایران کی کسی متنفس کو بھی یہ معلوم نہیں ہے آرمینین تاجر جو تمام ممالک کا گشت لگاتے پھرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ہاں ہمیں معلوم ہے بوناپارٹ موجود ہے اور جب سے کہ پادشاہ بنا ہے اس نے تمام یورپ میں ایک کھلا بلی مچا دی ہے۔ یہ سن کر تو شاہ کے کان کھڑے ہوئے اور انھوں نے بہت ہی عزت سے اس کا استقبال کیا۔

وہ کاغذ جو اس نے پیش کیے ان حروف میں لکھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص پڑھ ہی نہ سکا کہ آیا یہ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں یا جو کچھ اس نے کہا ہے اس کا یہ مطلب بھی ہے یا نہیں ہے۔ ہمارے چھوٹے بڑے وزرا نے بالکل ہی اس معاملے کو نہ سمجھا۔ ہمارا شاہ (کہ خدا اس کو زندہ و سلامت رکھے) جو دنیا کے آفتاب کے نیچے سب کچھ جانتا ہے وہ بھی اسے نہیں سمجھا۔ ہاں علاوہ خواجہ عبید کے جو ایک آرمینین تھا اور جو مارسیلیا میں (فرانس کا ایک قصبہ ہے) قید کر دیا گیا تھا اور نرسیز کے جو ان ملکوں میں پادری بھی رہا تھا کسی نے نہ سمجھا۔ ہم شاہ شاہاں کی بارگاہ میں ایسا ایک شخص بھی نہ رکھتے تھے جو ہماری تاریکیء جہالت کو کھو دیتا اور ہمارے دماغوں کو واقفیت کی روشنی سے منور کرتا۔ یہ تو یہ کوئی اتنا بھی نہیں ہوا کہ یہی ثابت کر دیتا کہ آیا بونا اور اس کا وکیل فریبی تو نہیں ہے۔ آیا وہ اس لیے آئے ہیں کہ ہماری ٹوپیاں سروں پر سے اتار لیں یا ہمارے جسموں پر خوش قسمتی کی پوشاک پہنائیں۔

لیکن ہم اس پیچ و تاب اور شبہہ میں بہت مدت تک نہیں رہے۔ کیونکہ جب ان انگریزوں کے جو ایران اور ہندوستان کے بیچ میں تجارت کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر بوشہر میں بھی رہتے ہیں۔ انھوں نے فوراً قاصد اور خطوط دوڑائے اور اپنے ایجنٹ بھیجے کہ فرانسیسی کی باریابی کی مزاحمت کریں اور عجیب و غریب کوششیں عمل میں آئیں کہ اس کی ایران میں کامیابی نہ ہو۔ ہم کو بہت کچھ معلوم ہو گیا کہ ان دونوں میں رقابت چلی آتی ہے۔

شاہ نے کہا کہ میرے تاج کی قسم یہ سب اس وقت میری بلندی ستارہ سے ہوا ہے۔ میں تو یہاں تخت پر بیٹھا ہوا ہوں اور یہ صرف اس سبب سے کہ جھگڑا فساد نہ ہو تحفے لے لے کر شمال اور جنوب اور مشرق و مغرب سے میری خدمت میں آتے ہیں۔ انھیں پاس آنے دو۔

جب میں نے شاہی دروازے کو چھوڑا یعنی میں طہران سے روانہ ہوا ہوں تو یہ امید تھی کہ انگریزوں کا بھی ایک ایلچی عنقریب طہران میں پہنچے گا۔ تو یہ خطوط جو مجھے اب پہنچے ہیں اس میں ان تجاویز کا ذکر ہے جو اس کے استقبال کے لیے کی گئی ہیں اور عہد و پیمان کا بھی ذکر ہے جو اس سے کیے جائیں گے۔ لیکن جب تک کہ شاہ مجھ سے صلاح نہ لے لے گا ہر گز اس معاملے میں کچھ نہ کرے گا۔ کیونکہ اسے اس امر کی اطلاع ملی ہے کہ قسطنطنیہ میں اس قسم کی تمثیلیں بہت سی ہیں اور یہاں صدہا سفیر شب و روز آتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص یہاں سفیر ہی ہے تو تم تمام معاملات کی بابت لکھو۔ اور جن باتوں کی مجھے ضرورت ہے سب سے اطلاع دو اور ہر شبہہ کو جو فرانسیسی اور انگریزوں کی بابت ایران میں آکر واقع ہوا ہے اس کو بالکل صاف کر دو اور اگر ممکن ہو تو اس امر کی بھی تحقیق کرنا کہ آیا جو کچھ یہ کہتے ہیں سب صحیح ہے یا نہیں۔

اب اے حاجی (ایلچی نے کہا) میں تو اکیلا ہوں اور اس قدر کام ہے جس کو میں نے پچاس آدمیوں کا سمجھا ہے کہ اتنے بڑے عظیم الشان کے لیے پچاس ہی کافی ہوں گے۔ فرانسیسیوں میں کثرت سے اقوام شامل ہیں۔ جہاں ایک بولا دوسرے کی بھی گڑگڑانے کی آواز کان میں آنے لگی اور پھر اس کے بعد دوسرے کی اور دوسرے کے بعد تیسرے کی یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ یہاں گلے کا گلہ ہی موجود ہے۔ جیسے کہ میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ لوگ جو میرے ساتھی ہیں میرے مطلب کے نہیں ہیں اور اب میں نے اپنی نگاہ تم پر کی ہے۔

تمھاری سرگرمی اور جدوجہد سے مجھے بہت کچھ امید ہے۔ تم چند کفار سے بھی واقف ہو تم ترکی زبان بھی سمجھتے ہو اور وہ تمھیں جس قدر کہ ہم جاننا چاہتے ہیں اس سے بھی اطلاع دیں گے۔ میں تمھیں شاہ کی ہدایتوں کی ایک نقل دیتا ہوں جس کو تم اپنے دماغ کے پوشیدہ کونے میں چھپا لینا۔ اور یہی تمھاری ان باتوں میں رہنما ہوں گی جو ہم چاہتے ہیں۔ جاؤ اور ایک کونے میں بیٹھ کر سوچو کہ ہم یہ کرنا چاہتے ہیں اور ہماری مطلب بر آری کیونکر ہو گی اور ان تدابیر کا بھی خیال کرنا جو عمل میں آنے کے قابل ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے مجھے رخصت کیا اور اب میں زندگی کے سبیل خیز دور کی ترقی کی امید میں غلطاں و پیچاں ہوا۔

اٹھائیسواں باب

پبلک لائف میں اس کی پہلی کوشش

جونہی ایلچی نے ہدایتوں کی نقول مجھے دیں میں پاس کے روضے میں چلا گیا اور میں نے انھیں پڑھا۔ میں نے کاغذ کو بہت ہی ہوشیاری سے اپنی ٹوپی کے ایک طرف چسپاں کر لیا۔ چونکہ پبلک کے کاموں میں شمول ہونے کا میرا پہلا ہی زمانہ تھا تو اس کی خاص خاص خوشیاں میرے دماغ میں باقی ہیں۔

پہلا یہ منشا تھا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس کو ملک انگلستان کہتے ہیں اس کی وسعت کتنی ہے۔ اور جیسا کہ شاہ ایران کو یہ معلوم ہے کہ شاہ فرانس بھی کوئی ہے تو وہ اب کیا زندہ ہے اور اس کا دارالخلافہ کون سا ہے۔

دوسری خواہش یہ تھی کہ فرانس میں کتنی قومیں آباد ہیں اور ان لوگوں میں صحرانشین اور شہری لوگ جیسے ایران میں ہیں۔ ہیں یا نہیں۔ اور ان کے خان کون ہیں اور کیونکر حکومت ہوتی ہے۔

تیسری بات تحقیق طلب یہ تھی کہ فرانس کی وسعت کتنی ہے آیا وہاں فرانسیسیوں کی قوم ہے یا کوئی جدا سلطنت ہے۔ اور یہ بوناپارٹ کون ہے جو اپنے کو ملک کا شہنشاہ کہتا ہے۔ چوتھا امر تفتیش طلب یہ تھا کہ انگریزوں کی نسبت بھی دریافت کیا جائے جن کو ایران میں ان کے لٹھے۔ گھڑیوں اور چاقوؤں سے بہت کچھ جانتے ہیں اور یہ بھی وہ دریافت کرتا تھا کہ وہاں کے لوگوں کی حالت دریافت ہو آیا وہ ایسے جزیرے میں تو نہیں رہتے جو تمام عمر گردش کرتا پھرتا ہے اور کوئی گرم شہر بھی ان کے ملک میں ہے اور آیا کیا وہ جہازوں پر نہیں بستے اور مچھلی نہیں کھاتے۔ اور اگر وہ وہیں رہتے ہیں تو یہ معاملہ کیونکہ پیش آیا کہ انھوں نے ہند فتح کر لیا۔ اور اس نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ ایران میں اس امر پر بہت دنوں سے مباحثہ ہو رہا ہے کہ آیا لندن انگلینڈ کا ایک حصہ ہے یا انگلینڈ لندن کا ایک حصہ ہے۔

پانچویں بات تحقیق طلب یہ تھی کہ اس کی مشرح خبریں لاؤ کہ کمپنی کون بلا ہے جس کی نسبت اس قدر شہرہ ہے اس کا انگلینڈ سے کیا تعلق ہے۔ کیا ایک ہی عورت کمپنی ہے جو اکثر بیان کی گئی ہے یا بہت سی بڑھیا عورتیں ہیں۔

اور آیا یہ جو مشہور ہے کہ یہ کبھی نہیں مرنے کی صحیح ہے یا نہیں۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی دریافت کرنا کہ انگلینڈ میں طریقہء حکومت کیسا ہے۔

چھٹا امر۔ نئی دنیا نئی دنیا جسے کہتے ہیں اس کی نسبت بھی پوری پوری خبریں آنی چاہیں یہ ہدایت دربار کی تھی جس پر ایلچی کا خیال بھی بہت رجوع تھا۔

ساتواں امر۔ فرانسیسیوں کی عام تاریخ لکھی جائے اور نیز دربار کی طرف سے یہ بھی دریافت کیا گیا تھا کہ آیا سب سے آسان طریقہ کون سا ہو سکتا ہے جس سے ان کا سور اور شراب چھوٹ جائے اور وہ دین اسلام قبول کر لیں۔

جب میں نے کاغذ کا مطلب خوب سمجھ لیا تو میں نے خیال کیا کہ رئیس آفندی کے کاتب کے ذریعہ سے یہ سب باتیں بہت آسانی سے طے ہو جائیں گی اس شخص سے میری اس وقت سے جگری دوستی ہو گئی تھی کہ جب میں پر شان و شوکت تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اکثر قہوہ خانے میں آیا کرتا ہے اور وہ خاص گھنٹہ ہے جب وہ مجھ سے قہوہ خانے میں ملے گا۔ گو یہ شخص زیادہ گو نہیں تھا اور بہت ہی کم باتیں کیا کرتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ جب یہ ذرا قہوے کا ایک گھونٹ پیے گا اور اپنے پائپ کا ایک آدھ دم لے گا تو پھر اس وقت ذرا اس کی طبیعت بحال ہو گی اور مجھے اپنی اصلی رائے سے اطلاع دے گا۔ خوب اس خیال سے لبالب میں ایلچی کے پاس روضے سے اٹھ کر آیا تو وہ مجھے دیکھتے ہی کھل گیا اور اس نے میری بہت عزت اور توقیر کی۔

مرزا فیروز۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم ایسے شخص ہو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ عقل تمھیں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ میری اس کے ہاں پوری پوری رسائی ہو گئی ہے تو میں نے اس سے خوب باتیں ملا کر کہا اور کہا جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ سب اس کاتب سے جس کو میں نے تجویز کیا ہے معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت پناہ مخلوق کی ہدایات کی پوری تعمیل اور جواب باصواب ہو جائے گا۔

مرزا فیروز نے مجھے یہ بھی اختیار دے دیا کہ تم اس سے اس امر کا بھی قرار کر لینا کہ تمھیں کچھ بطور نذرانے کے بھی دیا جائے گا کیونکہ اگر اس کو مفصل کیفیت کسی امر کی نہ معلوم ہو تو وہ خود رئیس آفندی سے اسے دریافت کر لے گا۔

میں ٹھیک وقت پر قہوہ خانے پہنچا اور وہاں اپنے دوست کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں اس کے پاس بہت ہی زیادہ اثبات دوستی سے گیا۔ میں نے قہوہ خانے کے آدمی کو بلایا اور کہا کہ بہت اچھی قہوہ یمن کے پیالے میں بنا لاؤ۔ چنانچہ وہ

لے آیا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو کے سلسلے میں اس نے اپنی گھڑی نکالی اس وقت مجھے اپنے معاملے میں تعارف پیدا کرنے کا موقع ملا۔

میں۔ کیا یہ یوروپین گھڑی ہے۔ یا نہیں ہے۔

کاتب۔ ہاں یہ درست ہے یہ یورپین گھڑی ہے۔ علاوہ اس کے دنیا میں نہیں ہوتی۔

میں۔ متعجب ہو کر۔ یہ فرانسیسی تو بہت ہی عجیب لوگ ہیں۔

کاتب۔ ہاں۔ وہ بہت خردمند ہیں۔

میں۔ اپنا حقہ اسے دے کر۔ آپ برائے خدا کچھ ان کا ذکر تو کر دیں۔ کیا یہ فرنگستان کچھ بہت بڑا ملک ہے۔ اس کا شاہ کہاں رہتا ہے۔

کاتب۔ اے دوست تم کیا کہتے ہو۔ بڑا ملک تم پوچھتے ہو۔ بیشک یہ ایک بہت ہی بڑا ملک ہے اس میں صرف ایک ہی شاہ حکومت نہیں کرتا بلکہ بہت سے پادشاہ فرمانروائی کرتے ہیں۔

میں۔ لیکن میں نے سنا ہے اس میں بہت سی قومیں آباد ہیں سب کے مختلف نام ہیں اور سب کے مختلف سردار ہوتے ہیں۔

کاتب۔ اگر تم چاہو تو انھیں ایک قوم کہہ سکتے ہو اور شاید یہ باعث ہے کہ وہ سب اپنی ٹھوڑی کا صفایا رکھتے ہیں وہ سب موٹے کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ سب شراب پیتے ہیں اور سور کھاتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے۔ لیکن یہ تو صاف ہے کہ ان پر مختلف شاہ حکمران ہیں دیکھو کہ ان کے بیشمار ایلچی اپنی پیشانیاں ہماری شاہی چوکھٹ پر گھسنے کو حاضر رہتے ہیں۔ ایسے ہی بہت سے یہاں موجود ہیں۔

میں۔ خدا کے لیے آپ فرمائیں کہ میں ذرا لکھوں۔ آپ تو الحمدللہ بہت ہی عقلمند آدمی ہیں۔ میں نے اپنے جزودان میں سے قلمدان نکالا اور لکھنے کے لیے مستعد ہوا اور وہ اپنے چڑھانے لگا اور یورپ کی خاص قوم کی بابت سوچنے لگا کہ کونسی ہے۔

اس نے مجھ سے یہ کہا۔ تم کیوں تکلیف کرتے ہو وہ سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں۔ لیکن ذرا تم ٹھہرو (اپنی انگلی کا اشارہ کر کے) پہلی ہی جگہ میں آسٹرین ہیں جو ہمارے پڑوسی ہیں۔ یہ ہمارے لیے کپڑے فولاد اور شیشہ آلات

بھیجتے ہیں۔ ان پر ایک شاہ حکمرانی کرتا ہے جس کا سلسلہ بہت ہی پرانی قوم میں سے ہے۔ وہ بھی ہمارے ہاں اپنا ایک وکیل بھیجا کرتا ہے۔

لو اب روسیوں کی طرف نظر ڈالو۔ ان کا ملک اتنا بڑا ہے کہ کہتے ہیں اس کی ایک حد تو ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہے اور دوسری کو تپش آفتاب جھلساتی ہے۔ وہ ہمارے سچے دشمن ہیں۔ اور جب ہم انھیں مارتے ہیں تو ہم یہ غل مچاتے ہیں ماشاء اللہ۔ باری باری سے مرد اور عورتیں ان میں حکمرانی کرتے ہیں۔ لیکن ہم میں اور ان میں اس امر میں بہت ہی مشابہت ہے کہ جیسے ہم اپنے سلطان کو قتل کر ڈالتے ہیں وہ بھی اپنے بادشاہ کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

اور پھر پروشین ہیں۔ جو ہمارے ہاں ایلچی بھیجتے ہیں۔ اللہ ہی اس کا سبب ہے۔ کیونکہ ہمیں ان کی کچھ ضرورت نہیں ہے لیکن یہ تم بخوبی سمجھ لو کہ شاہی دروازہ جیسا کہ ایمان کے لیے کشادہ ہے ویسا ہی ان کے لیے بھی کھلا ہوا ہے کیونکہ باران رحمت جب برستا ہے تو کچھ خصوصیت نہیں ہوتی۔

اچھا دوم وہ ہیں کہ جو شمال میں آباد ہیں اور جو تمام چیزوں کی اختتامی حد پر رہتے ہیں۔ ڈینس اور سوئیڈس یہ بھی چھوٹی قومیں ہیں جن کا شمار بہت ہی مشکل سے آدمیوں میں ہوتا ہے۔ گو یہ کہتے ہیں کہ شاہ ڈنمارک شاہ فرانس سے بہت ہی شخصی اور خودمختاری کی حکومت رکھتا ہے وہاں جان نثار لوگ بھی تو نہیں ہیں جو اس کی رائے میں رخنہ کریں۔ اور سوئیڈس تو دیوانے مشہور ہیں جنھوں نے ایک بار یورپ میں جنگ کی تھی مگر کچھ کامیابی نہیں۔ ان کا شاہ ہماری حدود میں ایک مرتبہ گھس آیا تھا۔ اس کو شکست فاش دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ جب یہ معاملہ ہوا تو ہمیں اس کی قوم کا علم ہوا اور اس سے پہلے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں ان کا نام بھی ہے یا نہیں۔

ایک کا اور بھی ذکر کروں گا۔ یہ فلیمنگ ہیں۔ سست۔ وزنی اور دیہاتی لوگ ہیں جو فرانسیسیوں میں اس طرح سے آباد ہیں جیسے ہم لوگوں میں آرمینین وہ ایک غنودہ ایلچی ہمارے ہاں پنیر اور مکھن اور نمکین مچھلی کی درآمد پر عہد وپیمان کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ لیکن جب سے کہ بوناپارٹ جو ان سب کا مربی ہے نمودار ہوا ہے ان کی تمام سلطنت تباہ ہو گئی ہے۔ اور جو ایسا شخص ہے جس کو ہم اپنے نادر اور سلیمان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہاں میں نے کاتب کو اپنی حکایت کہتے ہوئے تھمایا۔ اور بوناپارٹ کا نام لے کر میں نے اس سے کہا۔ بوناپارٹ بوناپارٹ یہی لفظ تو ہے جس کی مجھے حاجت تھی۔ کچھ اس کی بابت بھی فرمایئے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ یہ بہت ہی بہادر اور جری ہے۔

کاتب۔ میں سوااس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ ایک زمانے میں تو یہ کچھ بھی نہ تھا صرف ایک سپاہی تھا اور اب وہ ایک بے تعداد قوم کا سلطان ہے اور تمام فرانسیسیوں میں اجرائے قوانین کرتا ہے۔ اس نے ہمیں بھی پریشان کرنے کے لیے رخ کیا تھا۔ مصر لے لیا تھا اور اس نے بیشمار لشکر بھیجا کہ ترکی کو فتح کر لے۔ لیکن وہ ترکوں کی خون آلود شمشیر براں کو بھول گیا تھا۔ آخر ترک شمشیر بکف ہوئے اور اسے ہٹا دیا۔

میں۔ جن کو انگلش کہتے ہیں کیا یہ بھی کوئی قوم ہے یا نہیں۔ جو بہت ہی بے شمار لوگ دنیا میں ایک جزیرے میں بستے ہیں اور چاقو بناتے ہیں۔

کاتب۔ ہاں یہ درست ہے۔ یہ انگریز بھی فرانسیسیوں میں وہ قوم ہے کہ جس نے صدیوں تک ہماری شاہی درگاہ کے آستانے پر اپنی پیشانی رگڑی ہے اور ہمارے پر شوکت سلطان کی نظروں میں اس کی بہت ہی وقعت ہے اور وہ انھیں بہت محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان کی بحری قوت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اور ان کا گھڑیوں اور کپڑا بنانے میں کوئی ثانی نہیں ہے۔

میں۔ لیکن آپ نے ان کی گورنمنٹ کی نسبت کیا سنا ہے کیا علاوہ شاہ کے ان کی گورنمنٹ میں کوئی اور بھی شامل ہے۔

کاتب۔ ہاں تمھیں درست خبر ملی ہے کہ ان کا ایک بادشاہ ہے۔ لیکن اس کو بادشاہ کہنا ایک سوانگ میں داخل ہے۔ وہ اسے کھلاتے ہیں پلاتے ہیں اس کے رہنے کے لیے مکان دیتے ہیں۔ اس کے آگے سالانہ آمدنی بھی پیش کرتے ہیں اس کے تخت کے ارد گرد رہتے ہیں۔ اور جس طرح سے کہ ہم اپنے شاہوں کی مدح سرائی کرتے ہیں اور ان کے لیے بڑے تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں یہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح سے کرتے ہیں مگر جان نثاروں کے ادنیٰ افسر میں جتنی قدرت اور اختیارات ہیں وہ اس کے نہیں ہیں اس میں یہ بھی جرات نہیں ہے کہ اپنے وزیروں میں سے کسی وزیر کو ٹکٹکی میں بندھوا کے لکڑیاں پڑوادے چاہے اس کا کچھ ہی قصور کیوں نہ ہو۔ اور ایک آغا چاہے تو آدھے شہر کے کان کٹوا سکتا ہے اور پھر سلطان کی طرف سے اس کا معاوضہ اور نیز جرات بھی اس کی بڑھائی جاتی ہے ان کے ہاں معین مکان ہیں جن میں لوگ ملبب بھرے ہوئے ہوتے ہیں جہاں جھگڑے کے لیے نصف شہر اکٹھا ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر سفید کہتا ہے تو دوسرا سیاہ پکارتا ہے ایک بات پر وہ سب پل

پڑتے ہیں اور خوب بحث کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کو تمام سلطنت میں ہمارے ہاں صرف ایک مفتی فیصلہ کر دیتا ہے۔

غرضکہ سلطنت میں کچھ بھی تصفیہ نہیں ہوتا چاہے ایک سرکش آغا کا بغاوت میں سر کاٹ دیا جائے اور چاہے اس کا مال سب ضبط ہو جائے اسی طرح سے سیکڑوں باتیں ہوتی ہیں۔ کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو۔

خدا کی شان ہے اس کا ہمیں شکر کرنا چاہیے کہ ایک کو عقلمند بنایا اور دوسرے فرقے کو بیوقوف بنایا۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم کو غریب انگلش لوگوں کی مصیبتیں نہیں برداشت کرنی پڑتیں۔ اور ہم فاسفورس کے کنارے پر بہت امن سے اپنے پائپ پیتے رہتے ہیں۔ اور سلطان کی خیر مناتے ہیں۔

میں۔ آپ نے مجھ سے بہت ہی عجیب عجیب باتیں کہیں اگر یہ باتیں میرے گوش گزار نہ ہوں گی تو ہرگز میں یقین نہیں کر سکتا۔ وہ یہ ہیں کہ تمام ہند کا انگریزوں سے تعلق ہے اور اس پر ایک عورت حکمران ہے۔ آپ اس کا سبب جانتے ہیں۔

کاتب۔ میں ان کے کسی کام پر بھی متعجب نہ ہوں گا۔ کیونکہ عموماً ان کی عقل میں بہت ہی شہرت ہے اور یہ بات کہ ہند پر ایک بڑھیا عورت حکومت کرتی ہے یہ میں نے نہیں سنا ہے شاید ایسا ہی ہو۔ (ہنس کر) خدا جانتا ہے کہ یہ لوگ کیا کیا عجیب باتیں کرتے ہیں۔

میں۔ (تھوڑی دیر کے بعد) مجھے سب کا حال معلوم ہو گیا یا ابھی اور بھی لوگ باقی ہیں۔ اپنی داڑھی کے صدقے سے یہ مجھے ضرور بتایئے۔ بھلا کون خیال کر سکتا ہے کہ اس عالم میں خدا نے ایسے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں۔

کاتب۔ کچھ دیر تامل کر کے۔ ہاں ہاں دو یا تین قوموں کا ذکر کرنا تو میں بھول گیا لیکن وہ ذکر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسپینش۔ پرتگیز اور اطالیہ کے لوگ بھی ہیں۔ ان کے طرز معاشرت کے طریقے اور یورپ والوں کے سے ہیں لیکن وہ فرانسیسیوں کے آگے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے پہلی سلطنت دو لڑ ہمیں بھیجتی ہے۔ اور دوسری سلطنت ہم کو یہودی روانہ کرتی ہے۔ اور تیسری کے ہاں سے پادری آتے ہیں جو یہاں آکر صرف گرجا بنانے کے لیے شاہ خزانے میں زر خطیر دیتے ہیں تاکہ انھیں عبادت کی گھنٹی بجانے کی اجازت اور استحقاق مل جائے۔ ہاں یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ پاپا (پوپ) یعنی فرانسیسی خلیفہ جو اطالیہ میں رہتے ہیں اور اپنا تلقین مذہب کرتے ہیں مگر ہم ان سے اس میں بھی برتر ہیں کیونکہ ان کی نسبت ہم بہت سے کافروں کو مسلمان کرتے ہیں۔

میں۔ ایک سوال مجھے اور بھی پوچھنا ہے۔ بس پھر میں مطمئن ہو جاؤں گا کیا آپ مجھ سے نئی دنیا کی بابت کچھ صحیح حالات کہہ سکتے ہیں کیونکہ میں نے اس کی نسبت کچھ ایسے متناقص حالات سنے ہیں کہ میرا دماغ بھی سر گرداں ہو گیا ہے۔ اچھا یہ فرمائیے کہ وہ زمین کے نیچے بستے ہیں یا اوپر۔

کاتب۔ ہم کو چونکہ اس سلطنت سے کچھ زیادہ کام نہیں رہتا اور نہ کچھ تعلق ہے اس لیے ہمیں ان کا زیادہ حال بھی نہیں معلوم۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ہر شخص وہاں بذریعہ جہاز جا سکتا ہے کیونکہ یہاں بھی نئی دنیا کے جہازات بہت دیکھنے میں آتے ہیں۔ اے میرے دوست (آہ مار کر) وہ بھی سب کافر ہیں۔

جب میں نے کاتب کو دیکھا کہ اس سوال میں کچھ خام ہے تو میں نے سوالات بند کر دیے چونکہ یہ باتیں کرتے کرتے بہت بڑا عرصہ ہو گیا تھا اس لیے میں نے پھر قہوہ کے پیالے مانگے اور ہم تازہ دم ہوئے ہم نے باہم ایک دوسرے کو رخصت کیا اور طرفین سے کچھ دوبارہ ملنے کا وعدہ نہیں کیا۔

انتیسواں باب

حاجی بابا کا یورپ کی تاریخ لکھنا اور ایلچی کے ساتھ فارس واپس پھرنا

میں خبروں سے پر اپنے ایلچی کے پاس واپس پھرا اور میں اپنی زندگی کے تمہیدی واقعہ کی اول ہی کامیابی پر حد سے زیادہ خوش تھا۔

ایلچی اس سرگذشت ا اور کیفیت سے جو میں نے قلمبند کی تھی بہت ہی خوش تھا اور جب تک کہ ہم قسطنطنیہ میں رہے وہ مجھے روزانہ خاص خاص باتوں کی خبر لینے کے لیے بھیجا کرتا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کو باہم یہ اطمینان ہو گیا کہ یورپ کی پوری پوری تاریخ لکھنے کے لیے ہمارے پاس پورا پورا مصالح موجود ہے۔ اور اس وقت ان ہدایات اور خواہشات کا جو مرکز عالم یعنی شاہ شاہاں نے ایلچی سے دریافت کی ہیں اور حکم دیا ہے کہ ان سب باتوں کو تحقیق کر کے واپس پھرو۔ بہت ہی تندہی سے اور جان لڑا کر میں نے یورپ کی تاریخ لکھنے کے لیے جان کھپائی۔ اور بہت ہی کوشش سے اپنا قیمتی پارہء تاریخ انشا کیا۔

میں نے ایک سخت مسودہ اس کا کیا اور پھر میں نے اس کو اپنے سردار کے صحیح کرنے لیے بھیج دیا۔ تو میرے سردار نے ان مقامات پر جہاں بہت ہی سختی سے کام لیا گیا تھا نرم کر دیا اور جہاں بہت ہی نرمی تھی اس کو ذرا گرم عبارت میں بنا دیا اور پھر اپنے ایک خوشنویس کاتب کو دیا کہ اس کو شاہ شاہاں ملاحظہ فرمائیں گے تو بہت ہی پاکیزگی سے عمدہ طور پر صاف کر کے قلمبند کر۔ یہاں تک کہ ایک اہم کام کی جلد تیار ہو گئی۔ اس پر قاعدے کے موافق زینت دی گئی اور اسے خوب آراستہ پیراستہ کر کے ریشمی خریطے میں لپیٹا اب گویا شاہ شاہاں کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل یہ عریضہ نما تاریخ ہوئی جب مرزا فیروز سمجھا کہ میں اپنا کام پورا کر چکا تو اس نے اپنا ارادہ ایران واپس ہونے کا ظاہر کیا اور مجھ سے بیان کیا کہ میں تمھیں صرف ساتھ ہی نہ لے جاؤں گا بلکہ طہران پہنچتے ہی دربار میں ایک معزز عہدے پر ممتاز کراؤں گا۔ کیونکہ اس نے مجھ سے یہ کہا کہ ایسا قابل واقف کار شخص دربار کی طرف سے فرانسیسی ایلچیوں سے پیش آنے کے لیے قابل ہے کہ جس وقت وہ ایران میں پہنچیں تو ان کی آؤ بھگت کرے۔

یہاں پہلے ہی ترکوں سے سخت نفرت ہو چکی تھی اور ان کے بری طرح سے پیش آنے نے مجھے ان سے اور ان کی تمام چیزوں سے سخت متنفر کر دیا تھا۔ اور جہاں شکرلب کا خیال آجاتا تھا بس پھر تو میرے غصے اور غضب کی کچھ نہ پوچھو تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی افسر العلما سے طہران کے معاملے کو بھی بہت کچھ مدت منقضی ہو چکی تھی۔۔ ملانادان کے بارے میں سن چکا تھا کہ طہران میں جاتے ہیں اس کا سر اوکھلی میں جا چکا۔ افسر العلما کی بیوی کی گردش کے ہاتھ سے رہائی نہ ہوئی تھی۔ تو ان سب باتوں سے میں نے اپنا اطمینان کر لیا تھا کہ اب مجھے کچھ کیلی کا بھی کھٹکا نہیں ہے اور اگر فرضتاً باللہ تجھے پہچان بھی لیا تو بھی تجھ پر کچھ آنچ نہیں آسکتی اس لیے کہ تو ایسے سردار جلیل القدر کی حفاظت میں ہے۔ "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی ترست۔"

جب بد قسمت ملانادان گرفتار ہوا تو افسر جلادان کے ہاتھ اس کا گم شدہ گھوڑا اور سامان لگ ہی چکا تھا اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ عبد الکریم نے اپنی مالکنی کی قسمت میں سے ضرور کچھ حصہ لیا ہو یعنی وہ بھی گردش کے پنجے میں مقید ہو تو پھر مجھ کو یہ بھی ڈر نہ تھا کہ وہ مجھ سے اپنے سو تمن کا دعویٰ کرے گا۔ تو اب میں طہران چلوں یا نہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ چلنے میں ہرج ہی کیا ہے صرف ایک دفعہ اتنا ہو جائے کہ میں شاہ کا ملازم مشہور ہو جاؤں پھر کیا ہے۔ اگر میں نے ہزاروں گناہ بھی کیے ہوں گے تب بھی کچھ نہیں اپنی ٹوپی سر پر بانکی رکھ کر تمام سلطنت میں بآزادی پھروں گا۔

ان سب باتوں کو اپنی طبیعت میں خوب جانچ پرتال کر کے اور بخوبی سوچ سمجھ کر میں نے مشن یعنی سفارت کے ساتھ چلنے کا سامان کرنا شروع کر دیا۔

لیکن سفر کرنے سے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ کاروانسرا میں چل کر ضرور اپنے ہموطنوں سے مل آؤں وہ بھی دیکھیں کہ دو مہینے کا عرصہ بھی نہیں گذرا کہ ہم نے اسے زدہ حال میں دیکھا تھا دیکھو یہ پھر ویسا ہی ہو گیا۔ اور ان کے حسد نے بہت ہی کم اس پر اثر کیا۔ اپنے اوپر تکالیف جھیل کر میں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کا سفارت سے تعلق ہے اب ان کی وہ بات ہی جاتی رہی اور وہ جو مجھ سے حقارت کرتے تھے وہ کوسوں تھی۔ میری عزت ہی اور ہونے لگی اور جو کچھ کہ ان سے شکایت تھی ان کے اس طرح پیش آنے نے سب مٹا دی۔ کیونکہ وہ مجھ سے ان الفاظ میں خطاب کرتے تھے۔ آپ کی عنایت سے آپ کی مہربانی سے۔ آپ

کے التفات سے۔ یہ بات ہوئی خدا کرے آپ عنایت و نوازشات کبھی کم نہ ہوں۔ غرض اسی طرح سے تعظیم و تکریم حد سے زیادہ کی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

لطف یہ تھا کہ یہ کسی نے بھی نہیں پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے کہ دو مہینے کا عرصہ ہوا جس کی اتنی عزت ریزی ہو چکی ہے اور ایک نہ پہچاننے کی یہ بات بھی تھی کہ میرے ساتھ تو ان وقائع کا وقوع ہوا تھا کہ جس سے مجھے قتل کرنے کا حکم ہو چکا تھا بھلا ایسا ایرانی مجرم پھر ایران سفارت کے ساتھ جانے کیوں لگا۔ جب میں بوڑھے عثمان آغا سے رخصت ہونے لگا تو اس کی حالت میں کچھ فرق آیا اور اس کی صورت سے کہ یہ ایک نائی کے لڑکے سے کس قدر محبت رکھتا ہے اور اس کی طبیعت کا رجحان میری طرف کس قدر ہے اور کتنی ہمدردی برتتا ہے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے مجھ سے یہ فقرے کہے۔ جاؤ میرے بیٹے جاؤ۔ چاہے تم ترکمانوں کے قیدی ہو۔ یا ایک مولوی۔ یا حقہ فروش۔ یا ترکی آغا۔ یا ایک ایرانی مرزا اور چاہے تم جو کچھ ہو۔ یہاں تو ہمیشہ یہ دعا ہے کہ اللہ تمھیں سرسبزی دے اور تمھارے ساتھ اس کی حفاظت شامل حال رہے۔

مرزا فیروز حکام ترکی سے باقاعدہ مل کر عازم ایران ہوا۔ اس کا ترکی کو الوداع کیا اس قدر ان لوگوں کی کثرت تھی کہ جو ہمرکاب تھے کہ ایک فرسنگ تک برابر تانتا بندھا تھا۔

ہمارا سفر مساعد تھا کیونکہ کوئی امر راہ میں قابل لکھنے کے آ کر نہیں واقع ہوا امن یہاں تک کہ قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر طہران تک پہنچ گئے۔ ہم نے ایراوان میں تو کچھ سفیر کا غلغلہ سنا مگر مکمل طریقے پر نہیں مگر تبریز میں جہاں مرزا عباس گورنر تھے وہاں ہم نے مختلف سوالات کیے اور یہ سوال اس معاملے میں تھے کہ جنھوں نے ملک اور اس کے دربار کو متحیر اور گھنچکر بنا رکھا تھا۔ بڑی خاص وجہ یہ تھی کہ فرانسیسی اور انگریزی ایلچیوں میں سخت رقابت ہو گئی تھی اور فرانسیسی ایلچی آ چکا تھا شاہ نے اس کا بہت کچھ استقبال کیا اور وہ سفیر جو ہنوز پہنچا ہے یہ کچھ ایسا بندوبست کرنا چاہتا ہے کہ انگریزی سفیر جو ابھی تک پہنچا نہیں ہے شاہ کے دربار میں اس کا دخل نہ ہونے دوں۔

اپنے مقاصد کی انجام دہی کے لیے جو انھوں نے تدابیر شاقہ کی تھیں اس کی مختلف روایات سننے میں آئیں اور تمام ایران اس کشش و پنچ میں غلطاں و پیچاں تھا کہ یہ لوگ اتنے دور دراز سے اپنا زر خطیر صرف کر کے اور تکالیف اٹھا

کر آتے ہیں اور ایمان والوں سے آکر جھگڑتے ہیں اور یہ امر یقینی تھا کہ یہ ہماری تحقیر کرتے ہیں اور ہم پر تضحیک کرتے ہیں اور ہمیں مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔

فرانسیسی ایلچی اپنا دباؤ ڈالنا چاہتا ہے اور اس نے صرف ذرا اپنا زور ڈالنے کے لیے اپنے سلطان کی قوت کو ظاہر کیا۔ اس کی بزرگی اس کی قوت تمام یورپ پر دکھلائی کہ تمام یورپ اس کا سکہ مانے ہوئے ہے اور وہ اس کے بیان کرنے میں بھی بند نہیں ہوا کہ وہ میدان جنگ میں بیشمار فوج لاسکتے ہیں۔ اس کا اسے یہ جواب ملا۔

اچھا یہ چاہے سچ بھی ہو لیکن پھر ہم کیا کریں۔ تمام سلطنتیں بیچ میں حائل ہیں پھر بھلا فرانس اور فارس میں سلسلہ ءاتحاد یہ کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔

ایلچی۔ ہم انگلش سے ہند فتح کرنا چاہتے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں آپ اپنی حدود میں سے کھلا ہوا راستہ دے دیں کہ ہمارا لشکر گذر جائے۔

شاہ۔ ہمارا اس میں کیا حرج ہے اگر تم ہند فتح کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لشکر کو اپنی حدود میں سے راستہ دے دیں گے اس میں ہمیں کچھ پس و پیش نہ ہو گا۔

ایلچی۔ لیکن ہم جارجیا آپ کے لیے فتح کریں گے اور طفلس پر آپ کو قبضہ دے دیں گے اور آپ کو زیادہ تر روسی چپقلش سے نجات دلوائیں گے۔

شاہ۔ یہ دوسری بات ہوئی جب ہم تمھاری دست اندازی کے نتائج گوش گزار کریں گے اور ہمیں یہ معلوم ہو گا کہ کوہ قاف میں اب روسیوں کا نام ونشان بھی نہیں رہا تو ہم تمھارے ساتھ اس وقت معاملہ کریں گے۔ تاوقتیکہ یہ معاملہ نہ ہو جائے ہم آپ کو اپنی حدود میں سے راستہ نہ دے سکیں گے۔ کیونکہ ہم اپنے پرانے دوست انگلش سے بگاڑنا بھی نہیں پسند کرتے۔

دوسری طرف لیجیے۔ انگریزوں نے کہا۔ فرنچ کا ایران میں آنا صرف ہمارے پریشان کرنے اور ایذا رسانی پر مبنی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ انھیں یہاں سے بر طرف کر دیں۔

شاہ۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہم تو یہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ قانون مہمان نوازی کے خلاف ہو گا۔ ہمارے محل کا دروازہ ہر ایک کے لیے کشادہ ہے۔

انگریز۔ تو آپ دونوں میں سے ایک کو نہ جانے دیں اور آپ ہم میں باہم فیصلہ کر دیں۔ یا تو آپ ہمارے ہی دوست بننا پسند کریں اور نہیں فرانس سے سلسلہ ءاتحاد یہ قائم رکھیے اور یا ہم دونوں کو اپنا دشمن جانی سمجھ لیجیے۔

شاہ۔ ہم تمھیں اپنا دشمن کیوں بنائیں ہم تو تمام دینا کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔

انگریز۔ ہم آپ کی مدد کریں گے آپ کو قوی بنائیں گے اور آپ کو زر خطیر دیں گے۔

شاہ۔ ہاں تو پھر یہ بات ہی اور ہوئی۔ تو اب مجھے تعداد بتاؤ بس سب باتوں کا بالکل فیصلہ ہے۔

بس تبریز میں ہم نے سلطنتی معاملات کی بابت یہ گفت و شنید سنی۔ چونکہ دربار میں ایلچی کی راہ بہت ہی اضطراب اور بے صبری سے دیکھی جارہی تھی اس لیے ہم زیادہ دیر شہزادے کے پاس بھی نہ ٹھہرے اور ایک منزلہ کا دو منزلہ کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔

اسی صبح کو جب ہم سلطانہ پہنچے ہیں اور طہران کی راہ پر گامزن تھے تو ہم نے سواروں کا ایک بہت بڑا پرا دیکھا جن کو ہم نے اتنا تو پہچانا کہ کہ یہ ایرانی سوار تو نہیں ہیں۔ ان سواروں کے ساتھ ان کا اسباب سفر بھی تھا۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمیں وہ فرانسیسی معلوم ہوئے۔ شاہ کا ایک افسر ان کے ہمراہ تھا جس نے ہمیں مطلع کیا کہ یہ فرانسیسی سفارت ہے اور اب یہ اپنے ملک کو واپس جاتی ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان سے بہت ہی انسانیت اور اخلاق سے درخواست ہوئی تھی کہ آپ رخصت کر دیے گئے۔ لیکن ہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزی سفیر بھی عنقریب طہران پہنچنے والا ہے۔

یہ بھی فوراً ہی معلوم ہو گیا تھا کہ دربار میں کیونکر معاملہ ہو اور دو درشت اور تلخ رقیبوں میں شاہ نے اپنا مطلب خاصہ سیدھا کر لیا ہے۔ میرا ایلچی اس امر سے بہت ہی متعجب تھا کہ مجھ سے پوچھنے سے پہلے یہ معاملات کیونکر انجام پذیر ہو گئے اور چونکا اس بات پر تھا کہ اسے یورپ کی اقوام کی پوری پوری کیفیت معلوم ہو گئی تھی لیکن واقعی یہ امر ہے۔

اے زر تو خدائی ولیکن
ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

ہم بہت خوش ہوئے کہ ہمیں اس قوم کے طرق و عادات دیکھنے کا موقع ملا جس کی نسبت ہم نے پہلے سنا تھا۔ اور جب ہم نے ایک ہی مقام میں اپنا دن ساتھ گذارا میرے ایلچی نے سفیر فرانس سے ملاقات کرنے میں ذرا بھی توقف نہیں کیا۔

یہ تو ہمیں امید تھی کہ یہ کچھ اوچھی روحوں اور برے بونگے مزاجوں کے ہیں جس سے ہی تو شاہ شاہاں کو ان کی صحبت پسند نہیں آئی اور ان کو رخصت کر دیا۔ لیکن یہاں اس کے علاوہ اور ہی برخلاف دیکھ کر ہمیں تعجب آیا کہ ایرانیوں نے آج تک ایسے لوگوں کی کمپنی نہیں دیکھی تھی۔ تمام دن وہ گاتے رہے اور ناچتے رہے۔ یہ سب مل کر ایک ہی دفعہ زور سے بولتے تھے۔ ایک اگر بولا دوسرا اس سے کہیں زور سے بولے گا۔ اور گفتگو میں کچھ مدارج کا خیال بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سب ایک ہی عہدے کے دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے نفیس نفیس اور عمدہ عمدہ غالیچوں پر وہ مع جوتیوں کے ڈگیں بھرتے ہوئے چلے آتے تھے اور زیادہ تر اس نے اور بھی ہمارے تعجب پر ایک تہہ چڑھا دی کہ انھوں نے اس پر تھوک بھی دیا۔

جب میں نے اپنی نسبت خیال کیا تو مجھے کچھ بطور واحد فرانسیسیوں سے تعلق تھا۔ تو میں نے چاہا کہ میں اپنی زبان اور ان کی زبان کو ملاؤں اگر کچھ مشابہت ہو اور ملتی جلتی ہو تو ان سے ان کے معاملے پر جو میں نے قسطنطنیہ میں سنا تھا کچھ باتیں کروں مگر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کا فرق ہے ایک لفظ بھی تو نہیں ملتا مجھے خیال آیا کہ میں ان کی زبان میں کچھ واقفیت پیدا کروں تو میں نے یہ تین لفظ اپنے خیال میں جمائے۔ سکرے۔ پیرس۔ ایمپرر۔

ہم نے ان میں اور اپنے میں بہت سی باتوں میں مطابقت دی اور ہم نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ اپنے مذہب کے باعث سے بہشت میں نہ جائیں گے تو بجائے رونے واویلا کرنے اور غم کرنے کے یہ اسی طرح سے خوشیاں منائیں گے کہ جیسی سلطانہ میں مناتے ہیں۔ ہم دوسرع صبح کو ان سے جدا ہوئے۔ وہ تو ہنس رہے تھے کلکاریاں مار رہے تھے اور بہت ہی خوش تھے لیکن یہاں شاہ شاہاں کے دربار میں پہنچنے کا بیم وہراس غالب تھا کہ دیکھیے وہاں چل کر کیا نوبت ہوتی ہے۔

تیسواں باب

طہران میں انگریزی ایلچی کا پہنچنا اور شاہ کی طرف سے تقریبات کا ادا ہونا

میرا سردار فیروز جب طہران پہنچا ہے تو شاہ بہت ہی التفات سے پیش آئے اور شاہ بہت خوش تھے کہ میرے بیشمار سوالات کا جواب کیسا برجستہ ملا ہے۔ جو سوال کہ شاہ نے اس سے کیا جواب تیار تھا۔ نہ تو جہالت نے اسے سراسیمہ کیا اور نہ مشکل نے اسے ساکت کیا۔ اگر شاہ کوئی امر دریافت کریں اور اس کے جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ۔ نمیدانم۔ میں نہیں جانتا تو یہ سخت گناہ سمجھا جاتا ہے اس نے ہر معاملے میں اس مستعدی سے گفتگو کی اور اپنی ایسی واقفیت جتائی جس سے سامع کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ شافی جوابات ہیں۔ یوروپین کے معاملے میں وہ گفتگو کی کہ اگر کوئی سنے تو یہ معلوم ہو کہ ان میں پیدا ہوا ہے اور ان میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔

گفتگو میں جب میرا تذکرہ آیا کہ یہی شخص کل خبریں لایا تھا اور اس نے ہی میری ماتحتی میں اپنا فرض بہت مستعدی سے ادا کیا اور ان کی تاریخ بھی اسی نے لکھی ہے تو میں بہت خوش ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ ذرا میرے علم و فضل کی ایران میں خوب ہوا بندھے گی۔ گو کہ جو کچھ مجھے معلوم تھا مجھے اس پر ہرگز دلجمعی نہیں تھی لیکن پھر بھی پے در پے سوالات کے اس قدر پھرتی اور بے تکلفی سے جواب دیتا تھا کہ ذرا بھی رکاؤ نہیں تھا۔ میرے دن بہت ہی سخت دہشت میں گذرے کہ ایسا نہ ہو میری خبر غلط ثابت اور پھر میرے کان نہ کاٹے جائیں۔ لیکن چونکہ ایران بھر میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا کہ کچھ بھی یورپ کا حال جانتا ہو تو مجھے کامل اطمینان تھا مجھے اس وقت المائی کا قول یاد آیا وہ لکھتا ہے۔ گونگوں کے شہر میں ایک آواز کی صدا چاہے گدھے ہی کی کیوں نہ ہو ہارمونی ہی کہلائی جائے گی۔

طہران میں ہمارے پہنچنے کے کچھ دن بعد انگریزی ایلچی طہران پہنچا اور بہت دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا گیا۔ شاہ نے تو استقبال کیا لیکن ایرانی سخت ناراض ہوئے کہ ایک انگریز کی اتنی عزت کیوں کی گئی۔ ایرانی رعیت تو رعیت سب سے زیادہ غضب تو یہ ہوا کہ ملانے تو بہت ہی غصے میں آئے اور کہا کہ ہم نے جو ایک انگریز کے ساتھ

یہ رعایت برتی ہے اور اس پر جو عذاب خدا کی طرف سے ہم پر نازل ہو گا اس کے لیے ہمیں تیار ہو جانا چاہیے
سڑک کے مختلف مقامات پر سفیر کے گھوڑے کے پیروں پر بیل ذبح کیے گئے تھے۔ راستہ کے بہت سے حصے میں
اس کے آگے مصری قند و نبات بچھایا گیا تھا۔ جب وہ طہران میں داخل ہوا ہے تو اس کو اس امر کی اجازت ہو گئی
تھی کہ وہ اپنے بوق اور قرنا بجائے غرض اس قدر خاطر کی گئی کہ سوائے شہزادوں کے کسی کی نہیں ہوتی۔
پھر مہمان نوازی کی انسب توجہات ظاہر کی گئیں۔ خان کے گھر میں انگریزی ایلچی کو مقیم کیا تھا۔ جس قدر اسباب
کی ضرورت ہوئی چشم زدن میں لا کر موجود کر دیا گیا تھا۔ سامنے اس کوٹھی کے ایک خوبصورت باغ بھی لگا ہوا تھا
وزیر خزانہ کا یہ فرض تھا کہ جس قدر غیر ممالک کے لوگ آئیں ان کو وہ اپنی گرہ سے کھلائے اور شال دوشالے
تمام درباری لوگ صرف عزت کے لیے اپنے پاس سے پیش کرتے تھے۔ شہزادے اور خاندان شاہی کے لوگوں
نے ایلچی کے لیے تحفے تحائف بھیجے اور اس حکم کی عام اشاعت ہو گئی تھی کہ سفیر اور اس کے ہمراہی شاہ شاہاں کے
مہمان ہیں۔

اب ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ ایسے مسلمان اس شخص کو جس کو وہ انگریز کہتے ہوں ایسی عزت اور خاطر داری
کریں یہ گویا بڑی بھاری ان کی تقدیر ہے لیکن بر خلاف اس کے جب تعظیم و تکریم کا ذکر مذکور آیا تو اہم مشکلات کا
سامنا کرنا پڑتا معلوم ہوا ایلچی ایک بہت بڑا نافرمان اور سرکش انسان تھا اول نشست کے مضمون پر چون و چرا
ہوئی۔ کیونکہ اس نے یہ کہا کہ جس دن شاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا زمین پر ہر گز نہیں بیٹھنے کا بلکہ کرسی پر
میری نشست ہو گی اور وہ کرسی بھی تخت شاہی سے بہت ہی دور کے فاصلے پر نہ ہو گی بلکہ قریب ہو گی دوسری بات
یہ تھی اور اس پر وہ بہت ہی زور دیتا تھا کہ میں دربار میں جوتیاں پہن کر جاؤں گا۔ پیروں سے کبھی نہ اتاروں گا۔
اور برہنہ پا فرش پر نہ چلوں گا اور نہ میں ایرانی سرخ جرابیں پہنوں گا۔ تیسرے اس بات پر حجت ہوئی کہ صرف
میری تعظیم یہ ہو گی کہ میں شاہ کو دیکھ کر بس اپنی ٹوپی اتارنے پر قناعت کروں گا۔ گو ہم نے اسے یقین دلایا کہ
برہنہ سر ہونا یہ بہت ہی بے ادبی اور بے امتیازی شاہ شاہان کے دربار میں خیال کی جاتی ہے اور پھر درباری پوشاک
پر بہت ہی تیز اور زبردست جھگڑا اٹھا۔ پہلے تو تجویز ہوا کہ درباری مناسب پوشاکیں اس کو اور اس کے ہمراہیوں
کو بھیجی جائیں تاکہ وہ اسے پہن کر حاضر دربار ہو سکیں لیکن یہ تجویز ایلچی نے استہزا سے ناپسند کی۔ اس نے کہا کہ
جو کپڑے کہ میں اپنے سلطان کے دربار میں پہن کر جاتا ہوں وہی پوشاک شاہ کے دربار میں بھی زیب تن کر کے

آؤں گا۔ اب کوئی ایسا ایرانی تو تھا ہی نہیں کہ جو شاہ انگلینڈ کے دربار میں گیا ہو تو پھر بھلا کیونکر معلوم ہو سکتا تھا کہ جو کپڑے یہ درباری بتاتا ہے وہ یہی ہیں۔ اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوا کہ وہی ٹوپی جو شب کو وہ پہنتا ہے دربار میں سر پر رکھ کر آئے گا۔ اب یہ کچھ ایسا جھگڑا تھا کہ فرو نہیں ہوا اور برابر بحث پر بحث ہوتی چلی گئی جب مجھے اس جھگڑے کی خبر ہوئی تو مجھے یاد ہوا کہ شاہ عباس کے وقت میں محل چہل ستونی میں جب نقش و نگار اور تصویریں اتاری گئی تھیں تو کثرت سے یوروپین اصفہان میں جمع ہوئے تھے اور وہ شہر میں قیام پذیر تھے اور دربار میں بھی یونہی جاتے تھے اور یہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ ایک دن شاہ عباس خود اس محل میں موجود تھے اور اسی وقت ایک یوروپین آیا اس کی وہی پوشاک تھی کہ جو وہ سدا پہنا کرتا تھا۔ میں نے یہ ذکر اپنے مالک سے کیا اس نے وزیر اعظم سے کہا وزیر اعظم نے فوراً حکم جاری کر دیا کہ اصفہان کے صناع کو فوراً اس واقعہ کی نقل کر کے روانہ کر دیں۔

جونہی وہاں سے یہ شبیہ پہنچی یہ فوراً انگریزی ایلچی کے پاس روانہ کی گئی اور اس کے ساتھ شاہ کا یہ اعلان بھی تھا کہ جو پوشاک کہ وہ اپنے سلطان کے آگے پہن کے جاتے ہیں شاہ بھی ان سے اسی پوشاک میں ملاقات کرے گا۔ اور اب امید کی جاتی ہے کہ تم اور تمھارے ساتھی اس امر کے لیے کمر بستہ ہوں گے۔

تصویر کو دیکھ کر ان لوگوں نے بڑے قہقہے اڑائے اور بہت ہی خوش ہوئے۔ غرضکہ یہ امر طے پا گیا کہ جس پوشاک میں چاہیں وہ دربار میں حاضر ہو سکتے ہیں۔

شاہ کی حضوری بہت ہی بہتر اور عمدہ طرز پر ختم ہوئی کیونکہ جو سماں بندھا تھا اس کی امید ایسے لوگوں سے نہیں کی جاتی تھی۔ اور ہم سب بہت ہی متعجب تھے کہ وہ لوگ جو دنیا کے طرق اور عادات سے محض نابلد ہیں انھوں نے اس اہم اور مشکل موقع پر اپنے کو ایسا سادھا کہ کوئی بات کیا مقدور ہے جو ان سے خلاف سرزد ہوئی ہو۔

شاہ سونے کے تخت پر جلوہ فزا تھے اور اس قدر نمایاں اور شاندار کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ انھوں نے ایلچی کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ شاہ کے اراکین کی طرف سے یہ صدا آئی جمشید کون تھا۔ داراب چیز ہی کیا تھا۔ اور نوشیروان کی کیا ہستی تھی جو اس شان و شوکت کا فخر کرتا۔ بائیں جانب شہزادے کھڑے ہوئے تھے کہ جن کے پر شوکت اور قیمتی کپڑوں سے خود جواہرات بھی ماند پڑتے تھے جو بالکل اپنے باپ کی طرح سے بھبھوکا ہو رہے تھے۔ تخت سے کچھ دوری کے فاصلے پر تین وزیر گردنیں نیچی کیے ہوئے دست بستہ کھڑے ہوئے تھے جن کی صورت پر عقل و دانش خوب جلوہ دے رہی تھی اور ہر ایک کی صورت سے شان و شوکت سلطنت غپاغپ برس

رہی تھی۔ ان کے بیچ میں انگریزی سفیر اور اس کے ساتھی تھے۔ ان کی چھپی ہوئی ٹانگیں۔ ان کے اونچے اونچے کٹے ہوئے کوٹ ان کی بے داڑھی ٹھوڑیاں۔ ان کے بے موچھوں والے ہونٹ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پرند گریز کر رہے ہیں۔ یہ واقعی عجیب مخلوق تھی کہ جب بڑی بڑی قیمتی اور فوق البھڑک پوشاکوں میں معلوم ہوتے تھے۔ ان کی صورتوں سے یہ ہرگز نہ برستا تھا کہ شاہ کے تاباں و درخشاں دربار میں انھیں کچھ انفعال ہو یا کچھ خیر گی ہو مگر ان کی صورتوں۔ ان کے چہروں۔ ان کی وضعوں۔ ان کے طریقوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اتنی بڑی شان و شوکت کا ذرا بھی خیال نہیں اور وہ ہماری طرح سے بے داغ ہیں۔

ایلچی نے جو ایسے موقع پر گفتگو کی استغفر اللہ نہ تہذیب نہ امتیاز کچھ بھی نہیں سیدھی سیدھی اور سچی سچی باتیں بتا دیں نہ کم نہ زیادہ۔ صاف صاف۔ نہ شاہ کو شاہ شاہاں کہا۔ اور نہ قبلہء عالم کہا۔

ہم میں اور ان میں اتنا فرق تھا کہ اگر میں اپنی اور ان کی طرز معاشرت کی تفریق بیان کرتا تو واقعی مجھ سے ابد الآباد تک ختم نہ ہوتی چند ہمارے داناؤں نے فلسفیانہ اصول سے ان کے اندھیرے آبی بے آفتاب ملک کے موسموں کی بابت گفتگو کی۔ اور گفتگو بھی یوں کی۔ وہو اہذا۔

بھلا آدمی کیونکر زندہ رہ سکتا ہے جب اس کے پانی محیط ہو۔ اور نہ کبھی آفتاب کی گرمی اسے پہنچتی ہو اور پھر وہ ان آدمیوں کے موافق ہو کہ کوئی دن ناغہ نہیں جاتا کہ ان کے چہروں پر آفتاب جہانتاب کی دمکتی ہوئی کرنیں پڑتی ہوں اور ان کے محیط کسی سمندر کا نام و نشان بھی نہ ہو۔۔ لیکن علمائے اسلام نے اس سوال کو بہت ہی اطمینان بخش طریقے سے طے کر دیا۔ اور وہ یہ تھا جو انھوں نے بیان کیا کہ اگر یہ ایلچی اور اس کے ساتھی اور اس کی کل قوم مسلمان ہو جائے اور بہت سرگرمی سے سچے اسلام کی تقلید کریں وہ ہماری طرح سے بن جائیں گے ان کی جس قدر خرابی ہے سب دھل جائے گی اور پھر انھیں بھی بہشت میں چہل قدمی کرنے کا موقع ملے گا جیسا کہ ہر فرزند اسلام کو حاصل ہو گا۔

اکتیسواں باب

حاجی بابا کا وزیر اعظم سے ملاقات کرنا

یہ جس قدر معاملہ ہوا سب میری ترقی کا مساعد ہوا۔ چونکہ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اسے یورپ کا بہت کچھ علم حاصل ہے اور یہ بھی ایک بات ہوئی تھی کہ فرانسیسی ایلچی کے معاملات میں کچھ مجھے بھی حصہ ملا تھا تو اس سے بہت سے مواقع ایسے ملے جن سے وزیر اعظم اور اراکین سلطنت سے میری ملاقات ہو گئی اور سب مجھ سے واقف ہو گئے۔

مرزا فیروز کچھ بہت امیر شخص نہیں تھا کیونکہ جو کچھ ساز و سامان جب وہ سفارت پر بھیجا گیا تھا اور جو کچھ اسے ملتا تھا وہ سب طہران پہنچنے پر بند ہو گیا تھا تو اب وہ اس حالت میں میرا بار بھی نہ اٹھا سکا ہاں اسے یہ بہت خوشی حاصل تھی کہ حاجی بابا کو وہ راستے معلوم ہو گئے ہیں کہ یہ اپنی زندگی کو مقام مقصود پر بخوبی پہنچا سکتا ہے ہمیشہ یہ حکام کے آگے میری قابلیتوں اور عمدہ خاصیتوں کی تعریف کرتا تھا اور موقع بے موقع بغیر میری مدح سرائی کیے نہ رہتا تھا۔ نہ میں اس کی نمایاں کوششیں اور عرق ریزی بیان کرنے میں توقف کرتا تھا اور خوب خوب فخریہ جملے اس کی نسبت کہتا تھا۔

وزیر اعظم بلا شبہ فارس میں اپنی تیز فہمی۔ زیرکی۔ حاضر دماغی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور صرف اپنی عقلمندی کے صدقے میں اس نے شاہ کو اپنے قبضہ میں بہت کچھ کر رکھا تھا اور شاہ اس کو بہت مانتا تھا۔ جب سے کہ شاہ تخت پر جلوہ فزا ہوا تھا اسی وقت سے وزیر اعظم کی بہت ہی توقیر کرتا تھا اور جلوت و خلوت میں اس سے زیادہ عزت برتتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ ملک کے لیے اس کا وزیر ہونا ضروری ہے۔

یہ میری پہلی کوششیں تھیں کہ کسی طرح سے اس کی حفاظت میں آؤں اور اس کا سایہ عاطفت ڈھونڈھوں۔ اب میں نے یہ التزام کر لیا کہ اس کے صبح کے دربار میں روزمرہ جاتا باادب کھڑا ہو جاتا کچھ معاملات یورپ کا سلسلہ ایسا جاری ہو گیا تھا کہ کوئی دن نہیں جاتا تھا کہ وہ مجھ سے یورپ کے معاملات میں کچھ سوالات نہ کرتا ہو۔ اس سے

اتنا ہوا کہ میں انگریزی ایلچی اور وزیر میں میانجی بن گیا اور جو کچھ ایلچی کہتا اس میں کچھ ایسا نمک مرچ لگا کر اور کچھ وزیر کی تعریف کر کے کہہ دیتا کہ طرفین کا میں پیارا بن گیا۔

وزیر اعظم کا ذوق و شوق صرف کچھ تحفے تحائف لینے کے لیے بہت تھے۔ تو اب میری یہ کوششیں ہوئیں کہ کسی طرح سے وہ کاروائی کی جائے کہ ایلچی کچھ تحفۃً وزیر کو پیش کرے تقریبات کی نذریں اور تحفے تحائف تو ایک لابد امر تھا اور وہ ضرور ہی دیا جاتا تو اب میں نے ان پر نگاہ رکھی کہ فائدہ اٹھانے کا یہ موقع ہے لیکن میری بڑی کوشش رازدارانہ یہ تھی کہ کوئی بات ایسی نکلے جس سے میرے ملک والوں کا فائدہ ہو۔ اس معاملے کے شروع ہی سے وزیر کی نگاہ نوازش میرے حال پر مبذول ہونے لگی تھی۔

دو ممالک کے بیچ میں ایک عہد نامہ ہونے کی صلاح ہوئی۔ میرا مربی شاہ کی طرف سے مختار کل بنایا گیا۔ گو یہ ایسا کام تھا کہ مجھ جیسا ہیچ شخص ایسے معاملے میں کبھی نہیں دخیل کیا جاتا مگر میں نے بھی اس بارے میں جان لڑادی۔ اور اس کے گرد اس طرح سے پھرا ہوں جیسے کتا ہڈی کی تلاش میں کہیں دعوت میں بولایا ہوا پھرتا ہے۔ اس کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ مجھے آخر کچھ فائدہ ہو ہی گیا۔

ایک دن صبح کو عہد و پیمان کرنے والوں کی آخری نشست کے بعد مجھ کو وزیر اعظم نے مقام خلوت میں بلایا جہاں سوائے اس کے ان خادموں کے جن پر بھروسہ ہے اور وہ ہر معاملے میں بڑے رازدار ہیں کوئی نہیں جا سکتا۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ نرم نرم تکیے لگائے ہوئے بستر پر وزیر اعظم تنہا بیٹھا ہوا ہے۔

وزیر اعظم۔ ایک بے تکلف اور مانوس آواز میں۔ حاجی آؤ آگے چلے آؤ اور میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ چند خاص خاص باتیں تم سے کہنی ہیں۔

پہلے تو مجھے اس عزت سے بہت لغزش ہوئی لیکن جب اس کا حکم تھا تو دوزانو بیٹھ گیا بغیر پس و پیش کرنے کے اس نے مجھ سے یہ کہا کہ چند باتیں بہت ہی اہم اور پیچیدہ آکر واقع ہو گئی ہیں۔ ایلچی نے ایسے مطالبے کیے ہیں کہ جن کا بخشنا محض ناممکن ہے۔ اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر یہ ہماری رضامندی کے موافق نہ ہوا تو ہم طہران کو چھوڑ دیں گے۔ پھر وزیر اعظم یہ کہنے لگا کہ شاہ یہ دھمکی دیتا ہے کہ اگر سفیر یہاں سے غیر مطمئن چلا گیا تو جو کچھ معاملہ آکر واقع ہو گا اس کے جوابدہ تم ہو گے۔ لیکن اس وقت میں اور میرے بھائی نے جو شاہ کی طرف سے مختار مطلق مقرر ہوئے ہیں اس سے صاف کہہ دیا ہے کہ شاہ عالیجاہ اسے ہرگز گوارا اور قبول نہیں کرنے کے۔

میں۔ (گھگھیا کر اور عاجزانہ طریقے سے) کیا وہ رشوت لے کر راضی نہیں ہو سکتے۔

وزیر۔ ہاں کیوں نہیں اسے رشوت دے سکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ رشوت کہاں سے آئے دوسرے یہ کہ یہ لوگ نادان ہیں کہ یہ نہیں جانتے کہ رشوت کسے کہتے ہیں اور رشوت کے کیا معنی ہیں۔ اچھا سنو۔ ہم ایسے بیوقوف نہیں ہیں جس قدر کہ وہ لوگ ہیں۔ ایلچی تو بڑا متردد ہے اور فکر میں ہے کہ کس طرح سے اپنی بات طے کر کے لے جائے اور یہاں یہ خیال ہے کہ اگر ایک دفعہ یہ بات ہتھے پر چڑھ گئی تو اسے کبھی مکمل ہی نہ ہونے دوں۔ اب تم جاؤ اور اس سے گفتگو کرو۔ تم اس کے دوست بھی ہو۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ تم میرے ہو تم اس سے کانا پھوسی میں وہ باتیں کر سکتے ہو جو میں نہیں کر سکتا۔ اس پر بہت ہی تپاک سے میں نے اس کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کے آگے کر کے کہا کہ اپنے سر اور آنکھوں کی قسم میں اس کے پاس جاتا ہوں اور انشاء اللہ وہاں سے سفید چہرہ کیے بغیر واپس نہ آؤں گا۔

اس نے پھر مجھے رخصت کر دیا میں خوشی خوشی طرح طرح کی امیدوں سے بھرپور ایلچی کے مکان کی طرف چلا۔

میں یہ نہیں بیان کرنے کا کہ میں نے جا کر کیا کیا باتیں کیں اور کس طرح سے وزیر کے منشاء کے موافق ایلچی کو راضی کیا اور میں نے دو ہی لفظوں میں اس کا ایسا اطمینان کر دیا کہ ایک تھیلا اشرفیوں کا ایلچی نے مجھے دیا اور ساتھ ہی اس کے اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ انگلینڈ سے ایک ہیرے کی انگوٹھی بھیجی جائے گی جس سے اور بھی دو سلطنتوں ایران اور انگلینڈ کے وکلا میں اتحادی سلسلہ قائم ہو جائے گا۔

جب میں وزیر کے پاس آیا اور میں نے وہ تھیلا اشرفیوں کا اس کے آگے رکھ دیا تو وہ سخت متحیر ہوا کبھی میری طرف دیکھتا تھا اور کبھی تھیلے کی طرف دیکھتا تھا اور پھر اس نے میری پھرتی اور جوش کی بہت ہی تعریف کی اور کہا۔

حاجی اب تم میری ملک ہو ہم ایران میں ذی وقعت شخص ہیں اب تم زیادہ بے ٹوپی کے نہ رہو گے۔ عرض کرو جو تمھارا جی چاہے اور اس کو میں پورا کروں گا میں نے اس سے بہت اقرار با ایمان دیانت داری اور بے انتہا جوش کے کیے میں نے اس کا صلہ اس سے کچھ نہ مانگا ہاں صرف یہ عرض کی کہ اگر حضور نوازش کریں اور حکم دیں تو حاضر خدمت ہونے کا فخر حاصل کیا کروں۔ میری صورت ایسی عاجزانہ بنی ہوئی تھی اور میں ایسی بے غرضی سے باتیں

کرتا تھا کہ اگر اس نے تمام عمر کسی کا ایران میں تیقن کیا ہو گا تو وہ میں شخص تھا۔ اور میں جس قدر کہ اس پر فخر کروں تھوڑا ہے۔

لیکن وہ ان باتوں کی مجھ سے بھی زیادہ بہتر قیمت جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ تم اٹکل پچو باتیں نہ کرو۔ تمھاری طرح سے میں نے بھی بہت کچھ دنیا کا دیکھا ہے اور تمھاری طرح سے میں بھی دنیا میں بہت پھرا ہوں میں اس خدمت کی پوری پوری قدر جانتا ہوں جو تم سے ظاہر ہوئی جو راستہ کہ اس وقت تمھارے آگے ہے اس میں تم قدم بڑھاؤ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم انگریزوں میں کام کرو۔ ان کے پاس سونے کی بہت سی بہتات ہے اور انھیں ہماری ضرورت ہے اور کیا ضرورت بیان کی جائے۔ ایران کے آدمی بالکل پست حالت میں ہیں ہاں اس وقت ان کے دلچسپیاں یوں بڑھ سکتی ہیں کہ انھیں کچھ نفع حاصل ہو۔ انگریزوں کا خیال پبلک لائف کی طرف بہت ہی رجوع ہے اور ان میں عام کے فائدہ پہنچانے کا زیادہ خیال ہے۔ لیکن ہم لوگ اس سے محض جاہل ہیں۔ جو کام وہ کرتے ہیں اس میں ضرور ان کے ملک کا فائدہ مضمر ہوتا ہے اور وہ ہرگز ایک قدم بھی بغیر اپنے فائدہ ملک کے آگے نہیں بڑھاتے یہ یہ لفظ ہمارے لیے بے معنی ہیں۔ اگر میں مر گیا یا شاہ ندارد ہو گئے تو جو کچھ ہم نے ملک کی بہتری کے لیے کیا ہے وہ سب ویران ہو جائے گا اور جب شاہ کے بعد کوئی تخت پر بیٹھے گا اور وہ اپنا سکہ جمائے گا تو ضرور ہے کہ رعیت تباہ ہو گی اور پھر جو کچھ کہ ہماری ترقی کری کرائی ہو گی وہ سب خیر باد ہو جائے گی۔ معین حقوق اور آسائشیں شاہان فارس کا حصہ ہو گئی ہیں۔ خیر اللہ کے نام کے صدقے میں وہ ان کے وارث رہیں۔

شاہوں کے وزرا کو بھی کچھ حصے بخرے اس کے مل گئے ہیں تو پھر وہ ان سے انکار کیوں کرنے لگے اور ملک کے فائدے پر خیال کرو تو یہ بات ہی اور ہے یہاں تو کوئی شخص تمام سلطنت میں بھی ایسا نہیں ہے جو یہ بھی جانے کہ ملک کا فائدہ کسے کہتے ہیں جب یہ نہیں جانتے تو پھر کام کیا کریں گے۔

وزیر کی اس گفتگو سے میرا دماغ روشن ہوا اور جو اندھیاری چادر کہ میری عقل پر پڑی ہوئی تھی جس سے میری واقفیت پر اندھیرا ہو گیا تھا جاتا رہا تھا۔ میں نے نئی نئی چشمداشتیں ظاہر کیں اور بطرز احسن فائدے پر تقریر کی۔ ”تم انگریزوں میں کام کرو۔“ یہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔ اب میری قابلیتوں نے فوراً اپنی ایجادیہ راہیں کھولیں۔

بتیسواں باب

حاجی بابا کا ان معاملات کی سربراہی کرنا اور پھر دوبارہ وزیر اعظم سے ملنا

میں نے اس امر میں بہت ہی تکلیف اٹھائی کہ کس طرح سے تمام شہر میں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وزیر کا بہت بڑا رازدار ایجنٹ ہے اور ایلچیوں کے معاملے میں وہ مساعی رہتا ہے کہ بغیر اس کے کوئی چیز انجام نہیں پا سکتی۔

اس کاروائی کے یہ پھل بہت جلد عیاں ہو گئے تھے اور میری خدمات نے وہ کام کیا تھا کہ جس سے میری دوطرفہ ترقی اور نفع ٹپکتا تھا۔

ہمارے مہمان انگلش کی عادات میں ایک یہ بات بھی داخل تھی اور یہ ان کی حد سے زیادہ خواہش تھی کہ جس طرف ہمارا میل خاطر ہو اس کے برخلاف کریں۔ ہمارے لیے جو کچھ کہ وہ سوچتے تھے ہم سے خود اپنے لیے نہ خیال کیا جا سکتا تھا۔ اور جو کچھ کہ وہ ہم سے الفت و محبت ظاہر کرتے تھے ہم سوا اس کے اور انھیں کچھ جانتے ہی نہیں تھے کہ وہ انگریز ہیں۔ اور وہ مخلوق ہیں جو بہشت میں نہ جائیں گے۔ مگر مجھے ان باتوں سے کچھ علاقہ نہیں تھا۔ مجھے تو یہ دھن لگی رہتی تھی اور میں اس طرف اپنے خیالات کو بہت کچھ رجوع کرتا تھا کہ ان سے کام کیونکر کیا جائے مجھے میری اس محنت کا عوض بخوبی مل گیا اور اس کے صلے میں خوب روپیہ ہاتھ لگا۔

میرے ناظرین کو بخوبی یاد ہو گا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ میری ملاقات ایک یورپین ڈاکٹر سے ہو گئی تھی جو نووارد تھا اور مرض سیتلا کے ازالے کے لیے بہت ہی مفید دوا دیتا تھا۔ تو اب وہ بات جاتی رہی تھی اور نہ چیچک والے کا وہ علاج ہوتا تھا جیسے کہ ڈاکٹر نے بتایا تھا بلکہ وہی طریقہ برتا جانے لگا جیسے ہمارے باپ دادا چیچک والے کے ساتھ برتتے تھے۔ اور پھر جتنے بچے ہمیشہ مرتے تھے وہی مرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر اس نئے ایلچی کے ساتھ بھی آیا ہوا تھا اور یہ بھی علاج کرتا تھا بہ نسبت ان کے اپنے علاج کے فائدہ ہی ہوتا تھا۔

اس کا یہ دلی مدعا تھا کہ گائے کے دودھ کا طریقہ پھر از سر نو جاری کیا جائے اور جن ماؤں کو کہ اس نے ترغیب دے کر اپنی رائے پر فریفتہ کیا تھا وہ اس کے پاس بچے لے لے کر آتی تھیں مگر متعجبانہ صورت میں۔

میری تدابیر میں سے اول تدبیر اپنے شہرت دینے کی یہ تھی کہ میں نے غل مچایا کہ یہ بھی عجب نقشہ ہے کہ ایمان والی عورتیں انگریز کے مکان میں اپنے بچے لے کر جمع ہوں میں نے وزیراعظم سے بھی جا کر کہہ دیا کہ یہ ایک شرم کی بات ہے آپ یہ کیجیے کہ صرف ایک افسر پولیس دروازے پر بٹھا دیجیے کہ جو کوئی عورت آئے اس کو وہ منع کرے۔ اس ترکیب سے ڈاکٹر ٹروں ٹوں رہ گئے اور کچھ ان کا نسخہ بھی نہ چلا۔ بہت ہی مایوس ہوا۔

میں۔ آپ غمگین کیوں ہیں۔ تم کچھ اپنی محنت اور تکلیف کا صلہ نہیں لیتے لوگ تمھیں مجبور نہیں کرتے۔

ڈاکٹر۔ اوہو۔ تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ برکت تو دنیا میں پھیلنی زیبا ہے اگر تمھاری گورنمنٹ اسے یہاں بند کرے گی تو جس قدر خون ہوں گے اور ننھے بچوں کی تڑپ تڑپ کر جانیں نکلیں گی اس کا عذاب گورنمنٹ ایران پر ہو گا۔

میں۔ ہمیں اس سے کیا مطلب۔ وہ مر جائیں۔ غرض ان کے جینے سے ہمارا کیا فائدہ ہے۔

ڈاکٹر۔ اگر تم کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو جو کچھ تم مانگو میں ادا کرنے کو موجود ہوں کیونکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر یہ علاج بند ہو جائے گا تو میرے نشتر لگانے کا مادہ خشک ہو جائے گا اب یہاں ہم دونوں میں باہم عہد و پیمان ہوا۔ اور بہت ہی مشکل سے انجام پذیر ہوا کیونکہ اس وقت یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وزیراعظم کی ناخوشی کا بھی تو خطرہ ہے۔ خیر جب یہ طے ہو گیا اور متعین فوائد کی جن سے کہ میں خوش ہو سکوں مجھے امید دلائی گئی تو وہ پابندی ڈاکٹر کے مکان سے اٹھالی گئی بس پھر کیا تھا صدہا عورتیں ڈاکٹر کے مکان میں بھری چلی آئیں۔ اس کا دروازہ ہجوم سے پر ہو گیا تھا۔ اور اس کے مکان کی کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں عورتیں نہ بھری ہوئی ہوں۔

دوسرا اس کو جنون یہ اٹھا کہ مردے کی نعش کو چیروں۔ غرض اس پر بھی وہ کامیاب ہوا۔ جو کوئی مرا پہلے اس کے پاس لایا گیا جب اس نے چیر پھاڑ کر دیکھ لیا پھر وہ قبرستان گیا۔ مجھے اس پر بھی بہت تعجب ہوا اور میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ عجیب طرح کے آدمی ہیں انھیں ذرا بھی اس نامناسب ناپاکی سے نفرت نہیں آتی۔

میں۔ (ڈاکٹر سے) جب تم نے ایک مردہ مسلمان کو چیر اپھاڑا تو یہ بتاؤ اس سے مخلوق خدا کا کیا فائدہ ہو گا۔

ڈاکٹر۔ یہ بتانا تو بہت ہی مشکل ہے کہ اس سے کیا فائدہ ہو گا لیکن ہاں اگر نہ چیروں تو اپنا سیکھا سکھایا ہنر بھول جاؤں۔

پھر اس نے نعش پر بھی ایک بڑی کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی ساتھ ہی اس کے کہا کہ کچھ یہ مقرر نہیں ہے کہ مسلمان ہی نعش ہو بلکہ چاہے یہودی کی ہو چاہے عیسائی ہو چاہے جس کی ہو۔

یہ بات میں نے اپنے دماغ میں رکھی۔ گو بیشک مجھے انھیں لوگوں کے معاملات میں ایسے ایسے مواقع پڑ گئے تھے کہ میں بہت جلدی مالا مال ہو جاتا نہیں بلکہ میں نے رفتہ رفتہ دولت حاصل کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔

ایلچی کی خود خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سے ہماری سلطنت کی ترقی ہو۔ میں نے وہ تقریر جو مجھ میں اور وزیر اعظم میں ہوئی تھی اس سے بیان کر دی۔ اس نے یہ کہا کہ ہم متعین پیداواری محصول زمین تمھیں دے سکتے ہیں۔ جو اب تک ایشیا کے بہت سے حصوں میں نہیں جانتے۔ لیکن ہاں یورپ اس سے خوب بارآور ہوا ہے جو اپنے فوائد کا ضرور ایران کو بھی حصہ پہنچائے گا اس نے یہ درخواست کی کہ وزیر اعظم میری اس تجویز میں مدد کرے اور یہ عہد کیا کہ اس کے بعد ایک نمونہ اس ملحوظی بخشش کا بھیجا جائے گا۔

وزیر اعظم کی یہ عادت تھی کہ جہاں انھوں نے ہوا میں کچھ نذرانے اور تحفے قسم کی شے کو اڑتا ہوا دیکھا انھوں نے اپنی لمبی ناک اس طرف دراز کی۔ اس نے فوراً ہی اس عطیہ میں مجھ سے بحث کی کہ جس کا سفیر نے عہد کیا تھا اور کہا یہ کس قدر ہو سکتا ہے اس کے دل میں عطیہ کا نام سن کر بے صبری لحہ بلحہ ترقی کرتی جاتی تھی۔ میرے ذریعہ سے وزیر اعظم نے یہ انگریزی ایلچی سے کہوایا کہ آپ مجھے نہایت ہی عمدہ قسم کی بانات پیش کیجیے مجھے اس کی بہت ہی ضرورت ہے اور میں بہت چاہتا ہوں۔ کیونکہ وزیر نے اپنے دل میں خیال کر لیا تھا کہ یہ ایلچی کے لیے گویا ایک بہت ہی سہل معاملہ ہو گا اگر وہ چپکے سے مجھے بانات دے دے گا۔ اس بنا پر ایک دن علی الصباح اٹھ کر اس نے مجھے بلایا اور کہا۔

کہ خدا کی عنایت سے جو کچھ ہمیں ضرورت ہے وہ سب بکثرت یہاں موجود ہے۔ یہاں روٹی اور گوشت اور نمک اور چانول اناج اور میوے سب موجود ہیں۔ اور ان لوگوں نے کبھی خواب میں بھی اتنی چیزیں نہ دیکھی ہوں گی غرض ہمارے ہاں ہماری ضرورتوں سے زیادہ اتنی چیزیں ہیں جن کا ادراک ناممکن ہے۔ تو پھر ہم ایلچی کی ان چیزوں میں ممنون کیوں ہوں جن کی ہمیں ضرورت و حاجت نہیں ہے۔ ایک خوش خیال اس وقت میرے دل میں آیا جس سے مجھے یہ امید ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ کام بھی بن جائے گا اور اسے تکلیف بھی نہ ہو گی۔ عام کے

فائدے کے بجائے میں اس سے کچھ کپڑا لینا چاہتا ہوں یہ معاملہ ایسا آسان ہے کہ تم جو الحمد للہ بہت بڑے لائق اور قابل ہو اس کو پورا کر لاؤ گے جاؤ یہ ایلچی سے کہو اور بغیر توقف ایک لمحہ اس کے پاس سے جا کر کپڑا لے آؤ۔
میں ایلچی کے پاس گیا اور اسے وزیر کا یہ پیغام دیا یہ سنتے ہی سفیر اور ان کے ساتھی اس قدر ٹھٹھے مار کر بآواز بلند ہنسے اور وہ شور و غل مچا کہ توبہ۔

ایک انگریز بولا۔ کپڑے اور آلو میں کیا ربط ہے۔

دوسرا بولا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمھارے ملک والوں کو سستی اور آرام دہ ارزاں خوراک دیں۔

تیسرا بولا۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ تمھارا وزیر عطیہ کا سارا نفع قوم کی پٹیوں سے نکال کر اپنی کمر میں باندھنا چاہتا ہے۔

ایلچی جو کہ ان میں بہت بڑا عقلمند اور متین شخص معلوم ہوتا تھا اس نے نہایت ہی انسانیت سے حکم دیا کہ بانات لاؤ وہ مجھے فوراً دے دی گئی اس نے کہا یہ تم بہت ہی ادب سے میری طرف سے اپنے آقا کو جا کر دو تاکہ بنائے دوستی طرفین مضبوط ہو۔ اس نے یہ بھی یقین دلایا کہ میں ہرگز قوم کے فائدے سے پہلو تہی نہ کروں گا اور جہاں تک میرے امکان میں ہو گا انھیں مستفید کروں گا۔ اور انھیں تاہم آلو بغیر کھلائے نہیں رہ سکتا جو بہت ہی عزت اور توقیر کا نشان ہے۔

میں یہ کام بنا کر اپنے آقا وزیر اعظم کے پاس آیا جو صورت دیکھتے ہی کھل گیا اب میری لیاقت اور قابلیت کا اس کے دل میں وہ سکہ جما کہ مجھ پر وہ دلی فریفتہ ہو گیا اور اس قدر عنایات و نوازشات اس نے میرے حال پر مبذول فرمائیں کہ میں نے اپنے سارے رقیبوں کو مات دی اور اب میں اس کا پیارا اور بہت بڑا رازدار بن گیا۔

تینتیسواں باب

بد قسمتی کا حاجی بابا سے رخصت ہونا، حاجی بابا کا ایک امیر کبیر بن کر اپنے اس وطن اصفہان میں جانا جہاں سے برے حالوں میں نکلا تھا

انگریزوں سے اس وقت جو کچھ معاملات ہو رہے تھے وہ سب ختم تھے۔ اور یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ دو ممالک میں بنائے دوستی پوری پوری مضبوط ہو۔ ایک سفیر بھی شاہ ایران کی طرف سے شاہ انگلینڈ کو بھیجا جائے۔
پے درپے تجارب کے بعد وزیراعظم کا خیال میری طرف رجوع ہوا کہ یہی شخص سفارت میں بھیجنے کے قابل ہے۔ جب انگلش اور ایرانی عہد نامہ پر دستخط ہو گئے تو دوسرے دن وزیراعظم نے مجھے بلوایا اور اپنے نج کے کمرے میں لے جا کر مفصلہء ذیل فقرے کہے۔
لو اب تم میری طرف گوش کرو۔ چند خاص خاص باتیں ظاہر کرنے کی ہیں چونکہ میں تمھیں اپنا بہت ہی بڑا دوست سمجھتا ہوں اور ماسوا تمھارے میرا کوئی بھی رازدار نہیں ہے اس لیے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو خوب دل لگا کر سنو میں نے وہی مودبانہ معروض شروع کی کہ میں تو ہمہ تن وقف ہوں خادم ہوں غلام ہوں لیکن اس نے مجھے اس کہنے سے باز رکھا اور یہ کہنے لگا۔
اچھا یا برا انگریزی ایلچی کے ساتھ ہمارا کام تو ہو گیا شاہ کی خواہش ہے کہ اپنا ایک ایلچی انگلینڈ بھی بھیجے۔ اب ایرانیوں کو تم بخوبی میری طرح سے جانتے ہو کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت سے کتنے متنفر ہیں اور کس قدر بھاگتے ہیں اب مجھے ایک بہت بڑی مشکل لاحق ہوئی ہے کہ ایک ایسا شخص چاہتا ہوں کہ جو اس خدمت پر اپنے کو قربان کر دے۔ میری نگاہ میں صرف ایک شخص ہے جس کو میں سب پر ترجیح دے کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور یہ میں نے سنا ہے کہ وہ ایران سے اب چلا جائے گا اور خصوصاً مرکز عالمیان کی خدمت سے تو میں چاہتا ہوں کہ اس عہدے پر مقرر کرنے کے لیے تم اپنی بیش بہا کوششوں سے کام لو اور لائق شخص کو اس پر متعین کرا دو۔

یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے اس کا مطلب مجھ سے ہی ہے لیکن یہ مجھے نہ معلوم ہوا کہ شاہ کی خدمت سے مجھے علیٰحدہ کرنا کیوں چاہتا ہے میں اس عزت افزائی سے ایسا خوش ہوا جس کا کوئی ٹھکانا نہیں بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور یہ کہا۔ آپ کا کمترین غلامان ہمیشہ آپ کے کل خدام میں ایماندار اور جان نثار ثابت ہوا ہے جب تک کہ حضرت عزرائیلؑ سے مصافہ نہیں ہوتا آپ مجھے ہمیشہ مستعد اور حاضر پائیں گے۔ جو کچھ ارشاد ہو فرمایئے۔

وزیر۔ بہت ہی اطمینان سے۔ تم نے بہت ہی خوب کہا اچھا تو لو سنو۔ وہ آدمی جو میں نے چھانٹا ہے مرزا فیروز ہے یہ سن کر میرا خیال وہ باطل نکلا اور میں نے اس کے جواب میں بلے کہا اصل یہ ہے کہ میں نے پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ شاہ کے دل میں اس کی جگہ بہت ہے۔ گفتگو کی اس میں اتنی بڑی قابلیت تھی اور وہ فصاحت و بلاغت سے تقریر کرتا تھا اور شاہ کی مدح سرائی میں وہ وہ کچھ کہہ جاتا تھا کہ شاہ دربار بھر میں اس قدر کسی سے خوش ہی نہیں تھے۔ یہ کسے معلوم ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ باطناً تو میرا جانی دشمن ہے مگر ظاہراً وہ میرا اپنے کو مفتون اور قربان شدہ خادم سمجھتا ہے گو میں آج تک کسی کے فن فریب سے ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوا تھا لیکن یہ نمونہ جو میری آنکھوں کے آگے تھا اس نے مجھے ہرگز بے خوف نہ ہونے دیا۔

شاہ کا وکیل بنا کر اسے کفار کے ہاں بھیجنا جس سے میری تمام بے آرامیاں اور خلش جاتی رہے گی میں نے فوراً منظور کر لیا۔ ایک دفعہ وہ چلا جائے پس پھر تو میں کچھ ایسا انتظام کروں گا کہ جب وہ ناکام سفارت سے واپس آئے گا اور خدا کی عنایت سے ضرور ہی آئے گا تو پھر ہرگز شاہ کی بارگاہ میں کچھ باریابی نہ ہو گی۔

جو کچھ اس نے کہا میں نے بلا تامل اسے پسند کر لیا اور میں یہ خیال کرنے لگا کہ میں کیونکہ اس پارہء بھروسہ کو اپنے فائدہ کی طرف پھیروں۔ جب پھر وزیر نے مجھ سے یہ کہا اپنی تدبیر کے ایک حصے کا میں تمھیں بھی شریک بناتا ہوں اور وہ یہ کہ تم مرزا فیروز کے چیف سیکرٹری ہو کر چلے جاؤ تم جو میرے راز دار اور دوست ہو جو کچھ میری خواہشیں ہیں تم بخوبی جانتے ہو اور یوروپینوں کا تم کو بہت بڑا علم ہے۔ تو تم ہی اس قابل ہو کہ اس عہدے پر ممتاز کیے جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم میری اس تجویز کو قبول کر کے ان خدمات کی انجام دہی میں سعی بلیغ کرو گے۔ میں یہ درخواست سن کر پہلے تو بہت خوش ہوا لیکن جب میں نے یہ سوچا کہ مرزا کا ماتحت بننا پڑے گا تو کچھ خیالات نے رنگ بدلا اور ان میں تغیر و تبدل آ کر واقع ہوا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس جگہ کو قبول نہیں کرتے ہو تو بڑے

عہدے سے رہ جاؤ گے جس کے لیے یوں یوں جان ہلاک ہوئی ہے میں قومی تنفر کا بہت ہی مضبوطی سے حصہ دار تھا۔ اول تو اپنا ملک چھوڑنا یہ بہت بڑا قہر معلوم ہوا اور پھر اس سے اور بھی ڈر لگا کہ سمندر کا سفر کرنا پڑے گا۔

"خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔"

اور میں نے یہ بھی خیال کیا کہ جس ملک کو کہ تو بھیجا جاتا ہے اس سے محض نابلد ہے۔ وہ ملک جو مدامی گھٹاٹوپ اندھیرے میں آباد ہے اور وہ آفتاب ممالک سے یعنی ان ممالک سے جہاں آفتاب تاباں رہتا ہے بہت ہی پرے ہے۔ میں نے وزیر کی درخواست سے اپنا دل پھیر لیا اور اس طرح سے ڈرا کہ جیسے کوئی خلیج فنا سے خوف کھاتا ہے۔

میں نے اس کا جو کچھ وزیر کو جواب دیا وہ نہایت ہی بجھا ہوا تھا جو علی الدوام ایرانیوں کے ہونٹوں پر ہوتا ہے تو میں نے بھی یونہی اپنا مطلب ادا کیا۔

اپنی آنکھوں کی قسم میں آپ کا نوکر ہوں۔ اس وقت میرا کان آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو کچھ آپ کا حکم ہو میرا فرض ہے کہ میں اس کو بجالاؤں۔ یہ کہہ کر میں صورت بت بن گیا۔

وزیر نے جو بات میرے دل میں تھی تاڑ لی۔ اور کہا۔ اگر تم میری درخواست کو ناپسند کرتے ہو تو تم اپنی طبیعت کے مالک ہو دوسری بات اور بھی بہت ہی آسان ہے تمھارے قبول کرنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ مجھے تمھارے فائدے کا اپنے فائدے کی طرح خیال ہے۔ اچھا اول تو تم اصفہان شاہ کے ڈپٹی ہو کر چلے جاؤ اور وہاں سے وہ وہ چیزیں فراہم کر کے لاؤ کہ جو بطور تحفہ کے شاہ ایران کی طرف سے شاہ انگلینڈ کو بھیجی جائیں۔ بس پھر کیا ہے تمھیں اپنے کو دولتمند کرنے کا خاصہ موقع مل جائے گا۔

میں نے وزیر کو کچھ اور کہنے ہی نہ دیا۔ یکایک میرے دماغ میں اپنے وطن مالوفہ کا خیال آیا میں اس قدر وہاں جانے پر خوش ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے بڑی سرگرمی سے یہ کہا۔

حضور کی جان۔ حضور کے نمک اور شاہ کی داڑھی کی قسم میں وہاں جانے کو تیار ہوں۔ اب کسی لفظ کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں آپ حکم کریں گے میں وہیں جاؤں گا۔ چاہے فرانسیسیوں کے دھوکا دینے کے لیے حضور تحت السرا میں بھیج دیں۔

وزیر۔ بس تو خیر ہے۔ اچھا پہلے تو تم مرزا فیروز کے پاس چلے جاؤ اور اس کی جا کر ذرا تعریف کرو کہ ایران میں تم ہی ایک شخص ہو اور کوئی تمھارا ثانی نہیں ہے شاہ نے اس اعلیٰ سفارت پر تمھیں بھیجنا پسند فرمایا ہے اور اسے باور کراؤ کہ تمھیں نفع کثیر حاصل ہو گا۔ عزت۔ دولت۔ شاہ کی توجہ اور میری حفاظت سب اس میں منسلک ہیں اور جب وہ وہاں سے واپس پھرے گا تو خدا جانتا ہے کہ کس قدر اعلیٰ عہدے پر اس کی ترقی ہو گی اور یہ بھی اس سے کہنا کہ فلاں فلاں تمھارے رقیبوں نے جن کا تم نام بتا سکو اس جگہ کے لیے بہت ہی کوشش کی تھی لیکن چونکہ تم سب میں لائق ہو اس لیے یہ عہدہ تم ہی کو ملا۔ جاؤ خدا حافظ۔

میں اس کے پاس سے اٹھا لیکن اس امر کی تمیز کرنی بہت ہی مشکل تھی کہ آیا میں زمین پر چل رہا ہوں یا آسمان پر پرواز کر رہا ہوں۔ اپنے دل میں کہا۔ کیا اب میں دنیا کی تمام خوشیاں حاصل کروں گا۔ کیا میرے گذشتہ نشانات اب ختم ہو جائیں گے۔ کیا میں پھر اپنے شہر میں پوشاک خلعت پہنے ہوئے ہتھیار حکومت ہاتھ میں لیے ہوئے۔ اور ایک شاندار گھوڑے پر سوار داخل ہوں گا۔ جو لوگ کہ پہلے حاجی بابا کو صرف ایک حجام کا چھوکرا کہتے تھے اب انھیں شاہ کا ڈپٹی سمجھ کر تعظیم کرنی ہو گی۔ وہ سر جو ایک دفعہ میرے استرے کے آگے جھکاتے تھے اب انھیں میرے آگے تعظیم کرنے دو کیونکہ میں وہ شخص ہوں جو دم بھر میں ان کے کان کاٹ سکتا ہوں۔ اے لوگو تم نے جو میری وراثت سے مجھے محروم رکھا تھا اب تم کانپو کیونکہ مجھ میں وہ قدرت ہے کہ تمھارا سارا کھایا پیا اگلوا لوں۔ مجھے اس امر سے واقفیت ہے کہ جب میں شاہراہوں میں اپنے عہدے اور مرتبے کے گھمنڈ میں اکڑ کر چلا تھا تو لوگوں کو سخت تعجب ہوا تھا اور وہ میری طرف نظر حیرت سے دیکھتے تھے اور سوا اس کے میں خیال ہی کیا کر سکتا تھا کہ جب میں اصفہان میں ایک زرق برق گھوڑے پر سوار سونے کی زنجیر گلے میں ڈالے تمام گہنا پاتا پہنے ہوئے اردلی میں سوار و پیادے کے پہنچوں گا تو گورنر اصفہان کس قدر میری عزت کرے گا اور اپنی آنکھیں میرے قدموں کے نیچے بچھائے گا۔

مگر یہاں سے تو میں مرزا فیروز کے پاس گیا جو سفارت کے معاملے میں گفتگو کرنے کے لیے تیار تھا۔ یہ معلوم ہوا تھا کہ وزیر اعظم نے مرزا کے لیے جو جو تجاویز کی تھیں وہی ایلچی نے بھی مرزا کے لیے پہلے ہی سے سوچ رکھی تھیں۔ گو قریب قریب میں نے اپنے کو وزیر کی خدمات میں کھپا دیا تھا لیکن تاہم میں اس کا دلی دوست تھا اور وہ بھی مجھے اپنا لائق دلی محب سمجھتا تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ میں بھی اس کی ہمراہی میں جاؤں گا تو وہ بہت ہی خوش ہوا

تھا ہم نے گذشتہ اور آئندہ تدابیر پر گفتگو کرنی شروع کی اور خوب خوب ٹھٹھے اڑائے جب ہم باہم خوب قہقہے اڑا رہے تھے تو اس نے مجھ سے کہا کہ کیا میں پھر کوشش کروں کہ تمھاری شکر لب تمھیں مل جائے اپنی زندگی کا وہ واقعہ جو میں مطلق بھول گیا تھا پھر یکایک میرے خیال میں آیا۔

دوسرے دن شاہ نے عام دربار میں اعلان یہ کر دیا کہ میں اپنا وکیل بنا کر مرزا فیروز کو انگلینڈ بھیجوں گا۔ وزیر نے مجھے فوراً حکم دیا کہ تم اصفہان چلے جاؤ اور جلد تحفے تحائف لے کر سفیر کے جانے سے پہلے واپس پھرو۔

میں ان بے شمار تیاریوں کا ذکر کر کے اپنے ناظرین با تمکین کو تکلیف نہ دوں گا جو میرے اصفہان جانے پر ظہور پذیر ہوئی تھیں کیونکہ ناظرین سنتے سنتے تھک جائیں گے اور مجھے اپنی نمائش اور خود فروشی سے خجل ہونا پڑے گا صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ میں نے اصفہان میں اس طمطراق سے سفر کیا جو ایک اعلیٰ اور زبردست شخص کو زیبا ہے اور میں اصفہان میں اس فخر کنان طریقے سے داخل ہوا کہ اس کا اندازہ صرف ایک ایرانی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے کو اس بلندی پر پایا جو انسان کی سعادت اور مبارکی کے لیے مکمل ہے۔ معلوم ہو گیا تھا کہ بد قسمتیاں مجھ سے رخصت ہو گئی تھیں اور ہر شے زبان حال سے مجھے یہ بتلاتی تھی کہ زندگی کی کتاب میں ایک نیا باب کھلنے کو ہے۔ حاجی بابا پسر حجام اپنے وطن مالوفہ میں مرزا حاجی بابا شاہ کا ڈپٹی بن کر داخل ہوا۔ کیا اور بھی کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ فقط

حاجی بابا پھر بڑی عزت اور حرمت سے اصفہان میں واپس پھرا۔ پھر سفیر ایران بن کر یورپ گیا اس کے بعد قسطنطنیہ میں شاہ کا معتمد مقرر ہو گیا تھا۔ اور پھر اپنی تمام زندگی حکومت اور عیش میں صرف کی۔

تمام شد

قصہ حاجی بابا اصفہانی

ترجمہ کتاب

ایڈونچرز آف حاجی بابا اصفہانی از جیمس موریر

اس قصہ میں ایرانیوں کی معاشرت،علم،ادب، سیاحت،جغرافیہ،طرز حکومت، ملازمت اور طبابت غرض تمام جہاں کی باتیں موجود ہیں اور پھر قصہ کا قصہ جو دوربین جوانوں کے لیے پیر ناصح پیروں کے لیے جوان خوش تدبیر بچوں کا دل بہلانے والا اور ادھیڑوں کی جان ہے

Composed & PDF By
Anees ul Hassan Shah